قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عباد الرحمن

جلد اول

مفتی عبد الرحمن ملاخیل صاحب دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دار الافتاء والتحقیق
ابوبکر صدیق مسجد [illegible]

قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عباد الرحمٰن

جلد اول

مفتی عبد الرحمٰن مُلاّخیل صاحب دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء والتحقیق خطیب ابوبکر صدیق مسجد ڈیفنس

دار الافتاء والتحقیق
ابوبکر صدیق مسجد۔ فیز ۲ ڈی ایچ اے، کراچی

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملا خیل صاحب رئیس دارالافتاء والتحقیق ابوبکر صدیق مسجد فیز ۲ ڈی ایچ اے
مطبع: ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32630051

مسائل معلوم کرنے کے لئے مفتی صاحب سے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کر سکتے ہیں براہ کرم نماز اور آرام کے اوقات کا خیال رکھیں۔

برائے رابطہ فون نمبر: 02135804388

موبائل: 03132775126 0333-2251145

☆ ملنے کے پتے ☆

ناشر: مفتی عبدالرحمٰن ملا خیل (مندرجہ بالا تینوں نمبرز)

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی فون نمبر: 32638114

دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون نمبر: 32631861

اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قرآن محل اردو بازار ڈیرہ اسماعیل خان

مولوی سیف الرحمٰن عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان فون نمبر: 03139341266

مکتبہ جاویدیہ میانوالی شہر

مکتبہ رشیدیہ ۲ شیش محل روڈ لاہور فون نمبر: 04237364516

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ فون نمبر: 0812662263

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
152	﴿صلوۃ التسبیح باجماعت پڑھنا بدعت ہے﴾	88
153	﴿مروجہ قرآن خوانی کا حکم﴾	89
156	﴿قرآن خوانی عبادت ہے لیکن رائج رسم بدعت ہے﴾	90
157	﴿میت پر کسی خاص سورت کے پڑھنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے﴾	91
158	﴿میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنا﴾	92
159	﴿عورتوں کیلئے قبرستان جانے کا حکم نیز زیارت قبور کا مسنون طریقہ﴾	93
160	﴿بارش کے لئے اجتماعی خیرات کا حکم﴾	94
161	﴿نماز کے بعد مصافحہ کا حکم﴾	95
162	﴿میت کو قبر میں دفنانے کے بعد اذان دینا بدعت ہے﴾	96
163	﴿جماعت کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا خلاف سنت ہے﴾	97
163	﴿اہل میت کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا﴾	98
165	﴿میت کے گھر دعوت طعام کا حکم﴾	99
167	﴿تیجہ، دسواں، چالیسواں سنت سے ثابت نہیں ہے﴾	100
168	﴿جنازہ کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنے کا حکم﴾	101
169	﴿مسجد کا مینار بدعت نہیں﴾	102
170	﴿برسی منانا بدعت ہے﴾	103
171	﴿زکوۃ، صدقات وخیرات کیلئے ایام مخصوص کرنا﴾	104
173	﴿ایجاب وقبول تین دفعہ کرنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے﴾	105

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
344	﴿عورت حالت حیض ونفاس میں اذان کا جوب دے سکتی ہے﴾	457
345	﴿ماہواری میں تفاسیر کو بلا حائل چھونے اور ترجمہ کا حکم﴾	458
346	﴿مدت نفاس میں خون کے وقفے کا اعتبار نہیں﴾	459
347	﴿حیض کا حکم ''جب عادت سے کم خون آئے''﴾	460
348	﴿طہر متخلل اور اس دوران نماز پڑھنے کا حکم﴾	460
349	﴿عادت سے زائد حیض آنے کا حکم﴾	462
350	﴿حیض کی ایک خاص صورت کا بیان﴾	463
351	﴿معلمہ کیلئے حالت حیض میں قرآن پڑھانے کا حکم﴾	464
352	﴿حیض کو دوائی کے ذریعے بند کرنا﴾	465
353	﴿حائضہ عورت کے ہاتھ سے پکے ہوئے کھانے کا حکم﴾	466
354	﴿آپریشن کے ذریعے پیدائش کے بعد نفاس کا حکم﴾	466
355	﴿طہر متخلل کا حکم﴾	467
356	﴿استحاضہ کا مسئلہ﴾	467
357	﴿حیض ختم ہونے کے کتنی دیر بعد ہمبستری جائز ہے﴾	468
358	﴿اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کا حکم﴾	469
359	﴿خاص ایام میں قرآن پاک اور کتب فقہ کو پڑھنے اور چھونے کا حکم﴾	470
360	﴿چالیس دن سے پہلے بھی نفاس والی پاک ہوسکتی ہے﴾	472
361	﴿حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے﴾	473

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اظہار تشکر وکلمات دعائیہ﴾

حمد وثناء اس رب کریم کیلئے جس نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے انبیاء علیہ السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور اولاد آدم علیہ السلام کی زندگی کو نور وعمل صالح سے آراستہ فرمایا اور صلوۃ وسلام نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر جنہوں نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں احکام ربانی کی تعلیم دے کر رسالت کا حق ادا فرمایا اور لامحدود رحمتیں فقہائے امت پر جنہوں نے کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کر کے امت کے لئے راہ عمل کو آسان فرمایا۔

سب سے پہلے تو اپنے رب کریم کے حضور سربسجود ہوں کہ اسی کی توفیق سے ہر امر کی ابتداء وانتہاء ہے، حقیقت یہ ہے کہ اپنے مولائے رحیم کے شکر کیلئے الفاظ نہیں پاتا جس نے محض اپنے فضل سے تیسری بار طباعت کیلئے یہ مجموعہ فتاوی مرتب کرنے کی سعادت بخشی، یہ والدین کی دعاؤں اور اساتذہ کی پر خلوص شفقتوں کا ثمرہ ہے کہ آج یہ دینی وعلمی خدمت پیش کرسکا

فتاوی عبادالرحمٰن پہلی مرتبہ رجب الخیر ۱۴۲۸ھ کو ایک جلد میں شائع ہوا، حضرت اقدس مولانا عزیز الرحمٰن صاحب زید مجدہم کی یہ تقریظ بھی پہلی جلد کی طباعت کے وقت لکھی گئی تھی۔ بحمد للہ گذشتہ ۷ سال کے دوران بھی یہ سلسلہ جاری رہا، ہر سال کے فتاوی متعلقہ ابواب میں شامل کئے جانے کا اہتمام ہے جس کی وجہ سے جلدوں کی ترتیب میں بھی تبدیلی ہوجاتی ہے لیکن متعلقہ ابواب مسائل زیادہ جامعیت کے ساتھ جمع ہوجاتے ہیں۔ دوسری مرتبہ ۱۴۳۲ھ کو پانچ جلدوں میں فتاوی عبادالرحمٰن کی طباعت ہوئی اور اب سات جلدوں میں تیسری مرتبہ مزید اضافوں کے ساتھ الحمد للہ شائع ہورہا ہے، مولوئے کریم اس سلسلہ کو اپنی رضا کے مطابق جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس مجموعے کو لکھنے پڑھنے والوں کیلئے نافع بنائے، آمین۔

فتاوی کا کام جن نزاکتوں کا حامل ہے اہل علم وارباب فتاوی اس سے بخوبی واقف ہیں پھر ان فتاوی کو جمع کر کے کتابی شکل دینا، ان کی تبویب وتخریج اور ان پر نظر ثانی کرنا جتنا کٹھن اور محنت طلب امر ہے اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو اس خارزار سے کبھی گذرا ہو۔

زیر نظر کتاب مختلف مراحل سے گذر کر آپ کے ہاتھوں میں آئی ہے، حدیث "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" کے پیش نظر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے ، جنہوں نے اس مجموعہ کی تیاری میں کسی بھی قسم کی معاونت فرمائی۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء

کمپوزنگ اور ترتیب کا سارا کام دارالافتاء والتحقیق میں زیر تربیت علماء وفضلاء ہی انجام دے رہے ہیں اور ہر شریک کو یہ سعادت حاصل ہے، اللہ تعالی ان سب کے علم وعمل میں برکت عطاء فرمائے اور دین کی خدمت اور دعوت کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

البتہ تیسری بار اشاعت کیلئے ترتیب دینے میں تعاون کرنے والے مندرجہ ذیل فضلاء خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں: مولوی محمد اویس کراچوی، مولوی منتظم اکبر عبدل خیلوی، اور مولوی عزیز احمد خضداری ان فضلاء نے انتہائی لگن سے اس مجموعے کی تیاری میں اضافی خدمات سرانجام دیں، اللہ تعالی ان کے علم وعمل میں برکت عنایت فرمائے۔

کمپوٹر کے حوالے سے جناب سید زاہد حسین صاحب سبزواری اور جناب عبدالرشید صاحب کی خدمات کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا، اللہ تعالی ان کو ہر طرح کی دینی ودنیاوی مسرتوں سے مالامال فرمائے اور ہر طرح کے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔

بندہ: عبدالرحمن ملاخیل عفا اللہ عنہ

دارالافتاء والتحقیق ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز ۲ ڈی ایچ اے کراچی

۲۵ شعبان ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۴ جون ۲۰۱۴ء

تقریظ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب زید مجدھم

استاد الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

زیر نظر کتاب جو دار الافتاء والتحقیق کے صادر کردہ شرعی فتاوی کا مجموعہ ہے اور ایک سال کے دوران اس مرکز میں زیر تربیت درس نظامی کے فضلاء نے تخصص فی الافتاء میں تدریب کے طور پر تحریر کئے ہیں، یہ مجموعہ اس مرکز کی طرف سے شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے۔

دو سال پہلے مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب زید مجدھم نے طلبہ تخصص کے لئے یہ مرکز قائم کیا تھا، موصوف خود جامعہ دار العلوم کراچی کے متخصص ہے اور یہاں کے مشائخ کی زیر نگرانی فتاوی نویسی کی تربیت حاصل کر چکے ہے، جامعہ دار العلوم کراچی سے تکمیل تخصص کے بعد تقریباً پندرہ سال تک بطور مفتی مختلف مدارس میں شرعی فتاوی جاری کرنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔

مولانا موصوف کو خیال آیا کہ دس پندرہ طلبہ کی جماعت کو فتوی نویسی کی تربیت دی جائے اور اس غرض کے لئے تخصص فی الافتاء کا شعبہ قائم کیا جائے، چنانچہ اس لگن اور علمی ذوق کی بناء پر انہوں نے ناسازگار حالات کے باوجود کام شروع کر دیا اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے اس کے نہایت مفید ثمرات ظاہر ہوئے، شاید یہ اس مبارک کام کا ثمرہ ہے کہ فوراً ہی ایک سال کے صادر شدہ فتاوی کی اشاعت کا بھی انتظام ہو گیا جبکہ دوسرے سال کے رجسٹرڈ فتاوی بھی کمپوزنگ کے مرحلے میں ہیں، طباعت سے جہاں یہ فتاوی محفوظ ہو گئے وہاں عمومی طور ان سے استفادہ ہو سکے گا اور ان متخصصین کی بھی بڑی حوصلہ افزائی ہوگی جن کے علمی خامہ فرسائی سے یہ مرحلہ سر ہوا، مولائے کریم اس سعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور مفتی صاحب زید مجدھم کی زیر سرپرستی قائم اس ادارے کو زیادہ سے زیادہ نافعیت سے سرفراز فرمائے آمین۔

یہ بات بھی نہایت خوش آئند ہے کہ مفتی صاحب آئندہ سالوں میں بھی اس سلسلے کو اپنی نہج پر جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں اور اگر حالات سازگار رہے تو انشاء اللہ ہر سال فضلاء تخصص کے لکھے ہوئے فتاوی پر مشتمل ایک یا دو جلدیں شائع ہوتی رہیں گی۔

البتہ ہر دفعہ کی طباعت میں متعلقہ ابواب سے متعلق اضافی تحریر شدہ فتاوی کو شامل کرنا بھی ضروری

ہوگا تاکہ فقہی ترتیب کا تسلسل قائم رہے، اس طرح رفتہ رفتہ فتاوی ایک بڑا ذخیرہ مطبوعہ شکل میں سامنے آجائے گا جو اپنی نوعیت کا منفرد کام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس سلسلے کو فقہی بصیرت اور تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز.

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

﴿دارالافتاء والتحقیق کی علمی وفقہی کاوش﴾

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

افتاء کا کام نہایت عظیم الشان اور باعث اجر وثواب ہونے کیساتھ ساتھ انتہائی نازک بھی ہے، مسند دارمی میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

أجرأكم على الفتيا أجرأكم على النار (دارمی حدیث ۱۵۹)

تم میں سے فتویٰ دینے میں زیادہ دلیر جہنم کی آگ پر بھی زیادہ دلیر ہے۔

اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: (۱۵۹/۲، کتاب العلم، طبع رحمانیہ)

من أفتى بغير علم كان اثمه على من أفتاه.

جو علم کے بغیر فتویٰ دے تو اس کا گناہ اسی پر ہے۔

دونوں احادیث سے اس کام کا نازک ہونا واضح ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ائمہ مجتہدین اور دیگر سلف صالحین کے افتاء سے متعلق اقوال اور اس میں احتیاط برتنے کے واقعات کا جب استحضار ہوتا ہے تو اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے بڑا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔

جب کہ اس کام کے دوسرے پہلو یعنی عظمت واہمیت کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے، اس کو فرض کفایہ کا درجہ دیا اور قرآن کریم میں افتاء کو خود اپنی طرف منسوب فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے: "قل الله يفتيكم فيهن اور قل الله يفتيكم في الكلالة" لہٰذا یہ کام سنت الٰہی ہے جب کہ یہ کام خاتم النبیین ﷺ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کا بھی فرض منصبی رہا اس کام کے پرخطر اور نازک ہونے کے باوجود علماء کرام اس کام کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ اسی میں علم دین کی بقاء ہے اور دنیا وآخرت میں نجات کا بڑا ذریعہ ہے۔

الغرض افتاء کا کام انتہائی مفید ہے اور کوئی بھی مفید مشغلہ ہو تو اس میں خطرہ بھی تقریباً اسی نسبت سے ہوتا ہے بندہ کی نظر میں بھی اس کام کی بڑی اہمیت ہے، فراغت کے بعد اسکا بڑا شوق

وجذبہ رہااور الحمدللہ اب بھی ہے۔

۱۴۱۱ھ جامعہ دارالعلوم کراچی میں (اللہ تعالی ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ فرمائے) حضرت اقدس استاذ العلماء والمشائخ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نفعنا اللہ والمسلمین بعلومہ وادام علینا ظلہ درجہ تخصص فی الفقہ میں اپنی تربیت کے سایہ تلے جگہ عنایت فرمائی (جزاہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ) اور بڑی سعادت کی بات یہ کہ جو مضامین تخصص میں پڑھائے جاتے ہیں سرا جی کے علاوہ باقی سب خود پڑھائے اور تینوں سال جتنے فتاویٰ لکھے آپ ہی اصلاح فرماتے اور تصویب فرماتے، دوران تربیت جہاں اس کام کی اہمیت واضح فرماتے اس میں غفلت اور لاپرواہی یا اپنے سلف اکابر اساتذہ کی نہج سے ہٹنے کو دنیا وآخرت میں بربادی، خسران کا باعث بھی بیان فرماتے، بار بار اس پر اتنا زور دیتے رہے کہ ڈر اور خوف کا پہلو شوق پر غالب ہو گیا۔

البتہ ایک صورت میں اس کام میں لگنے پر اطمینان فرماتے وہ یہ کہ طویل عرصہ تک ماہر اساتذہ کی صحبت میں رہ کر اور ان کی صحبت سے پوری طرح فائدہ اٹھا کر کیا جائے تو اس سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں ہے، اور اس ممارست کے بعد بھی ایک بات یادرکھنے کی تاکید فرماتے تھے کہ جب بھی کوئی نادر یا مشکل مسئلہ پیش آئے عربی کتب فتاوی کی طرف مراجعت کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے، لکھنے سے پہلے اکابر علماء کے اردو فتاویٰ میں بھی وہی مسئلہ یا اس کی نظیر تلاش کریں اور اپنی سمجھ کو اکابر کی سمجھ پر پرکھیں اگر کہیں تضاد ہو تو اپنی سمجھ پر کبھی بھروسہ نہ کریں اکابر کی رائے کو ترجیح دیں یا کم از کم توقف اختیار کریں۔

اس لئے تخصص فی الفقہ سے فراغت کے بعد تدریس پر اکتفاء کرنے کا ارادہ ہوا اور اسی میں سلامتی سمجھی، تدریس کیلئے کوشش کرتا رہا کہ ایک روز اپنے شیخ ومربی ناظم تعلیمات وشیخ الحدیث پیر طریقت ومرد کامل مولانا مفتی سحبان محمودؒ نے اشرف العلوم کورنگی نمبر ساڑھے تین میں اصلاحی درس سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: عبدالرحمن آج کل کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا حضرت ربانی مسجد کورنگی نمبر ۱ میں امامت وخطابت کی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

فرمایا: ادھر یعنی اشرف العلوم میں کام کرو اور پھر باقاعدہ دارالافتاء والتصنیف کا ذمہ دار

ٹھہرایا، دوران تخصص بھی تقریباً ہر مسئلہ میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتا رہا اور لکھنے کے بعد اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا، کاموں کا آپ پر ہجوم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑے حلم سے نوازا تھا ہر وقت چہرہ مبارک پر شگفتگی اور خوشی کے آثار نظر آتے نظامت کی ذمہ داریوں سمیت کافی فتاویٰ ایک گھنٹہ میں سن لیتے تھے، اصلاح فرماتے اور تصویب بھی فرماتے تھے، ایک طرف اصلاح فتاویٰ کیلئے طلباء کی لائن ہوتی تھی، دوسرے طرف دار العلوم کے مسائل یعنی نظامت سے متعلق مسائل والوں کی لائن ہوتی تھی میں نے آپ کے وقت میں برکت کا مشاہدہ کیا، اپنے شیخ کے حکم سے اشرف العلوم میں افتاء اور تصنیف کا کام شروع کیا اب زیادہ ڈر اور خوف بھی نہیں تھا، اس لئے کہ شیخ سے رہنمائی حاصل کرنے میں آسانی تھی ہر مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا آپ ہی تصویب فرماتے، کچھ عرصہ کے بعد تدریس شروع کی، جس کے لیے بندہ نے خود درخواست دی، تصنیف کا کام صاحبزادے مولانا حسان کے حوالہ فرمایا، البتہ افتاء اور تدریس دونوں خدمات حضرت کے زیر سایہ بندہ انجام دیتا رہا، الحمد للہ فنون کی اکثر کتب پڑھانے کا موقع ملا، ہدایہ (چاروں جلد) پڑھائیں، خصوصاً ہدایہ ثالث آٹھ سال تک پڑھائی اور ساتھ ساتھ مدرسہ میں آنے والے سوالات کے جوابات بھی خود لکھتا۔

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ کو حضرت اس دار فانی سے رحلت فرما گئے مجھ سمیت بہت سارے خوشہ چین انکے سایہ سے محروم ہو گئے، ایک مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی ہمارے آبائی گھر پر تشریف لائے تھے رخصت ہوتے وقت فرمایا: عبد الرحمٰن ہم جارہے ہیں آپ کام کرتے رہیں انداز سے تاکید معلوم ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو جوار رحمت میں رکھے (آمین) عجیب شفیق استاد و مربی تھے، بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے، الحمد للہ حسب ارشاد کام جاری رکھا اللہ تعالیٰ آخری دم تک جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور اس کو قبول فرما کر اس میں خوب برکت عطاء فرمائے آپ کے انتقال کے بعد جامعہ دار العلوم کراچی کے دیگر اساتذہ کرام سے اکثر مسائل میں رجوع کرتا ہوں اور الحمد للہ کوئی مشکل نہیں رہتی اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام کا سایہ قائم و دائم رکھے اور ان کے فیوض سے ہمیں پوری طرح فائدہ اٹھانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۰۰۲ء ڈی ایچ اے کراچی کی ایک مسجد میں خطابت وامامت کی خدمات انجام دینے پر اللہ تعالیٰ نے فائز فرمایا، تدریسی خدمات جاری رکھنے میں کچھ دشواریاں پیش آرہی تھیں، بڑی فکر لاحق ہوگئی کہ خدانخواستہ تدریسی سلسلہ منقطع ہوگیا تو بڑی نعمت سے محرومی ہوگی، بڑے مجاہدوں سے حاصل کیا ہوا مختصر سا علم ضائع ہوجائے گا دعاؤں کا اہتمام کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں خیال ڈالا کہ الحمدللہ اپنی جامع مسجد ابوبکر صدیق فیز ۲ کافی وسیع اور پرسکون ہے نیچے تہہ خانہ میں اگر علماء کرام کو تمرین افتاء کرائی جائے تو اپنا مقصد بھی پورا ہوگا اور بہت سارے فضلاء تشنگان علم جو کہ دور دراز علاقوں سے کراچی آتے ہیں اور بڑے اداروں میں ان کیلئے داخلہ کی گنجائش نہیں ہوتی کم از کم بندہ کے پاس ان کو کچھ فائدہ تو ہوگا۔

بریگیڈیر (ر) حافظ قاری مولانا فیوض الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم ڈی ایچ اے میں مذہبی امور کے ڈائریکٹر تھے بندہ کی درخواست ایک شرط پر منظور فرمائی کہ علماء کرام کی رہائش مسجد میں نہ ہو، البتہ تعلیم جاری رکھیں صرف تعلیم دینا ڈی ایچ اے کے اصول کے منافی نہیں ہے بلکہ ڈی ایچ اے تو حفظ وناظرہ تعلیم بالغاں کی کلاسوں سے مساجد کو آباد رکھنا چاہتا ہے، آپ تو تمرین افتاء کرائیں گے یہ تو سب سے عمدہ کام ہے۔

ڈی ایچ اے کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد کئی دنوں تک استخارہ کیا انشراح صدر کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ کرام سے خصوصاً فقہی مسائل میں جن اساتذہ کرام سے وقتاً فوقتاً استفادہ کرتا رہا ان سے باقاعدہ مشورہ کیا کہ اتنی بڑی ذمہ داری کے بوجھ کا بندہ خود اکیلے متحمل نہیں ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اساتذہ کرام کا سایہ ہو تو کوئی مشکل نہیں ہے۔

الحمدللہ اساتذہ کرام نے تعاون کی یقین دہانی فرمائی پھر اپنے شیخ ومرشد حضرت اقدس جناب واصف منظور صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں درخواست پیش کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بصیرت کی بڑی دولت سے نوازا تھا۔

اس لئے درخواست میں اس بات کا بھی اظہار کردیا کہ اجازت دیں گے تو یہ کام شروع کروں گا ورنہ نہیں، شیخ رحمہ اللہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے راستے میں سالانہ چلہ کیلئے تشریف لے

جارہے تھے، اندرون سندھ تشکیل ہوئی تھی، جواب ملنے میں کئی دن گذر گئے مختلف قسم کے وساوس آرہے تھے کہ شاید یہ کام شروع نہ کرنے میں خیر ہے، اس لئے شیخ صاحب کوئی جواب نہیں دے رہے ہیں چونکہ میری دلی خواہش اس کام کو شروع کرنے کی تھی لیکن یہ عزم کیا ہوا تھا کہ اگر شیخ صاحب اجازت نہیں دیں گے تو شروع نہیں کروں گا اور یہ شوق محض خواہش نفس اور مکر شیطان ہوگا، بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا، کئی دنوں کے بعد جواب موصول ہوا چونکہ شدت سے انتظار تھا، اس لئے بڑی خوشی ہوئی، اللہ، اللہ کرتے ہوئے خط کھول رہا تھا عجیب کیفیت تھی کہ جواب ہاں میں ہوگا یا ناں میں؟ بہرحال شیخ صاحب (اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے) نے نہ صرف اجازت دی بلکہ بہت زیادہ دعائیں بھی دیں اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بہت جلد یہ بہت بڑا علمی ادارہ ہوگا اور جواب میں تاخیر کی وجہ بھی تحریر فرمائی تھی کہ دیگر بزرگوں اور مفتیان کرام جن سے ذاتی تعلق ہے مشورہ کیا تب فیصلہ کیا اس لئے تاخیر ہوگئی۔

شوال ۱۴۲۶ھ میں چھ فضلاء کو شعبہ تخصص فی الفقہ کیلئے استعداد معلوم کرنے کے بعد منتخب کیا، تمام ساتھیوں نے سال بھر خوب یکسوئی سے محنت کی اور شعبان ۱۴۲۷ھ میں تعلیم مکمل کرلی (جن کی کارکردگی مستقل کتابی صورت میں ''فتاوی عبادالرحمٰن'' جلد اول کے نام سے طبع ہوئی ہے) اور اب تک الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے ہر سال دس سے پندرہ علماء فتوی کی تربیت حاصل کرلیتے ہیں اور ضمناً کافی تعداد میں تحقیق طلب مسائل کے جوابات بھی فتوی کی صورت میں تیار ہوجاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقریباً ساڑھے چار ہزار کم وبیش مسائل کو اب تک کتابی صورت میں ترتیب دے سکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس ذمہ داری کی انجام دہی میں ہر طرح کی اغلاط واخطاء سے حفاظت فرمائے اور اس مختصر اور ناقص خدمت کو قبول فرما کر عوام الناس کیلئے نافع بنائے اور جن کی محنت ورہنمائی سے مال یا وقت خرچ کرنے سے ان فتاویٰ کو کتابی صورت ملی، یہ محنت ان کیلئے اور ان کے علاوہ میرے والدین اساتذہ کرام کیلئے بھی صدقہ جاریہ ہو اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہو۔

اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر کوئی غلطی سامنے آئے تو بندہ کو متنبہ فرمادیں میں بہت احسان مند ہونگا، اساتذہ کرام سے مشاورت کے بعد غلطی واضح ہوگئی تو انشاء اللہ اس کی اصلاح

میں تامل نہیں ہوگا۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبیہ محمدﷺ والہ واصحابہ اجمعین۔

بندہ: عبدالرحمٰن ملاخیل عفااللہ عنہ

دارالافتاء والتحقیق ابوبکر مسجد ڈیفنس فیز۲ ڈی ایچ اے کراچی

۲۵ شعبان ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۴ جون ۲۰۱۴ء

﴿کتاب الایمان و العقائد﴾

﴿آپ علیہ السلام کے ساتھ عقلی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے استاد جی اپنے ایک مقتدی سے ناراض تھے مقتدی انکی منت سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے تو آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ محبت ہے۔ براہ مہربانی شریعت کی رو سے واضح فرمائیں کہ ایسا کہنے کے بعد وہ مسلمان رہتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: نذیر احمد

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ محبت دو قسم کی ہے عقلی اور طبعی ،طبعی وہ ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ عقلی وہ ہے جو انسان کے اختیار میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقلی اختیاری محبت ایمان کیلئے ضروری ہے کہ عقلی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام محبتوں پر غالب ہو اگر چہ طبعی محبت بھی مطلوب ہے اور وہ عقلی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے آخر کار حاصل ہو ہی جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مقتدی نے جو آپ کے استاد کیساتھ محبت کا اظہار کیا ہے شاید یہ طبعی محبت کا اظہار کیا ہے طبعی محبت اگر کسی اور کیساتھ ہو جائے تو یہ ایمان کے منافی نہیں ہے لیکن اس کا اظہار مذکورہ انداز میں کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ عقلی محبت کے تقاضے کے بلاشبہ منافی ہے، لہٰذا صاف لفظوں میں ایسا کہنا اگر چہ کفر نہیں ہے لیکن غلط ضرور ہے اسکو چاہیے کہ توبہ کرے اور سنتوں کا اہتمام کرے کثرت سے درود شریف کا ورد کرے تو انشاء اللہ تعالی طبعی محبت بھی غالب ہو جائیگی۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الأحزاب،آیت٦)

النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وازواجه امهاتهم۔۔ الأیة۔

ولمافی الصحیح للبخاری:(٧/١،طبع قدیمی)

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده۔

ولمافی المرقاة:(١٢٩/١،طبع رشیدیه)

ولیس المرادالحب الطبیعی لانه لایدخل تحت الاختیار۔۔ بل المرادالحب العقلی الذی یوجب ایثارمایقتضی العقل رجحانه ویستدعی اختیاره وان کان علی خلاف الهوی کحب المریض الدواء فانه یمیل الیه باختیاره ویتناوله بمقتضی عقله لماعلم وظن ان صلاحه فیه وان نفرعنه طبعه مثلالوامره صلی الله علیه وسلم بقتل ابویه واولاده الکافرین اوبان یقاتل الکفارحتی یکون شهیدا لاحب ان یختارذلک لعلمه ان السلامةفی امتثال امره صلی الله علیه وسلم اوالمرادالحب الایمانی الناشی عن الاجلال والتوقیروالاحسان والرحمةوهو ایثارجمیع اغراض المحبوب علی جمیع اغراض غیره حتی القریب والنفس۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: کتبہ: سلمان احمد

یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ | فتویٰ نمبر: ۲۱۳۱

﴿فضول باتوں میں بحث ومباحثہ خیر سے دوری کا باعث ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ ایک آدمی شیعہ کی نماز جنازہ میں شریک ہوا، اب شرع کی روسے اس پر کیا لازم ہے؟

سائل: سہیل فیڈرل بی ایریا کراچی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ ہر شیعہ کافر نہیں ہے، البتہ جو شیعہ ضروریات دین کا منکر ہو مثلاً قرآن مجید کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ مکمل نہیں ہے یا حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھتا ہو حالانکہ آپ رضی اللہ عنہا کی براءت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے یا جبرئیل علیہ السلام سے وحی پہنچانے میں غلطی کا عقیدہ رکھتا ہو تو ایسا شخص شیعہ ہو خواہ کسی بھی مسلک کا پیروکار ہو بلاشبہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، ایسے آدمی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

اور عام تفضیلی شیعہ اگرچہ فاسق وفاجر ہیں لیکن مسلمان ہونے کیوجہ سے اسکی نماز جنازہ میں

شریک ہونا کوئی گناہ نہیں ہے، اس قسم کی باتوں میں بحث کرنا خیر سے دوری کا باعث ہے۔

لمافی الشامی:(۴۶/۳،طبع ایچ ایم سعید)

وبہذا ظہر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الالوہیۃ فی علی رضی اللہ عنہ اوان جبرئیل علیہ السلام غلط فی الوحی اوکان ینکر صحبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ اویقذف السیدۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا فہو کافر لمخالفۃ القواطع المعلومۃ من الدین بالضرورۃ بخلاف مااذا کان یفضل علیا رضی اللہ عنہ اویسب الصحابۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین فانہ مبتدع لا کافر

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبید اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۹۶۶

﴿نماز کو بے فائدہ سمجھنے والے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جو یہ کہہ دے کہ ''صرف نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسا کہ تم کرتے ہو بلکہ آدمی کا دل صاف ہونا چاہیے اور اخلاق اچھے ہونے چاہئیں، ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اس شخص کا یہ کہنا کہ دل صاف ہونا چاہیے اور یہ کہنا کہ اخلاق اچھے ہونے چاہئیں، بالکل صحیح ہے اور شریعت میں مطلوب بھی ہے، لیکن یہ کہنا کہ نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں (نعوذ باللہ) بالکل غلط ہے کیونکہ نماز کا فائدہ تو مسلمان کو بہر صورت ہوتا ہے اور ایسے حکم کو جو کہ دین اسلام کا اہم رکن ہے کوئی شخص غیر اہم سمجھے تو ایسے شخص کا ایمان بھی خطرے میں ہے، اس سے بڑھ کر کیا فائدہ ہوسکتا ہے کہ نماز برائیوں، فحاشیوں وغیرہ سے روکتی ہے۔

لمافی قولہ تعالی:(سورۃ العنکبوت،پارہ ۲۱،آیت ۴۵)

ان الصلاۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر ۔۔۔ الایۃ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف چترالی

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۱

﴿نماز سے روکنے والے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بغیر کسی عذر کے کسی آدمی

کے لیے فرض نماز چھوڑنا جائز ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ تم نماز مت پڑھو جو گناہ ہوگا وہ مجھے ہوگا تمھیں نماز چھوڑنے کا گناہ نہیں ہوگا، براہ کرم مذکورہ شخص جو نماز سے روکتا ہے شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: قاری محمد ابراہیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ نماز دین اسلام کا ایک رکن ہے بغیر کسی شرعی عذر کے اس کو اپنے وقت میں نہ پڑھنا کبیرہ گناہ ہے، اور اسکی فرضیت سے انکار کفر ہے، اس شخص کے مذکورہ الفاظ کفریہ جملہ ہے، واقعی ایسا بولا ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے، برادری والوں کو چاہیے کہ اس کو توبہ پر مجبور کریں اور جب تک باہمی رضامندی سے تجدید نکاح نہ کریں تو اسکی بیوی اس سے الگ رہے۔

لما في قوله تعالى (سورة البقرة ۲۳۸)

حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى وقوموا لله قانتين.

ولما في مشكوٰة المصابيح (۵۸/۱ طبع سعيد)

وعن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة.

ولما في الشامية: (۱۰۰/۲، طبع سعيد)

(قوله ولو كان يصلي بالايماء) اي قاعدا او قائما او مستلقيا او مضطجعا كما هو قضية الاطلاق.

وايضا: (۲۲۲/۴، طبع سعيد)

(من هزل بلفظ كفر) اي تكلم به باختياره غير قاصد معناه ......والاعتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة، وافعال تصدر من المنهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلوة بلا وضوء، عمدا بل بالمواظبة على ترك السنة استخفافا ....قلت ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف لا نه لو توقف على قصده لما احتاج الى زيادة عدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصديق.

ولما في العالمگيرية: (۲۸۴/۲، طبع رشيدية)

رجل كفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالايمان يكون كافرا ولا يكون عندالله مؤمنا كذا في فتاوى قاضي خان.

وایضاً(۱/ ۴۳۲ طبع رشیدیہ)
ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول وبعدہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان غفرلہ ولوالدیہ
۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
فتویٰ نمبر: ۳۱۲۶

﴿الحزن قد يكون لكثرة الذنوب﴾

﴿زیادہ تر پریشانی گناہوں کیوجہ سے ہوتی ہے﴾

﴿سوال﴾ اسئلكم عن شيء: اني شكوت الى شيخي باني محزون منذ ايام، قال ما سببه قلت لا ادري قال فانه من كثرة الذنوب فعجبت من جوابه فماتقولون انتم؟

﴿جواب﴾ صدق شيخك واصاب في الجواب فانه قد روى عن النبي ﷺ مايفيد ذلك.

لمافی مشکوۃ المصابیح:(۱۳۸ طبع سعید)
عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ اذاكثرذنوب العبدولم يكن مايكفرهامن العمل ابتلاه الله بالحزن ليكفرهاعنه رواه أحمد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد جان
۲۱ صفر ۱۴۳۰ھ
فتویٰ نمبر ۱۹۸۴

﴿"روزہ، نماز تو غریب لوگوں کا کام ہے" یہ الفاظ موجب کفر ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بھائی ہے جب والدہ اس سے نماز اور روزہ کا کہتی ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ روزہ اور نماز تو غریب لوگوں کا کام ہے میں تو دولتمند ہوں مجھے کیا ضرورت ہے اور کبھی یہ بھی کہتا ہے کہ یورپ والے کہاں نماز وروزہ رکھتے ہیں؟ پھر بھی اتنے دولتمند ہیں براہ مہربانی شرع متین سے وضاحت فرمائیں کہ ایسے الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟
مستفتی: عبدالوہاب

﴿جواب﴾ آپ کے بھائی کے یہ الفاظ "روزہ نماز تو غریب لوگوں کا کام ہے میں تو دولتمند ہوں مجھے کیا ضرورت ہے" موجب کفر ہیں توبہ سے پہلے پہلے اگر مرگیا تو جہنمی ہوگا اور

اسکی بیوی پر لازم ہے کہ فوراً اس سے علیحدگی اختیار کرے اس بات سے آپ کے بھائی کا کفریہ عقیدہ ظاہر ہورہا ہے اور جہالت بھی، وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ نماز روزہ وغیرہ احکام غریب وامیر سب کیلئے ہیں آپ کے بھائی کے پاس کیا دولت ہوگی الحمدللہ دنیاوی نعمتوں سے مالا مال بے شمار خوش قسمت لوگ ہیں جو کہ نماز روزہ اور دیگر شرعی امور کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النور،آیت ۳۷)

رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله الاية.

برادری کے باا ثر لوگوں کو چاہیے کہ اس کو سمجھائیں، توبہ کروائیں تجدید ایمان کروائیں اور اگر شادی شدہ ہے تو نئے حق مہر کیساتھ تجدید نکاح بھی کروائیں اگر اس کی بیوی چاہے تو عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ بھی شادی کرسکتی ہے۔

لمافی شرح فقه الاكبر:(۲۸۴-۲۸۵،طبع دار الكتب العلمية)

من جحد فرضاً مجمعاً عليه كالصلاة والصوم والغسل من الجنابة،وفي فوز النجاة او قال لااصلي لانه لازوجة له ولاولد يعني كفر لانه اعتقدانها لاتجب الاعلى من له زوجة اوولد او اراد المعارضة مع الرب والمناقضة في مقابلة فعله سبحانه.

ولمافی الدر المختار:(۳/۱۹۳،طبع سعيد)

(ارتداد احدهما)اى الزوجين(فسخ)فلاينقص عدد(عاجل)بلاقضاء.

وفي الشامية:(قوله فلاينقص عدداً)فلو ارتد مرارا وجدد الاسلام في كل مرة وجدد النكاح على قول ابي حنيفة تحل امرأته من غير زوج ثان.بحر عن الخانية.

ولمافی فتح القدير:(۶/۶۴،طبع رشيديه)

(قوله واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعياذ بالله عرض عليه الاسلام فان كانت له شبهة)ابدأها(كشفت عنه لانه عساه اعترته)اى عرضت له(شبهة فتزاح عنه وفيه دفع شره باحسن الامرين)وهما القتل والاسلام واحسنهما الاسلام.

ولمافی ردالمحتار:(۴/۲۴۷،طبع سعيد)

لكن ذكر في(نورالعين)ويجدد بينهما النكاح ان رضيت زوجته بالعود اليه والافلاتجبر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۰۶۷

﴿کسی کا کہنا کہ تیری شریعت کو نہیں مانتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ رمضان کا مہینہ تھا عشاء کی

نماز وتر اوتراویح کے بعد بندہ گھر گیا، والد ماجد نے کہا کہ ماچس لے آؤ بندہ ماچس لینے کے لیے دکاندار کے پاس گیا تو اسکی دکان بند تھی اور وہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس کو کہا ماچس کی ضرورت ہے لیکن وہ بیٹھا رہا مسجد میں ماچس پڑی ہوئی تھی میں نے وہ ماچس اٹھالی اور کہا کہ کل نئی لیکر رکھ دوں گا، مسجد میں میرا ایک رشتے دار بھی بیٹھا ہوا تھا اس سے تھوڑا بہت اختلاف بھی تھا اس نے کہا کہ یہ جائز نہیں تو میں نے اس کو کہا کہ جائز دنا جائز چھوڑ کل میں نئی لیکر رکھ لوں گا تو اس نے کہا کہ تو شریعت کو نہیں مانتا، میں نے اس کو جواب میں کہا کہ ''تیری شریعت کو نہیں مانتا'' پھر اس نے دوسری مرتبہ کہا کہ تو شریعت کو نہیں مانتا پھر میں نے جواب دیا کہ ''تیری شریعت کو نہیں مانتا'' ان الفاظ کے بعد میں مسجد میں بیٹھ گیا اور بھی میرے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے میں استغفار کرنے لگا کہ بات تو میں نے غلط کی لیکن اسکی تردید میں کی ہے، کیونکہ پہلے سے ایک دوسرے کے مخالف تھے اس کے بعد وہ آدمی لوگوں کو کہنے لگا کہ اس نے کفریہ الفاظ بولے ہیں لھذا اس کو تجدید نکاح اور تجدید ایمان بھی کرنا چاہیے، براہ کرم مفتی صاحب مدلل اور تحریری فتوی ارسال فرمائیں۔

مستفتی: حافظ ثناء اللہ کوڑی جمال ضلع، ڈی، آئی، خان

﴿جواب﴾ مسلمان کی تکفیر کے معاملہ میں بڑی احتیاط ضروری ہے بات بات پر کسی کو کافر کہنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے اگر کسی آدمی نے کسی دوسرے آدمی کو کافر کہہ کر پکارا یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا اور آدمی اس طرح نہ ہو تو یہ کفر دوبارہ پکارنے والے ہی پر لوٹے گا، اس لیے فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ مسلمان کے کلام کو امکانی حد تک ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اس کی تکفیر کا موجب نہ ہو،

مسجد سے اپنی ضرورت کے لیے ماچس اٹھا کر لے جانا بلاشبہ شریعت کیخلاف کام تھا، اور رشتے دار نے اعتراض کیا تو جواب میں مذکورہ جملہ بولنا بھی غلط تھا، لیکن اس جملہ کو بنیاد بنا کر آپکے بارے میں لوگوں سے یہ کہنا کہ یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے یہ بھی غلط ہے، اس لیے کہ آپ نے اس کیساتھ مخالفت کیوجہ سے مذکورہ جملہ بولا ہے شریعت سے آپ نے انکار نہیں کیا ہے، لھذا توبہ ضرور کریں لیکن تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی صحیح المسلم:(۱/۵۷،طبع:قدیمی کتب خانہ)

عن ابی ذرؓ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول لیس من رجل ادعی بغیر ابیہ وھو یعلمہ الا کفر ومن ادعی ما لیس لہ فلیس منا ولیتبوء مقعدہ من النار ومن دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک الا حار علیہ.

ولما فی الشامی:(۴/۲۲۹،طبع: سعید)

(قولہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن)ظاھرہ انہ لا یفتی بہ من حیث استحقاقہ للقتل ولا من حیث الحکم ببینونۃ زوجتہ ....بدلیل ما صرحوا بہ من انہم اذا اراد ان یتکلم بکلمۃ مباحۃ فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطأبلا قصد لا یصدقہ القاضی وان کان لایکفر فیما بینہ وبین ربہ تعالی ،فتأمل ذلک وحررہ نقلا فانی لم ار التصریح بہ.

ولما فی ایضا:(۴/۲۳۰)

ثم ان مقتضی کلامہم ایضا انہ لا یکفر بشتم دین مسلم :ای لا یحکم بکفرہ لامکان التأویل ثم رأیتہ فی جامع الفصولین حیث قا ل بعد کلام اقول:وعلی ھذاینبغی ان یکفر من شتم دین مسلم،ولکن یمکن التأویل بان مرادہ اخلاقہ الردیئۃ ومعاملتہ القبیحۃ لا حقیقۃ دین مسلم الاسلام فینبغی ان لایکفر حینئذ، واللہ تعالی اعلم ....الخ

ولما فی البحر الرائق:(۵/۱۲۵،طبع: سعید)

وفی الخلاصۃ وغیرھااذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع الکفر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن المسلم زاد فی البزازیہ الا اذا صرح بارادۃ موجب الکفر فلا ینفعہ التأویل حینئذ وفی التتارخانیہ لایکفر بالمحتمل لان الکفر نہایۃ فی العقوبۃ فیستدعی نہایۃ فی الجنایۃ ومع الاحتمال لا نہایۃ.

والحاصل ان من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلا او لاعبا کفر عند الکل ولا اعتبار باعتقادہ کما صرح بہ قاضیخان فی فتاواہ من تکلم بہامخطئااو مکرھا لا یکفر عند الکل.

ولما فی الہندیہ:(۲/۲۷۶،طبع: رشیدیہ)

الخاطئ اذا جری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطأبان کان یرید ان یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانہ کلمۃ الکفر خطأ لم یکن ذلک کفر عند الکل کذا فی فتاوی قاضی خان.

واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۲۴۷ ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

﴿شریعت پر جانداری قوانین کو ترجیح دینا کفر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو آدمیوں کے درمیان کوئی تنازعہ تھا ایک نے کہا کہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں دوسرے نے اپنے فائدہ کی وجہ سے کہا نہیں میں ''جانداری'' قوانین کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

غرض مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص نے جانداری قوانین کو شریعت پر ترجیح دی ہے لہٰذا شریعت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ یہ شریعت سے کفر ہے یا نہیں؟ مستفتی: مولوی نور محمد ڈیرہ اسمٰعیل خان

﴿جواب﴾ جانداری قوانین کو شرعی قوانین پر ترجیح دینا بلاشبہ کفر ہے لیکن مسلمان کی شان سے بعید ہے کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے بھی ایسا کرے۔ ایسے موقع پر جہاں تک ممکن ہو غلط بات کی تأویل کرنی چاہیے مذکورہ صورت میں ممکن ہے شرعی قوانین سے اعراض کرنے والے نے اس لئے اعراض کیا ہو کہ اس کی خاص صورت کے لئے شرعی حکم کو واضح کرنے والا اس کی نظر میں کوئی نہیں ہے اور خود شرعی حکم سے بے خبر ہے اس لئے جانداری قوانین پر فیصلہ کرنے کو ترجیح دی ہو اگر چہ یہ بھی غلط ہے بڑا گناہ ہے لیکن ایسی صورت میں کفر کا فیصلہ دینا مشکل ہے تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ یہ شخص تجدید ایمان اور توبہ کرنے کے بعد تجدید نکاح بھی کرے۔

لما فی عالمگیریہ:(۲۷۴/۲، طبع: رشیدیہ کوئٹہ)

واذاقال الرجل لغیرہ حکم الشرع فی ہذہ الحادثۃ کذافقال ذلک الغیر من برسم کار میکنم نہ بشرع یکفر عندبعض المشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ .

ولما فی المحیط البرہانی:(۲۰۲/۷، طبع: المجلس العلمی)

وسئل الحاکم عبدالرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ عمن قال: من برسم کار کنم نہ بحکم ہل ہو کفر؟ قال: ان کان مرادہ فساد الخلق وترک الشرع واتباع الرسم لارد الحکم لایکفر.

ولما فیہ ایضاً:(۲۹۹/۷، طبع: المجلس العلمی)

وماکان فی کونہ کفراًاختلافافان قائلہ یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبۃ والرجوع من ذلک بطریق الاحتیاط وماکان خطأ من الالفاظ ولا یوجب الکفر فقائلہ مؤمن علی حالہ ولا یؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلک .

ولما فی الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:(۴۹۹/۳، طبع: دار القلم بیروت)

والأصل فی ذلک انہ لایفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلامہ علی محمل حسن اوکان

فی کفرہ خلاف ولو کان ذلک روایۃ ضعیفۃ لغیر اهل مذهبنا وهذا یدل علی اشتراط کون ما یوجب الکفر مجمعا علیه ومستندهم فی تأصیل هذا الاصل الحدیث الشریف الذی رواه ابو هریرۃ ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الرجل لاخیه یاکافر فقد باء به احدهم وعن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ ایما رجل قال لاخیه یاکافر فقد باء بها احدهما ولهذا بوب الامام البخاری فی کتاب الادب فی صحیحه فقال من اکفر اخاه بغیر تاویل فهو کما قال.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اویس غفر اللہ لہ ولوالدیہ

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۷۹۸

﴿بیوی کا کہنا کہ اللہ سے نہیں ڈرتی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بیوی سے پانی کا مطالبہ کیا بیوی نے نہیں دیا، زید نے بیوی سے کہا اللہ سے ڈرو، بیوی نے کہا نہیں ڈرتی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا زید کے بیوی کی اس طرح کہنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ زید کی بیوی کوئی واضح گناہ کرتے ہوئے اس طرح اگر کہہ دیتی، تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتی اور تجدید نکاح کے بغیر اپنے شوہر کیلئے حلال نہ رہتی، لیکن پانی دینے سے انکار کوئی واضح گناہ نہیں ہے، اگرچہ شوہر کی نافرمانی مباح امور میں گناہ ہے، لیکن واضح نہیں ہے اس لئے کہ پانی دینے سے انکار کوئی معقول عذر کیوجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور کئی تأویلات اس جملہ کی ہو سکتے ہیں۔

البتہ جواب دیتے ہوئے بیوی نے یہ جملہ غلط ارادے سے بولا ہو مثلاً یہ کہ کسی بھی عمل یا موقع پر اللہ سے نہیں ڈرتی تو یہ کفریہ جملہ ہے ایسی صورت میں توبہ واستغفار کیساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔

لما فی الهندیه: (۲/۲۶۲، طبع: رشیدیه)

اذا طالت المشاجرة بین الزوجین فقال الرجل لامرأته خافی الله تعالی واتقیه فقالت المرأة مجیبة له لا اخافه فقال الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل ان کان الزوج عاتبها علی المعصیة الظاهرة ویخوفها من الله تعالی فأجابته بهذا تصیر مرتدة وتبین من زوجها وان کان الذی عاتبها علی امر لا یخاف فیها من الله لم تکفر الا ان ترید بذالک الاستخفاف

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۳ / ۵۱۲،طبع قدیمی)

اذا طالت المشاجرة بين الزوجين فقال الرجل لامرأته خافى الله تعالى واتقيه فقالت المرأة مجيبة له لااخافه فقال الشيخ الامام ابو بكر محمد ابن الفضل ان كان الزوج عاتبها على معصية ظاهرة ويخوفها من الله تعالى فأجابته بهذا تصير مرتدة وتبين من زوجها وان كان الذى عاتبها على امر الايخاف فيها من الله لم تكفر الا ان تريد بذالك الاستخفاف

ولمافی التاتارخانية: (۵/ ۴۱۰،طبع: قدیمی)

اذا طالت المشاجرة بين الزوجين فقال الرجل لامرأته خافى الله تعالى واتقيه فقالت المرأة مجيبة له لااخافه فقال الشيخ الامام ابو بكر محمد ابن الفضل .... وان كان الذى عاتبها على امر الايخف فيها من الله لم تكفر الا ان تريد بذالك.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۶۸

﴿کیا حرام کو حلال سمجھنے والے کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی شیعہ کی نماز جنازہ خود پڑھ لے یا خود پڑھالے تو کیا اس صورت میں انکی اہلیہ کو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور کیا اس صورت میں تجدید نکاح کرنا ہوگا۔ ہمارے علاقہ کے کسی مفتی کا یہ کہنا ہے۔

مستفتیہ: متعلمہ جامعہ معہد الخلیل الاسلامی

﴿جواب﴾ اگر اس شخص نے جائز سمجھتے ہوئے ایسے شیعہ کی نماز جنازہ پڑھ لی یا پڑھوائی جو ضروریات دین اسلام کا منکر ہو مثلاً ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھنے والا ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے صحابی ہونے کا منکر ہو، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی الوھیت یا نبوت کا قائل ہو؛ (العیاذ باللہ) تو وہ شیعہ چونکہ مسلمان نہیں۔ اور غیر مسلم کا جنازہ پڑھنا یا پڑھانا حرام ہے اور حرام چیز کو جائز یا کار ثواب جاننا کفر ہے لہذا اس شخص پر جس نے نماز جنازہ پڑھی یا پڑھائی اس شیعہ کے عقائد بھی اگر واضح تھے، اور وہ واقعی ضروریات دین اسلام کی باتوں کا منکر تھا تو ایسی صورت میں اس شخص کا ایمان واقعی خطرہ میں ہے اس کو چاہیے کہ تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرے۔

لما فی الهندیه:(۲/۲۷۲:طبع رشیدیه)

من اعتقد الحرام حلالاًأو علی القلب یکفر أما لو قال هذا حلال لترویج السلعة او بحکم الجهل لا یکون کفراً

ولما فی الدر المختار :(۲/۲۷۲:طبع سعید)

وفی شرح الوهبانیه للشرنبلالی:ما یکون کفراتفاقا یبطل العمل والنکاح واولاده اولازنا وما فیه خلاف یومر بالأستغفار والتوبة وتجدید النکاح

ولما فی الهندیة:(۲/۲۶۴ طبع رشیدیه)

ولو قذف عائشه رضی الله عنها بالزنی کفر باالله

وأیضا فی بحر الرائق:(۵/۱۲۱)طبع سعید)

وبقذفه عائشة رضی الله عنها من نسائه صلی الله علیه وسلم فقط وبانکاره صحبة أبی بکر رضی الله.

ولما فی الشامی:(۴/۴۶.طبع سعید)

ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الألوهیة فی علی اوأن جبریل غلط فی الوحی أو کان ینکر صحبة الصدیق أو یقذف السیدة الصدیقه فهو کافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدین بالضرورة

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سوات

۸صفر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر ۳۸۷۷

﴿شعائرِ اسلام کا مذاق اڑانا کفر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چند دوست آپس میں بیٹھے ہوئے رجلیت سے متعلق استفسار کررہے تھے، کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ، اتنے میں ایک ساتھی نے کہا کہ رجلیت یہ ہے کہ آدمی کی داڑھی ہو، ایک اور ساتھی نے کہا داڑھی تو بکری کی بھی ہوتی ہے، میں نے کہا آپ شادی شدہ ہیں آپ کی بیوی کو طلاق ہوگئی، کیوں کہ آپ نے سنت نبوی کا مذاق اڑایا، برائے مہربانی ہماری اس پریشانی کے بارے میں شریعت سے متعلق جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں؟ مستفتی: عبدالصمد ڈیفنس فیز۲ کراچی

﴿جواب﴾ شعائرِ اسلام اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا مذاق اڑانا کفر ہے لھذا اس شخص نے یہ قول داڑھی تو بکری کی بھی ہوتی ہے واقعی بطور استخفاف واستہزاء کے یا نبی کریم ﷺ کی سنت کو

کمتر سمجھتے ہوئے بولا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا، اور وہ شادی شدہ ہے تو نکاح بھی ختم ہو گیا ہے، اس پر تجدید ایمان ضروری ہے اور توبہ واستغفار کے علاوہ تجدید نکاح بھی کریں، البتہ بطور استخفاف واستہزا اور سنت کو کمتر سمجھتے ہوئے نہ بولا ہو تو ایمان ونکاح باقی ہے۔البتہ یہ جملہ بظاہر استہزاء ہے اس لئے توبہ واستغفار کریں اور آئندہ کیلئے احتیاط کریں

لمافی صحیح البخاری:(۲/۱،طبع:قدیمی)

حدثنا الحمیدی قا حدثنا سفین قال حدثنا یحیی بن سعید الا نصاری قال اخبر نی محمد بن ابراهیم التیمی انه سمع علقمة بن وقاص اللیثی قال سمعت عمر بن الخطاب رضی الله عنه علی المنبر یقول سمعت رسول الله ﷺ یقو ل انما الا عمال بالنیات وانما لا مری مانوی فمن کا نت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امرأة ینکحها فهجر ته الی ما هاجر الیه

ولما فی الاشباه والنظائر:(ص:۳۱،طبع:قدیمی) الا مور بمقا صد ها

ولما فی البحر:(۱۲۱/۵،طبع:سعید)ویکفر .....وباستخفافه بسنة من السنن

ولما فی الدر المختار مع رد المحتا ر:(۲۲۲/۴،طبع:سعید)

من هزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقده للا ستخفاف فهو ککفر العناد

وفی الشامی:ویظهر من هذا أن ما کا ن دلیل الا ستخفاف یکفر به .وان لم یقصد الا ستخفاف ،لأنه لو توقف علی قصده لما احتاج الی زیادة عدم الا خلال بما مر لأن قصد الا ستخفاف مناف للتصدیق

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب :عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۲۹ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ　　فتوی نمبر:

﴿داڑھی مبارک کی تضحیک کرنا کفر ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی اسلام کے کسی رکن کی تضحیک کرے تو کیا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔مثلاً بیوی شوہر کی داڑھی کا مذاق اڑائے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرے تو تو کیا اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا؟ مستفتی:عبدالرحیم،کراچی

﴿جواب﴾ داڑھی مبارک تمام انبیاء علیھم السلام کی سنت ہے۔دین اسلام کے کسی بھی رکن کی تضحیک کرنا موجب کفر ہے۔لہذا کسی کی بیوی نے اگر داڑھی کی اس لئے تضحیک کی کہ اس کی نظر میں سنت کی اہمیت نہیں ہے تو اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئی ہے تجدید ایمان

کے ساتھ تجدید نکاح بھی ضروری ہے اور آئندہ کے لئے اس طرح گستاخی سے توبہ بھی ضروری ہے البتہ سنت سمجھ کر تضحیک نہیں کی بلکہ اپنے شوہر کی داڑھی اس کو اچھی نہیں لگتی اس لئے خاص اپنے شوہر کی داڑھی کی تضحیک کی ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا لیکن خطرے سے خالی نہیں ہے۔ آئندہ کے لئے توبہ کرے اور احتیاط کرے اور شوہر کو چاہئے کہ داڑھی مبارک کو پاک وصاف رکھے اور اس کو زینت بخشے، پراگندہ رکھنے کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کو گناہگار کرنے کا باعث ہوگا اس لئے دونوں گناہ میں شریک ہوں گے۔

لما فی شرح الفقه الاكبر(ص،۲۵۴) بیروت

وكذا الاستهزاء على الشريعة الغراً كفر لان ذلک من امارت تكذيب الانبياء عليهم الصلاة والسلام ....قال ابن الهمام:و قد كفر الحنفية من واظب على ترك سنة استخفافابها بسبب انها فعلها النبی ﷺ زيادة او استقباحها كمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه ،او احفاء شاربه.

ولما فی شرح الفقه الاكبر:(ص،۲۷۸، بیروت)

من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوه مما يعظم فی الشرع كفر.

ولما فی ردالمحتار :(۲۳۰/۴،طبع سعید)

نعم سيذكر الشارح ان ما يكون كفرا يبطل العمل والنكاح و ما فيه يومر بالاستغفار و التوبة و تجديد النكاح و ظاهره انه امر احتياط.

ولما فی ردالمحتار :(۴۱۸/۲،طبع سعید)

ويؤيده ما فی مسلم عن ابی هريرة عنه ﷺ "جزو الشوارب واعفوا اللحى خالفوا المجوس"فهذه الجملة واقعة موقع التعليل ،واما الاخذ منها وهی دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد.

ولما فی العالمگیریه :(۲۲۸/۲،طبع رشیدیه)

و الحاصل انه اذا استخف بسنة او احاديث من احاديثه عليه السلام كفر.

ولما فی الصحیح المسلم:(۱۲۹/۱،طبع قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحية و السواک و استنشاق الماء و قص الاظفار و غسل البراجم ونتف الابط و حلق العانة وانتقاص الماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ
فتویٰ نمبر: ۳۷۹۲

﴿کفریہ کلمات کے بعد تجدید ایمان و نکاح دونوں ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مرتبہ عورتیں اور مرد منہ سے کفریہ کلمات نکال دیتے ہیں۔ بعض اوقات کسی کو مسئلہ کا علم نہیں ہوتا، وہ کلمہ تو دہراتے رہتے ہیں مگر نکاح کی تجدید نہیں کرتے تو کیا ایسا کرنے والے سب لوگ جہنم میں جائیں گے؟ اگر جائیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گناہوں کی سزا پاکر جنت میں آجائیں گے؟

﴿جواب﴾ کسی نے ایسا کلمہ اگر بولا جس سے متفقہ طور پر کفر لازم آتا ہو تو اس پر تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح بھی لازم ہے تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح اگر نہیں کیا تو ساری عمر حرام کاری میں مبتلا رہنے کی سزا کا مستحق ہوگا اللہ تعالی معاف کردے تو الگ بات ہے اور خدانخواستہ تجدید ایمان اگر نہیں کیا اور کفریہ الفاظ سے توبہ نہیں کی یہاں تک کہ اس کی موت آگئی تو ہمیشہ کیلئے جہنم میں جلے گا پھر اس کے لئے معافی نہیں ہوگی۔

لمافی مجمع الانہر:(۲/۲۹۲)

مایکون کفرا بالاتفاق یوجب احباط العمل کمافی المرتد وتلزم اعادة الحج ان کان قدحج ویکون وطؤه حینئذ مع امرأته زنا والولد الحاصل منه فی هذه الحالة ولد الزنا...وماکان فی کونه کفرا اختلاف یؤمر فانه تجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذالک احتیاطا وماکان خطا من الالفاظ لایوجب الکفر فقائله مومن علی حاله ولایؤمر بتجدید النکاح ولکن یؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلک.

ولمافی درالمختار:(۲/۲۴۶باب المرتد کتاب الجهاد طبع سعید کراچی)

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح ...ومافیه اختلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح.

ولمافی شرح فقه الاکبر:(ص:۲۲۷،طبع ممبئی انڈیا)

ومن قال "انابری، من الاسلام" ...یکفر فی هذه الصورة بلاخلاف

لمافی بزازیة علی هامش الهندیة:(۶/۳۲۳،کتاب الفاظ تکون اسلاما وکفرا)

اذاوصف الله بمالایلیق یکفر

وایضافی الهندیه:(۲/۲۸۱طبع:)هکذاالاستهزاء باحکام الشرع کفر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

فتوی نمبر: ۳۰۴۹

﴿شیعہ کے ایک اعتراض کا جواب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک طالب علم سے شیعہ نے سوال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کا نکاح کس نے پڑھایا ہے؟ طالب علم نے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی جواب نہیں دیا پھر شیعہ نے خود ہی کہا کہ کسی نے نہیں پڑھایا اسلئے ہم سب حرامی ہو گئے پھر کہا کہ میں نے اپنے شیعہ مسلک کے عالم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک درخت نے پڑھایا تھا اہل سنت والجماعۃ کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ نکاح کے منعقد ہونے کیلئے جو شرائط عالم دنیا میں ہیں عالم بالا میں ان کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، ایسے لایعنی سوالات کہ ''حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس نے پڑھایا؟'' اور پھر خود ہی فیصلہ کرنا کہ کسی نے نہیں پڑھایا، لہٰذا ہم حرامی ہو گئے یہ صحیح نہیں بیشک کہنے والا اپنی طرف حرامی کی نسبت کرے دوسروں کی طرف نسبت کرنے کا اسے کوئی حق نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ ہے، وہ احکم الحاکمین ہیں حضرت علی رضی اللہ حاکم اعلیٰ تھے ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہوں سے ثابت بھی کیا جب امیر المؤمنین نے فیصلہ سنایا تو عورت نے قسم کھا کر عرض کیا کہ دعویٰ جھوٹا تھا آپ کا فیصلہ اگر ہے تو نکاح کرا دیں تا کہ حلال ہو جاؤں تو فرمایا میرے فیصلے سے ہی نکاح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ کے فیصلے سے زیادہ مضبوط ہے، لہٰذا آگے ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کا نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق ہوگئی ہے کہ حضرت حواء اور حضرت آدم علیہم السلام کے درمیان زوجیت صحیحہ قائم ہے۔

لمافی روح المعانی: (۴/۵۳۲، طبع رشیدیہ)

(وخلق منها زوجها) وهو عطف على (خلقكم ... فان المراد من الزوج حواء وهى قد خلقت من ضلع ادم عليه السلام الايسر.

ولما فى المظهرى: (۲/۲، سورة النساء، طبع رشيديه)

(الذى خلقكم) فى بدو الامر (من نفس واحدة) يعنى ادم عليه السلام (وخلق) عطف على خلقكم او على محذوف تقديره خلقها وخلق (منها زوجها)

یعنی حواء بالمدمن ضلع من اضلاعها الیسری.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۲۳ صفر ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۹۲۰

﴿دنیا دار الاسباب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری ایک دکان (جنرل اسٹور) ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا جو نصیب میں ہوگا وہ پھر بھی ملے گا چاہے دکان بند ہو یا کھلی، محنت کریں یا نہ کریں، گاہک کو توجہ دیں یا نہ دیں، ڈیکوریشن کے لئے سامان دکان کے باہر لگائیں یا نہ لگائیں؟

﴿جواب﴾ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مخلوقات کا رازق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں تاہم اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دار الاسباب بنایا ہے، اس لئے انسان کو حلال روزی کے حصول کے لئے جائز اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اعتقاد اور یقین یہ ہونا چاہیے کہ حقیقت میں روزی اللہ ہی دیتے ہیں، یہ دکان، کاروبار وغیرہ محض اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بغیر بھی رزق عطا فرما سکتے ہیں، اس لئے دکان کھولنا، گاہکوں کو متوجہ کرنا، غرض ہر طرح کے اسباب اختیار کرنا شریعت کی رو سے ممدوح ہے، تاہم حرص و لالچ اور ضرورت سے زیادہ محنت و مشقت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح: (۴۵۲، باب التوکل، طبع سعید)

عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايها الناس　ان روح القدس نفث في روعي ان نفسا لن تموت حتى تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا في الطلب ولا يحملنكم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصي الله فان لا يدرك ما عند الله الا بطاعته .. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم: محمد شریف حسین غفرلہ

۲۲ رجب ۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر: ۵۵۶

﴿اپنے کو ہندو کہنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ زید اور بکر عید کے ایام میں سفر پر تھے، جس جگہ ان کو جانا تھا اس کا کرایہ پانچ روپیہ تھا کنڈیکٹر نے دس کے حساب سے کرایہ لیا تو زید نے کہا کہ

بقیہ پیسے واپس کرو، اس پر کنڈیکٹر نے کہا کہ بھائی ''عیدی'' آپ مسلمان نہیں ہیں؟ اس پر زید نے غصے میں آ کر کہا کہ ''میں ہندو ہوں'' کنڈیکٹر نے پیسے تو واپس کئے لیکن زید بعد میں اپنے اس جملے کو سوچ کر نادم ہوا اور استفسار کرتا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محی الدین

﴿جواب﴾ یہ کلمہ کہ ''میں ہندو ہوں'' کلمہ کفر ہے اگر زید کی مراد وہ مطلب ہو جو الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے تو انسان ان کلمات کے کہنے سے کافر ہو جاتا ہے لیکن سوال سے پتہ چلتا ہے کہ زید کی مراد یہ نہ تھی بلکہ زجراً اپنا حق وصول کرنے کے لئے کہا ہے، بہرحال یہ خطرناک اور سنگین جملہ ہے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے اور آئندہ احتیاط کرنی چاہیئے۔

لمافی الهندية:(۲/۲۷۹،طبع رشیدیه)

مسلم قال:انا ملحد،یکفرولوقال،ماعلمت انه کفرلايعذربهذا......وفي اليتيمة: سالت والدى عن رجل قال انافرعون اوابليس فحينئذ،يكفركذافي التتارخانية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد عزیز فیض آباد چترالی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۴۸۶

﴿کسی چیز سے بدفالی لینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی چیز سے بدشگونی یا بدفالی لینا کیا حقیقت رکھتا ہے؟ مثلاً یوں کہنا کہ یہ گھر ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں اموات بکثرت واقع ہوتی ہیں یا دوکان میرے فائدے کی نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے گھر میں بیماریاں بڑھ گئیں وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ از روئے شریعت مذکورہ چیزوں سے یا ان جیسی دیگر اشیاء سے بدفالی لینا یا بدشگونی لینا ممنوع ہے، احادیثِ مبارکہ میں متعدد بار اس سے روکا گیا ہے، باقی رہا اس کا حکم تو بدفالی پر یقین رکھنا یعنی کسی مرض وغیرہ کے لگنے کو یقینی سمجھنا شریعت میں سخت منع ہے۔

لمافی جامع الترمذی:(۲/۳۷،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن مسعود قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لايعدى شئى شيئا فقال أعرابى يا رسول الله البعير أجرب الحشفة بذنبه فيجرب الأول كلها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن أجرب الأول لا عدوى ولا صفر خلق الله كل نفس كتب حياتها ورزقها ومصائبها.

ولما فی الشامی:(۱۶۶/۲،طبع سعید)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یتفاؤل ولا یتطیر" وکذاحدیث کان یعجبہ اذاخرج لحاجتہ أن یسمع یا راشد یا نجیح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۱۹رجب ۱۴۲۷ھ　　فتویٰ نمبر:۵۴۹

﴿مایظھر علی ید الفاجر والکافر من الخوارق استدراج﴾

﴿کافروفاجر سے کرامت کیطرح کوئی کمال ظاہر ہوتو یہ استدراج ہے﴾

﴿سوال﴾ سمعت عالما یقول ان الکرامۃ قد یظھر للکافر ،مامعنی ھذا القول؟ وکیف یتصور؟

﴿جواب﴾ ربما یظھر من خوارق العادات بید المؤمن التقی نسمیھا کرامۃ واما مایظھر من الخوارق بید الکافر او الضال فلا نسمیھا کرامۃ بل ھو استدراج وکرامات الأولیاء حق عند اھل السنۃ والجماعۃ.

لما فی الفقہ الأکبر وشرحہ:(۱۳۰-۱۳۲،طبع دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

والکرامات للأولیاء حق واما التی تکون لاعدائہ مثل ابلیس وفرعون والدجال مما روی فی الأخبار انہ کان ویکون لھم لانسمیھا آیات ولا کرامات،ولکن نسمیھا قضاء حاجات لھم وذلک لان اللہ تعالی یقضی حاجات اعدائہ استدراجا لھم وعقوبۃ لھم.

لما فی النبراس:(ص۲۹۵،طبع حقانیہ)

(فما لا یکون مقرونا بالایمان والعمل الصالح یکون استدراجا)سواء صدر عن کافر او عن مؤمن فاسق.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۶ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر:۲۲۱۸

﴿آواگون ایک ہندوانہ عقیدہ ہے﴾

﴿سوال﴾ آواگون ایک ہندوانہ عقیدہ ہے،جسکے مطابق انسان دنیا میں ایک سے زیادہ مرتبہ جنم لیتا ہے،وہ کبھی کسی جانور،پرندے یا پھر انسانی شکل ہیمیں دوبارہ پیدا ہوتا ہے،اسلامی نظریہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسکے برعکس ہے اور ایک مرتبہ دنیا میں آنے اور پھر مرنے کے بعد

دوبارہ دنیا میں پیدا نہیں ہوگا بلکہ روز آخرت اللہ کے حضور اٹھایا جائیگا لیکن ایک کتاب (کائنات کے ان کھلے راز) میں دو تاریخی واقعات کا ذکر ہے جس کے مطابق ہندوستان میں ایک لڑکی اور ترکی میں ایک مسلمان بچے نے کافی کم عمری میں ایسے انکشافات کئے کہ جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک زندگی پہلے بھی جی چکے ہیں تصدیق کرنے پر یہ بات درست ثابت ہوئی، ہزاروں میل دوری کے فاصلے پر شہر میں لوگ ان بچوں کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان ان واقعات کو کس طرح سے دیکھیں اور کیا موقف اپنائیں؟

﴿جواب﴾ عقائد قطعی دلائل سے ہی ثابت ہوتے ہیں یعنی شارع علیہ السلام سے واضح اور مضبوط واسطوں سے ہم تک جو تعلیمات پہنچی ہیں انہی کی روشنی میں عقیدہ رکھنا ضروری ہے، (کائنات کے ان کھلے راز) کتاب کس کی تالیف ہے؟ اس کتاب میں درج شدہ واقعات کی کیا حیثیت ہے؟ اس میں مذکورہ واقعہ اگرچہ سچ اور حقیقت پر بھی مبنی ہو لیکن انکی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہوسکتی کہ ان واقعات کی وجہ سے یہ عقیدہ اپنالیا جائے، دنیا میں صرف یہی ایک لڑکا لڑکی تو پیدا نہیں ہوئے! پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ان دو بچوں کی باتوں سے اس قسم کے عقیدے کی تائید ہوتی ہے، انکے علاوہ لاکھوں کروڑوں افراد سے نہیں۔

بات یہ ہے کہ اس طرح خلاف معمول کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار فرمادیتے ہیں، تاریخ میں کئی واقعات اس طرح کے ہیں جن کی وجہ سے ایمان والوں کے ایمان میں مزید ترقی ہوتی ہے اور بے ایمان لوگوں کیلئے مزید دوری کا باعث ہوتے ہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۹۰۹

﴿مسئلہ تقلید﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دو بھائی ہیں ایک مقلد جبکہ دوسرا غیر مقلد ہے میں خود بھی مقلد ہوں، میرے مقلد بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اسکی بیوی اپنے میکے چلی گئی، غیر مقلد بھائی نے اس مقلد بھائی کو ورغلایا کہ شریعت میں

تین طلاقوں کا تصور نہیں ہے صرف ایک طلاق ہوئی ہے، لہٰذا رجوع کرلو، میرے مقلد بھائی نے اس کا کہنا مان لیا اور بیوی کو بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنی زوجیت میں لے آیا اور میرا مقلد بھائی بھی غیر مقلد بن گیا، آپ حضرات سے یہ پوچھنا ہے کہ ان کے اس فعل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور ان سے تعلق ختم کیا جاسکتا ہے.؟

مستفتی: حسین احمد پہاڑ خیل

﴿جواب﴾ اگر آپ کے بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، خواہ ایک جملہ میں دی ہوں یا الگ الگ جملوں میں تو اگر چہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا خلاف سنت اور ناجائز ہے، تاہم تین طلاقیں دینے سے یہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہوکر نکاح ختم ہوگیا ہے، اب رجوع نہیں ہوسکتا اور حلالہ کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

یہ مؤقف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اسی پر جمہور صحابہ، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور چاروں اماموں یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، اس بارے میں غیر مقلدین کا مؤقف علمی اعتبار سے درست نہیں اور اس کے مطابق عمل کرنا بھی جائز نہیں، لہٰذا تین طلاقیں دینے کے بعد آپ کے بھائی کے غیر مقلد ہونے کا شرعاً اعتبار نہیں اور نہ ہی غیر مقلدین کے مسلک کے مطابق عمل کرنا جائز ہے بلکہ اس کا اپنی مطلقہ کو بیوی بنا کر رکھنا ناجائز اور حرام ہے، یہ دونوں ساتھ رہنے اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہورہے ہیں۔

دونوں پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہوجائیں اور ابتک جو گناہ ہوا اس پر خوب گڑگڑا کر سچی توبہ واستغفار کریں اور آپ کو چاہیئے کہ علاقہ کے ذمہ دار اور سنجیدہ افراد کو ساتھ ملا کر حکمت ومصلحت کے ساتھ مناسب طریقہ سے اپنے بھائی پر دباؤ ڈالیں تاکہ وہ اپنی مطلقہ سے علیحدگی اختیار کرے لیکن اگر وہ باز نہ آئے اور مطلقہ کو ناجائز طور پر اپنے ساتھ رکھے تو علاقہ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس سے محبت کے خصوصی تعلقات اس وقت تک ختم کردیں جب تک وہ اپنے مذکورہ عمل سے سچی توبہ کرکے اپنی اصلاح نہ کرلے۔

لمافی الصحیح للبخاری:(۲/۲۰۰،رقم الحدیث،۵۲۶۱،طبع قدیمی)

عن عائشةؓ أن رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ أتحل للأول قال

لاحتی یذوق عسیلتیا کما ذاق الأول

ولما فی فتح القدیر:(۳/۳۵۱،کتاب الطلاق،طبع رشیدیه)

وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من أئمة المسلمین الی أنه یقع ثلاثا،ومن الأدلة فی ذلک مافی مصنف ابن شیبة والدارقطنی فی حدیث ابن عمر المتقدم قلت: یارسول الله أرأیت لو طلقتها ثلاثا؟قال:اذاقد عصیت ربک وبانت منک امرأتک.

ولما فی سنن أبی داود:(۱/۳۱۷،کتاب الطلاق،رقم الحدیث،۲۱۹۶،طبع رحمانیه)

عن مجاهد قال:کنت عند ابن عباس فجاء ه رجل فقال:انه طلق امرأته ثلاثا،قال:فسکت حتی ظننت أنه رادها الیه،ثم قال ینطلق أحدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یابن عباسؓ یابن عباسؓ وان الله عزوجل قال:ومن یتق الله یجعل له مخرجا وانک لم تتق الله فلا أجدلک مخرجا. عصیت ربک وبانت منک امرأتک.وفی موطامالک بلغه أن رجلا قال لعبد الله بن عباس:انی طلقت امرء تی مائة تطلیقة فماذا تری علی؟فقال ابن عباس: طلقت منک ثلاثا وسبع وتسعون اتخذت بها آیات الله هزوا وفی الموطا أیضا:بلغه أن رجلا جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرء تی ثمانیة تطلیقات فقال:ماقیل لک،فقال:قیل لی بانت منک، قال:صدقوا هو مثل مایقولون.وظاهره الاجماع علی هذاالجواب.

ولما فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم:(۱/۴۷۸،رقم الحدیث:۱۴۷۲،طبع قدیمی)

وقداختلف العلماء فیمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثا،فقال الشافعیؒ ومالکؒ و أبوحنیفةؒ وأحمدؒ وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع ثلاث.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:مزمل شاہ

۱۷رجب ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۳۷۹

﴿جادو سے کاروبار کی بندش﴾

﴿سوال﴾ کیا کاروبار کی بندش بھی جادو کے ذریعے ہوسکتی ہے؟نیز اگر ایسا ہو تو بندش ختم کرنے کے لئے کوئی طریقہ یا وظیفہ بتائیں۔ مستفتی:محمد دین

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ کی روشنی میں سحر حق ہے اور اس کا اثر بھی مسلّم ہے،خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کے سحر کا اثر ہوا،لہٰذا یہ ممکن ہے کہ اُس کے ذریعے سے کاروبار ٹھپ ہوجائے (نعوذ باللہ) یا اُس میں خسارہ ہوجائے۔

لما فی الشامی:(۳/۴۹۲،طبع سعید)

قوله (أوسحر)قال فی البحر فهو عنین فی حق من لایصل الیها لفوات المقصود فی حقها فان السحر عندنا حق وجوده وتصوره وتکون أثره کمافی المحیط

سحر کے اثر کو ختم کرنے کا طریقہ:

سبز بیری کے "سات پتے" لئے جائیں پھر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر انہیں کوٹ دیا جائے، پھر انہیں پانی میں ملایا جائے، اس کے بعد جس پر اثر ہوا ہے وہ شخص اُس میں سے ایک (منہ بھر کے) گھونٹ پی لے اور باقی ماندہ سے غسل کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھرپور امید ہے کہ (مسحور سے) اس کا اثر ختم ہو جائے گا انشاء اللہ۔

لمافی الشامی:(۴/۹۶طبع سعید)

افائدة/نقل ط عن تبيين المحارم عن كتاب وهب بن منبه انه ممايتفع للمسحور والمربوط أن يوتى بسبع ورقات سدرخضروتدق بين حجرين ثم تمزج بماء ويحسور يغتسل بالباقى فانه يزول باذن الله تعالى عزوجل.

نیز سحر کے اثر سے بچنے کا موثر وظیفہ بھی ملاحظہ ہو:

أعوذبكلمات الله التامات اللتى لايجاوزهن برّولافاجروباسماء الله الحسنى كلّهاما علمت منهاومالم أعلم من شرّماخلق وبرأوذرأ.

مذکورہ بالا دعا کو صبح وشام پڑھنے سے یا کم از کم روزانہ ایک بار پڑھ لینے سے بندہ (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے) ہر قسم کے شیطانی شرارتوں جادو، بندش سفلی عمل وغیرہ کے اثرات سے محفوظ رہے گا۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۱۹رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۴۸

﴿کافر کی دعا کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا کافر آدمی کی دعا بھی قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کافر آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں اسکے بارے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن راجح یہی ہے کہ کافر آدمی کی دُعا کو اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دینے کیلئے قبول فرماتے ہیں۔

لمافی شرح للتنویر:(۲/۱۸۵طبع سعید)

وان كان الراجع أن دعاء الكافرقديستجاب استدراجا،وأماقوله تعالى:ومادعاء الكافرين الافى ضلال.ففى الاخرة ... الخ.

وفى الشامية:(قوله وان كان الراجح الخ)اختلف المشايخ فى أنه هل يجوزأن يقال يستجاب دعاء الكافرفمنعه الجمهورللاية المذكورةولانه لايدعوالله لانه لايعرفه لانه

وان أقربه تعالى فلما وصفه بما لا يليق به فلا تنقض القراءة، وما روى فى الحديث من ان دعوة المظلوم وان كان كافرا تستجاب فمحمول على كفران النعمة، وجوزه بعضهم لقوله تعالى حكاية عن ابليس "رب أنظرنى "فقال تعالى "انك من المنظرين" وهذا اجابة واليه ذهب ابو القاسم الحكيم وابو النصر الدبوسى وقال الصدر الشهيد وبه يفتى كذا فى شرح العقائد للسعد وفى البحر عن الولوالجية أن الفتوى على أنه يجوز ان يقال تستجاب دعاؤه، وما فى النهر من قوله أى يجوز عقلا وان لم يقع فهو بعيد بل الخلاف فى الجواز شرعا اذ المانع لا يقول انه مستحيل عقلا تأمل.(قوله فقى الاخرة)وهو دعاء اهل النار بتخفيف العذاب بدليل صدر الاية وهو "وقال الذين فى النار لخزنة جهنم ادعوا ربكم يخفف عنا يوما من العذاب قالوا اولم تك تاتيكم رسلكم بالبينات قالوا بلى قالوا فادعوا وما دعاء الكافرين الا فى ضلال الخ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم و: شاھد اسحاق

۲۵ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۳۳۲

﴿حالتِ مرض میں دَوا کا استعمال نیز ترکِ علاج کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جب کسی مرض سے شفا دینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو پھر دواء استعمال کرنے اور علاج کرانے کی کیا ضرورت ہے کیا یہ توکل کے خلاف نہیں ہے؟ نیز اگر کوئی سخت مریض ہو اور باوجود سخت مریض ہونے کے علاج نہ کرائے یہاں تک کہ اسی مرض میں اس کا انتقال ہو جائے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ ازراہ کرم تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ کسی ضرر اور نقصان کو دور کرنے والے اسباب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جس کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا بندہ کی نظر میں قطعی اور یقینی ہو جیسے پانی سے پیاس اور کھانے سے بھوک ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) جس کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا ظنی ہو یقینی نہ ہو جیسے علاج معالجہ کی وہ تمام قسمیں جن کا تعلق اسباب ظاہرہ سے ہے۔

(۳) جس کے استعمال سے تکلیف کا دور ہونا عام لوگوں کی نظروں میں موہوم ہو (جو ظن سے بھی کم درجہ ہے) جیسے جھاڑ پھونک وغیرہ، اب جاننا چاہیئے کہ پہلی قسم کے اسباب کا چھوڑنا نہ صرف یہ کہ توکل کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اگر موت کا خوف ہو تو ترک کرنا ناجائز اور حرام ہے

اس کے برخلاف تیسری قسم کے اسباب کو چھوڑنا ہی توکل کے لئے شرط ہے اور حدیث شریف میں اس قسم کے اسباب کو چھوڑنے والوں کی فضیلت آئی ہے، لہٰذا اس قسم کے اسباب موہومہ کو چھوڑنے والے نہ صرف یہ کہ گنہگار نہیں ہیں بلکہ عنداللہ ماجور بھی ہیں اور جہاں تک دوسری قسم کے اسباب کا تعلق ہے سو نہ تو ان کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے اور نہ ہی انکو چھوڑنے سے گناہ لازم آتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے آپکی تمام باتوں کا جواب ہوگیا کہ علاج کرانا جس طرح ضروری نہیں، اسی طرح توکل کے منافی بھی نہیں ہے، لہٰذا علاج کرانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور نہ کرانے سے گناہ بھی لازم نہیں آتا۔

اسباب موہومہ کو (جیسے داغنا اور جھاڑ پھونک وغیرہ) چھوڑنا اگرچہ توکل کے اعلیٰ درجہ کیلئے شرط ہے لیکن ان کے ذریعہ سے علاج کرانا بھی جائز ہے۔

لما فی الهندية:(۵/۳۵۵،طبع رشيديه)

علم ان الاسباب المزيلة للضرر تنقسم الى مقطوع به كالماء المزيل لضرر العطش والخبز المزيل لضرر الجوع والى مظنون كالفصد والحجامة وشرب المسهل وسائر ابواب الطب اعنى معالجة البرودة بالحرارة ومعالجة الحرارة بالبرودة وهى الاسباب الظاهرة فى الطب والى موهوم كالكى والرقية اما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عندخوف الموت اما الموهوم فشرط التوكل تركه اذبه وصف رسول الله صلى الله عليه وسلم المتوكلين واما الدرجة المظنونة كالمداواة بالاسباب الظاهرة عندالاطباء فغعله ليس مناقضا للتوكل بخلاف الموهوم وتركه ليس محظورا بخلاف المقطوع به بل قديكون افضل من فعله فى بعض الاحوال وفى حق بعض الاشخاص فهو على درجة بين الدرجتين كذافى الفصول العمادية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۹۶

﴿دنیاوی پریشانیوں کیوجہ سے موت کی تمنا کرنا درست نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہے اس کے لئے خودکشی تو حرام ہے لیکن کیا وہ موت کی تمنا کرسکتا ہے؟ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ کرسکتا ہے، شریعت کا حکم کیا ہے؟

﴿جواب﴾ دنیوی پریشانی چاہے معاشی ہو یا جسمانی یا کسی اور قسم کی ہو اس کی وجہ سے

موت کی تمنا کرنا درست نہیں بلکہ مکروہ ہے ایسی حالت میں صبر کیساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور گناہوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے پھر بھی اگر پریشانی دور نہ ہو تو انشاء اللہ یہ رفع درجات کا سبب بنے گی جو کہ آخرت میں کام آئے گی اور پریشانی اگر دین کی وجہ سے ہو یعنی مختلف قسم کے ایسے فتنے ابھر رہے ہوں جنکی وجہ سے ایمان ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو یا گمراہیوں میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہو تو اس وقت موت کی تمنا کرنا تا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوجائے، درست ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۳۴۴/۲،طبع قدیمی)

عن قیس بن ابی حازم قال دخلنا علی خباب وقداکتوی سبع کیات فی بطنه فقال لوماان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهاناان ندعوبالموت لدعوت به

ولمافی صحیح المسلم:۸۱۳/۲،طبع قدیمی)

عن عائشۃ قالت:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مایصیب المومن من شوکةفمافوقهاالارفع الله بهادرجته اوحط عنه بهاخطیئته.

ولمافی الهندیة:(۳۷۹/۵،طبع قدیمی)

سئل أبوبکر عن تمنی الموت هل یکره قال ان تمنی الموت لضیق عیشه أولغضب دخل من عدوأویخاف ذهاب ماله أونحوذلک فانه یکره له ذلک وان تمنی لتغیراهل زمانه فیخاف من نفسه الوقوع فی المعصیةلابأس به کذافی الحاوی للفتاوی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۸۵

﴿اٹھارہ ہزار مخلوقات کی حقیقت﴾

﴿سوال﴾ بعض مبلغ بھائیوں کو چھ نمبر کے بیان کے دوران یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ "اٹھارہ ہزار مخلوقات کا اکرام کرنا چاہیئے" کیا واقعی مذکورہ بات درست ہے یا اکرام صرف انسانوں ہی کا کرنا چاہیئے؟ مستفتی:عبید

﴿جواب﴾ تبلیغ دین اسلام کا عظیم الشان شعبہ ہے، اس میں کام کرنے والا ہر شخص قابل احترام وتکریم ہے، اس فریضے کو انجام دینا جس طرح خواص یعنی علماءِ کرام کی ذمہ داری ہے، اسی طرح عوام کی بھی ذمہ داری ہے، اس لئے اس شعبے میں ملت اسلامیہ کے عام افراد بھی کثیر

تعداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، بعض اوقات بعض غیر عالم احباب سے دورانِ بیان معمولی سی کوتاہی ہو جاتی ہے (جس سے کوئی فردِ انسانیت بری نہیں ہے) یا وہ کسی مفہوم کو صحیح انداز میں پیش نہیں کر پاتے وغیرہ تو ایسی صورت میں اُنہیں اعتراض اور تنقید کا نشانہ بنانا بڑی تنگ ظرفی کی علامت ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اُنکی ایسی باتوں کو صحیح مرادوں پر محمول کرنا چاہیئے۔

چنانچہ مسئولہ صورت میں مذکورہ تبلیغی بھائی کی بات (کہ اٹھارہ ہزار مخلوقات کا اکرام کرنا چاہیئے) کو صحیح مراد پر محمول کیا جا سکتا ہے مثلاً یوں کہا جائے کہ اُن کی مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ مسلمانوں اور انسانوں کا تو اکرام کرنا چاہیئے اور اُن کے علاوہ دیگر مخلوق پر شفقت و رحمت کرنی چاہیئے اور ہر ہر مخلوق پر شفقت کا حکم حدیث پاک میں ارشاد ہے:

ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السمآء (الترمذی: ۲/۱۴) مذکورہ حدیثِ پاک میں لفظ 'منْ' عام ہے۔ مظاہرِ حق میں ہے: (۴/۵۴۴)

''زمین والوں'' میں سب جاندار داخل ہیں، خواہ وہ حیوان ہوں یا انسان ...... الخ۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۶۳

﴿تخلیقِ انسان کس کی خاطر ہوئی؟﴾

﴿سوال﴾ بعض حضرات سے سنا ہے کہ حدیث قدسی 'لو لاک لما خلقت الافلاک'' صحیح حدیث ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خاطر کائنات بنائی گئی ہے حالانکہ آیت ''وما خلقت الجن والانس'' الخ کے معنی سے پتہ چلتا ہے کہ انس و جن کی پیدائش صرف اور صرف عبادت الٰہی کے واسطے ہوئی ہے، بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ براہ کرم اس اشکال کو دور کر کے سائل کو مطمئن کر دیں؟

﴿جواب﴾ ''لو لاک لما خلقت الافلاک'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سب مخلوقات کی پیدائش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہوئی ہے لیکن یہ آیت مبارکہ ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' کے منافی نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ ''اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے'' اور حضور اکرم کی تشریف آوری بھی عبادت الٰہی کی تکمیل

کے لئے تھی، اس لئے سب مخلوقات کا حضور کی خاطر پیدا کئے جانے کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ سب مخلوقات (جس کے ضمن میں انس وجن بھی ہیں) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمادیا ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ جن وانس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا پھر اپنی عبادت کی تکمیل کے لئے حضور اکرم کو مبعوث فرمادیا۔

اب حدیث قدسی کے معنی ''کہ تمام مخلوقات کی تخلیق حضور ﷺ کی خاطر ہوئی ہے'' اور آیت کریمہ کا مطلب دونوں ایک ہی ہیں، اس لئے دونوں میں تعارض نہیں ہے، جہاں تک حدیث مذکورہ کے صحیح ہونے کا تعلق ہے وہ یہ کہ حدیث مذکورہ لفظاً موضوع ہے اور معناً صحیح ہے، اس کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

لمالی الموضوعات الکبری:(۱۹۴،طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

حدیث لولاك لماخلقت الا فلاك قال الصغانی: انه موضوع، کذا فی "الخلاصة" لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس (رضی الله عنهما) مرفوعا لولاك ماخلقت الدنیا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۶۱

﴿حضرت لقمان پیغمبر تھے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل سوال کے بارے میں کہ حضرت لقمان حکیم پیغمبر تھے یا نہیں؟ ہم چند ساتھیوں کا اس میں اختلاف ہے آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں انکے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟

مستفتی: محمد اقبال خان لانڈھی

﴿جواب﴾ جمہور کا موقف یہ ہے کہ حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نیک، صالح بندے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپکو علم وحکمت جیسی عظیم نعمت سے نوازا تھا لیکن آپ نبی نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے، ہمارے لئے ان پر تفصیلی ایمان رکھنا اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے ان پر اجمالی ایمان رکھنا کہ جن کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خواہ وہ کسی بھی زمانے میں مبعوث ہوئے ہوں ہمارا ان پر ایمان ضروری ہے اور بس،

باقی جن کی نبوت قطعی طور پر ثابت نہیں ہے اور خود اہل علم کا اُنکی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے، ان کے بارے میں بحث کرنا اور خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا انتہائی افسوس ناک اور غیر مناسب عمل ہے آج کل کے نوجوانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اُن کو فرائض و واجبات تک کا علم تو نہیں ہوتا اور نہ ہی معلوم کرنے کے لئے اُن کو فرصت ہوتی ہے لیکن فضول بحث ومباحثہ اُن کا بہترین مشغلہ بن گیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ اسی المیہ پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لمافی الشامی:(۶/۷۵۲،طبع سعید)

[تتمہ]یکرہ الجدل فی ان لقمان وذالقرنین وذالکفل انبیاء ام لا؟وینبغی ان لایسأل الانسان عما لاحاجۃالیہ کان یقول کیف ھبط جبریل وعلی ای صورۃرآہ النبی ﷺ؟وحین رآہ ھل بقی ملکا ام لا؟واین الجنۃوالنار ومتی الساعۃونزول عیسی؟واسماعیل افضل ام اسحاق وابھما الذبیح؟ وفاطمۃ افضل من عائشۃ ام لا؟وابوالنبی ﷺ کانا علی ای دین؟ومادین ابی طالب ومن المھدی الی غیر ذلک مما لاتجب معرفتہ ولم یرد التکلیف بہ.

ولمافی المظہری:(۷/۲۵۳،طبع رشیدیہ)

قال البغوی اتفق العلماء علی انہ کان حکیما ای فقیھا علیما ولم یکن نبیا الاعکرمۃ فانہ قال کان نبیا وتفرد بھذا القول.

ولمافی تفسیر ابن کثیر:(۶/۲۹۸،طبع بیروت)

اختلف السلف فی لقمان:ھل کان نبیا او عبدا صالحا من غیر نبوۃ؟علی قولین الاکثرون علی الثانی.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

یکم جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۲۳۲

﴿تدبیر اختیار کرنا تقدیر کے خلاف نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ رات کو گھر کا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے کہ جو خدا نے تقدیر میں لکھا ہوگا وہ ہو کر رہے گا کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟

﴿جواب﴾ تدبیر توکل کے خلاف نہیں ہے، بے شک تقدیر کے فیصلے کو تدبیر سے نہیں روکا جاسکتا لیکن بندہ تدبیر کا مکلف ہے، اس لئے نیک اعمال پر اجر وثواب ہے اور برے اعمال پر سزا

بھی ہے گھر کا دروازہ بند کرنا سنت ہے اور نقصان کا ہونا یا نہ ہونا دروازے کے بند کرنے یا کھلے رہنے پر موقوف نہیں بلکہ اگر نقصان کا ہونا تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو وہ ہر حال میں ہوگا، البتہ احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ سنت پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب کے درجہ میں دروازہ بند کر کے سوئے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة بقرة آیت ۲۸۶) لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت الاٰیة

ولمافی سنن ابی داود:(۲/۸۶۱، طبع امدادیه ملتان)

عن جابرؓ عن النبی ﷺ قال اغلق بابک واذکر اسم اللّٰه فان الشیطان لایفتح باباً مغلقاً

ولمافی سنن الترمذی:(۲/۷۴، طبع فاروقی ملتان)

حدثنا مغیرة بن ابی قرة السدوسی قال سمعت انس بن مالکؓ یقول قال رجل یارسول اللّٰه اعقلها واتوکل او اطلقها واتوکل قال اعقلها وتوکل.

ولمافی شرح العقیدة الطحاویة:(ص ۲۰۰، طبع الغرباء)

قد ظن بعض الناس ان التوکل ینافی الاکتساب وتعاطی الاسباب، وان الامور اذا کانت مقدرة فلاحاجة الی الاسباب: وهذا فاسد فان الاکتساب منه فرض ومنه مستحب ومنه مباح ومنه مکروه ومنه حرام، وقد کان النبی ﷺ افضل المتوکلین یلبس لأمة الحرب ویمشی فی الاسواق للاکتساب، حتی قال الکافرون "مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق" (سورة الفرقان، آیت ۷) ولهذا تجد کثیرا ممن یری ان الاکتساب ینافی التوکل یرزقون علی من یعطیهم، اما صدقة، واما هدیة وقد یکون ذلک من مکاس، او والی شرطة او نحو ذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین عفی عنہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۶۷۴

﴿انسان کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کوئی آدمی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے یعنی اس نے صرف کلمہ پڑھا ہے باقی نہ نماز پڑھتا ہے نہ کوئی دوسرے فرائض ادا کرتا ہے صرف دنیا کی کمائی کے پیچھے پڑا ہوا ہے تو کیا یہ آدمی مسلمان تصور ہوگا اور کبھی جنت میں جائے گا؟

﴿جواب﴾ کلمہ طیبہ پڑھنے سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور دین کے تمام احکام اس پر لازم ہو جاتے ہیں، اب اگر وہ فرائض کی ادائیگی میں سستی کرتا ہے اور اسے بجا

نہیں لاتا تو اس ترک فرائض پر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا امور دینیہ کو ترک کرنا استہزاءً نہ ہو تو ایسے شخص کو فاسق کہا جا سکتا ہے کافر نہیں اور اگر فرائض کی ادائیگی کو یا کسی بھی دینی امر کو ہلکا اور مذاق سمجھ کر اس کو چھوڑتا ہو تو اس صورت میں اس کا یہ عمل اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا، رہا یہ مسئلہ کہ ایسا شخص جنت میں جائے گا تو بیشک کلمہ طیبہ کی بدولت ارتکاب معاصی کی بناء پر مشیت ایزدی کے تحت سزا پانے کے بعد کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور جائے گا بشرطیکہ ایمان کی حالت میں اس دنیا سے گیا ہو۔

لمافی صحیح البخاری :(۱۱/۱،طبع قدیمی)

عن انسؓ عن النبی ﷺ قال یخرج من النار من قال لاالٰہ الااللہ وفی قلبہ وزن شعیرۃ من خیرو یخرج من النار من قال لاالٰہ الا اللہ وفی قلبہ وزن برۃ من خیرو یخرج من النار من قال لاالٰہ الااللہ وفی قلبہ وزن ذرۃ من خیر۔

ولمافی الشامی:(۳۵۱/۱-۳۵۲،طبع سعید)

(وهی فرض عین علی کل مکلف) . (ویکفر جاحدها)لثبوتها بدلیل قطعی (وتارکها عمدا مجانة)ای تکاسلا فاسق.

ولمافی الفقہ الأکبر:(ص۱۱۷،طبع دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

ولا نکفر مسلما بذنب من الذنوب وان کانت کبیرۃ اذا لم یستحلها ولا نزیل عنہ اسم الایمان ونسمیہ مؤمنا حقیقۃ،ویجوز ان یکون مؤمنا فاسقا غیر کافر.

ولمافی بیان الفوائد فی شرح العقائد:(ص۱۳۶)

واهل الکبائر من المؤمنین لا یخلدون فی النار وان ماتوا من غیر توبۃ لقولہ تعالی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ونفس الایمان عمل خیر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۶۱

﴿نادانستہ طور پر کوئی شرکیہ کلمہ کہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر ایک آدمی زبان سے کوئی ایسا حرف کہتا ہے جو شرک ہے اور آدمی کو پتہ نہیں کہ یہ شرک ہے تو کیا یہ مشرک شمار ہوگا، نیز کیا مشرک ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا یا سزا بھگتنے کے بعد نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟

﴿جواب﴾ شرکیہ کلمہ کا مطلب معلوم نہ ہو تب بھی قصداً بولنے سے بعض علماء کرام کے نزدیک

بولنے والا مشرک ہوجاتا ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا شخص بلا تاخیر تجدید ایمان کرے اور نکاح بھی، واقعی اگر کوئی شخص مشرک ہے اور شرک پر موت آئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

لمافی قاضی خان علی هامش الهندية:(۲/۵۷۷ طبع رشیدیه)

اما الجاهل اذاتكلم بكفرولم يدرانه كفراختلفوافيه قال بعضهم لايكون كفراويعذر بالجهل وقال بعضهم يصير كافراولايعذر بالجهل.

ولمافی روح المعانی:(۶/۵۱۰ طبع رشیدیه)

لانهادارالموحدين والمراديمنع من دخولها كمايمنع المحرم عليه من المحرم.

لمافی فتح الملهم:(۲/۱۱۹-۱۲۰، طبع دارالعلوم کراچی)

قال وكيع قال رسول الله ﷺ وقال ابن نمير سمعت رسول الله ﷺ يقول من مات يشرك بالله شيئادخل النار وقلت انا ومن مات لايشرك بالله شيئادخل الجنة. قال العلامة شبيراحمدالعثمانيؒ تحت هذاالحديث هوالذى يقتضيه النظرلان جانب الوعيدثابت بالقرآن وجاء ت السنة على وفقه فلايحتاج الى الاستنباط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: بلال احمد

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۹۱

﴿قبر میں پہلا سوال کیا ہوگا؟﴾

﴿سوال﴾ قبر میں پہلے "مــن ربک" کے بارے میں سوال ہوگا یا آپ ﷺ کے بارے میں؟ جب کہ بخاری شریف کی حدیث میں صرف "ماتقول فی هذاالرجل" آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا سوال آپ ﷺ کے بارے میں ہوگا، ورنہ بخاری شریف میں ایسی حدیث کیوں نہیں جس میں "من ربک" کا سوال پہلے ہو؟

﴿جواب﴾ مرنے کے بعد فرشتے جو سوالات کرینگے ان میں پہلا سوال "من ربک؟" پھر "مادینک؟" اس کے بعد آپ ﷺ کے بارے میں سوال کیا جائے گا بخاری شریف کی حدیث میں صرف ایک سوال کا ذکر ہے باقی جس طرح دو سوالوں سے یہ حدیث خاموش ہے اسی طرح اس میں ترتیب کا بھی کوئی ذکر نہیں، لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ ﷺ کے بارے میں پہلے سوال ہوگا یا دوسرے سوالات نہیں ہونگے صحیح نہیں، اس لئے کہ دوسری احادیث صحیحہ میں تینوں سوالات ترتیب سے ذکر ہیں، اور خود بخاری: (۲/۶۷۳، کتاب التفسیر، سورۃ ابراھیم، طبع رحمانیہ)

میں ایک حدیث جس میں سوال کی وضاحت تو نہیں ہے لیکن جواب میں دو چیزیں ذکر ہیں، قال المسلم اذا سئل فی القبر یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله الخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے "من ربک" کے بارے میں سوال ہوگا اسلئے تو مسلمان جواب میں "لا اله الا الله" کہے گا، نیز بخاری شریف میں کسی حدیث کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور حدیث ہے ہی نہیں یا صحیح نہیں ہے امام بخاریؒ بعض احادیث کو اس لئے ذکر نہیں کرتے کہ ان کو اپنی شرائط کے موافق نہیں ملی خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ کتاب کی طوالت کیوجہ سے میں نے بہت صحیح احادیث چھوڑ دیں۔

لمافی الصحیح للبخاری:(ص ۴ مقدمة البخاری طبع قدیمی)

قال ما ادخلت فی کتاب الجامع وترکت کثیرا من الصحاح لحال الطول.

ولمافی صحیح المسلم:(۳۸۶/۲، طبع قدیمی)

عن البراء بن عازبؓ عن النبی ﷺ قال یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت قال نزلت فی عذاب القبر یقال له من ربک فیقول ربی الله ونبی محمد ﷺ. وهکذا رواه ابن ماجة:(ص ۳۱۵، طبع قدیمی)

ولمافی سنن ابی داود:(۳۱۰/۲، طبع قدیمی)

حدثنا عثمان ابن ابی شیبة.... وقال وانه لیسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرین حین یقال له یا هذا من ربک وما دینک ومن نبیک الخ.

ولمافی النبراس:(ص ۲۰۷، طبع حقانیه ملتان)

وقال علیه السلام قوله تعالی: یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت .... فی الحیوة الدنیا وفی الاخرة.... نزلت فی عذاب القبر..... اذا قیل له من ربک وما دینک ومن نبیک فیقول ربی الله ودینی الاسلام ونبی محمد ﷺ رواه الامام احمدؒ والبیهقی بسند صحیح عن ابی سعید الخدریؓ وابن حبان والحاکم عن ابی هریرةؓ وقد جاء معنی هذا الحدیث عن کثیر من الصحابة رضی الله عنهم اجمعین.

ولمافی مهذب شرح العقیدة الطحاویة:(ص ۳۱۶ طبع الغرباء)

قال فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک ؟ فیقول ربی الله فیقولان ما دینک فیقول: دینی الاسلام، فیقولان ما هذا الرجل بعث فیکم ؟ فیقول هو رسول الله ﷺ.

ولمافی صحیح المسلم:(۳۸۶/۲، طبع قدیمی)

عن البراء عن النبی ﷺ فی قوله یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا وفی

الاخرة قال فی القبر اذاقیل له من ربک ومادینک ومن نبیک هذاحدیث حسن صحیح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۸۰

﴿کیا دنیاوی مصائب و پریشانیاں اجر وثواب کا باعث ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ (۱) بیماری کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں بیماری صرف گنہگار پر آتی ہے یا پرہیزگار آدمی پر بھی آتی ہے کیا اس بیماری کی وجہ سے پرہیزگار آدمی کے درجات بلند ہوتے ہیں؟

(۲) کسی آدمی پر کوئی مصیبت آجائے یا معاشرے میں بدنام ہو جائے تو کیا یہ آزمائش ہوتی ہے یا قہر خدا اس کی کیا پہچان ہے؟

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر عظیم احسان ہے کہ اپنے بندوں کی بیماریوں اور پریشانیوں کو ان کے گناہوں کی معافی اور رفع درجات کا ذریعہ بنایا ہے، لہٰذا بیماری وغیرہ کو گناہ گاروں کیلئے گناہوں کی معافی کا ذریعہ سمجھنا چاہیے اور پرہیزگاروں کیلئے رفع درجات کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔

لمافی قوله تعالیٰ: (سورة بقرة آیت ۱۵۶-۱۵۷)

الذین اذااصابتهم مصیبة قالوااناللّٰه وانااليه راجعون. اولٰئک علیهم صلوات من ربهم ورحمة واولٰئک هم المهتدون.

ولمافی المظهری: (۱/۱۵۵، طبع رشیدیه)

وکل مااعطانامن النعم فهومواهبه الهنیئة وعواریه المستودعة فحق علینا ان نرضی بقضائه ولانکفرعنداستردادامانا ته فان المالک یتصرف فی ملکه کیف یشاء (واولٰئک هم المهتدون) للحق والصواب حیث استرجع ورضی بقضائه سبحانه وتعالیٰ ...... وقد وردت الاخبار فی حق ثواب اهل البلاء واجر الصابرین منهامارویٰ عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ یوداهل العافیة یوم القیامة حین یعطی اهل البلاء الثواب لوان جلودهم کانت قرضت فی الدنیا بالمقاریض.

ولمافی الصحیح للمسلم: (۲/۳۱۸، طبع قدیمی)

عن عائشةؓ قالت قال رسول اللّٰه ﷺ مایصیب المومن من شوکة فما فوقها الارفعه اللّٰه بهادرجة اوحط عنه بهاخطیئة، عن ابی سعیدؓ وابی هریرةؓ انهما سمعارسول اللّٰه ﷺ

یقول مایصیب المؤمن من وصب ولا نصب ولا سقم ولا حزن حتی الھم یھمہ الا کفر بہ من سیئاتہ ۔ قال العلامۃ النووی تحت ھذہ الاحادیث : فی ھذہ الاحادیث بشارۃ عظیمۃ للمسلمین فانہ قلمایتفک الواحدمنھم ساعۃ من شئ من ھذہ الامور وفیہ تکفیر الخطایابالامراض والاسقام ومصائب الدنیاوھمومھاوان قلت مشتقتھاوفیہ رفع الدرجات بھذہ الامور وزیادۃ الحسنات وھذاھو الصحیح الذی علیہ جماھیر العلماء.

ولمافی تکملۃفتح الملھم:(۲۷۷-۲۷۶/۵،طبع دار العلوم کراچی)

قال العلامۃ محمدتقی العثمانی زیدمجدھم تحت ھذہ الاحادیث قال القرافی المصائب کفارات جزماسواء اقترن بھاالرضاء ام لالکن ان اقترن بھاالرضاء عظم التکفیروالافل. کذاقال والتحقیق ان المصیبۃ کفارۃ لذنب یوازیھا وبالرضاء یوجرعلی ذلک فان لم یکن للمصاب ذنب عوض عن ذالک من الثواب بمایوازیہ.

مصائب وآفات کے ذریعے جن لوگوں کوان کے گناہوں کی کچھ سزادی جاتی ہے اوربعض ایمانداروں کورفع درجات یا کفارہ سیئات کیلئے بطورامتحان مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے ابتلاء کی ظاہری صورت ایک ہی طرح کی ہوتی ہے،ان دونوں میں فرق کیسے پہچانا جائے؟

اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ لکھی ہے کہ جونیک لوگ بطورابتلاء وامتحان مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کومطمئن کردیتے ہیں اوروہ ان مصائب پرایسے راضی ہوتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دوایا آپریشن پر باوجود تکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے بخلاف ان گنہگاروں کے جوبطورسزا مبتلاء کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور جزع وفزع کی حدنہیں رہتی بعض اوقات ناشکری بلکہ کلمات کفرتک پہنچ جاتے ہیں،سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے ایک پہچان یہ بتلائی کہ جس مصیبت کیساتھ انسان کواللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے گناہوں پرتنبیہ اورتوبہ واستغفارکی رغبت زیادہ ہوجائے وہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ قہرنہیں بلکہ مہربانی اورعنایت ہے اورجس کی یہ صورت نہ بنے بلکہ جزع وفزع اورمعاصی میں اورزیادہ انہماک بڑھ جائے تووہ قہرالٰہی اورعذاب کی علامت ہے۔بحوالہ معارف القرآن:(۷۵۷/۶،طبع ادارۃ المعارف)لمافی قولہ تعالیٰ:(سورۃ روم آیت ۴۱)

ظھر الفساد فی البر والبحر بماکسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین عفی عنہ

۳جمادی الاول ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۸۵۰

﴿صرف دل میں خیال آنے سے گناہ نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر دل میں کوئی برا خیال آئے جب کہ زبان سے کچھ نہ کہا جائے تو کیا اس سے بھی آدمی کو گناہ ملتا ہے؟

﴿جواب﴾ خیالات کا آنا انسانی اختیار سے باہر ہے، لہٰذا دل میں کسی گناہ کا خیال آنے سے انسان گنہگار نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة البقرة، آیت ۲۸۶)

لا یکلف الله نفسا الا وسعها

ولمافی احکام القرآن:(۳۷۹/۱، طبع:ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه)

قال العلامة ظفر احمد العثمانی تحت هذه الآیة فلا یواخذ المرأ بما یقع فی نفسه من الوساوس من غیر قصد منه ولا اختیار . و یواخذ بما حصل فیها حصولا اصلیا بحیث یوجب اتصافها به ... ولا کذالک سائر مایحدث فی النفس ونظمه بعضهم مراتب التصخمر، هاجس، ذکروا فخاطر، فحدیث النفس فاستمعا یلیه هم، فعزم، کلها رفعت سوی الاخیر فلیه الاخذ قد وقعا.

ولمافی مرقاة المفاتیح:(۲۲۳/۱، طبع رشیدیه)

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تعالی تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورها، مالم تعمل به او تتکلم . محمول علی ما اذا لم تستقر ذالک معفو بلاشک لانه لا یمکن الانفکاك عنه بخلاف الاستقرار.

ولمافی الاشباه والنظائر:(ص ۵۲-۵۳، طبع قدیمی کراچی)

ومنها حدیث النفس لا یواخذ به مالم یتکلم او یعمل به کما فی حدیث مسلم وحاصل ماقالوه ان الذی یقع فی النفس من قصد المعصیة او الطاعة علی خمس مراتب: الهاجس وهو مایلقی فیها ثم جریانه فیها وهو الخاطر، ثم حدیث النفس، وهو مایقع فیها من التردد، هل یفعل او لا ثم الهم وهو الترجیح وهو ترجیح قصد الفعل، ثم العزم وهو قوة ذلک القصد والجزم به، فالهاجس لا یواخذ به اجماعا، لانه لیس من فعله وانما هو شیئ ورد علیه لا قدرة له فیه ولا صنع. والخاطر الذی بعده کان قادرا علی دفعه بصرف الهاجس اول وروده، ولکن هو ومابعده من حدیث النفس مرفوعان بالحدیث الصحیح واذا ارتفع حدیث النفس ارتفع ماقبله بالاولیٰ. وهذه الثلاثة لو کانت فی الحسنات لم یکتب له بها اجر لعدم القصد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین عفی عنہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر: ۷۶۹

﴿رؤية النبی ﷺ ربه ليلة المعراج﴾

﴿شب معراج میں نبی ﷺ کا اللہ کی زیارت کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ماقولكم(رحمكم الله)فی رؤية النبی ﷺ ربه ليلة المعراج؟

﴿جواب﴾اختلف اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم فی هذه المسألة والأحوط ان يتوقف الانسان ولايجزم فی ذالک بشی لأن لايلزم تخطيئة احد الطرفين وفی كلاهما من اصحاب النبی ﷺ ولان الآيات لاتدل على احد المعانی بالصراحة والاحاديث ايضا آحاد لاتثبت بها العقيدة ومع هذا لاتعلق بالرؤية وعدمها عمل من اعمالنا.

لما فی فتح الملهم:(۲/۲۱۶-۲۱۷،طبع دار العلوم كراچی)

اختلف السلف فی رؤية النبی ﷺ ربه فذهبت عائشة وابن مسعودؓ الی انكارها واختلف عن ابی ذرؓ وذهب جماعة الی اثباتها ... (۲/۲۱۷) ... وقد رجح القرطبیؒ فی المفهم قول الوقف فی هذه المسئلة وعزاه جماعة من المحققين وقواه بانه ليس فی الباب دليل قاطع وغاية ما استدل به للطائفتين ظواهر متعارضة قابلة للتأويل قال وليست المسئلة من العمليات فيكتفی فيها بالادلة الظنية وانما هی من المعتقدات فلا يكتفی فيها الابالدليل القطعی.

ولما فی شرح الفقه الأكبر:(ص۳۱۲،طبع بيروت)

اختلفوا فی جواز ها فی الدنيا شرعا فاثبتها أكثرون ونفاهم آ خرون ثم الذين أثبتوها فی الدنيا خصوها وقوعها له ﷺ فی ليلة الاسراء على خلاف فی ذالک بين السلف والخلف من العلماء والاولياء و الصحيح انه ﷺ رأى ربه بفؤاده لا بعينه كما فی شرح العقائد وغيرهوهكذا فی النبراس.(ص۲۹۵،طبع)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:معراج الدین

۱۷ربیع الثانی۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۳۴۳

﴿غیر اللہ کی تعظیم کیلئے ذبح کئے گئے جانور کا گوشت حرام ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو قتل کرتا ہے پھر جب قاتل کے ورثاء مقتول کے ورثاء سے صلح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ (مقتول کے ورثاء) صلح پر راضی نہ ہوں تو قاتل کے ورثاء مقتول کے ورثاء کے دروازے پر رات کے وقت چپکے سے ایک جانور (دنبہ وغیرہ) لے جا کر

ذبح کرتے ہیں جو کہ مقتول کے ورثاء کے سامنے عاجزی اور کمزوری کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ اس ذبیحہ کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ جبکہ اس ذبیحہ کا گوشت مقتول کے ورثاء اٹھاتے ہیں پکا کر خود بھی کھاتے ہیں اور احباب وغیرہ کو بھی کھلاتے ہیں۔ مستفتی: محمد عظیم عبدالخیل

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں یہ عمل کبیرہ گناہ ہے اور اس ذبیحہ کا گوشت مردار جانور کی طرح حرام ہے اگر چہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہو، اسلئے کہ اس ذبح سے مراد سامنے والے (مقتول کے ورثاء) کی تعظیم مطلوب ومقصود ہے۔ اور جو جانور کسی کی تعظیم کی نیت سے ذبح کیا جائے وہ مردار جانور کی طرح حرام ہوتا ہے، لہذا مقتول کے ورثاء کھائیں یا کوئی دوسرا مسلمان سب کیلئے حرام ہے۔

لمافی قوله تعالی: (سورة البقرة الآية ۱۷۳)

انّما حرّم عليكمُ المَيْتة والدّم ولحم الخنزير وما أهلّ به لغير الله..... الاية.

ولمافی الشامی: (۶/۳۱۰، طبع سعید)

"واعلم أن المدار على القصد عند ابتداء الذبح فلا يلزم أنه لوقدم للضيف غيرها أن لا تحل لأنه حين الذبح لم يقصد تعظيمه بل اكرامه بالاكل منها وأن قدم اليه غيرها و يظهر ذلك أيضاً فيما لو ضافه امير فذبح عند قدومه ، فأن قصد التعظيم لا تحل وان اضافه بها و ان قصد الاكرام تحل وان اطعمه غيرها تأمل.

ولمافی اعلاء السنن: (۱۷/۹۵-۹۶، طبع دار الكتب العلمية)

وأما قول بعض الاحباب: وشرط الحل هو الذبح على اسم الله لالوجه الله الخ ففيه انه يشترط ان لايكون لتعظيم غير الله وقد صرح الفقهاء بأن أراقة الدم لم تعهد قربة الافي الهدى والأضحية وفي العقيقة على الخلاف فلا يجوز الذبح للاراقة وحدها في غير ذلك. واذااجتمع بهاقصدتعظيم غيرالله صار المذبوح ميتة كماذبح لقدوم الأمير وقصدالاراقةفقط ولوذبح لقدومه ليأكل الأمير منه لم يحرم وكان كالذبح للضيف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: شاکر اللہ

۹ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر: ۱۱۸۶

﴿ستاروں، جنتری اور طوطے وغیرہ کے ذریعے فال نکلوانا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل

ستاروں، جنتری اور طوطے وغیرہ کے ذریعے جو فال نکالا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ جس اعتقاد کے ساتھ آجکل ستاروں، جنتری اور طوطے وغیرہ کے ذریعے فال نکالا جاتا ہے یہ محض توہم پرستی ہے اور ناجائز ہے اور بدفالی سے متعلق احادیث مبارکہ میں انتہائی سخت وعیدیں آئی ہیں، اسلئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح:(۲۹۱/۸،طبع رشیدیہ)

"لاطیرۃ" فنفاہ الشرع وأبطلہ ونھاھم عنہ وأخبرأ نہ لیس لہ تا ثیر فی جلب نفع أودفع ضرکذاذکرہ فی النھایۃ وقال شارح:لایجوز العمل بالطیرۃ وھی التفاول بالطیروالتشاؤم بھاکانوایجعلون العبرۃ فی ذلک تارۃ بالأسماء وتارۃ بالأصوات وتارۃ بالسنوح والبروح وکانوایھیجونھا من أماکنھالذلک.

ولمافیہ ایضا:(۲۷۸/۹،طبع رشیدیہ)

عن ابن عباس قال:قال رسول اللہ ﷺ "یدخل الجنۃ من امتی سبعون ألفا بغیر حساب ھم الذین لا یسترقون ولایتطیرون وعلی ربھم یتوکلون.

(الذین لا یسترقون) أی لا یطلبون الرقیۃ مطلقاأو بغیرالکلمات القرانیۃ والاسماء الصمدانیۃ (ولا یتطیرون)أی ولا یتشاء مون بنحوالطیرولا یأخذون من الحیوانات و الکلمات المسموعات علا مۃ الشروالخیر(الخ)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم :محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۶۷۱

﴿مزاح میں اپنے آپ کو کافر کہنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مزاح اور گپ شپ کے دوران اپنے آپکو کافر کہہ دے اور یہ کہتا ہے کہ میں کافر ہوں، سوال یہ ہے کہ اسطرح کہنے سے وہ کافر ہوجائے گا؟ مستفتی: اکرام پشاوری

﴿جواب﴾ اپنے اختیار اور ارادے سے اپنے کو کافر کہنا کفر ہے، اس طرح کا مزاح کرنا دین اسلام کو کوئی اہمیت نہ دینے کی دلیل ہے، لہٰذا اس شخص پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے، تجدید ایمان کیساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی کرے۔

لمافی الدرالمختار:(۲۲۲/۴،طبع سعید)

من هزل بلفظ كفرارتد،وان لم يعتقد للاستخفاف فهو ككفر العناد وقال الشامیؒ:(قوله من هزل بلفظ كفر) ای تكلم به باختياره غير قاصد معناه وهذالاينافی مامرمن ان الايمان هو التصديق فقط أومع الاقرارلان التصديق وان كان موجوداحقيقة لكنه زائل حكمالان الشارع جعل بعض المعاصی امارة علی عدم وجوده كالهزل المذكور وكمالوسجدلصنم أووضع مصحفافی قاذورةفانه يكفروان كان مصدقا،لان ذلك فی حكم التكذيب كماافاده فی شرح العقائدواشارالی ذلك بقوله"للاستخفاف"فان فعل ذلك استخفافاواستهانة بالدين فهو امارة عدم التصديق الی قوله قلت ويظهر من هذاان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان لم يقصد الاستخفاف لانه لوتوقف علی قصده لمااحتاج الی زيادةعدم الاخلال بما مر لان قصد الاستخفاف مناف للتصديق (فهو ككفر العناد) ای ككفرمن صدق بقلبه و امتنع عن الاقرار بالشهادتين عناداومخالفة فانه امارةعدم التصديق وان قلنا :ان الاقرار ليس ركنا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم :عزیزالرحمٰن غفرلہ

۲۴ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۹۶

﴿گناہ کے عزم پرمواخذہ ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث میں زنا کے چار درجات بیان کیے گئے ہیں، آخری درجہ دل میں زنا کا خیال لانا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا برا خیال آتے ہی زنا کا گناہ لکھا جائے گا یا اس کی کوئی حد متعین ہے؟ مستفتی:محمد عظیم ڈیرہ اسمٰعیل خان

﴿جواب﴾ انسان کے دل میں برائی کا خیال پیدا ہوتو اسکی پانچ صورتیں ہیں:(۱) کسی گناہ کا خیال بلاقصدواختیار کے اچانک دل میں پیدا ہوکر گذر جائے تو اسے ''هاجس'' کہا جاتا ہے (۲) اگر یہی خیال دل ودماغ میں ٹھہر جائے جس سے خلجانی کیفیت پیدا ہوتو اسے ''خاطر'' کہتے ہیں (۳) اور دل میں ٹھہرنے کے بعد اسکے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ترددواقع ہوتو اسے ''حدیث النفس'' سے تعبیر کیا گیا ہے (۴) برے خیال کے دل میں جم جانے کے بعد طبیعت کی خواہش بھی اسکے کرنے کی ہوتو یہ ''ھم'' ہے، ان چاروں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے بلکہ عمل کا قصد ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو عمل سے باز رکھا تو اسکے عوض نیکی لکھی جاتی ہے (۵) آخری درجہ عزم کا ہے یعنی کسی برے عمل کا ایسا پختہ ارادہ کرنا کہ اگر اسباب وذرائع مہیا ہوں تو وہ یقیناً عملی صورت

اختیار کرے، اس عزم وقصد پر مواخذہ ہوگا اور حدیث میں اسی کو زنا سے تعبیر کیا گیا ہے، اس درجہ کے بعد عزم پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش آئی یا خود ہی دنیاوی نقصان سے بچنے کی غرض سے رجوع کیا تو عزم کا گناہ باقی رہے گا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے لیکن خوف خدا کی وجہ سے از خود اس سے رجوع کیا تو مجاہدہ نفس کی وجہ سے ثواب ملے گا۔

لمافی الاشباه والنظائر:(۱/۴۲،طبع دارالفکر بیروت)

وحاصل ما قالوا: ان الذی یقع فی النفس من قصد المعصیة او الطاعة علی خمس مراتب الهاجس و هو ما یلقی فیها ثم جریانه فیها و هو الخاطر ثم حدیث النفس و هو ما یقع فیها من التردد هل یفعل او لا ثم الهم و هو ترجیح قصد الفعل ثم العزم و هو قوة ذلک القصد والجزم به فالهاجس لا یؤاخذ به اجماعا والخاطر الذی بعده کان قادرا علی دفعه بصرف الهاجس اول وروده ولکن هو وما بعده من حدیث النفس مرفوعان بالحدیث الصحیح واما الهم فقد بین فی الحدیث الصحیح ان الهم بالحسنة یکتب حسنة والهم بالسیئة لا یکتب سیئة وان الهم مرفوع واما العزم فالمحققون علی انه یؤاخذ به.

ولما فی المرقاة:(۱/۲۲۳-۲۲۲،طبع رشیدیه)

المذهب الصحیح المختار الذی علیه الجمهور ان افعال القلوب اذا استقرت یؤاخذ بها ثم نقل صاحب الازهار عن الاحیاء ما حاصله ان لأعمال القلب اربع مراتب: الاول الخاطر کما لو خطر له صورة امرأة مثلا خلف ظهره فی الطریق لو التفت الیها یراها والثانی هیجان الرغبة الی الالتفات الیها ونسمیه میل الطبع والاول حدیث النفس والثالث حکم القلب بان یفعل ای ینظر الیها ونسمیه اعتقادا والرابع تصمیم القلب علی الالتفات وجزم النیة فیه ونسمیه عزما بالقلب اما الخاطر فلا یؤاخذ به وکذا المیل وهیجان الرغبة واما الثالث وهو الاعتقاد فهو مردد بین أن یکون اختیارا او اضطرارا ینکره فالاختیاری یؤاخذ والاضطراری لا یؤاخذ واما الرابع وهو العزم والهم بالفعل فانه یؤاخذ به وعلیه تنزل الآیات التی دلت علی مؤاخذة اعمال القلوب الا أنه ان ترک خوفا من الله تعالی کتبت له حسنة لان همه سیئة وامتناعه عنها مجاهدة مع نفسه وان ترکها لعائق اوفاتها ذالک لعدم الحصول کتبت علیه سیئة للعزم والهمة الجازمة

ولما فی فتح الملهم:(۲/۲۰۱،طبع دارالعلوم کراچی)

وقسم بعضهم ما یقع فی النفس اقساما یظهر منها الجواب عن الثانی، اضعفها ان یخطر له ثم یذهب فی الحال وهذا من الوسوسة وهو معفو عنها وهو دون التردد وفوقه ان یتردد فیه فیهم به ثم ینفر عنه فیترکه ثم یهم به ثم یترک کذلک ولا یستمر علی

قصده وهذا هو التردد فيعفى عنه ايضا وفوقه ان يميل اليه ولا ينفر منه بل يصمم على فعله فهذا هو العزم وهو منتهى الهم الى قوله ـ . وذهب كثير من العلماء الى المواخذة با لعزم المصمم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری

۲ صفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۶۳

﴿نجومی کو ہاتھ دکھانا﴾

﴿سوال﴾ نجومی کو ہاتھ دکھانا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص صرف شوقیہ طور پر یا تجربہ کرنے کے لیئے نجومی کو ہاتھ دکھائے تو کیا جائز ہے؟ مستفتی: عبدالکریم گذاب کراچی

﴿جواب﴾ نجومی کو ہاتھ دکھانا جائز نہیں، شوقیہ اور تجربہ کے لیئے بھی جائز نہیں اس سے عقیدہ کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہے اور ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی ہے ایسے لوگوں سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافي الصحيح لمسلم:(۲/۲۳۲-۲۳۳،طبع قديمى)

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يارسول الله امورا كنانصنعهافي الجاهلية كنا ناتي الكهان قال فلاتاتوالكهان الخ.

عن صفية عن بعض ازواج النبي صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من اتى عرافا فساله عن شيء لم تقبل له صلاة اربعين ليلة.

قال النووى رحمه الله على هامش هذا الباب:

الثالث المنجمون وهذا الضرب يخلق الله تعالى فيه لبعض الناس قوة ما لكن الكذب فيه اغلب ومن هذا الفن العرافة وصاحبهاعراف وهو الذى يستدل على الامورباسباب ومقدمات يدعى معرفتهابهاوقديعتضدبعض هذاالفن ببعض في ذالك بالزجروالطرق والنجوم واسباب معتادة وهذه الاضراب كلهاتسمى كهانة وقداكذبهم كلهم الشرع ونهى عن تصديقهم واتيانهم والله اعلم.

ولمافي الشامي:(۴/۲۴۲،طبع سعيد)

(قوله الكاهن قيل كالساحر)في الحديث من اتى كاهنا اوعرافا فصدقه بمايقول فقد كفر بماانزل على محمداخرجه اصحاب السنن الاربعة وصححه الحاكم عن ابى هريرة والعراف المنجم وقال الخطابى وهو الذى يتعاطى معرفة مكان المسروق والضالة ونحوهماوالحاصل ان الكاهن من يدعى معرفة الغيب باسباب وهي مختلفة فلذا انقسم الى انواع متعددة كالعراف والرمال والمنجم وهوالذى يخبرعن المستقبل

بطلوع النجم وغروبه والذى يضرب بالحصى والذى يدعى ان له صاحبا من الجن يخبره عما سيكون والكل مذموم شرعا محكوم عليهم وعلى مصدقهم بالكفر.

واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۶۹۴

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

﴿غیر مسلموں کی مذہبی رسومات میں موافقت کرنا موجب کفر اور قاطع نکاح ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں (اظہر محمود) نے ایک کرسچن (عیسائی) عورت (زرینہ یوسف) سے شادی کی، بایں طور کہ پہلے اس کو مسلمان کر کے اسلامی طریقے سے نکاح کیا پھر ہم دونوں کو چرچ لے جایا گیا وہاں انکی مذہبی رسومات کے مطابق کرسچن فیملی کو نہلایا گیا پھر انہی کے طریقے پر دوبارہ نکاح ہوا جس سے وہ لوگ سمجھے کہ میں کرسچن ہو گیا ہوں حالانکہ ہم (میاں، بیوی) نے یہ سب کچھ صرف دکھلاوے کے طور پر کیا تھا تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ پیدا ہو، اس (چرچ میں کیے گئے) نکاح میں میری پہلی مسلمان بیوی (زرینہ) (جو کہ اس نومسلم بیوی سے پہلے میرے نکاح میں تھی) بھی شریک تھی، کچھ عرصہ تک دونوں بیویوں سے ازدواجی تعلق برقرار رکھنے کے بعد میں نے ایک تیسری (شیعہ) عورت ("سیدہ دلشاد فاطمہ" جو کہ شیعیت کے بارے میں نارمل عقیدہ رکھتی ہے) سے بھی نکاح کر لیا پھر کچھ ناچاقی کی وجہ سے دوسری (نومسلم) بیوی کو تین طلاقیں دیکر فارغ کر دیا، سوال یہ ہے کہ اس طرح کرسچن رسومات کے مطابق نکاح کرنے سے ہم اسلام سے خارج تو نہیں ہوئے؟ نیز ہمارے نکاح کا کیا حکم ہے؟

سائل: اظہر محمود (ڈی، ایچ، اے) کراچی

تنقیح: (۱) نومسلم بیوی کے ساتھ نکاح کے بعد اور چرچ جانے سے پہلے جماع کیا تھا یا نہیں؟ (۲) چرچ جانے کے بعد کتنا عرصہ گزرا جب اسکو طلاق دی؟ (۳) چرچ جانے کے بعد نومسلم بیوی میں باقاعدہ دین کی طرف رغبت ظاہر ہوئی یا نہیں ظاہر ہوئی تو کس وقت؟ (۴) پہلی بیوی نے چرچ میں جا کر کیا کیا عمل کیا تھا؟ (۵) شیعہ عورت سے نکاح کب ہوا تھا؟ (۶) شیعہ عورت سے نکاح کرنے سے پہلے اپنے سابقہ فعل سے سچی توبہ کی تھی یا نہیں؟ (۷) شوہر نے اپنے فعل پر ندامت اور دل سے توبہ کب سے کی ہے نیز صحیح طریقہ سے

اسلامی تعلیمات پر چلنے کا عزم کب سے کیا ہے؟ (۸) چرچ میں بپتسمہ دونوں نے اکٹھا کیا تھا یا آگے پیچھے؟ پوری تفصیل بتائیں۔

جواب تنقیح: (۱) نکاح کے بعد اور بپتسمہ سے پہلے با قاعدہ جماع کیا تھا (۲) بپتسمہ کے بعد عرصہ گیارہ سال ایک ساتھ رہے (۳) دین کیطرف رغبت اب بھی ظاہر نہیں ہے صرف رسمی طور پر بعض کام انجام دیتی ہے اور اپنے گھر والوں کو اب تک یہ ظاہر کرتی ہے کہ میں عیسائی ہوں۔

البتہ مجھے غالب گمان ہے کہ اگر دوبارہ اس سے نکاح کرلیا تو سچی مسلمان ہو جائے گی پہلے اس کے ذہن پر ایسی محنت ہی نہ کرسکا نہ اسکا زیادہ خیال ہوا، اب میرے دل میں بھی دین اسلام کی بڑی عظمت ہے (۴) صرف تماشائی تھی کچھ عمل نہیں کیا (۵) تقریباً دواڑھائی سال بعد۔

(۶-۷) شیعہ عورت سے نکاح کرنے سے پہلے میں نے اس عمل کو غلط نہیں سمجھا تھا اور نہ اس سے توبہ کی تھی اور اب تک اسطرف کوئی دھیان نہیں ہوا، آج کے بعد اس کام سے سچی توبہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے (۸) پہلے میری بیوی نے مجھے کہا کہ آپ بپتسمہ کرلو اس میں کیا ہے کیونکہ اس کے والد کا مطالبہ تھا تو پہلے میری بیوی اس کو پسند کررہی تھی پھر والد کے کہنے پر اس نے مجھے بھی تیار کیا البتہ چند روز بعد بپتسمہ صرف میں (شوہر) نے ہی کیا تھا بیوی نے نہیں۔

﴿جواب﴾ (۱) صورت مسئولہ میں مذکورہ تفصیل و تنقیح کے مطابق اظہر محمود اور اس کی نو مسلم بیوی (زرینہ یوسف) چرچ میں جا کر بپتسمہ لینے نیز کرسچن رسومات کے مطابق نکاح انجام دینے کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔

لہٰذا اس حالت میں رہتے ہوئے شرعاً ان پر کفر کے احکام جاری کئے جائیں گے، البتہ اس کے بعد وہ اگر سچی توبہ کر کے تجدید ایمان کرلیں اور اپنے ان منافی ایمان اعمال پر ندامت کا اعلان کرتے ہوئے اور عیسائیت سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیں تو شرعاً ان پر مسلمانوں کے احکام لاگو ہونگے لیکن پہلی مسلمان بیوی (زرینہ) جو چرچ میں جا کر مذکورہ نکاح میں شریک ہوئی اگر وہ محض تماشائی تھی یعنی انکے افعال کی وجہ سے اسکا عقیدہ تبدیل نہیں ہوا اور نہ انکی مذہبی رسومات کو وہ اچھا سمجھ رہی تھی تو اس کی وجہ سے وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں

ہوئی، البتہ سخت گناہ گار ہوئی ہے، وہ اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ اس طرح کی محافل میں شرکت کرنے سے مکمل احتراز کرے اور اگر وہ ان افعال کو اچھا اور جائز سمجھ رہی تھی یا اس کی وجہ سے اسکا عقیدہ تبدیل ہو گیا تھا تو وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئی ہے بہر حال اس کو بھی احتیاطاً تجدید ایمان کر لینا زیادہ مناسب ہے (۲) نیز مذکورہ تنقیح کے مطابق چونکہ اظہر محمود اور اس کی نومسلم بیوی کا ارتداد اور اسلام بعد الارتداد متعاقباً (آگے پیچھے) ہونا متعین ہے۔

لہٰذا اس صورت میں اظہر محمود کا اپنی دونوں بیویوں سے نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اس دوران (بغیر تجدید ایمان ونکاح کے) دوسری نومسلم بیوی (جبکہ وہ اظہر محمود کے نکاح سے بالکلیہ خارج ہو چکی تھی) کو دی گئی طلاق واقع ہی نہیں ہوئی اور نہ ہی تیسری بیوی (سیدہ دلشاد فاطمہ) سے نکاح درست ہوا ہے۔

لہٰذا اب اگر اظہر محمود بمع فیملی باقاعدہ طور پر دوبارہ اسلام قبول کر چکا ہے تو اس کے لئے مذکورہ تینوں عورتوں سے دوبارہ تجدید نکاح کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھنا جائز ہے بشرطیکہ تینوں کفریہ عقائد سے تائب ہوں اور دین اسلام کے علاوہ دوسرے تمام ادیان سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔

(۱) لما فی شرح المقاصد لسعد الدین التفتازانیؒ: (۲/۲۶۷ طبع دار المعارف نعمانیہ)

"منشورات الشریف الرضی" من استخف بالشرع أو الشارع أو القی المصحف فی القاذورات أو شد الزنار بالاختیار کافر اجماعا وان کان مصدقاً للنبی ﷺ فی جمیع ماجاء به … یجعل الشارع بعض محظورات الشرع علامة التکذیب فیحکم بکفر من ارتکبه وبوجود التکذیب فیه لا کالزنا وشرب الخمر ویتفاوت ذالک.

ولما فی اصول الدین لأبی منصور عبد القاهر التمیمیؒ: (ص ۲۶۲ طبع عثمانیه لاهور)

قال اصحابنا: ان أکل الخنزیر من غیر ضرورة ولا خوف، واظهار ذی الکفرة فی بلاد المسلمین من غیر اکراه علیه، والسجود للشمس أو للصنم وماجری مجری ذلک من علامات الکفر وان لم یکن فی نفسه کفراً اذا لم یضامه عقد القلب علی الکفر من فعل شیئاً من ذالک أجرینا علیه حکم أهل الکفر وان لم نعلم کفره باطناً.

ولما فی المحیط البرهانی (۷/۲۲۸، طبع ادارة القران بیروت)

قال الشیخ الامام الزاهد ابوبکر بن طرحانؒ: من خرج الی النشدة فقد کفر لأن فیه اعلان الکفر فکأنه أعان علیه وعلی قیاس مسئلة النشدة الخروج الی نوروز المجوس

والموافقة معهم فيمايفعلون في ذالك اليوم من المسلمين يوجب الكفر وأكثر مايفعل ذلك من كان اسلم منهم فيخرج اليهم في ذلك اليوم ويوافقهم فيصير به كافراً ولا يشعر بذالك (ولعل المراد من النشدة المجلس الذي يتلى فيه ذلك الكتاب "سفر من اسفار العهد القديم (الهامش) وكذافي التاتارخانية: (۳۵۲/۵، قديمی)

ولمافي جامع العقائد: (ص۲۹۵، طبع الثقافة الاسلاميه بخاری)

وفي الفتوى الصغرى: من تقلنس بقلنسوة المجوس أی لبسها وتشبه بهم فيها، أو خاط خرقة صفراء على العاتق، أی وهو من شعارهم، أو شد في الوسط حبلاً كفر اذا كان مشابها بخيطهم أو ربطهم أوسماه زناراً والا فلا يكفر. ولو شبه نفسه باليهود والنصارى أی صورة أو سيرة على طريق المزاح والهزل أی ولو على هذا المنوال كفر ..... وفي المحيط ولو شد الزنار على وسطه أو وضع العسلی علی كتفه فقد كفر أی اذا لم يكن مكرهاً في فعله. وفي الخلاصة: ولو شد الزنار قال ابوجعفر الاستروشنی: ان فعل لتخليص الاسارى لا يكفر والا كفر. ومن تزنر بزنار اليهود أو النصارى وان لم يدخل كنيستهم كفر. وفي الظهيرية: وحرم الزوج. وفي المحيط: لأن هذا تصريح بما هو كفر. وفي الملتقط: اذا شد الزنار أو اخذ الغل أو لبس قلنسوة المجوسی جاداً أو هازلاً يكفر الا اذا فعل خديعة للحرب وكذافي المحيط البرهانی ومنح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر. (ص۴۹۶، طبع دار البشائر الاسلاميه)

ولمافي التاتارخانية: (۳۵۲/۵، طبع قديمی)

واذا شد الزنار على وسطه أو وضع العسلی علی كتفه فقد كفر (وفي التمهيد): سواء فعل من غير اعتقاد سخرية أو من اعتقاد. (وفي التجنيس) جادا وهازلاً كفر.

ولمافي محيط البرهانی: (۳۹۹/۷، طبع ادارة القران بيروت)

ثم مايكون كفراً بلا خلاف يوجب احباط العمل ويلزمه اعادة الحج ان كان قد حج ويكون وطؤه مع امرأته زنا والولد المتولد في هذه الحالة يكون ولد الزنا. وان اتى بكلمة الشهادة (بعد ذلك، اذا كان الاتيان بكلمة الشهادة) على وجه العادة (ولم يرجع عما قال لأن بالاتيان بكلمة الشهادة على وجه العادة) لا يرتفع الكفر وما كان في كونه كفراً اختلافاً فان قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذالك بطريق الاحتياط.

ولمافي التاتارخانية: (۳۱۲/۵، طبع قديمی)

وان اتى بكلمة الشهادة بعد ذلك ان كان الاتيان على وجه العادة لا يرتفع الكفر. وفي الظهيرية: وهو المختار. والى هذا كان يميل الصدر الشهيد برهان الأئمة.

ولمافي التاتارخانية: (۳۴۲/۵، طبع قديمی)

واسلامه ان يأتي بكلمة الشهادة ويتبرأ عن الأديان كلها سوى دين الاسلام. وان تبرأ عما انتقل اليه يكفي لحصول المقصود فان ارتد ثانياً وثالثاً كذا يفعل به في كل مرة.

ولما فی المحیط البرهانی:(۴/۴۲۳،طبع ادارۃ القران بیروت)

فان تمام الاسلام من الیهودی بالتبرئ عن دینه(ومن النصرانی بالتبرئ عن دینه) والمرتد لیس له ملة معینة لتمام الاسلام فی حقه بالتبرأ عن الأدیان کلها، وان تبرأ عما انتقل الیه کفی لحصول القصد.

ولما فی المحیط البرهانی:(۴/۳۹۸،طبع ادارۃ القرآن بیروت)

ومن رضی بکفر نفسه فقد(کفر ومن رضی بکفر غیره فقد)اختلف المشائخ رحمهم الله تعالی فیه ... وذکر شیخ الاسلام خواهرزاده رحمه الله تعالیٰ فی شرح السیر: ان الرضاء بکفر الغیر انما یکون کفراً اذاکان یستجیز الکفر ویستحسنه. أما اذا کان لایستجیزه ولایستحسنه ... فهذالایکون کفرا وقدعثرناعلی روایة أبی حنیفة رحمه الله تعالی أن الرضابکفر الغیر کفر من غیر تفصیل.

ولما فی فتاویٰ بزازیة علیٰ هامش الهندیة:(۶/۳۲۹،طبع رشیدیه)

واماالرضابکفر نفسه أوالرضابکفر غیره مستجیزاًأومستحسناًللکفر کفر.ویجوزأن یکون کلام المشائخ "الرضابالکفر کفر" محمولاًعلیٰ هذا.

ولما فی منح الروض الأزهر فی شرح الفقه الأکبر:(ص۴۸۳،طبع دار البشائر الاسلامیه)

وفی المحیط من رضی بکفر نفسه فقدکفر،أی اجماعاً.وبکفر غیره اختلف المشائخ رحمهم الله تعالی ... وذکرشیخ الاسلامؒ: ان الرضاء بکفر غیره انمایکون کفراًاذاکان یستجیزه ویستحسنه،واما اذاکان لایستجیزه ولایستحسنه فهذالایکون کفراً. وقدعثرناعلی روایة أبی حنیفة رحمه الله ان الرضاء بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل. ویحتمل أن هذه الجملة من صاحب المحیط أو الجامع لهذه المسائل.وعلی کل تقدیر فالجواب أن روایة أبی حنیفة رحمه الله اذاکانت مجملة أو عبارة مطلقة فلناأن نفصلهاونقیدهاعلی مقتضی القواعد الحنفیة والأصول الحنفیة.

ولما فی التاتارخانیة:(۵/۳۱۴،طبع قدیمی)

وماکان خطأمن الألفاظ ولاتوجب الکفر فقائله مؤمن علیٰ حاله ولایؤمربتجدید النکاح ولکن یؤمربالاستغفار والرجوع عن ذلک.

ولمافیهاایضا:(۵/۳۵۴،طبع قدیمی)

لواتخذمجوسی دعوة لحلق شعررأس صبیه ودعاالناس الیٰ ذلک فحضر بعض المسلمین دعوته وأهدی الیه شیئاحیث لایکفروفی "الخانیة" والأولی أن لایفعل ولایوافقهم علیٰ مثل ذلک ... وفی "التخییر": واتفق مشائخناأن من رأی أمرالکفار حسناًفهوکافر.

ولمافی الدرالمختار:(۳/۱۹۳،طبع ایچ ایم سعید)

(وارتداداحدهمافسخ)فلاینقص عدداً(عاجل) بلاقضاء.

وفي الشامية:(قوله: بلا قضاء) أي بلا توقف على قضاء القاضي وكذا بلا توقف على مضي عدة في المدخول بها. كما في البحر.

ولما في الخانية على هامش الهندية:(۵۸۱/۳،طبع رشيديه)

أجمع اصحابنا على ان الردة تبطل عصمة النكاح وتقع الفرقة بينهما بنفس الردة .وكذا في التاتارخانية:(۳۷۰/۵،طبع قديمي)

ولما في كتاب الاختيار لتعليل المختار:(۱۴۱/۳،طبع قديمي)

(واذا ارتد احد الزوجين وقعت الفرقة بغير طلاق.)

ولما في التاتارخانية:(۱۳۰/۳،طبع قديمي)

اذا ارتد احد الزوجين وقعت الفرقة بينهما في الحال هذا جواب ظاهر الرواية . وفي الكافي: قبل الدخول وبعده .

ولما في البحر الرائق:(۲۱۴/۳،طبع ايچ،ايم سعيد)

وارتداد احدهما فسخ في الحال يعني فلا يتوقف على مضي ثلاثة قروء في المدخول بها ولا على قضاء القاضي لان وجود المنافي يوجبه كالمحرمية.

ولما في النهر الفائق تحته:(۲۹۰/۲،طبع قديمي)

(وارتداد احدهما فسخ في الحال) فلا يتوقف على القضاء ولا فرق بين المدخول بها وغيرها. وكذا في ملتقى الأبحر:(۵۲۶/۱،طبع)

ولما في الهداية:(۳۶۷/۲،طبع رحمانيه)

واذا ارتد احد الزوجين عن الاسلام وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق عند ابي حنيفة وابي يوسف ومالك (رحمهم الله تعالىٰ) ولا حاجة لتفريق القاضي وانما ينفسخ الزواج بينهما فسخا

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: محمد کفایت اللہ

۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۹۰

﴿حضور اکرم ﷺ نور تھے یا بشر؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنحضرت ﷺ نور تھے یا بشر؟ جبکہ آپ ﷺ کے نور ہونے پر آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے سے استدلال کیا جاتا ہے تو کیا واقعی کسی روایت میں آپ ﷺ کا سایہ نہ ہونا مذکور ہے؟ نیز اگر آپ ﷺ بشر تھے تو آیت کریمہ ”قد جاء کم من اللہ نور“ میں نور سے کیا مراد ہے؟

﴿جواب﴾ آنحضرت ﷺ بیک وقت نور بھی تھے اور بشر بھی اور یہ کہ آپ ﷺ کے نور یا

بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں کہ ایک کا اثبات کر کے دوسرے کی نفی کردی جائے بلکہ آپ ﷺ صفت ہدایت اور نورانیت باطن کے اعتبار سے نور مجسم اور اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے خالص اور کامل بشر تھے۔

لما فی قوله تعالیٰ:(المائدہ آیت ۱۵)قدجاء کم من الله نور و کتاب مبین۔۔ الآیة.

ولما فی قوله تعالیٰ:(بنی اسرائیل آیت ۹۳)قل سبحان ربی هل کنت الابشراً رسولاً ... الآیة.

ولما فی قوله تعالیٰ:(الکهف آیت ۱۱۰)

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد......الآیة.

ولما فی قوله تعالیٰ:(الشوریٰ آیت ۵۱)

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورائی حجاب اویرسل رسولاً فیوحی باذنه مایشاء.... الآیة.

ولما فی جامع الترمذی:(۲۰۱/۲،طبع فاروقی ملتان)انا سید ولد آدم یوم القیامة ولافخر.

ولما فی الصحیح لمسلم:(۳۲۴/۲،طبع قدیمی)

اللهم انما محمد(ﷺ)بشر یغضب کما یغضب البشر.

ولما فی الصحیح للبخاری:(۵۸/۱،طبع قدیمی)

انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی.

وکذا فی الصحیح لمسلم:(۲۱۲/۱،طبع قدیمی)

ولما فی الصحیح لمسلم:(۲۷۹/۲،طبع قدیمی)

الا ایها الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب.

ولما فی مسند امام احمد:(ج۴۳ص۲۶۳،طبع مؤسسة الرسالة،مکتبه شامله)

وقالت عائشة الصدیقة رضی الله عنها.... کان ﷺ بشراً من البشر.

ولما قال القاضی عیاض رحمه الله تعالیٰ:(ص۱۵۷،طبع امدادیه ملتان)

قد قدمنا ان النبی ﷺ وسائر الأنبیاء والرسل من البشر وان جسمه وظاهره خالص للبشر یجوز علیه من الآفات والتغیرات والآلام والاسقام وتجرع کاس الحمام مایجوز علی البشر وهذا کله لیس بنقیصة لان الشئ انما یسمی ناقصا بالاضافة الی ماهو اتم واکمل من نوعه...."الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ.

نیز آیت کریمہ "قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین" میں نور کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:(۱) آنحضرت ﷺ (۲) قرآن پاک (۳) اسلام۔ غرض نور سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں یا اسلام یا قرآن پاک، بہر صورت یہاں نور سے مراد "نور ہدایت" ہی ہے جس کا واضح قرینہ

آیت کا سیاق (مابعد) ہے اور یہ نور بشریت کے منافی نہیں۔

لمافی تفسیر الکبیر للامام الرازیؒ:(۱۱/۳۲۷،طبع دار الاحیاء بیروت)

وتسمية محمد(ﷺ) والاسلام والقرآن بالنور ظاهرة لان النور الظاهر هو الذي يتقوى به البصر على ادراك الأشياء الظاهرة والنور الباطن ايضاً هو الذي تتقوى به البصيرة على ادراك الحقائق والمعقولات.

ولمافی تفسیر المدارک لعلامہ النسفی:(۱/۳۱٦)

او النور محمد ﷺ لأنه يهتدى به كما سمي سراجاً وايضاً في تفسير الخازن والبيضاوي والصاوي والروح البيان وغيرها من المشاهير.

اس کے علاوہ آپ ﷺ کے نور ہونے پر آپؐ کے سایہ نہ ہونے سے استدلال کرنا نہایت ہی ضعیف استدلال ہے کیونکہ آپؐ کا نور یا بشر ہونا عقیدے سے تعلق رکھتا ہے اور عقیدے میں قطعی دلائل کا پیش کرنا ضروری ہوتا ہے نہ کہ روایات ضعیفہ کا۔

چنانچہ آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایت بھی حد درجہ کمزور روایت ہے، یہ روایت مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی اس درجہ کی کہ اس کے بعض راویوں پر وضع حدیث کی تہمت ہے، نیز یہ روایت کتب صحاح اور حدیث کی متداول کتابوں میں وارد نہیں اس کے برعکس آپ ﷺ کے سایہ ہونے کے بارے میں مرفوع روایات منقول ہیں:

لمافی مسند لامام احمد رحمه الله تعالى:(ج ۱ ص ۲٦۳،طبع مؤسسة الرسالة بيروت)

قالت بينما انا يوماً بنصف النهار اذا انا بظل رسول الله ﷺ مقبل.

ولمافی حادی الارواح الی بلاد الافراح:(۱/۲۱،طبع مطبعة المدنى القاهرة شامله)

عن انس بن مالک رضي الله عنه لقد رايت ظلي......

مذکورہ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہؐ، آثار صحابہؓ اور عبارات اکابرؒ وسلف صالحینؒ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے نور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ صفات بشری (کھانے، پینے، سونے، جاگنے، خرید وفروخت، جنگ وصلح، نکاح وطلاق، بیماری وصحت وغیرہ امور) سے بری اور بے نیاز تھے بلکہ یہ نور آپ ﷺ کی صفات طیبہ میں سے ایک صفت ہے، یہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں قیامت تک کے آنے والے انسانوں کو خداوند تعالیٰ کا اور جنت کا راستہ ملتا ہے اور اس نور کی روشنی ابد تک درخشندہ وتابندہ رہے گی لیکن اس نور کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار ہرگز

ممکن نہیں، بشریت نہ صرف آپ ﷺ کیلئے کمال شرف ہے بلکہ آپ ﷺ کے بشر انسان اور آدمی ہونے سے پوری انسانیت موجب صد عزت وافتخار ہے۔

چونکہ آپ ﷺ کی بشریت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو بشر اور انسان ماننا فرض اور آپ ﷺ کی بشریت سے انکار انتہائی خطرناک ہے۔

لمافی العالمگیریة:(۲/۲۶۳، طبع رشیدیه) ومن قال لاادری ان النبی ﷺ كان انسيا او جنيا يكفر. وكذافي فصول العماديه. وكذافي البحر الرائق:(۵/۱۲۰، طبع سعید)

والله اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ سرگودھا

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۱۸۴۲

۱۲ محرم ۱۴۳۰ھ

﴿الحاد کی حقیقت اور اسکی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ الحاد کی حقیقت کیا ہے؟ ملحدین کسے کہتے ہیں؟ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں انکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ لحد اور الحاد کے لغوی معنی ایک طرف مائل ہونے کے ہیں، قبر کی لحد کو بھی لحد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف مائل ہوتی ہے، قرآن وحدیث کی اصطلاح میں آیات قرآنی سے عدول اور انحراف کو "الحاد" کہتے ہیں۔

لغوی معنی کے اعتبار سے تو اسکا معنی عام ہے لیکن عام طور پر الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان وتصدیق کا دعوی کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے کہ جو قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے، شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں ایسے کرنے والوں کو ملحدین کہتے ہیں۔

ملحدین کے حکم میں تفصیل ہے: چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات قرآنی میں تاویل باطل جس کو قرآن کی آیت "ان الذین یلحدون فی آیاتنا لایخفون علینا" میں الحاد فرمایا ہے، اسکی دو قسمیں ہیں:

(۱) اول وہ تاویل باطل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، وہ تو بلاشبہ کفر

ہے (۲) دوسری یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگرچہ ظنی ہیں مگر قریب یقین ہیں یا اجماع عرفی کے خلاف ہو ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے کفر نہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لمافی روح المعانی:(۲۲/۵۱۷،طبع رشیدیہ)

ینحرفون فی تاویل آیات القرآن عن جهة الصحة والاستقامة فیحملونها علی المحامل الباطلة وهو مراد ابن عباس بقوله یضعون الکلام فی غیر موضعه واصله من اللحد اذا مال عن الاستقامة فحفر فی شق ویقال لحد.

ولما فی المظهری:(۸/۳۰۰،طبع رشیدیہ)

قلت واللفظ یعم من یلحد بالتکذیب والالغاء ومن یلحد بالتحریف والتاویل الباطل المخالف لتاویل السلف.

ولما فی احکام القرآن للتهانوی:(۴/۱۳۶،طبع ادارة القرآن)

تفسیر الالحاد واحکامه وذلک ان اللحد والالحاد هو المیل وقد یکون میلا عن آیات الله وعدولا عنها بالتکذیب بها...... ویکون تحریفا لها وتغییر المعانیها. وفیه ایضا والآیة نص فی ان الالحاد بجمیع معانیه کفر وضلال وسحت ووبال.

ولما فی احکام القرآن للتهانوی:(۴/۱۴۲،طبع ادارة القرآن)

وحاصل ما استفاد من حکم الالحاد والتاویل الباطل ما ذکره ختام المحدثین الشاه عبدالعزیز بن الشاه ولی الله الدهلوی رحمه الله،من ان التاویل الباطل المعبر عنه فی القرآن بالالحاد هو ما خالف النصوص وما علیه الامة وهو قسمان الاول ما خالف النصوص القطعیه المتواتره او الاجماع القطعی فهو کفر بلا ریب والثانی ما خالف النصوص الظنیة القریبة بالیقین او الاجماع العرفی فهو ضلال وفسق دون کفر.

ولما فی الشامی:(۴/۲۲۱،طبع سعید)

والملحد هو من مال عن الشرع القویم الی جهة من جهات الکفر من الحد فی الدین حاد وعدل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۵

﴿کفریہ عقیدہ ہو اور اسلام ظاہر کرے تو زندیق کہلاتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مرزائی لوگوں کے بچے اسی گندے عقیدے پر بلوغ تک اگر پہنچے اسی طرح بعض شیعہ لوگ

جو اسلام کی بنیادی عقائد کے خلاف عقائد رکھتے ہیں انکے بچے اسی عقیدے پر بلوغ تک اگر پہنچے تو یہ لوگ عام کفار شمار ہونگے یا مرتد؟ اور ان سے تعلقات رکھنا کیسا ہوگا؟

﴿جواب﴾ مرزائی لوگ تو بالاتفاق مرتد اور کافر ہیں دین اسلام سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے، اور شیعہ لوگ بھی اگر دین اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوں تو بلاشبہ ایسے شیعہ بھی کافر ہیں اور انکے بچے شعور وعقل اپنانے کے بعد انہی غلط اور اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف عقائد پر اگر قائم ہیں تو وہ بھی کافر ہیں اور ایسے لوگ زندیق کہلاتے ہیں زندیق شرعاً ایسے کافر کو کہتے ہیں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور عقائد کفریہ رکھتا ہو یا اپنے باطل اور کفریہ عقائد کی تاویلات کرتے ہوئے اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہو ایسے لوگوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ مسلمان ان سے قطع تعلق کریں اور معاملات لین دین میں ان سے گریز کریں۔

لما في التنوير مع رد المحتار (۴/۲۴۱ طبع سعید)

(قوله وكذا الكافر بسبب الزندقة) قال العلامة ابن كمال باشا في رسالته:

الزنديق في لسان العرب يطلق على من ينفي الباري تعالى، وعلى من يثبت الشريك، وعلى من ينكر حكمته والفرق بينه وبين المرتد العموم الوجهي لانه قد لا يكون مرتدا، كما لو كان زنديقا اصليا غير منتقل عن دين الاسلام والمرتد قد لا يكون زنديقا كما لو تنصر او تهود وقد يكون مسلما فيتزندق.

واما في اصطلاح الشرع، فالفرق اظهر لاعتبارهم فيه ابطان الكفر والاعتراف بنبوة نبينا صلى الله عليه واله وسلم على في شرح المقاصد لكن القيد الثاني في الزنديق الاسلامي بخلاف غيره.

قلت: لكن الزنديق باعتبار انه قد يكون مسلما وقد يكون كافرا من الاصل لا يشترط فيه الاعتراف بالنبوة وسياتي عن الفتح تفسيره بمن لا يتدين بدين.

ثم بين حكم الزنديق فقال: اعلم انه لا يخلو، اما ان يكون معروفا داعيا الى الضلال اولا. والثاني ما ذكره صاحب الهدايه في التجنيس من انه على ثلاثة اوجه: اما ان يكون زنديقا من الاصل على الشريك، او يكون مسلما فيتزندق، او يكون ذميا فيتزندق فالاول يترك على الشركه ان كان من العجم، اي بخلاف مشرك العرب فانه لا يترك، والثاني يقتل انه لم يسلم لانه مرتد

ولما في التاتار خانيه (۵/۶۵ طبع قديمى)

وفي "النوازل": الزنديق على ثلاثة اوجه: اما ان كان زنديقا من الاصل على الشرك او كان

مسلمافتزندق ،ففي الوجه الاول ترك على شركه يعني ان كان من العجم لانه كافر اصلي وفي الوجه الثاني ،يعرض عليه الاسلام فان اسلم والاقتل ،لانه مرتد،وفي الوجه الثالث :ايضاعلى حاله۔

ولمافی حاشية فيض البارى(۱/۱۴۴_۱۴۵طبع رشیدیه کوئٹه)

وقديقال:ان المخالف للدين الحق،ان لم يعترف به ولم يذعن له ظاهراولاباطنافهوالكافروان اعترف بلسانه قلبه على الكفر،فهوالمنافق وان اعترف به ظاهراوباطنالكنه يفسربعض ماثبت بالدين ضرورةبخلاف مافسره الصحابةوالتابعون واجمعت عليه الامة فهوالزنديق ،كمااذااعترف بأن القرآن حق ومافيه من ذكرالجنة والنارحق لكن المرادبالجنة الابتهاج الذى يحصل بسبب الملكات المحمودةوالمرادبالنارهى الندامة التى تحصل بسبب الملكات المذمومة، وليس في الخارج جنة ولانارفهوالزنديق۔

اوقال:ان النبى صلى الله عليه واله وسلم خاتم النبوة،ولكن معنى هذاالكلام انه لايجوزان يسمى بعده احدبالنبى فذلك هوالزنديق وقداتفق جماهيرالمتاخرين من الحنفيةو الشافعية على قتل من يجرى هذاالمجرى ،كذافى "المسوى مختصرا" ومن مهناتبين وجه اكفارزنديق القاديان الذى ادعى النبوة۔

ولمافی احکام القرآن(۲/۶۲۲طبع قدیمی)

قوله تعالى:(ياايهاالذين آمنوا لاتتخذواليهودوالنصارى اولياء بعضهم اولياء بعض) فى هذه الاية دلالة على ان الكافرلايكون ولياللمسلم لافى التصرف ولافى النصرة، ويدل على وجوب البراءة من الكفاروالعداوةلهم ،لان الولاية ضدالعداوة، فاذاامرنابمعاداة اليهودوالنصارى لكفرهم فغيرهم من الكفاربمنزلتهم ويدل على ان الكفركله ملة واحدة۔

ولمافی احکام القرآن (۳/۲۴۳طبع قدیمی)

قوله تعالى:(ولاتركنواالى الذين ظلموافتمسكم النار)

والركون الى الشئ هو السكون اليه بالانس والمحبة ،فاقتضى ذلك النهى عن مجالسة الظالمين ومؤانستهم والانصات اليهم۔

ولمافی مرقاة المفاتيح (۱/۲۸۶طبع رشیدیه کوئٹه)

وعن عمررضى الله عنه ،قال:قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم "لاتجالسوااهل القدرولاتفاتحوهم" رواه ابوداؤد

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۔ واللہ اعلم بالصواب :محمد داؤدفاروقی تاکوی

۱۴صفرالخیر۱۴۳۵ھ ۔ فتویٰ نمبر:۳۹۲۷

﴿جہاں تک ممکن ہو مسلمان کی بات کا اچھا مفہوم لینا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیٹی کسی لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی، اب یہ شخص کہتا ہے کہ ''اللہ کو میرے لئے یہ پسند تھا تو میں اس پر راضی ہوں'' تو یہ جملہ کہنے سے یہ شخص گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو انسان کو برائی سے منع فرماتے ہیں، برائے مہربانی تسلی بخش جواب دیکر ممنون ہوں۔ سائلہ: بنت انور

﴿جواب﴾ بیشک اللہ تعالیٰ انسان کو برائی سے منع فرماتے ہیں، کوئی بھی برا عمل اگر کرتا ہے تو اپنے اختیار سے کرتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے خالی نہیں ہوتا لیکن سوال میں مذکورہ جملہ جس موقع پر اس شخص نے بولا ہے اس نے کونسے برے عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے؟ جو حالت اس کو پیش آئی ہے بلاشبہ ایک ابتلاء اور آزمائش ہے ایسے موقع پر یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ کو یہ پسند (منظور) تھا تو میں اس پر راضی ہوں'' رضا بالقضاء ہے یعنی اس واقعہ سے لوگوں میں شرمندگی ہوئی. برائی لڑکی نے کی ہے تکلیف والدین کو ہورہی ہے ایسے موقع پر سوائے صبر اور دل کو تسلی دینے والے جملوں کے ایک شریف آدمی اور کیا کرسکتا ہے، لہٰذا اس جذبے سے یہ جملہ بولا ہے تو باعث اجر ہے کوئی غلط نہیں ہے، بات کا اچھا مطلب نکالنا چاہیئے خصوصاً ایسے موقع پر۔

کما ورد فی الحدیث: ظنوا المؤمنین خیرا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ سرگودھا

۱۳ صفر ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۱۸۹۹

﴿آپ ﷺ پر جادو کا ہونا مقام نبوت کے خلاف نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ پر جادو کا اثر نہیں ہوا، اس لئے کہ جادو شیطانی عمل ہے اور شیطانی عمل حضور ﷺ پر نہیں ہوسکتا۔ مستفتی: ملک ناز

﴿جواب﴾ شیطان کا اصل کام اولاد آدم کو ہدایت کی راہ سے ہٹانا یعنی گمراہ کرنا ہے لیکن تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے شر سے محفوظ فرمایا ہے اور شیطان پہلے سے جانتا

تھا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے خلاف میرا کوئی حربہ کارگر ثابت نہ ہوگا اس لئے پہلے سے کہہ دیا تھا "الا عبادک منھم المخلصین" اور یہی بڑے نقصان کی بات تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی مکمل حفاظت فرمائی، اس لئے اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام گناہوں سے بالکل پاک تھے لیکن بلاشبہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے اور انسانی عوارض پیش آنے سے مبرا نہیں تھے، چنانچہ بیماری بھی آتی تھی تکالیف بھی پیش آتی تھیں، خوشی، غمی ہر طرح کے عوارض لاحق ہوتے تھے اور یہ انکے شان کے خلاف بھی نہیں تھا۔

جادو اگرچہ شیطانی عمل ہے لیکن پہلے جسمانی طور پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا آپ ﷺ نے خود ہی صحیح احادیث میں بتادیا ہے، اللہ چاہتا تو جادو کوئی اثر نہ کرتا لیکن اس میں بھی بڑی حکمتیں اللہ کی طرف سے تھیں ایک واضح حکمت تو یہ بھی تھی کہ امت کو اللہ تعالیٰ نے معوذتین سے نوازا جیسا کہ تفسیر مظہری اور روح المعانی میں ہے۔

لمافی شرح کتاب الفقه الاکبر:(ص۹۹-۱۰۰، طبع دار الکتب بیروت)

والانبیاء علیهم السلام کلهم منزهون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح وقد کانت منهم زلات وخطیئات.(منزهون)ای معصومون(زلات)ای تقصیرات(وخطیئات)ای عثرات بالنسبة الیٰ مالهم من علیّ المقامات وسنی الحالات کماوقع لادم ﷺ۔۔۔الخ.

ولمافی روح المعانی:(۱۶/۳۰، ۱۸-۱۸، طبع رشیدیه)

عن عائشةؓ قالت:سحر رسول الله ﷺ حتیّ انه لیخیل الیه انه فعل الشیء ولم یکن فعله حتیٰ اذاکان ذات یوم اوذات لیلة دعاالله ثم دعاثم دعاثم قال:اشعرت یاعائشة ان الله قدأفتانی فیمااستفتیته فیه قلت:وماذاك یارسول الله؟فقال:جاءنی رجلان فجلس احدهماعندراسی والاٰخرعندرجلی فقال الذی عندراسی للذی عندرجلی اوالذی عند رجلی للذی عندرأسی ماوجع الرجل؟قال مطبوب قال من طبه قال لبیدبن الاعصم ۔۔۔ لان الله تعالیٰ عصمه فیمایتعلق بالرسالة واماما یتعلق ببعض امور الدنیاالتی لم یبعث بسببهاوهی ممایعرض للبشرفغیر بعید۔۔۔ وقال القاضی عیاض قدجاءت روایات حدیث عائشةؓ مبینة ان السحر انماتسلط علی جسده الشریف وظواهرجوارحه لاعلی عقله وقلبه واعتقاده۔۔۔ وکل ماجاء فی الروایات من انه یخیل الیه فعل شیء ولم یفعله ونحوه فمحمول علی التخیل بالبصر لالخلل تطرق الی العقل ولیس فی ذلک مایدخل لبساعلی الرسالة ولاطعنالاهل الضلالةانتهی ومذهب اهل السنة وعلماء الامة علی اثباته وان له

حقیقة کحقیقة غیرہ من الاشیاء لدلالة الکتاب والسنة علی ذلک۔

واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۲۰۰۰
۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿کسی بھی نیک کام کے صرف ارادہ کرنے پر بھی ایک نیکی ملتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ تبلیغی حضرات اپنے بیان کے بعد تشکیل کرتے وقت اکثر بولتے ہیں کہ ''اٹھو بھئی ارادہ لکھواؤ صرف ارادہ پر بھی ایک نیکی ملتی ہے''، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ جبکہ اگر دل سے ارادہ نہ ہو تو یہ عمل ہی نہیں تو اس پر نیکی کہاں سے ملے اور اگر واقعی عمل ہے تو پھر اس پر ایک نہیں بلکہ دس نیکیاں ملنی چاہیے؟

﴿جواب﴾ جماعت کے احباب کا دوران تشکیل یہ کہنا کہ ''صرف ارادہ پر بھی ایک نیکی ملتی ہے'' بلا شبہ درست ہے، ارادہ صرف دل میں کسی کام کا عزم کرنے کو کہتے ہیں، یہ با قاعدہ عمل نہیں ہے، اس لئے ایک نیکی ملتی ہے۔ وہ کام 'با قاعدہ کر لینا' عمل ہے جس پر دس گنا اجر ملتا ہے، ہاں کسی کا دل سے ارادہ نہ ہو اور ارادہ لکھوالے تو اس کو ارادہ کا اجر نہیں ملیگا، البتہ دعوت دینے والے کی بات کو قبول کر لینا اور نام لکھوانا مستقل ایک عمل ہے جس پر دس گنا اجر ملے گا۔

لما فی الصحیح لمسلم: (۷۸/۱، طبع قدیمی)

عن ابی ھریرة عن رسول اللہ ﷺ قال: قال قال اللہ عزوجل: اذا ھم عبدی بحسنة فلم یعملھا کتبت لہ حسنة فان عملھا کتبت لہ عشر حسنات الی سبعمائة ضعف واذا ھم بسیئة فلم یعملھا لم اکتب علیہ فان عملھا کتبتھا سیئة واحدة۔

واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
فتویٰ نمبر: ۲۳۲۲
۱۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

﴿اسلام میں داخل ہونے کیلئے شہادتین کا اقرار ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکے نے کسی غیر مسلم لڑکی سے نکاح کیا اور لڑکی نے نکاح کے وقت اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا یعنی صرف یہ الفاظ کہے کہ ''میں مسلمان ہوں'' کلمہ نہیں پڑھا لیکن بعد میں لڑکی نے کہا کہ میں نے

مسلمان ہونے کا اقرار تو کرلیا تھا لیکن میں اس وقت مسلمان نہیں ہوئی تھی، پوچھنا یہ ہے کہ غیر مسلم کے مسلمان ہونے کیلئے صرف مسلمان ہونے کا اقرار ہی کافی ہے یا کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہے؟ نیز اس صورت میں نکاح کا کیا حکم ہے منعقد ہوا یا نہیں؟ مستفتی: محمد اسلم چترالی

﴿جواب﴾ غیر مسلم کے مسلمان ہونے کیلئے محض یہ کہدینا کہ میں مسلمان ہوں کافی نہیں ہے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھنا ضروری ہے اور دینِ اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے خصوصاً جس دین پر پہلے سے یہ شخص تھا اس سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے، لہذا مذکورہ صورت میں یہ لڑکی نکاح کے موقع پر چونکہ مسلمان نہیں تھی اسلئے نکاح کا اعتبار نہیں دوبارہ نکاح ضروری ہے۔

لما فی بدائع الصنائع: (۱۰۲/۷ طبع سعید)

اما الایمان فالکلام فیه فی موضعین: احدهما فی بیان مایحکم به بکون الشخص مؤمناً والثانی فی بیان حکم الایمان اما الاول فنقول الطرق التی یحکم بها بکون الشخص مؤمناً ثلاثة نص ودلالة وتبعیة اما النص فهو ان یاتی بالشهادة او بالشهادتین او بهما مع التبری مما هو علیه صریحاً.

ولما فی فتح القدیر: (۶۱/۶ طبع رشیدیه)

وفی شرح الطحاوی سئل ابویوسف عن الرجل کیف یسلم فقال: یقول اشهدان لااله الاالله وان محمداعبده ورسوله ویقربماجاء به من عندالله ویتبرأمن الدین الذی انتحله.

ومثله فی البحر الرائق: (۱۲۸/۵ طبع سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفاالله عنہ — والله اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۴ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ — فتوی نمبر: ۲۷۴۶

﴿دین اسلام میں توہم پرستی اور بدشگونی کی کوئی گنجائش نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ جس عورت کے ہاں ولادت ہوئی ہو وہ بیماری کے دنوں میں والدین کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز ہمارے ہاں یہ مشہور ہے کہ ولادت کے بعد عورت چالیس دن تک نہ والدین کے گھر جاسکتی ہے نہ اپنے بچے کو کمرے میں اکیلا چھوڑ سکتی ہے اور اس کے کپڑے بھی ہوا میں لٹکائے نہیں جاتے شرع کی رو سے اسکا کیا حکم ہے رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ولادت کے بعد عورت بیماری کے دنوں میں نماز روزہ اور تلاوت نہیں کرسکتی۔

البتہ بیماری کے دن گزرنے کے بعد روزوں کی قضا ضروری ہے نمازوں کی قضا نہیں ہے، اسی طرح شوہر بھی ان ایام میں اس سے صحبت نہیں کرسکتا۔

باقی ان مخصوص ایام میں والدین کے گھر بھی جاسکتی ہے بچہ کو کسی حاجت کی خاطر اکیلا چھوڑنا یا کپڑوں کو ہوا میں لٹکانا اسمیں کوئی بدشگونی نہیں ہے، سوال میں ذکر کردہ باتیں توہم پرستی اور بدشگونی پرمبنی ہیں جنکی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۲۹۹مطبع سعید)

(والنفاس دم یخرج عقب الولد)وحکمہ کالحیض فی کل شئ، الافی سبعۃ ذکرتھا بقولہ (یمنع)

ای الحیض وکذا النفاس (صلاۃ وصوما وتقضیہ ودخول المسجد وقراءۃ القرآن)

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد دیروی

۱۵جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۷۳۶

﴿کسی کے وسیلے سے دعا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بریلوی یہ مسئلہ پیش کرتا ہے کہ جس طرح ہم دنیا والوں سے چیزیں مانگتے ہیں تو اس طرح ہم اللہ کے علاوہ بزرگوں سے بھی اظہار فریاد کرسکتے ہیں وہ ہمیں اللہ سے دلوائیں گے کیونکہ ان کی زندگیاں اللہ کے لیے وقف ہوتی ہیں وہ اچھے لوگ تھے اور ہم اچھے نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

﴿جواب﴾ بریلوی صاحب کا مقصد نبی ﷺ یا کسی صحابی تابعی اور دیگر اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا مانگنا اگر ہے تو اس سے اہل سنت والجماعت کے تمام علماء اتفاق کرتے ہیں بشرطیکہ اللہ تعالی کے ان برگزیدہ بندوں کو خود مختار حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھا جائے لیکن پاک وہند کے لوگوں کے کچے عقیدوں سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ اس قسم کے اعمال کی آڑ میں شیطان انکو شرک وبدعات میں مبتلاء کردیتا ہے اور عام لوگ اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتے، جہالت کے غلبہ سے کون انکار کرسکتا ہے؟ اس کے علاوہ ہندوانہ رسومات بھی ابتک خوب رائج ہیں، اس لئے عوام کو صاف اور بے غبار راستہ پر گامزن کرنا چاہیئے جس میں کسی قسم کا کوئی اندیشہ یا شبہ نہ ہو، اللہ تعالی اپنے تمام بندوں پر بڑا مہربان ہے، بندہ کتنا ہی گنہگار ہو وہ ہر ایک کی براہ راست بلاواسطہ اور بغیر

وسیلہ کے بھی سنتا ہے اور دعا قبول فرماتا ہے اور یہی قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ کی عام تعلیمات ہیں۔

لما فی قوله تعالیٰ:(پارہ ۲۳ سورۃ الزمر، آیت ۳)

والذین اتخذوا من دونه اولیاء مانعبدهم الالیقربونا الی الله زلفی الاية

ولما فی قوله تعالیٰ:(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

واذاسالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذادعان.... الاية.

ولما فی صحیح البخاری:(۱/۱۳۷، طبع قدیمی)

ان عمربن الخطاب کان اذاقحطوااستسقی بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبیناﷺ فتسقینا وانانتوسل الیک بعم نبینافاسقناقال فیسقون.

ولما فی تکملۃ فتح الملهم(۵/۶۲۰ طبع دارالعلوم کراچی)

الثالث:ان یکون التوسل بمعنی ان یطلب الدعاء من المتوسل به لکون دعاءه ارجی للاجابة عندالله تبارك وتعالى لصلاحه وفضله والتوسل بهذاالمعنى جائزبالاجماع ولم يثبت مثل هذاالتوسل الابالاحياء فيختص جوازه بالأحياء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۸ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۴۹۱

﴿عقیدہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ایک سوال کا جواب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بارے میں کیا کہا جائے کہ نبی ﷺ پردہ فرما گئے یا نبی ﷺ کا انتقال ہوگیا؟ حالانکہ قرآن میں واضح طور پر ذکر ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، نیز یہ بھی بتائیں کہ نبی کی برزخ کی حالت کیا ہوتی ہے؟

﴿جواب﴾ نبی علیہ السلام سے متعلق پردہ فرما گئے یا انتقال فرما گئے کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس تعبیر میں قرآن کریم کی کسی آیت سے کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے، بلاشبہ انبیاء علیہم السلام پر دنیوی حیات کو ختم کرنے کیلئے موت طاری ہوئی ہے لیکن اسکے بعد وہ اپنی قبروں میں حیات ہیں احادیث صحیحہ سے یہی بات ثابت ہے اور ہمارے اکابر علماء دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے۔

رہی یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ احادیث میں اسکی تفصیل نہیں ہے دنیاوی حیات کے بعد عالم آخرت سے پہلے حال کا نام عالم برزخ ہے جسکا

مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا اور انسانی سمجھ مشاہدہ کی محتاج ہے اسلئے حیات برزخیہ کی کیفیت کی وضاحت مشکل ہے، ہم اور آپ اسکے مکلف بھی نہیں ہیں بس اجمالی طور پر یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام حیات ہیں اور قرآن کریم میں موت کی نسبت اس عقیدہ سے متضاد نہیں ہے بلاشبہ دنیوی حیات کو ختم کرنے کیلئے موت طاری ہوئی ہے اور اسکے بعد دوبارہ حیات عطا ہوئی ہے۔ چنانچہ موت کا ذائقہ چکھنے کا ذکر ہے نہ یہ کہ موت ہمیشہ کیلئے رہیگی، لہذا نبی کریم ﷺ انتقال فرما گئے ہیں کا بھی یہی مطلب ہے۔

لمافی تكملة فتح الملهم:(۲۸/۱،طبع دارالعلوم كراچی)

ان الاصل في هذه المسئلة قول الله تبارك وتعالى ولاتقولوالمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن لاتشعرون ولماثبتت الحياة للشهداء ثبتت للانبياء عليهم السلام بدلالة هذاالنص لان مرتبةالانبياء اعلى من مرتبةالشهداء بلاريب.وايضا:عن انسؓ بن مالک قال :قال رسول اللهﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون.

ولمافی کنزالعمال:(۲۲۹/۱،طبع رحمانيه)

عن ابي هريرةؓ قال :قال رسول اللهﷺ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على نائيا ابلغته.

ولمافی روح المعانی:(۲۱۵/۲۲،طبع رشيديه)

المرادبتلک الحياة نوع من الحياة غير معقول لنا وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا اكمل واتم من حياة سائرهم عليهم السلام ...ثم ان تلک الحياة في القبروان كانت يترتب عليها بعض مايترتب على الحياة في الدنياالمعروفة لنا من الصلاة والاذان والاقامة الخ

الجواب صحیح عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۴صفرالخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۳۲

﴿روضہ اقدس پر دعاء مغفرت اور سفارش کی درخواست کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ کیا آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کے سامنے جا کر کوئی شخص آپ ﷺ سے اپنے لئے دعاء مغفرت اور سفارش کی درخواست کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس

﴿جواب﴾ انبیاء کرام خصوصا امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں

حیات ہیں، اسلئے اگر کوئی شخص روضہ اقدس کے پاس جا کر آپ ﷺ سے اپنے لئے دعاء مغفرت اور سفارش کی درخواست کرے تو یہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع قدس سرہ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ "ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ" کے تحت لکھتے ہیں: یہ آیت کریمہ اگر چہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعاء مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائیگی۔ معارف القرآن: (۴۵۹/۲، طبع ادارۃ المعارف)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاشبہ زیادہ خوش قسمت تھے، بالمشافہ خدمت میں حاضری دیتے تھے لیکن بعد کے امتیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے محروم نہیں فرمایا بلکہ اب بھی روضہ اقدس پر حاضری کو اس حاضری کے قائم مقام قرار دیا ہے۔

چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے خود اس کی بشارت دی ہے:

لما فی اعلاء السنن:(۵۲۶/۱۰،طبع دار الکتب العلمیة)

عن هارون بن قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارنی بعد موتی فكانما زارنی فی حیاتی ومن مات باحد الحرمین بعث من الآمنین یوم القیامة.رواه الدارقطنی وغیره وجود الذهبی اسناده كما فی وفاء الوفاء.قال الشیخ تحته:قوله عن هارون بن قزعة الخ قلت هارون هذا ذكره ابن حبان فی الثقات فلم یبق فیه الا الرجل المبهم وارساله وقد قال الذهبی انه من اجود الطرق اسنادا كما قدتقدم فلا یضر جهالة الراوی بعد تجوید المحدث اسناده لاسیما والجهالة فی القرون الفاضلة لاتقدح عندنا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبد الوہاب نعمانی

۲۳ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۴۳۵

﴿حضور ﷺ پر جادو کا ہونا شانِ نبوت کے منافی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ

حضور انور ﷺ پر جادو نہیں ہوا اگر ہوا ہے تو براہ کرم اسکا حوالے بخاری و مسلم سے عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔
مستفتی: رحمت اللہ کورنگی

﴿جواب﴾ سارا دین اسلام صرف بخاری و مسلم میں نہیں ہے احادیث کی اور بھی کتب ہیں جو کہ خیر القرون میں مدون ہوئی ہیں بخاری و مسلم سے ہی حوالہ کا مطالبہ وہی لوگ کرتے ہیں جن کے ذہنوں پر غلط محنت ہوئی ہوتی ہے اور وہ لوگ باقی احادیث سے متعلق بدگمانی کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں یہ بڑی جہالت اور خطرناک بیماری ہے، تاہم آپ ﷺ پر جادو کے بارے میں احادیث بخاری و مسلم میں بھی ہیں جن کے حوالے آپ ملاحظہ فرمائیں گے، اس سے پہلے آپ بطور تمہید یہ جان لیں کہ سحر اور جادو حقیقت میں اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثرات سے متأثر ہوتے ہیں اور یہ تأثر شانِ نبوت کے خلاف نہیں جیسے انکا بھوک پیاس سے متأثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفاء پانا ظاہری اسباب سے متأثر ہونا سب جانتے ہیں اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے انبیاء علیہم السلام متأثر ہو سکتے ہیں اور یہ تأثر شانِ نبوت کے منافی نہیں ہے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ حضور ﷺ پر ایک یہودی نے سحر اور جادو کیا تو اسکا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا، پھر ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا ایک پاؤں کی طرف سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ انکو کیا تکلیف ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور یعنی ان پر جادو کیا گیا ہے اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے بتایا کہ کھجور کے غلاف میں (جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے) بئر ذی اروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ اس کا اعلان فرمادیتے تو بہتر ہوتا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے، حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ

تعالیٰ نے شفا دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اسکا اعلان ہوتا تو لوگ اسکو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور اسی طرح یہی روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۸۸۰/۲،طبع رحمانیه لاهور)

حدثنی عبدالله بن محمد..... عن عائشةؓ كان رسول الله ﷺ سحر حتى كان يرى انه ياتي النساء ولا ياتيهن قال سفين وهذااشد مايكون من السحر اذاكان كذاقال فانتبه من نومه ذات يوم فقال يا عائشةؓ اعلمت ان الله قد افتاني فيما استفتيته فيه اتاني رجلان فقعد احدهما عند رأسي والاخر عند رجلي فقال الذي عند راسه للاخر ما بال الرجل فقال مطبوب قال ومن طبه قال لبيد بن الاعصم رجل من بني زريق حليف ليهود كان منافقا قال وفيما قال في مشط ومشاطة قال فاين قال في جف طلعة ذكر تحت رعوفة في بئر ذي اروان قال فاتى البئر حتى استخرجه فقال هذه البئر التي اريتها وكان ماءها نقاعة الحناء وكان نخلها رؤس الشياطين قال فاستخرج قالت فقلت افلا تنشرت فقال اما الله فقد شفاني واكره ان اثير على احد من الناس شرا.

ولمافی الصحیح للمسلم:(۲۲۱/۲،طبع قدیمی کراچی)

حدثنا ابو كريب ..... عن عائشةؓ قالت سحر رسول الله ﷺ يهودي من يهود بني زريق يقال له لبيد بن الاعصم قالت حتى كان يخيل اليه انه يفعل الشيء وما يفعله حتى اذا كان ذات يوم او ذات ليلة دعا رسول الله ﷺ ثم دعا ثم دعا ثم قال يا عائشةؓ اشعرت ان الله افتاني فيما استفتيته فيه جاءني رجلان عند رجلي فقعد احدهما عند رأسي والاخر عند رجلي فقال الذي عند راسي للذي عند رجلي اوالذي عند راسي ما وجع الرجل قال مطبوب قال من طبه قال لبيد بن الاعصم قال في اي شيء قال في مشط ومشاطة وجب طلعة ذكر قال فاين هو قال في بئر ذي اروان قالت فاتاها رسول الله ﷺ في اناس من اصحابه ثم قال يا عائشةؓ والله لكان ماءها نقاعة الحناء ولكان نخلها رؤس الشياطين قالت فقلت يا رسول الله افلا احرقته قال لا اما انا فقد عافاني الله وكرهت ان اثير على الناس شرا فامرت بها فدفنت وكذافي سنن ابن ماجة:ص۲۵۲،طبع قديمي)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی

۲ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۶۶۱

﴿ضروریات دین کی تفصیل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ضروریات دین کسے کہتے ہیں؟ اس کا مصداق اور اس سے کونسے عقائد مراد ہیں؟ مستفتی: احسان اللہ بقائی کراچی

﴿جواب﴾ ضروریات ضروری سے ماخوذ ہے جسکا معنی یقینی (بدیہی) اور قطعی ہوتا ہے۔

ضروریات دین ان مجموعہ عقائد اور اعمال کا نام ہے جن کا دین ہونا یقینی اور بارگاہ رسالت سے ان کا ثبوت قطعی ہو اور حد تواتر اور شہرت عام تک پہنچ چکے ہوں حتی کہ عوام بھی ان کو دین رسول اللہ جانتے اور مانتے ہوں شہرت عام کے معیار کے متعلق حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

''شہرت عام کا معیار یہ ہے کہ عوام کے ہر ہر طبقہ میں اس کا علم پہنچ جانا چاہیئے ہر ہر فرد عوام کا جاننا ضروری نہیں جو دین اور دینی امور سے کوئی سروکار نہیں رکھتا بلکہ عوام کے ان طبقوں تک اس امر ضروری کا علم پہنچ جانا چاہیئے جو دین سے علاقہ رکھتے ہیں خواہ اہل علم ہوں خواہ غیر اہل علم''

بحوالہ اکفار الملحدین: (ص ۶۲، طبع لدھیانوی)

ضروریات دین سے درجہ ذیل عقائد مراد ہیں:

مثلاً توحید، نبوت، خاتم الانبیاء پر نبوت کا ختم ہونا، حیات بعد الموت، جزاء و سزائے اعمال، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا وغیرہ اور ایسے تمام امور جنکا دین ہونا یقینی اور ثبوت قطعی ہو انکا انکار کفر ہے اور ایسے امور میں تاویل کرنا ہرگز مسموع نہیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق جو شخص ضروریات دین کا منکر یا مخالف ہو تو اس کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور ساری عمر عبادات اور طاعات کا بظاہر پابند رہا ہو۔

لما فی مجموعة قواعد الفقه: (ص ۳۵۸، طبع میر محمد)

الضرورة: مالا یفتقر الی نظر واستدلال حیث تعلمه العامة.

ولما فی الدر المختار: (۲/۲۲۱، طبع سعید)

وهو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ماجاء به عن الله تعالى مما علم مجيئه ضرورة وفي الشامية: معنى التصديق قبول القلب واذعانه لما علم بالضرورة انه من دين محمد صلى الله عليه وسلم بحيث تعلمه العامة من غير افتقار الى نظر واستدلال كالوحدانية والنبوة والبعث والجزاء ووجوب الصلاة والزكوة وحرمة الخمر ونحوها عن شرح المسايرة.

ولما فی فقه الأکبر مع شرحه: (ص ۱۴۳ طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

ثم المراد من المعلوم ضرورة كونه من الدين بحيث يعلمه العامة من غير افتقار الى النظر والاستدلال كوحدة الصانع ووجوب الصلاة وحرمة الخمر ونحوها۔۔۔۔۔ واما من

یؤول النصوص الواردة فی حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباری بالجزئیات فانہ یکفر لما علم قطعامن الدین انھا علی ظواھرھا.

ولمافی نبراس علیٰ ھامش شرح العقائد:(ص۳۲۹،طبع حقانیہ ملتان)

فی جمیع ماعلم بالضرورة قیل ارادبالضرورة مایقابل الاستدلال فالضروری کالمسموع من فم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوالمنقول عنہ بالتواتر کالقرآن والصلوات الخمس وصوم رمضان وحرمة الخمر والزنا.

ولمافی الشامی:(۵۶۱/۱،طبع سعید)

وان انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة (کفربھا)اذلاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام من حدوث العالم ونفی العلم بالجزئیات وان کان من اھل القبلة.

ولمافی شرح العقیدة الطحاویة:(ص۱۹۳-۱۹۵،طبع مکتبة الغرباء)

ویعنی بالعلم الموجود علم الشرعیة اصولھا وفروعھا فمن انکر شیئا مماجاء بہ الرسول کان من الکافرین.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:عبدالوہاب نعمانی

۲۹ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر ۲۶۵۳

﴿قیامت کے روز مظلوم جانوروں کو بھی ظالم سے بدلہ دلوایا جائیگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے میں کہ قیامت کے دن صرف انسان اور جنات سے حساب وکتاب کیا جائیگا یا ہر ذی روح سے اس کے کئے کے متعلق باز پرس ہوگی؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف مکلّف لوگوں کیلئے ''میدان محشر'' قائم کیا جائیگا۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔

مستفتی: ڈاکٹر عبدالقیوم

﴿جواب﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بعض صفات کا علیٰ وجہ الکمال ظہور قیامت کے روز ہوگا، احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کا ایک دوسرے پر زیادتی کا بدلہ بھی دلوائیگا، یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری پر سینگ والی بکری نے دنیا میں زیادتی کی ہوگی تو اس کا بھی بدلہ دلوائیگا اور یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اگر کمزور پیدا کیا ہے اس پر زیادتی کا خالق بدلہ دلوادے۔اس کے بعد جانور وغیرہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹی میں تبدیل ہو جائیں گے اور جن وانس واقعی مکلّف ہیں ان کیلئے ابدی کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ ہوگا۔اور یہی مکلّف

وغیر مکلف کا فرق ہے کہ غیر مکلف جاندار مخلوق کی ایک دوسرے پر زیادتی کا ادلہ بدلہ دلوانے کے بعد ان کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائیگا اور جن وانس کو چونکہ دنیاوی زندگی آخرت بنانے کیلئے دی گئی تھی اس لئے جنہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے آخرت بنالی تو ان کی اخروی ابدی زندگی راحتوں اور خوشیوں کی ہوگی اور جنہوں نے اس موقع کو ضائع کیا اور اللہ تعالیٰ کی کروڑوں نعمتوں کی ناشکری کی تو ان کی آخرت کی ابدی زندگی پریشانیوں اور تکالیف کی ہوگی۔

لما فی تفسیر المظھری :(۱۸۴/۱۰ طبع رشیدیه کوئٹه)

(ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا)اخرج الحاکم عن عبدالله بن عمر وقال اذاکان القیامة مدت الارض مد الادیم وحشر الله تعالیٰ الخلائق الانس والجن والدواب والوحش فاذاکان ذالک الیوم جعل الله القصاص بین الدواب حتی یقضی للشاء الجماء من القرناء فاذا فرغ الله القصاص بین الدواب قال لها کونی ترابا۔

لمافی صفوة التفاسیر :(۵۱۰/۳ طبع مدنیه لاهور)

(ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا)قال المفسرون : وذالک حین یحشرالله الحیوانات یوم القیامة فیقتص للجماء من القرناء ،وبعد ذالک یصیر ترابافیتمنی الکافر أن لو کان کذالک حتی لایعذب۔

لما فی روح المعانی :(۳۵۸/۳۰ طبع رشیدیه کوئٹه)

(واذالوحوش حشرت)بعثت للقصاص فیحشر کل شئی حتی الذباب وروی ذالک عن ابن عباس ایضاوعن قتادة وجماعة وفی روایة عن الحبر تحشر الوحوش حتی یقتص من بعضهاالبعض فیقتص للجماء من القرناء ثم یقال لها موتی فتموت وقیل اذا قضیٰ بینهاردت ترابا فلا یبقی منها الا ما فیه سرور لبنی آدم واعجاب بصورته کالطاؤس والظبی۔

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب :عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر:۳۰۴۰

﴿کتاب التفسیر والحدیث﴾

﴿تحریف قرآن کے متعلق ایک مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ الحمدللہ قرآن کریم ہر قسم کے تحریفات سے محفوظ ہے۔تاہم ایک روایت ہم نے کتاب المصاحف میں ایسی دیکھی کہ جسمیں حجاج کیطرف تحریف قرآن کی نسبت کی گئی ہے،کیا یہ روایت صحیح ہے،جبکہ روایت کے الفاظ

مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۴۲.حدثنا عبداللہ نا ابو حاتم السجستانی نا عباد بن صهیب ،عن عوف بن ابی جمیلہ ان الحجاج بن یوسف غیر فی مصحف عثمان احد عشر حرفاً.قال کانت فی البقرة:(لم یتسن وانظر)بغیرها،فغیرها لم یتسنه ، بالهاء.الخ

چنانچہ چند معروضات درپیش قلم ہیں:(۱) کیا قرآن کریم میں تحریف ہوسکتی ہے؟(۲) حجاج کیطرف تحریف کی نسبت کرنا کیا صحیح ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ حجاج کے زمانے میں قرآن کریم کا جو عظیم کام یعنی حرکات وسکنات کا ہوا حجاج بن یوسف نے خود کیا یا کسی ثقہ محدثین سے کروایا(۳) روایت قابل استدلال ہے یا نہیں،اگر روایت پر جرح ہوئی یا رُوات میں سے کسی پر جرح ہوئی ہو تو براہ کرم تفصیلاً قلم بند کرے تا کہ اشکالات کا ازالہ ہو جائے۔

﴿جواب﴾ مذکورہ سوالات کا جواب بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱): قرآن کریم الحمدللہ ہر قسم کی تحریفات سے محفوظ ہے،اور محفوظ رہے گا،اسلئے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ جل شانہ نے خود اپنے ذمہ لی ہے،چنانچہ ارشاد ہے"وانا له لحفظون" اور ہم ہی اسکے حفاظت کرنے والے ہیں۔

لما فی التفسیر المظهری :۲۹۳/۵ طبع رشیدیه.

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون ☆من التحریف والزیادة والنقصان ولایتطرق الیه الخلل ابداً.وهذا دلیل علی کونه منزلاًمن الله دون غیره اذ لوکان من عند غیر الله لتطرق الیه الزیادة والنقصان وقدر الاعداء علی الطعن فیه ویل للرافضة حیث قالوا قد تطرق الخلل الی القرآن وقالوا ان عثمان وغیره حرفوه والقوا منه عشرة اجزاء.

لما فی تفسیر روح المعانی :۱۳.۱۲/۲۲۹ طبع رشیدیه .

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون ☆ای کل ما یقدح فیه کالتحریف والزیادة والنقصان وغیر ذلک .

(۲):۔حجاج بن یوسف کیطرف تحریف قرآن کی نسبت صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ قرآن کریم کے حرکات وسکنات کا یہ عظیم کام حجاج نے خود نہیں کیا ہے،بلکہ عبدالملک بن مروان نے حجاج کو اس کام کا مشورہ دیا،حجاج نے اس مشورے کو پسند کیا۔اور دو ثقہ بندوں کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔(۱) نصر بن عاصم اللیثی (۲)۔یحیٰ بن یعمر العدوانی یہ دونوں حضرات ابو الاسود

الدؤلی کے شاگرد ہیں، اور دونوں ثقہ، ثبت ہیں، تو حجاج بن یوسف کہ حکم سے ان حضرات نے یہ بڑا خدمت انجام دیا اس لئے حجاج بن یوسف کیطرف اسکی نسبت کی جاتی ہے۔

لما فی مناهل العرفان :(۱/۲۸۰)

واما الحجاج فلم يباشر بنفسه كتابة المصحف بل امره بعض الحاذقين بذلك واليك القصه كاملة .قال الزرقاني :"والمعروف ان المصحف العثماني لم يكن منقوطا ـــ اذا رأى ان رقعة الاسلام قد اتسعت واختلط العرب بالعجم وكادت العجمة تمس سلامة اللغة وبدأ اللبس والاشكال في قرائة المصاحف يلح بالناس حتى ليشق على السواد منهم ان يهتدوا الى التمييز بين حروف المصحف وكلماته وهي غير معجمة ،هناك رأى بثاقب نظره ان يتقدم للانقاذ فامر عبد الملك بن مروان الحجاج ان يعنى بهذا الامر الجلل .وندب "الحجاج" طاعة لامير المؤمنين رجلين يعالجان هذا المشكل هما نصر بن عاصم ويحي بن يعمر العدواني ...وقد اشتركا ايضا في التلمذة فقد نجحا في هذه المحاولة .

ولما في "البيان في تفسير القرآن :ص ۲۱۹۔

ومتن الرواية منكر باطل ،اذلا يعقل ان يغير شيئا من القرآن ـــ فان الحجاج واحد من ولاة بني امية وهو اقصر باعا واصغر قدراً من ان ينال القرآن بشئي ،بل هو اعجز من ان يغير شيئا من الفروع الاسلامية ،فكيف يغير هو اساس الدين وقوام الشريعة ؟ واين له القدرة والنفوذ في جميع ممالك الاسلام ؟ وكيف لم يذكر هذا الخطب العظيم مؤرخ في تاريخه ،ولا ناقد في نقده مع ما فيه من الاهمية وكيف لم يتعرض لنقله واحد من المسلمين في وقته ؟

(۳):۔ یہ روایت ہرگز قابل استدلال نہیں وجوہات کثیرہ کی وجہ سے (۱) ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں جبکہ بعض محدثین نے موضوع بھی کہا ہے۔ (۲) کتاب المصاحف کے علاوہ کسی اور مستند احادیث کے ذخیرے میں موجود نہیں ہے۔ (۳) روایت کرنے والے روات میں سے بعض متروک ہونے کے ساتھ ساتھ متہم بالوضع والتشیع بھی ہیں۔ متروک جیسے عباد بن صہیب اور متہم بالتشیع جیسے عوف بن ابی جمیلہ۔

چنانچہ ایسی روایت کے ذریعے ذہن میں تحریف قرآن کا شبہ رکھنا عقل سے بالاتر ہے۔ اور نہ ہی ایسے من گھڑت قصوں سے تحریف قرآن کا ثبوت ہوسکتا ہے، بلکہ بعض دشمنان دین اسلام نے اگر کبھی اسکی جسارت کرنے کی کوشش کی ہے تو اس زمانے کے بچوں نے بھی ایسے

جھوٹ کا جواب دیا ہے، جبکہ اس دور کے اکابر علماء صلحاء کس طرح ایسے سنگین جرم پر خاموش رہ سکتے تھے۔

ولما في الرد على دعوى تحريف القرآن :مخطوطة في الشاملة.

عن عباد بن صهيب عن عوف بن ابي جميلة ان الحجاج بن يوسف غير في مصحف عثمان احد عشر حرفاً.قال كانت في البقرة .....الخ

وهذه الرواية ضعيفة جداً او موضوعة :اذ فيها ـعباد بن صهيب وهو متروك الحديث.

ولما في جمع القرآن في مرحله التاريخيه من العصر :اشامله:

ان الرواية التي تعلقوا بها في هذه الشبهه في غاية الضعف ولاتقوموا بمثلها حجة فهذا الاثر المروى عن عوف بن ابي جميله ضعيف جدا فيه عباد بن صهيب وهو متروك ضعيف الحديث ،وكذلك عوف بن ابي جميله وان كان ثقة الا انه متهم بالقدر والتشيع.

ولما في ميزان الاعتدال :۲/۲۲۳۳، ۲۳۴،طبع :العالميه)

عباد بن صهيب البصري :احد المتروكين عن هشام بن عروة ،والاعمش ،قال ابن المديني :ذهب حديثه : وقال البخاري والنسائي وغيرهما :متروك ،وقال ابن حبان :كان قدريا داعية ،ومع ذلك يروى اشياء اذا سمعها المبتدى في هذه الصناعة شهد لها بالوضع ،وقال ابو اسحاق السعدي :عباد بن صهيب غال في بدعته ،مخاصم باباطيله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ریحان اللہ دیروی

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ | فتویٰ نمبر: ۳۷۷۷

﴿توبةً نصوحاً کی تفسیر﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ جب بھی توبہ کرنی ہو تو نصوح کی طرح توبہ کرنی چاہیئے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نصوح پیغمبر کی طرح توبہ کرنے کی تلقین کی ہے کیا یہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو انکے توبہ کا طریقہ بتادیں اور اگر درست نہیں تو پھر نصوح کی طرح توبہ کا کیا مطلب ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن پاک میں ہے "یاایها الذین امنوا توبوا الی الله توبة نصوحاً" ،نصوحاً سے کوئی پیغمبر مقصود نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب خالص، پکی، سچی توبہ ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ سے "توبة نصوحاً" کا مطلب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کئے پر نادم ہو، اللہ سے معافی مانگے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے اس لئے علماء کرام نے مقبول توبہ

کے لئے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں (۱) اس فعل پر نادم ہو (۲) فی الفور اس کو چھوڑ دے (۳) آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔

لمافی المظهری:(۳۲۵/۱،طبع رشیدیه)

او النصح بمعنی الاخلاص ـــــ والمعنی توبة خالصة من الریا والسمعة وبعد اسطر قال الکلبی هی ان یستغفر باللسان ویندم بالقلب ویمسک بالبدن.

ولمافی روح المعانی:(۲۸/۲۸۱،طبع رشیدیه)

وعن ابن عباسؓ قال:قال معاذ بن جبلؓ یارسول الله تعالی ماالتوبة النصوح؟قال ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی الله ثم لایعود الیه کمالایعود اللبن الی الضرع لقوله علیه السلام الندم توبة وقدیزاد قید العزم علی ترک المعاودة.بعداسطر: قال الامام النووی التوبة مااستجمعت ثلاثة امور ان یقلع عن المعصیة وان یندم علی فعلها وان یعزم عزماً جازماً علی ان لایعود الی مثلها ابدا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خالدالرحمٰن کرکی

۲۸ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر:۲۱۰۰

﴿روح اللہ اور کلمۃ اللہ کا مفہوم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سورۃ النساء کی آیت کریمہ انما المسیح عیسی ابن مریم رسول الله و کلمته القاها الی مریم وروح منه (سورۃ النساء) میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ اور روح قرار دیا ہے ان دونوں کا واضح مفہوم بیان کردیں کہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا کیا مطلب ہے؟

مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ کسی بھی بچے کی پیدائش میں دو عامل کارفرما ہوتے ہیں ایک عامل نطفہ ہے جو کہ سبب کے درجہ میں ہے اور ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم جسکی تعبیر عموماً کلمہ "کن" سے کیجاتی ہے اور یہ علت کے درجہ میں ہے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے دوسرے عامل یعنی علت کی طرف نسبت کر کے کلمۃ اللہ کہا گیا، مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ مادی اسباب کے بغیر صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں۔

اور روح اللہ کہنے کی توجیہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر نطفہ کے صرف

اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے تو روح کی طرح نظافت میں وہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اس لئے ان کو روح کہا گیا، باقی روح کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کرنے کی اور بھی کافی مثالیں ہیں جیسے مسجد کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ مساجد اللہ اور کعبۃ اللہ وغیرہ وغیرہ تو یہ تعظیم اور اکرام پر محمول ہوگا۔

لمافی روح المعانی:(۲۷۱/۶،طبع رشیدیه)

ومعنى كونه كلمة انه حصل بكلمة كن من غير مادة معتادة والى ذالك ذهب الحسن وقتادة .وقال الغزالى رحمه الله لكل مولود سبب قريب وبعيد فالاول المنى والثانى قول كن. ولمادل الدليل علىٰ عدم القريب فى حق عيسىٰ عليه السلام اضافه الىٰ البعيد وهو قول كن اشارة الىٰ انتفاء القريب.

ولمافى المظهرى:(۲۷۹/۲،طبع رشيديه)

وكلمته يعنى اثر قوله كن فكان بشر من غير اب.

ولمافى روح المعانى:(۶/ص ۲۷۲،طبع رشيديه)

وقيل جرت العادة بانهم اذاارادواوصف شىء بغاية الطهارة والنظافة قالوانه روح فلما كان عيسىٰ عليه السلام متكونامن النفخ لامن النطفة وصف بالروح ....والاضافة الىٰ الله للتشريف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۲۶ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۵۸

﴿ قرآن مجید میں پانچ نمازوں کا ذکر ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی جگہ پانچ نمازوں کا ذکر نہیں ہے اگر ہے تو مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کی ہدایت کیلئے قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے لیکن دین کی پوری تفصیل قرآن کریم میں نہیں ہے اور نہ اس سے پہلے کسی آسمانی کتاب میں تھی پوری تفصیل اور تمام جزئیات پر کسی کتاب کا مشتمل ہونا ممکن ہی نہیں ہے اسلئے کتاب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تفصیل بتانے والے معلم یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث فرمایا ہے لہٰذا قرآن کریم سے ہر ایک حکم کیلئے حوالہ کا مطالبہ کرنا حماقت پر مبنی ہے، تاہم

پانچوں نمازوں کا ذکر اجمالی طور پر قرآن کریم میں آیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے یہی سوال کیا کہ قرآن کریم میں پانچ نمازوں کا صریح ذکر ہے؟ تو فرمایا ہاں اور یہ آیت تلاوت فرمائی "فسبحن الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد في السموات والارض وعشيا وحين تظهرون " (سورۃ الروم ایت نمبر ۱۷-۱۸) یعنی حین تمسون میں نماز مغرب اور حین تصبحون میں نماز فجر اور عشیا میں نماز عصر اور حین تظہرون میں نماز ظہر کا صریح ذکر موجود ہے اور نماز عشاء کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا کہ من بعد صلوۃ العشاء اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حین تمسون میں نماز مغرب وعشاء دونوں داخل ہیں

لمافی روح المعانی:(۲۰/۲۱،طبع رشیدیه)

وقيل المراد بالتسبيح الصلاة:۔ قال جاء نافع بن الازرق الى ابن عباسؓ فقال هل تجد الصلوات الخمس في القرآن؟فقال نعم فقرأ(فسبحان الله حين تمسون)صلوة المغرب (وحين تصبحون) صلوة الصبح(وعشيا)صلوة العصر(وحين تظهرون)صلوة الظهر وقرأ(ومن بعد صلوة العشاء)النور ايت۵۸ واخرج ابن ابي شيبة وابن جرير وابن المنذر عنه قال جمعت هذه الآية مواقيت الصلاة(فسبحان الله حين تمسون)المغرب والعشاء(وحين تصبحون)الفجر(وعشيا)العصر(وحين تظهرون)الظهر.

ولمافي التفسير المظهري:(۲۲۸/۷،طبع رشيديه)

ذكر في هذه الآية اربعا من الصلوات الخمس وقيل حين تمسون اشارة الى المغرب والعشاء جميعا اخرج ابن جرير والطبراني والحاكم قول ابن عباس ان الاية جامعة للصلوات الخمس حين تمسون كناية عن المغرب والعشاء جميعا وقال البغوي قال نافع بن الازرق لابن عباس هل تجد الصلوات الخمس في القرآن قال ابن عباس نعم وقرأهاتين الايتين وقال جمعت هذه الاية الصلوات الخمس ومواقيتها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۷ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر: ۲۶۷۸

﴿ آیت " واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما " کی تفسیر ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ "واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما" کیا ہے؟ کیا جاہلوں کو اسی طرح اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اُن کو نیکی اور اصلاح کی دعوت نہ دی جائے؟ حالانکہ دعوت واصلاح کے مستحق

تو وہ زیادہ ہیں، گزارش ہے کہ آیت مبارکہ کا صحیح مطلب واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اس بات پر مدح سرائی کی گئی ہے کہ وہ جاہلوں سے خواہ مخواہ اُلجھتے نہیں ہیں اور نہ ہی اپنی ذاتی غرض کے لئے اُن کی احمقانہ باتوں کا جواب دیتے ہیں، باقی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اُن کو موقع ومحل کی مناسبت سے نرمی یا سختی کے ساتھ دین کی بات سمجھانا اور اصلاح کی دعوت دینا بہرحال درست ہے، یہ آیت اُس کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

چنانچہ مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں ''مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے انتقام قولی یا فعلی نہیں لیتے اور جو خشونت تادیب واصلاح وسیاست شرعیہ یا اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے ہو اُس کی نفی مقصود نہیں''۔

لمافی روح المعانی:(۲۰/۵۹،طبع رشیدیه)

والظاهر ان المراد مدحهم بالاغضاء عن السفهاء وترك مقابلتهم في الكلام ولا تعرض في الأية لمعاملتهم مع الكفرة فلاتنافى اية القتال ليدعى نسخها بها لانها مكّية وتلك مدنية۔بحواله معارف القرآن.

ولمافي المظهري:(۷/۶۱،طبع رشيديه)

وهذابيان لحال المؤمنين في مقابلة السفهاء واعراضهم عن انتقامهم وعدم مواخذتهم لاجل انفسهم ،عن ابي هريرةؓ ان رجلاًقال يارسول الله ان لي قرابة اصلهم ويقطعوني واحسن اليهم ويسيؤن اليّ واحلم عنهم ويجهلون عليّ فقال لان كنت كما قلت فكانماتسفهم المل ولايزال معك من الله ظهيرمادمت على ذلك رواه مسلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۰

﴿رجم کی سزا قرآن کریم سے ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا قرآن کریم سے ثابت نہیں حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں رجم کی سزا دی گئی اس کی کیا اصل ہے؟ مستفتی: سائل بتوسط قاری منیر احمد

﴿جواب﴾ رجم کی سزا قرآن کریم کی آیت "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما

نکالا من الله والله عزیز حکیم" سے ثابت ہے، اس کی تلاوت کو اگر چہ منسوخ کر دیا گیا لیکن حکم باقی ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے اور خود حضور ﷺ نے ان سزاؤں کو صحابہؓ کی موجودگی میں جاری بھی فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ کے دور میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد منقول ہے مجھے خدشہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ یہ کہیں گے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کے بارے میں کوئی واضح حکم نہیں پاتے پھر آگے ارشاد فرمایا: اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمرؓ نے قرآن کریم میں اضافہ کر دیا ہے تو میں مصحف کے حاشیہ میں یہ آیت لکھوا دیتا۔

لما فی روح المعانی:(۱۸/۲۸۰سورۃ النور طبع رشیدیه)

ويكفينا في تعيين الناسخ القطع بامره ﷺ بالرجم وفعله في زمانه عليه الصلاة والسلام مرات فيكون من نسخ الكتاب بالسنة القطعية وقد اجمع الصحابة رضي الله عنهم ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وأئمة المسلمين على أن المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت وانكار الخوارج ذلك باطل ..... كما روى البخاري خشيت أن يطول بالناس زمان حتى يقول قائل: لا نجد الرجم في كتاب الله تعالى عزوجل فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله عزوجل ألا وان الرجم حق على من زنى وقد أحصن اذا قامت البينة أو كان الحبل أو الاعتراف وروى أبو داود أنه خطب وقال ان الله عزوجل بعث محمدا بالحق وأنزل عليه كتابا فكان فيما انزل عليه آية الرجم يعني بها قوله تعالى الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم فقرأناها ووعيناها الى أن قال وأني خشيت أن يطول بالناس زمان فيقول قائل: لا نجد الرجم الحديث بطرقه وقال لولا أن يقال ان عمر زاد في الكتاب لكتبتها على حاشية المصحف الشريف.

ولما في الصحيح للمسلم:(۲/۶۵ طبع رشیدیه)

قال عمر بن الخطاب وهو جالس على منبر رسول الله ﷺ ان الله بعث محمد ﷺ بالحق وانزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله عليه آية الرجم قرأناها ووعيناها وعقلناها فرجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده فاخشى ان طال بالناس زمان الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۲۶ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۲۷

﴿زقوم اور غرقد کا تعارف اور انکی خصوصیات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ قرآن وحدیث میں مذکور دو درختوں کے نام "زقوم

اور غرقد'' انکا تعارف اور خصوصیات اگر بتادیں بڑی نوازش ہوگی بیان کریں، نیز اس بات کی بھی نشاندہی کریں کہ موجودہ دور میں یہ کونسے درخت ہیں؟ مستفتی: عبدالمعز، ڈینفس

﴿جواب﴾ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہنمیوں کی خوراک کا ذکر کرتے ہوئے ''زقوم'' کا تذکرہ فرمایا ہے ''زقوم'' ایک ایسا درخت ہے جسکے چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں اور انتہائی کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے، اس سے دودھ کی طرح سفیدی نکلتی ہے اگر وہ سفیدی کسی انسان کے جسم پر لگ جائے تو جسم کا وہ حصہ پھول جاتا ہے۔

یہ درخت جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، بقول علامہ آلوسیؒ کے یہ درخت دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی پایا جاتا ہے یہ وہی درخت ہے جسکو اردو اور طبی اصطلاح میں ''تھوہر'' یا ''توہر'' اور انگلش میں اس کو (MILKHEDGEPLANTSPURGE) کہتے ہیں اور اس کے قریب قریب ہندوستان میں ایک اور درخت ہے جو ناگ پھن کے نام سے معروف ہے۔

جہاں تک ''غرقد'' کا تعلق ہے تو مسلم شریف کی روایت میں اس کا ذکر ملتا ہے، اسی درخت کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ یہود کا درخت ہے جو انہیں پناہ دیگا، اس درخت کو زمانہ قدیم سے ہی انسانیت کے لیئے نقصان دہ سمجھا جاتا رہا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ کتب طب میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں ملتا۔

''غرقد'' کا درخت کانٹے دار جھاڑی نما ہوتا ہے، جو کہ بنجر زمین میں اگتا ہے، یہ درخت دو قسم کا ہوتا ہے: ایک قسم کو انگلش میں لائیسیم اور دوسری قسم کو نائٹریریا ریٹوسا کہتے ہیں، اس کی لمبائی ڈہائی میٹر تک جاتی ہے، البتہ عام طور پر ایک میٹر سے کم ہی ہوتا ہے۔ علم نباتات کے ماہرین نے اس دوسری قسم کو بھی ''غرقد'' ہی کہا ہے لیکن توریت کی سفر قضاۃ میں جس ''غرقد'' کا ذکر آیا ہے اور یہودی بھی جس کو اپنی جائے پناہ سمجھتے ہیں وہ لائیسیم ہے جس کو عربی میں ''العوسج'' کہتے ہیں۔ (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا وکیپڈیا)

لمافی روح المعانی: (۲۳/۱۲۸، طبع رشیدیه)

والزقوم اسم شجرة صغيرة الورق مرة كريهة الرائحة ذات لبن اذا اصاب جسد انسان تورم تكون في تهامة وفي بلاد المجدبة المجاورة للصحراء.

ولما في المظهري:(۸/۱۱۷،طبع رشيديه)

وهي شجرة مرة خبيثة كريهة الطعم يكره اهل النار على تناولها يزقمونه على اشد كراهية ومنه قولهم تزقم الطعام اذاتناوله على كره ومشقة.

ولما في الصحيح لمسلم:(۲/۳۹۶طبع قديمی)

عن ابی هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاتقوم الساعة حتى يقاتل المسلمون اليهود فيقتلهم المسلمون حتى يختبئ اليهودي من وراء الحجر أوالشجر فيقول الحجر أوالشجر يامسلم يا عبدالله هذا يهودي خلفي فتعال فاقتله الاالغرقد فانه من شجر اليهود.

وعلى هامش هذه الرواية:

الغرقد نوع من شجر الشوك معروف ببلاد بيت المقدس وهناك يكون قتل الدجال واليهود قال ابوحنيفة الدينوري اذاعظمت العوسجة صارت غرقدة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ علم بالصواب:عبدالوہاب نعمانی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۵۰۹

﴿نماز کے بارے میں ایک حدیث کی تشریح﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث میں ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب انکی عمر سات سال کو پہنچے اور مارو اگر دس سال کی عمر میں بھی نماز نہ پڑھے لیکن فقہ کی کتابوں میں ہے کہ نماز عاقل بالغ پر فرض ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں ہے تو پھر حدیث میں سات سال کے بچے کو نماز کا حکم اور دس سال کے بچے کو مارنے کا کیا مطلب ہے؟　　　　مستفتی:ایک طالب علم

﴿جواب﴾ نماز بلوغت کے بعد فرض ہو جاتی ہے حدیث میں جو سات سال کی عمر کے بچے کو نماز پڑھنے کی تاکید اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارنے کا ذکر ہے یہ تادیباً ہے تاکہ بچپن سے نماز کی عادت پڑ جائے۔

لما في سنن أبي داؤد:(۲/۲۵۷مطبع رحمانيه)

عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم قال رفع القلم عن ثلثة عن الصبي حتى يبلغ وعن النائم حتى يستيقظ وعن المعتوه حتى يبرء..... وفي رواية أخرى عن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يعقل.

ولما فی مرقاۃ المصابیح:(۲/۲۵۷،طبع رشیدیہ)

(مروا اولادکم بالصلوۃ وھم أبناء سبع سنین)لیعتادوا ویستانسوابھا والجملۃ حالیۃ (واضربوھم علیھا... ای علی ترک الصلاۃ(وھم ابناء عشر سنین)لانھم بلغوا او قاربوالبلوغ.

ولما فی الشامی:(۱/۳۵۲،طبع سعید)

ھذا مبالغۃ علی مفھوم قولہ کل مکلف کانہ قال ولایفترض علی غیر المکلف وان وجب ای علی الولی ضرب ابن عشروذلک لیتخلق بفعلھاویعتادہ لا،لافتراضھا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد فاروق چارسدوی

۲ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۸۳

﴿حضرت مریمؑ جنت میں حضورﷺ کی زوجہ ہوں گی﴾

﴿سوال﴾حضرت مفتی صاحب! بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امرأۃ فرعون (حضرت آسیہ)کو جنت میں حضورﷺ کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوگا کیا یہ درست ہے؟ نیز کیا یہ فضیلت حضرت مریمؑ کو بھی حاصل ہوگی جواب بحوالہ عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾جس طرح فرعون کی بیوی کو جنت میں حضورﷺ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہوگا اسی طرح یہ شرف حضرت مریم کو بھی ملے گا۔

لما فی المعجم الکبیر للطبرانی(۶/۱۳:طبع احیاء التراث الاسلامی).

عن سعد بن جنادۃ قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وامرأۃ فرعون وأخت موسی.

ولما فی کنز العمال للہندی(۱۱/۱۹۱:طبع رحمانیہ).

ان اللہ زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وامراۃ فرعون وأخت موسی.

ولما فی جمع الجوامع (۱/۱۶۹ :الہیئۃ المصریہ العامہ للکتاب).

ان اللہ عزوجل زوجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وامرأۃ فرعون وأخت موسی طب

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:تاجد محمود کھوٹہ

۱۶جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۱۰۴

﴿حضورﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں﴾

﴿سوال﴾روافض کا کہنا ہے کہ حضورﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھیں یعنی حضرت فاطمہ

الزہراءؓ اور باقی تین حقیقی صاحبزادیاں نہیں تھیں بلکہ صرف حضور ﷺ کے زیر پرورش تھیں۔
برائے کرم آپ ﷺ کی حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے علاوہ بقیہ تین صاحبزادیوں کے بارے میں تحقیق فرما کر جواب عنایت فرماویں۔

﴿جواب﴾ علماء سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔سب سے بڑی حضرت زینبؓ تھیں۔ان کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے ہوا۔اور ان سے چھوٹی سیدہ رقیہؓ اور پھر سیدہ ام کلثومؓ۔ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفانؓ سے ہوا۔ اور سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراءؓ جن کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا۔روافض کا کہنا کہ حضور ﷺ کی ایک ہی صاحبزادی تھیں بلکل بے بنیاد اور خلاف حقیقت بات ہے۔

لما فی بذل القوۃ:(ص۲ فصل فی حوادث السنۃ الاولیٰ من النبوۃ القسم الاول)

وفیھا اسلمت بنات النبی ﷺ الاربع کلھن زینب وھی اکبر بناتہ وفاطمہ ورقیۃ و ام کلثوم

ولما فی الاستیعاب:(۲۹۸/۴،طبع بیروت)

رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ امھا خدیجۃ بنت خویلد۔۔۔الخ

ولما فی الاستیعاب:(۵۰۶/۴،طبع بیروت)

ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ امھا خدیجۃ بنت خویلد ولدتھا قبل فاطمہ وقبل رقیۃ رضی اللہ عنھن۔۔الخ

ولما فی الاستیعاب:(۴۰۹/۴طبع بیروت)

زینب بنت رسول اللہ ﷺ کانت اکبر بناتہ رضی اللہ عنھن۔۔۔الخ

الجواب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ والله اعلم بالصواب:نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۳۹۵۱

﴿الہدیٰ انٹرنیشنل اس دور کا بڑا فتنہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر اپنی مرحومہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ الہدیٰ انٹرنیشنل کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہوا ہے۔جس میں لکھا ہے کہ شوہر اپنی مرحومہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور دلیل کے طور پر حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں اس کے علاوہ حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت

فاطمہؓ کو غسل دیا تھا ان دونوں دلیلوں کی توجیہات کیا ہیں اور فقہاء احناف کا اس کے بارے میں کیا موقف ہے؟

مستفتیہ: متعلمہ محمد الفقیر

﴿جواب﴾ الہدیٰ انٹرنیشنل اس دور کا بڑا فتنہ ہے، دینِ اسلام کے نام پر دیندار سادہ لوح خواتین کو علماءِ حق سے بیزار کرنے کیلئے اور پردہ کا نام لے کر پردہ دار گھرانوں سے پردہ کی روح نکالنے کیلئے اور بے پردگی سے محفوظ مقامات مثلاً مساجد، دینی مراکز وغیرہ تک بے پردگی پہنچانے کیلئے قائم ہوا ہے، یہود و نصاریٰ اور دیگر اہلِ باطل سادہ لوح مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور انکو شکوک و شبہات میں مبتلاء کرنے کیلئے شروع سے دینِ اسلام کا نام استعمال کرتے ہوئے وار کرتے ہیں، کھلم کھلا کفر کا نعرہ لگا کر باطل اپنے مقصد میں نہ کبھی کامیاب ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ الھدیٰ انٹرنیشنل کی بانی ہے اس نے گلاسکو یونیورسٹی سے شعبہ اسلامی تعلیمات میں پی، ایچ، ڈی کی ہے قرآن کریم کا ترجمہ اور از خود تفسیر کرانے کی عام دعوت دیتی ہے، فقہی اختلافات کے ذریعے سلف و صالحین، ائمہ مجتہدین اور عام علماءِ امت سے خواتین کو بیزار کرنے کی کوشش کرتی ہے، میٹھے میں زہر اس طرح ملاتی ہے مثلاً ایک طرف پردہ کی دعوت دیتی ہے، دوسری طرف عورت کو مردوں کیساتھ شانہ بشانہ آزاد گھومنے کی اجازت دیتی ہے، اس کے نزدیک عورت بغیر محرم کے نہ صرف شہر کے اندر بلکہ کئی کئی دنوں، راتوں کا سفر بھی کر سکتی ہے، جماعت کی نماز کی فضیلت کی آڑ میں پانچ مرتبہ گھر سے نکلنے کی آواز لگاتی ہے، صرف ایسے ایسے مسائل تلاش کر کے نکالتی رہتی ہے جنکے ذریعہ امت میں انتشار اور بدظنی کو وہ فروغ دے سکے خواہ کسی بھی درجہ میں اس کا یہ مقصد پورا ہو۔

چنانچہ ایک مسئلہ وہ یہ اچھالتی رہتی ہے کہ بیوی کے انتقال کے بعد اس کا شوہر اسے غسل دے سکتا ہے شائد اس پر عمل صرف اسی کا شوہر کریگا لیکن انتشار کی غرض سے رسالوں میں بھی اس مسئلہ کی اشاعت کی ضرورت محسوس کرتی ہے، پوری تاریخ صحابہ کرام اور تابعین میں کوئی ایک مثال تو اپنی تائید کیلئے وہ پیش کر دے، ایک ضعیف حدیث کو بطور حجت پیش کرتی ہے حالانکہ اس کے خود کا عام اصول تو یہ ہے کہ "حدیث ضعیف پر عمل کرنا جرم ہے" لیکن یہاں اپنے مطلب کیلئے پیش کرتی ہے، بیشک احناف کے ہاں ضعیف حدیث بھی بڑی قابل قدر ہے اور دوسری صحیح

حدیث اس کے مقابلہ میں نہ ہو یا صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف نہ ہو تو ہمارے ہاں اس پر عمل کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جس روایت سے فریق ثانی استدلال کرتی ہے یہ روایت محمد بن اسحاق کے توسط سے ہے، جس کو بعض محدثین نے کذاب قرار دیا ہے بعض نے مدلس اور بعض معنعن جیسے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں، اور ہم اپنے اصول کے مطابق اس ضعیف حدیث کو اگر قابلِ استدلال بھی مان لیں تو ازواجِ مطہرات کیساتھ خصوصیت پر محمول کرنا ضروری جانتے ہیں اسلئے کہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات دیگر عام خواتین کیطرح نہیں ہیں وہ تو آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہیں اسی لئے کسی اور کیساتھ نکاح بھی جائز نہیں تھا، امت کی عام خواتین کا مرنے کے بعد نکاح ختم ہو جاتا ہے اسلئے اسکی بہن کیساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

لما فی میزان الاعتدال: ۴/۲۶،۲۷ طبع: الرسالۃ العالمیۃ)

قال النسائی وغیرہ: لیس بالقوی، وقال الدار قطنی: لا یحتج بہ، وقال ابو داؤد: قدری معتزلی، وقال سلیمان التیمی: کذاب

وقال وھیب: سمعت ھشام بن عروۃ یقول: کذاب، وقال وھیب: سألت مالکا عن ابن اسحاق فاتھمہ، وقال احمد: ھو کثیر التدلیس جدا، وقال ابن ابی عدی: کان ابن اسحاق یلعب بالدیوک.

ولما فی نصب الرایۃ: ۲/۲۵۹ طبع قدیمی)

ھذا لیس فیہ حجۃ، فان ھذا اللفظ لا یقتضی المباشرۃ، فقد یأمر بغسلھا. الثانی: انہ حدیث ضعیف، قال النووی: فیہ محمد بن اسحاق وھو مدلس وقد عنعن.

ولما فی اعلاء السنن: ۸/۲۱۹ طبع بیروت)

وفی دلالتہ علی المقصود نظر من وجھین، الاول ماذکرہ فی نصب الرایۃ والثانی ان فیہ احتمال الخصوصیۃ لبقاء نکاحہ علیہ افضل الصلاۃ والسلام بعد الممات فان امھات المؤمنین ازواجہ فی الدنیا والآخرۃ.

ولما فی جامع الترمذی: ۲/۲۲۸ طبع فاروقی)

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان جبرئیل جاء بصورتھا فی خرقۃ حریر خضراء الی النبی ﷺ فقال ان ھذہ زوجتک فی الدنیا والآخرۃ.

ولما فی البدائع الصنائع: ۲/۳۲۱ طبع بیروت لبنان)

وحدیث عائشۃ محمول علی الغسل تسببا، فمعنی قولہ: غسلتک، قمت باسباب

غسلک حملناه علی هذا صیانة لمنصب النبوة عما یورث شبهة نفرة الطباع عنه وتوفیقا بین الدلائل علی انه یحتمل انه کان مخصوصا بانه لا ینقطع نکاحه بعد الموت لقوله ﷺ"کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی".

ولما فی تفسیر ابن کثیر :۵/۲۰۷،طبع:رشیدیه کوئٹه)

ولهذا اجمع العلماء قاطبة علی ان من توفی عنها رسول الله ﷺ من ازواجه انه یحرم علی غیره تزوجها من بعده لانهن ازواجه فی الدنیا والآخرة وامهات المؤمنین.

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا تو صحابہ کرام نے اعتراض کیا جس کا جواب انہوں نے یہی دیا کہ یہ میری خصوصیت ہے کیونکہ مجھے آپ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ یہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی، لہٰذا دیگر خواتین کو ان پر قیاس کرنا غلط ہے، اگر اس کی عام اجازت ہوتی تو صحابہ کرام اعتراض کیسے کرتے؟ صحابہ کرام جائز نہیں جانتے تھے اس لئے تو اعتراض کیا۔

لما فی ردالمحتار:۲/۱۹۸،طبع:سعید کراچی)

قال فی شرح المجمع لمصنفه فاطمة رضی الله عنها غسلتها ام ایمن حاضنته ﷺ ورضی عنها فتحمل روایة الغسل لعلی رضی الله عنه علی معنی التهیئة والقیام التام بأسبابه ولئن ثبتت الروایة فهو مختص به الا تری ان ابن مسعود رضی الله عنه لما اعترض علیه بذلک اجابه بقوله :اما علمت ان رسول الله ﷺ قال :ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والآخرة فادعاء الخصوصیة دلیل علی ان المذهب عندهم عدم الجواز.

ولما فی بدائع الصنائع :۲/۲۲۱،طبع:بیروت لبنان)

واما حدیث علی رضی الله عنه فقدروی ان فاطمة رضی الله عنها غسلتها ام ایمن ولو ثبت ان علیاً غسلها فقد انکر علیه ابن مسعودؓ حتی قال علی:اما علمت ان رسول الله ﷺ قال:ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والآخرة) فدعواه الخصوصیة دلیل علی انه کان معروفا بینهم ان الرجل لایغسل زوجته.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:۵۷۲،طبع قدیمی)

قلنا:وروی انها غسلتها ام أیمن ولو ثبت ان علیا غسلها فهو محمول علی بقاء الزوجیة لقوله علیه السلام "کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی".

جبکہ حضرت مکحول کی مرسل روایت ہے اور حضرت سنان بن غرفہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ دیگر عورتوں کا انتظام نہ ہو تو تیمم کرایا جائے، شوہر غسل نہ دے اسلئے کہ موت پر نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی مرحومہ بیوی کی بہن کیساتھ نکاح کرنا جائز ہو جاتا

ہے، وہ بیوی ہوتی تو نکاح کرنا جائز نہ ہوتا۔

(اللہ تعالیٰ موجودہ دور کے تمام فتنوں سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے)

لما فی سنن الکبری:۱۰۸/۴،طبع دار الحدیث)

عن مکحول قال قال رسول اللہ ﷺ: اذا ماتت المرأۃ مع الرجال لیس معھم امرأۃ غیرھا والرجل مع النساء لیس معھن رجل غیرہ فانھما یتیممان ویدفنان وھما بمنزلۃ من لا یجد الماء هذا مرسل۔

ولما فی اعلاء السنن:۲۲۱/۸،طبع بیروت)

قلت: والمرسل اذا ورد بطریق اخری موصولۃ للاحتجاج به اتفاقا لا سیما عند الحنفیۃ.

ولما فی اعلاء السنن:۲۲۱/۸،طبع: بیروت)

عن سنان بن عرفطۃ (الرجل یموت مع النساء والمرأۃ تموت مع الرجال ولیس لھما محرم قال یتیممان)کذا فی جمع الفوائد،۱۳۲/۱

ولما فی مصنف ابن ابی شیبۃ:۱۲۷/۳،طبع: امدادیۃ)

عن مسروق قال ماتت امرأۃ لعمر فقال انا کنت أولی بھا اذا کانت حیۃ فاما الآن فانتم اولی بھا.

ولما فی کتاب الآثار:۶۷،طبع :رشیدیۃ)

بلغنا عن عمر بن الخطاب انه قال:نحن کنا احق بھا اذا کانت حیۃ فاما اذا ماتت فانتم احق بھا،قال محمد وبه ناخذ.

ولما فی الدر مع الرد:۱۹۸/۲،طبع:سعید)

ویمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا علی الاصح (قوله لا من النظر الیھا علی الاصح)ونقل عن الخانیه انه اذا کان للمرأۃ محرم ییممھا بیدہ واما الاجنبی فبخرقۃ علی یدہ ویغض بصرہ عن ذراعھا وکذا الرجل فی امرأته الا فی غض البصر ولعل وجھه ان النظر اخف من المس فجاز لشبھۃ الاختلاف۔

ولما فی بدائع الصنائع :۳۱۸/۲،طبع :بیروت)

بخلاف ما اذا ماتت المرأۃ حیث لا یغسلھا الزوج لان ھناك انتھی ملك النکاح لانعدام المحل فصار الزوج اجنبیا فلایحل له غسلھا واعتبر بملك الیمین حیث لاینتفی عن المحل بموت المالك ویبطل بموت المحل فکذا ھذا.

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی:۵۷۲،طبع :قدیمی)

(بخلافه)ای الرجل فانه لا یغسل زوجته لانقطاع النکاح واذا لم توجد امرأۃ لتغسیلھا ییممھا ای زوجھا .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری
فتویٰ نمبر: ۲۷۳۳

﴿حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس حدیث کے متعلق جس کو اکثر واعظین بیان کرتے ہیں'علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کیا یہ واقعی صحیح حدیث ہے؟ مستفتی مراد شاہ

﴿جواب﴾ علامہ دمیری اور عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضعیف ہے اور علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت فرمایا ہے، حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے، تاہم فضائل کے باب میں بیان کی جاسکتی ہے۔

لمافی المضوعات الکبریٰ لملاعلی القاری:(ص ۱۵۹ طبع قدیمی)

لااصل له. وکذا قال الزرکشی، وسکت عنه السیوطی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۰

﴿عرض اعمال علی النبی ﷺ والی حدیث اور انک لاتدری والی حدیث میں تطبیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ پوری امت کے اعمال نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ فرشتے قیامت کے دن ایک جماعت کو حوض کوثر سے واپس لے جارہے ہونگے کہ حضور ﷺ فرمائینگے انکو چھوڑ دو یہ میرے امتی ہیں فرشتے جواب دینگے کہ آپ انکے بارے میں نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا ایجاد کیا بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہورہا ہے۔ برائے مہربانی تعارض رفع فرما کر ممنون فرمائیں۔ مستفتی: محمد

﴿جواب﴾ بلاشبہ سوال میں ذکر کردہ دونوں طرح کا مفہوم احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

لمافی المشکوۃ:(ص ۴۸۷، رقم الحدیث: ۵۲۲۷، باب الحوض والشفاعة طبع قدیمی)

وعن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ انی فرطکم علی الحوض من مرعلیّ شرب ومن شرب لایظمأ ابداً لیردنّ علیّ اقوامٌ اعرفهم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینهم فأقول انهم منّی فیقال انک لاتدری ما أحدثوا بعدك فأقول سحقاً سحقاً لمن غیر بعدی.

ولمافی خصائص کبری للسیوطی:(۲/۲۸۱،طبع دارالکتب بیروت)

أخرج الحارث فی مسنده وابن سعد والقاضی اسمعیل عن بکربن عبدالله المزنی قال قال رسول الله ﷺ حیاتی خیرلکم وموتی خیرلکم تعرض علیّ اعمالکم فمن کان من حسن حمدت الله علیه وماکان من سیئی استغفرت الله لکم وأخرج البزار بسند صحیح من حدیث ابن مسعود مثله.

ولمافی شرح الصدور للسیوطی:(ص۱۰۲)

أخرج الحکیم الترمذی فی نوادره من حدیث.....عبدالغفور بن عبدالعزیز عن ابیه عن جدہ قال قال رسول الله ﷺ تعرض الأعمال یوم الأثنین والخمیس علی الله و تعرض علی الأنبیاء وعلی الآباء والأمهات یوم الجمعة فیفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بیاضا واشراقا فاتقوا الله ولاتؤذوا موتاکم.

ولمافی المؤطا للامام مالکؒ(ص۲۸،رقم الحدیث:۵۸،طبع داراحیاء التراث مصر)

مالک عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابیه عن ابی هریرۃؓ أن رسول الله ﷺ خرج الی المقبرة فقال السلام علیکم دارقوم مؤمنین.....وأنافرطهم علی الحوض،فلایذادنّ رجل عن حوضی کما یذادالبعیر الضال،فأنادیهم: ألا هلم، ألا هلم، ألاهلم،فیقال: انهم قدبدلوابعدک،فأقول فسحقافسحقا.

لیکن مذکورہ احادیث سے دونوں کے مفہوموں میں کوئی تعارض نہیں ہے،جن احادیث میں امت کے اعمال پیش ہونے کا ذکر ہے تو اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ہرایک امتی کے اعمال فرداًفرداً پیش کئے جاتے ہیں اور تمام کے اعمال روز قیامت تک حضورﷺ یاد بھی رکھتے ہیں،لہذا ممکن ہے پوری امت کے اعمال اجمالی اور مجموعی طور پر پیش کئے جاتے ہوں اور جس حدیث میں حوض کوثر سے بعض لوگوں کو روکنے کا ذکر ہے ان سے مرتدین اور منافقین مراد ہیں آپﷺ نے اپنی دنیاوی حیات میں دین اسلام پر ان کا مشاہدہ کیا تھا اسلئے فرمائیں گے کہ یہ لوگ میری امت کے افراد ہیں اور فرشتوں کی معذرت کو اس پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ اگر چہ آپکی امت کے افراد ہیں لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کے راستہ کو چھوڑ کر عذاب کے مستحق ہوئے،بہرحال دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح اور ثابت ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

لمافی أوجزالمسالک:(۱/۳۳۶-۳۳۷،طبع دارالکتب العلمیة)

وأشکل علی الحدیث بوجهین:الأول أنه یستشکل بقوله ﷺ تعرض علیّ أعمالکم. بأنه یحتمل أن یعرض الأعمال علیه ﷺ اجمالاً ــ والظاهر عندی أن العرض لوصح لایلزم منه أنه علیه الصلوة والسلام یحفظهم فی کل وقت سیما وقت الحشر.....

أجيب بأنه يحتمل أن المنافقين والمرتدين وكل من توضاء بالغرة والتحجيل، فلأجلها دعاهم النبي ﷺ...... فيزدادون عند الورود على الحوض نكالاً ومكراًبهم...... فناداه ﷺ لاظهاره الاسلام، وقيل انهم المبتدعة الذين لم يخرجوا من الاسلام كالروافض والخوارج فيدفعوا عنه ثم يشفع فيهم النبي ﷺ بعد ما يدخلون في جهنم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی خان

۵ صفر ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۴۵۶

﴿حدیث "ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لے جائیگی" کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض حضرات مبلغین اپنے بیانات میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ "ایک گنہگار عورت اپنے ساتھ چار مردوں کو جہنم میں لیکر جائے گی گو کہ وہ مرد نیک بھی ہوں" آیا یہ حدیث موضوع ہے یا صحیح؟

﴿جواب﴾ خاص مذکورہ الفاظ کے مفہوم کی کوئی حدیث ہماری نظروں سے نہیں گذری، البتہ کئی صحیح احادیث کے مفہوم سے یہ حکم واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ "ہر آدمی نگہبان ہے اور اس سے اسکی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا" چنانچہ اگر باپ نے اپنی بیٹی، بھائی نے اپنی بہن، شوہر نے بیوی اور بیٹے نے اپنی ماں کو دین کی معلومات اور علم پر عمل کروانے کی فکر نہ کی تو جس حد تک یہ ذمہ دار ہیں (معاونت کرنا، درست معلومات فراہم کرنا اور ہدایت کیلئے ضروری تعلیمات کا بندوبست کرنا) تو یقیناً اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

لما في الترغيب والترهيب: (۲/۲۹۱، طبع حقانيه پشاور)

كلكم راع ومسؤول عن رعيته الامام راع ومسئول عن رعيته والرجل راع في اهله ومسؤول عن رعيته، والمراة راعية في بيت زوجها ومسؤولة عن رعيتها والخادم راع في مال سيده ومسؤول عن رعيته وكلكم راع ومسؤول عن رعيته. (بخاري ومسلم)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۵۲۷

﴿حدیث ربٰو میں قید "یداً بید" کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں عبدل خیل لکی مروت

میں رہتا ہوں ہماری زمین عبدل خیل (ڈیرہ اسماعیل خان) میں ہے اور وہاں کے باشندوں کی زمینیں ہمارے گاؤں میں ہیں دونوں گاؤں کے درمیان کافی فاصلہ ہے ہم جب گندم وغیرہ کاشت کر کے کاٹتے ہیں تو آسانی کی خاطر آپس میں ان گندم وغیرہ کا برابر سرابر تبادلہ کرتے ہیں اس طریقے سے کہ میں اپنے کھیت کے مثلاً دس من گندم عبدل خیل (ڈیرہ اسماعیل خان) کے باشندہ کو دیتا ہوں اور اپنے گاؤں میں اس کے کھیت سے دس من گندم لے لیتا ہوں پوچھنا یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حدیث میں "یداً بید" سے کیا مراد ہے؟

﴿جواب﴾ صورتِ مسئولہ میں گندم کا گندم سے برابر سرابر تبادلہ کرنا تعیین کیساتھ جائز ہے عقدِ مجلس میں قبضہ کرنا اور بدلین کا حاضر کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ دونوں کی ملکیت میں گندم کا ہونا ضروری ہے تاکہ تعیین ہو سکے۔ حدیث میں "یداً بید" سے مراد یہی (تعیین) ہے جو کہ اشیاءِ اربعہ (گندم، جو، کھجور، نمک) اور باقی تمام کیلی اور وزنی چیزوں میں اشارہ سے، علامات وغیرہ بتانے سے ثابت ہوتی ہے، البتہ ذھب اور فضہ یعنی بیع الاثمان بالاثمان میں قبض ہی کے ذریعہ یہ تعیین ہوتی ہے مجلس میں ایک دوسرے پر قبضہ کئے بغیر تعیین ممکن نہیں ہے۔

لمافی الرد:(۱۷۲/۵ طبع سعید)

"ثم اعلم أن ذکر النساء للاحتراز عن التأجیل لأن القبض فی المجلس لایشترط الافی الصرف وھو بیع الأثمان بعضھاببعض أماماعداہ فأنمایشترط فیہ التعیین دون التقابض

ولمافی التنویر و:(۱۷۸/۵ طبع سعید)

(والمعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف) ومصوغ ذھب وفضۃ(بلاشرط تقابض)حتی لوباع برابیر بعینھا وتفرقاقبل القبض جاز خلافاللشافعی فی بیع الطعام.

ولمافی الشامیۃ:(۱۷۸/۵ طبع سعید کراچی)

(قولہ والمعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف)لأن غیر الصرف یتعین بالتعیین و یتمکن من التصرف فیہ – (قولہ حتی لوباع الخ)قال فی البحربیانہ کما ذکرہ الاسبیجابی بقولہ، واذاتبایعاکیلیابکیلی أووزنیا بوزنی کلاھمامن جنس واحد أومن جنسین مختلفین فان البیع لا یجوز حتی یکون کلاھما عیناًاضیف الیہ العقدوھو حاضر اوغائب بعدأن یکون موجودافی ملکہ والتقابض قبل الأفتراق بالأبدان، لیس بشرط لجوازہ الافی الذھب والفضۃ الخ.

ولمافی تکملۃ فتح الملھم:(۵۹۳/۱ طبع دارالعلوم کراچی)

قولہ عیناًبعین" استدل الحنفیۃ بھذااللفظ علی أن الواجب فی غیر الذھب والفضۃ من

الأموال الربوية هو تعيين البدلين في المجلس، لاتقابضهما بخلاف الذهب والفضة فانه يجب فيهما التقابض ونتيجة ذلك انه لو تبايع الرجلان الحنطة بالحنطة وعين كل احد ما وقع عليه العقد بالأشارة مثلاً ثم افترقا قبل التقابض صح العقد، أما في الصرف فيبطل العقد ولا يكفي التعيين.

ولما في شرح المجلة:(۱۶/۲ طبع رشيديه)

ثم ان اتفقا جنساوقدرا،اشترط لصحتهاتساوي البدلين وتعيينهما فالمراد بالتعيين عدم التأجيل لا التقابض واما اشتراط التقابض فيما اذا اتفقا جنسا وقدرا او جنسا فقط او قدرا فقط فلا قائل به لأن التقابض في المجلس لايشترط الا في الصرف وهو بيع الاثمان بعضها ببعض اما ما عداه فانه يشترط فيه التعيين لا التقابض كما في ردالمحتار وغيره.

ولما في البحر الرائق:(۱۳۰/۶ طبع سعيد)

ويعتبر التعيين دون التقابض في غير الصرف من الربويات ... والتقابض قبل الافتراق بالأبدان ليس بشرط لجوازه الافي الذهب والفضة..... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکراللہ

۳ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۶۶

﴿سود سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ذخیرۂ احادیث میں اس مفہوم کی کوئی حدیث موجود ہے کہ ''ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی شخص سود کے غبار سے نہیں بچ سکے گا'' اسکا کیا مطلب ہے اور سود کے غبار سے نہ بچ سکنے والا بھی گنہگار ہوگا؟ کیا یہ زمانہ آگیا ہے؟

﴿جواب﴾ یہ حدیث امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی سنن میں یوں روایت فرمائی ہے: عن الحسن عن أبي هريرةؓ قال:ان رسول الله ﷺ قال: ليأتين على الناس زمان لا يبقى أحد الا آكل الربا،فان لم ياكله اصابه من بخاره .قال ابن عيسى اصابه من غباره.

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت سے رائج سودی معاملات آنحضرت ﷺ کے منع کرنے کے بعد لوگوں نے ترک کردیئے تھے، اب اس حدیث میں آپ ﷺ فرمارہے ہیں

کہ ایک زمانہ پھر ایسا آنے والا ہے کہ سودی معاملات کا سلسلہ پھر زور وشور سے شروع ہوگا جس سے کوئی نہیں بچ سکے گا اگر کوئی بہت کوشش کر کے بچ بھی گیا تو کم از کم اس کا غبار اور اس کے اثرات تو ضرور اس تک پہنچ کر رہیں گے یعنی کسی نہ کسی طرح وہ سود سے متأثر ہوگا جسکی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی سودی معاملات کا شاہد بنے یا کتابت کرے یا یہ کہ کوئی سودخور اس کی مہمان نوازی کرے یا ہدیہ وغیرہ دے آجکل یہی زمانہ ہے کیونکہ اس زمانہ میں بھی یہی کچھ ہورہا ہے اللہ تعالی نے سود کھانے، کھلانے والے کے ساتھ اعلان جنگ فرمایا ہے اور سودی معاملہ کی کتابت یا اس کے گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

لمافی سنن أبی داودوفی شرحه بذل المجهود:(۲/۲۲۹،طبع الشیخ)

عبدالرحمن بن عبد الله بن مسعود عن أبیه قال:لعن رسول الله آکل الرباوموکله وشاهده وکاتبه.آکل الربا ....فهوکنایة عن انتشاره فی الناس بحیث أنه یأکله کل أحد لفساد عقودالناس و معاملاتهم(فان لم یأکله أصابه من بخاره)أی یصل الیه أثره بأن یکون شاهدا فی عقدالرباوآکله من ضیافة آکله أوهدیته والمعنی أنه لو فرض أن أحدا سلم من حقیقته لم یسلم من آثاره وان قلت جداانتهی قلت وفی هذاالزمان کذلک فان جمیع أنواع التجارات فی أیدی الکفاروعقودهم کلهافاسدةفهی فی حکم الربوفلم یسلم منه أحد... وفی فتح الودودقلت هوزماننا هذاانالله واناالیه رجعون.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سید مزمل شاہ لکی مروت

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۶۰

﴿لفظ "فی سبیل اللہ" کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض تبلیغی حضرات لفظ فی سبیل اللہ کو تبلیغ میں منحصر کرتے ہیں دین کے اور کام مثلاً جہاد وغیرہ کو اسمیں شامل نہیں کرتے کیا یہ تخصیص درست ہے یا نہیں؟

مستفتی: قاری وسیع اللہ صوابی

﴿جواب﴾ لفظ فی سبیل اللہ ایک وسیع المعنی لفظ ہے دین کی خاطر اللہ تعالی کی رضا کے لئے جو محنت کی جائے وہ اس مفہوم میں داخل ہے، لہٰذا دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد اسکا مصداق ہیں دین کے کسی خاص شعبے کو متعین کر کے اسکا مصداق ٹھہرانا اور دوسرے کاموں کو اس سے خارج سمجھنا غلطی پر مبنی ہے تبلیغی جماعت کے اکابر اور سنجیدہ لوگ ایسی

غیر ذمہ دارانہ بات نہیں کہتے کوئی نیا غیر تجربہ کار آدمی ایسی کوئی بات کہے تو اسکی نسبت کام کرنے والوں کی طرف نہیں کرنی چاہیئے یہ اس شخص کی اپنی ہی غلطی شمار ہوگی۔

لمافی ردالمحتار:(۲/۳۴۳،طبع سعید)

وقد قال فی البدائع فی سبیل الله جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة الله وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا لما فی الحدیث من خرج فی طلب العلم فہو فی سبیل الله حتی یرجع (رواه الترمذی)

ولمافی حاشیة المشکوة:(ص۳۴،طبع سعید)

فہو فی سبیل الله الخ ای فی الجہاد لما ان فی طلب العلم من احیاء الدین واذلال الشیطان واتعاب النفس کمافی الجہاد.

ولمافی البحر الرائق:(۵/۷۰،کتاب السیر،طبع سعید)

وانماالفرض لاعزاز دین الله تعالی ودفع الشر عن العباد فاذاحصل المقصود بالبعض سقط عن الباقین کصلاة الجنازة وردالسلام.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :احمد علی عفی عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر :۲۵۸۲

﴿دین کی سربلندی کے لئے ہر محنت 'تجاہدون فی سبیل اللہ' میں داخل ہے﴾

﴿سوال﴾ بندہ (عبدالرحمٰن) محرم الحرام ۱۴۳۵ھ کے شروع میں کچھ ضروری کاموں کے سلسلہ میں اپنے گاؤں (عبدل خیل ڈیرہ اسماعیل خان) گیا تھا۔ محلے کی مسجد (مسجد صغیر) کے ساتھیوں نے مشورہ میں طے کیا تھا کہ ہفتہ وار گشت کے بعد مغرب کا بیان مفتی صاحب (بندہ عبد الرحمٰن) کریں گے۔ محلے کے امیر صاحب (بھائی محمد حسن) نے بتا دیا، بندہ کو جماعت کے ساتھیوں جیسے بیان کرنے کا تجربہ تو ہے نہیں۔ لیکن امیر صاحب کے حکم کی تعمیل کو ضروری جانتا ہوں، اس لئے انکار نہ کرسکا۔

مسنون خطبہ کے بعد سورہ 'صف' کی آیت نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ "یا ایها الذین آمنوا هل ادلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون فی سبیل الله باموالکم وانفسکم...الخ" کی تلاوت کی۔ پھر چھ نمبروں کے انداز میں تفسیر کی کوشش کی، تاکہ کسی درجہ میں جماعت کے ساتھیوں کے انداز میں بیان ہو۔

ایمان باللہ عزوجل فأنہ اور ایمان بالرسول ﷺ کو بیان کرنے کے بعد "تجاهدون في سبيل الله باموالكم وانفسكم" کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی عرض کردیا کہ جماعت میں نکل کر ایمان باللہ و بالرسول کے تذکروں سے، اعمال صالحہ کے فضائل سننے سے ایک روحانی قوت پیدا ہوتی ہے، جس کے طفیل نہ صرف اپنے لئے دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے اور منکرات سے بچنا آسان ہوجاتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی انسان فکرمند ہوجاتا ہے کہ یہ صفات دیگر انسانوں میں کس طرح آجائیں۔ اور مجاہدہ کے لئے ایک وسیع میدان مل جاتا ہے تو اس سلسلہ میں جو مشقتیں پیش آتی ہیں، وہ تمام تجاہدون فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ بے شک تجاہدون سے یہاں پر کفار کے مقابلہ میں قتال مراد لیا جاسکتا ہے بلکہ وہ تو جہاد کا اعلیٰ ترین درجہ ہے لیکن قتال کے علاوہ بھی ہر وہ مجاہدہ جو دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنے میں اپنے نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے اسی طرح دوسروں کی فکر کرتے ہوئے حق کی طرف بلانے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں یا اس سلسلہ میں مال اور وقت دینا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ تمام دین اسلام کی سربلندی کے لئے محنت کے زمرہ میں آتے ہیں اس لئے جماعت کے تمام احباب کے لئے بھی مذکورہ بشارت ہے۔

اس بات پر ہمارے ایک دوست جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے، علم اور فطری صلاحیتوں سے خوب مالامال فرمایا ہے ان کو اشکال ہوا کہ اس آیت میں "تجاهدون في سبيل الله" سے تبلیغ میں نکلنا، نماز اور دیگر احکامات پر عمل کرنے میں مجاہدہ مراد لینا آیت کے معنی میں العیاذ باللہ تحریف معلوم ہورہی ہے۔ یہاں صرف قتال ہی مراد لینا ضروری ہے جیسا کہ بعد والی آیت "نصر من الله و فتح قريب" اس پر دال ہے۔ پھر کسی تفسیر میں تجاہدون کا ترجمہ مفسر رحمہ اللہ نے "لڑو اللہ کے راستہ میں" ان الفاظ سے کیا تھا تو یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد آپ کی رائے میں اور زیادہ مضبوطی آگئی اور بار بار اصرار کیا کہ جو تفسیر آپ نے کی اس کا ثبوت ضرور دیں گے۔ بندہ کے پاس گاؤں میں تفاسیر اور دیگر دینی کتب تو ہیں نہیں۔ اس لئے وعدہ کیا کہ جب کراچی پہنچوں گا تو اس کی پوری تحقیق کرکے ان شاء اللہ جواب دوں گا۔

چونکہ موصوف بڑے مخلص اور حق گو ہیں اس لئے مجھے الحمدللہ ذرا بھر ناگوار نہیں گزرا۔ ظاہر

بات ہے کہ ایک ایماندار اور حق گو آدمی اپنے علم کے مطابق کسی بات کو اگر خلاف حقیقت سمجھے گا تو اشکال ضرور کرے گا۔

مولوی نعیم اللہ آپ مستند تفاسیر سے حوالے اور اکابر علماء کی تحریرات سے کچھ اقتباسات جمع کر کے نقل کریں تاکہ اس موضوع پر ایک تحقیقی فتویٰ تیار ہو۔ امید ہے کہ ہمارے علاوہ دوسروں کا بھی فائدہ ہوگا اور مولانا صاحب کے اشکال کا بھی ازالہ ہوگا۔ عبدالرحمن ملاخیل

﴿جواب﴾ علامہ ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ جو کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے امام ہیں اپنی تفسیر "تـأویـلات اهل السنة المعروف بتفسير الماتريدی" میں اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله تعالى :(وتجاهدون فی سبیل الله)هذا علی وجهین احدهما ان یقاتلوا اعداء الله تعالى والثانی ان یجاهدوا فی طاعة الله تعالى، وفیما دعا الیه من الامر بالجهاد ینصرف الی اربعة انواع جهاد فی سبیل الله بمقاتلة اعدائه والاستقصاء فی طاعته وجهاد فیما بین الانسان ونفسه ان یجاهد فی قهرها ومنعها عن لذاتها وشهواتها وعما یعلم انه یهلکها و یردیها وجهاد فیما بینه وبین الخلق وهو ان یدع الطمع فیهم وان یشفق علیهم ویرحمهم وألا یرجوهم ولایخافهم وجهاد فیما بینه و بین الدنیا وهو ان یتخذها زادا لمعاده او مرمة لمعاشه ولا یأخذ منها ما یضره فی عقباه وکل هذه الانواع یستقیم ان یسمیها جهادا فی سبیل الله

(تاویلات اهل السنة:۹/۲۳۴-۲۳۵، طبع بیروت)

مذکورہ بالا عبارت میں علامہ ماتریدیؒ کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہاں تجاہدون سے مراد عام جہاد ہے، قتال کے علاوہ ہر اس محنت وکوشش کو بھی شامل ہے جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے ہو۔ چنانچہ انھوں نے اسی آیت کے ذیل میں جہاد کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں۔ جہاد بمقاتلۃ الاعداء، جہاد بالنفس، جہاد بین الانسان وبین الخلق اور جہاد بین الانسان وبین الدنیا۔ جہاد کی چار اقسام بیان کرنے کے بعد واضح فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو جہاد فی سبیل اللہ کہنا صحیح ہے۔

بعینہ اسی مفہوم کی تائید علامہ فخر الدین الرازیؒ کی تشریح سے بھی ہوتی ہے جو کہ انھوں نے

[illegible]

[illegible]

(المصابيح [illegible] طبع بيروت)

[illegible]

[illegible] المجاهدون في سبيل الله [illegible] المجاهدين [illegible]

(التفسير المظهري ج [illegible] طبع المكتبة الرشيدية كوئٹه)

[illegible]

[illegible] المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده [illegible] المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله

(مشكوٰة المصابيح كتاب الايمان ص ۱۵، طبع ایچ ایم سعید)

اسی طرح سے فی سبیل اللہ کا لفظ بھی عام ہے اور دین کی ہر اس محنت کو شامل ہے جس کے لئے انسان اپنے گھر سے نکلے۔ چنانچہ حدیث شریف میں طالب علم کے لئے نکلنے والے کے بارے میں فرمان ہے کہ ایسا شخص اللہ کی راہ میں ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹے۔

عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع

(جامع الترمذی: ۹۳/۲، باب فضل طلب العلم، طبع فاروقی کتب خانہ ملتان)

علامہ ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ بھی اپنی مشہور تفسیر "تفسیر طبری" میں اس آیت سے وہی مفہوم لے رہے ہیں جو ہم نے بیان کیا۔ چنانچہ ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

وقوله: (وتجاهدون في سبيل الله بأموالكم وأنفسكم) يقول تعالى ذكره: وتجاهدون في دين الله، وطريقه الذي شرعه لكم بأموالكم وأنفسكم

(تفسير الطبري: ۳۶۲/۲۳، طبع بیروت)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ یہاں تجاہدون فی سبیل اللہ سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ کے دین اور اس کا وہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مشروع کیا ہے اس میں جدوجہد کرو اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ذریعے۔ لہذا جو کوئی محنت انسان اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کرتا ہے خواہ اس میں وہ اپنی دولت خرچ کرتا ہے اور اپنا وقت دیتا ہے وہ سب اس میں داخل ہیں۔ چاہے وہ محنت قتال کی شکل میں ہو یا تبلیغ کی شکل میں ہو یا مدارس و خانقاہوں کی شکل میں ہو سب کی سب محنتیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہیں اور آیت مبارکہ کے تحت داخل ہیں۔

صاحب تفسیر المراغی احمد بن مصطفیٰ المراغی متوفی ۱۳۷۱ھ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

ثم بين هذه التجارة بقوله (تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون في سبيل الله بأموالكم وأنفسكم) أي اثبتوا على إيمانكم، وأخلصوا لله العمل، وجاهدوا بالأنفس والأموال في سبيل الله لنشر دينه وإعلاء كلمته

(تفسير المراغي: ۱۰۰/۲۹، طبع مصر)

چنانچہ مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جان و مال کے ذریعے کی جانے والی تمام محنتیں اس آیت کے تحت داخل ہیں اور سب کی سب جہاد ہیں۔

محترم دوست نے اپنی بات کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش کی تھی کہ آگے آنے والی آیت میں نصرت وفتح کا ذکر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تجاہدون فی سبیل اللہ سے صرف قتال ہی مراد ہے۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کیونکہ اس سے اگلی آیت "یا ایھا الذین آمنوا کونوا انصار اللہ۔الخ" کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بنی اسرائیل کے تین گروہ بن گئے تھے، جن میں سے ایک گروہ مؤمنین کا تھا اور دوسرے کفار تھے۔ پس اللہ تعالی نے ان مؤمنین کو کفار پر غلبہ عطا فرمایا جیسا کہ آخری آیت میں ہے ''فایدنا الذین آمنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین" ۔تمام تفاسیر کا مطالعہ کریں یہاں پر غلبہ بالحجہ والبرہان ہی مراد ہے۔ایمان والوں نے کفار کے ساتھ قتال کر کے کوئی غلبہ حاصل نہیں کیا۔لہذا حق کو حاصل کرنے کے لئے بے شک قتال بھی ایک ترتیب ہے لیکن اس کے علاوہ بھی ترتیب ہو سکتی ہے۔اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ چنانچہ درمنثور میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں:

واخرج عبد بن حمید وابن المنذر عن ابراهیم النخعی (فاصبحوا ظاهرین) قال:اصبحت حجة من آمن بعیسی ظاهرة بتصدیق محمد ﷺ ان عیسی کلمة الله وروحه

(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور للسیوطی:۱۵۰/۸، طبع بیروت)

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ زید بن علی اور قتادہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

(فاصبحوا ظاهرین) فصاروا غالبین قال زید بن علی وقتادة بالحجة والبرهان.

(تفسیر روح المعانی:۲۱۸/۲۸/۷، طبع المکتبة الرشیدیة کوئٹه)

زید بن علی اور قتادہ کے اس قول کی تشریح وتفصیل تفسیر قرطبی میں یوں بیان فرمائی ہے:

وقال زید بن علی و قتادة: فاصبحوا ظاهرین غالبین بالحجة والبرهان لانهم قالوا فیما روی الستم تعلمون ان عیسی کان ینام والله لا ینام وان عیسی کان یاکل والله لا یاکل۔

(تفسیر القرطبی:۹۱/۱۸، طبع مصر)

مؤمنینِ امت عیسی علیہ السلام نے کفار پر جنہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا قرار دیا تھا، اس طرح غلبہ پایا کہ ان سے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسی

علیہ السلام سویا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نیند سے پاک ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی حاجت سے پاک اور منزہ ہے۔ پس اس طرح مؤمنین دلیل وحجت کے ذریعے کفار پر غالب آگئے۔

اور یہ بات زیادہ سمجھ میں آنے والی بھی ہے اس لئے کہ مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتال کا حکم نہیں تھا۔ جیسا کہ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں رقم طراز ہیں:

والمشهور ان القتال ليس من شريعته عليه السلام

(تفسير روح المعاني:۲۸/۷، ۲۹۸، طبع المكتبة الرشيدية كوئٹه)

لہٰذا یہ کہنا کہ آیت کا سیاق تجاہدون فی سبیل اللہ کے قتال کے ساتھ خاص ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کمزور دعوی ہے۔ کسی مستند تفسیر سے اس کی کوئی تائید نہیں مل رہی۔

دراصل اس طرح کا اشکال صرف مولانا کو نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں اور اکابرین جواب بھی دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ نے اسی قسم کا اشکال نقل فرما کر پھر اس کا جواب دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اشکال نمبر ایک یہ ہے کہ تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنے تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ یہ اشکال عوام کی بجائے اہل علم کی طرف سے زیادہ آیا۔ اہل علم کی طرف سے اس قسم کے اشکالات کا وارد ہونا زیادہ موجب تعجب ہے۔ اس لیے کہ جہاد کے اسفار میں اگرچہ قتال عرفاً زیادہ معروف ہے لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے، اصل جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کی سعی ہے جس کا درجہ مجبوری اور آخری درجہ قتال بھی ہے، قتال اصل مقصود نہیں، بدرجہ مجبوری ہے، تفسیر مظہری میں "كتب عليكم القتال وهو كره لكم" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت خلق کا سبب ہے پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی، اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ فقط اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی

ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے اس سے تو کسی مخالف کو بھی انکار نہیں ہوسکتا، ہزاروں آدمی باک۔ لاکھوں بے نمازی پکے نمازی بن گئے، سینکڑوں غیر مسلم ان لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی مساعی سے مسلمان بن گئے۔ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات: ص ۱۷۔۸۱، طبع الهادی اردو بازار لاہور)

اور اسی رسالہ میں دوسری جگہ 'فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ خاص نہیں' کے عنوان کے تحت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

'اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کے لفظ کو جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جب کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اس کے عموم پر دلالت کرتی ہیں .....الخ'۔ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات: ص ۲۱، طبع الهادی للنشر والتوزیع اردو بازار لاہور)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ
واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفر لہ ولوالدیہ
۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
فتویٰ نمبر ۲۹۵۲

﴿"الجهاد ماض الیٰ یوم القیٰمة" کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ "الجهاد ماض الیٰ یوم القیٰمة" حدیث کے الفاظ ہیں یا نہیں؟ اگر انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث، کتب حدیث میں موجود نہیں تو پھر خطباء حضرات اس کو اتنا زور د شور سے کیوں بیان کرتے ہیں؟ اور اگر ثابت ہے تو دوسری روایات کے ساتھ تعارض پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ روایات میں آتا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دنیا میں اللہ کا نام لینے والا ایک شخص بھی موجود ہوگا تو جہاد کے ہوتے ہوئے ایسی حالت کیسے پیدا ہوگی؟
مستفتی: عبید اللہ صاحب دیروی

﴿جواب﴾ یہ حدیث مبارک "هدایہ" میں انہی الفاظ کے ساتھ بحوالہ سنن ابی داؤد موجود ہے اور "نصب الرایۃ" میں بھی اس پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن ابوداؤد شریف میں انہی الفاظ کے ساتھ موجود نہیں، البتہ اس کا مضمون وہاں بھی موجود ہے جس کی طرف "ہدایہ" کے حاشیہ میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ دوسری احادیث صحیحہ میں بھی اس کا مضمون آیا ہے۔

بہر حال یہ حدیث مبارک اگر انہی الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں موجود نہ بھی ہو لیکن اس کے مضمون کے ثبوت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ براہ راست قال رسول اللہ ﷺ نہ کہے یا کم از کم آخر میں اوکما قال ﷺ پڑھے۔

باقی رہا روایات میں تعارض کا مسئلہ تو حقیقت میں جہاد کے قیامت تک جاری رہنے سے دوسری روایات کے ساتھ کوئی تعارض نہیں رہتا، اس لئے کہ قیامت تک جاری رہنے سے مراد دجال کے قتل ہونے تک کا ہے اس کے بعد نہیں جس کی تائید دوسری روایات ''الجہاد ماض منذ بعثنی اللہ الیٰ ان اٰخر امتی یقاتل مسیح الدجال''

اور ''لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علیٰ الحق...... الخ سے بھی ہورہی ہے اور اس کے بعد جہاد کے ختم ہونے سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ دجال کا قتل ہونا پھر جہاد کا ختم ہونا مقدمات قیامت اور علامات کبریٰ میں سے ہے اور اس وقت غلبہ حق کی وجہ سے جہاد کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۱/۳۵۸،باب فی دوام الجهاد،طبع رحمانیه)

قال رسول ﷺ لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم (عاداهم) حتی یقاتل أخرهم المسیح الدجال.

ولمافی الهدایة:(۲/۵۴۳،کتاب السیر طبع رحمانیه)

ولقوله علیه السلام :الجهاد ماض الی یوم القیامة واراد به فرضا باقیا.

وفی حاشیتها:قوله الجهادماض الخ هذاالحدیث اخرجه ابوداؤدمطولا فی سننه عن انسؓ مرفوعا الجهادماض منذبعثنی الی ان یقاتل اخرامتی الدجال.

ولمافی نصب الرایة: (۳/۵۸۲،کتاب السیر طبع قدیمی)

الحدیث الاول قال علیه السلام الجهادماض الی یوم القیامة قلت اخرجه ابوداؤدفی سننه عن یزیدبن ابی شیبة عن انس قال قال رسول الله ﷺ ثلاث من اصل الایمان...... والجهاد ماض منذبعثنی الله الی ان یقاتل أخرامتی الدجال لا یبطله جور جائز ولاعدل عادل والایمان بالاقدار.

ولمافی مسند أبی عوانة:(۴/۴۴۲،باب فضل الخیل،مکتبه شامله)

عن عروة بن ابی الجعدؓ قال قال رسول الله ﷺ الخیر معقود فی نواصی الخیل الی یوم القیامة.

لمافی مسند أبی عوانة:(۴/۵۰۵،باب اثبات الجهاد،مکتبه شامله)

عن ضحاك بن حرب قال سمعت جابربن سمرةؓ قال سمعت رسول

اللہ ﷺ یقول: لایزال ھذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة (۵/۱۰۷) قال عمران بن حصین احدثک حدیثا سمعت النبی ﷺ یقول لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاھرین حتی تقوم الساعة. قال مطرف فنظرت فی ھذه العصابة فاذاھم اھل الشام. (۵/۱۱۰) باب بیان اثبات الجھاد وانه ماض الی یوم القیامة وانه لایزال قوم من امة محمد ﷺ علی الحق یذبون عن الدین ویقاتلون عنه وینصرون علی من خالفھم الی یوم القیامة.

ولمالی اعلاء السنن: (۱۲/۲۳، طبع دار الکتب العلمیة)

وفیه دلیل علی ان الجهاد لایزال ماضیامادام الاسلام والمسلمون الی ظهور الدجال واما بعد ظهوره وقتل المسیح ایاه وغلبة المسلمین علی الکافرین فلا یبقی فی العالم الاالاسلام وترتفع الجزیة فلا یقبل من الکفار اللئام الاالاسلام اوالسیف ثم یرتد بعض القبائل بعد مدة الی الکفر فیقبض الله المسلمین کلهم ویمیتهم عن آخرهم فلایبقی علیٰ وجه الارض الاشرار الخلق یتهارشون علیٰ الطرقات کتهارش البهائم فتقوم علیهم القیمة وردذلک فی احادیث صحیحة فی احوال الساعة وفیه ما یدل علی عدم بقاء الحاجة الیٰ الجهاد بعد استئصال الدجال وجماعته الکفرة الفجرة وظهور الدجال هو المراد بالقیامة فی قوله "لایزال طائفة من امتی یقاتلون علیٰ الحق الی یوم القیمة" لکونه من اعظم اشراطها واماراتها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خالد الرحمٰن کرکی

۲۸ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۸۸

﴿ایک حدیث کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا ذخیرہ حدیث میں اس مفہوم کی کوئی روایت موجود ہے کہ جو مطلقہ یا بیوہ عورت اپنے بچوں کی تربیت کی خاطر دوسرا نکاح نہ کرے وہ سب سے پہلے جنت میں جائے گی؟

مستفتی: ڈاکٹر حازم

﴿جواب﴾ کنز العمال میں تقریباً اسی مفہوم کی روایت موجود ہے جو عربی متن کے ساتھ درج ذیل ہے: حرم الله الجنة علیٰ کل ادمی یدخلها قبلی غیرانی أنظر عن یمینی فاذاامراۃ تبادرنی الیٰ باب الجنة فاقول ما لهذه تبادرنی؟ فیقال لی یامحمد: هذه امراۃ کانت حسناء جمیلة کان لها یتامیٰ فصبرت علیهن حتیٰ بلغ أمرهن الذی بلغ فشکر الله لها ذاک (الخرائطی فی مکارم الاخلاق والدیلمی عن ابی هریرة) کنز العمال: (۱۲/۱۹۱)

ترجمہ: اللہ تعالی نے ہر شخص پر مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہونا حرام کردیا مگر میں اپنے دائیں طرف دیکھوں گا کہ اچانک ایک عورت ہے جو جنت کے دروازے کی طرف مجھ سے آگے بڑھ رہی ہے تو میں کہوں گا اسکو کیا ہوا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ رہی ہے تو مجھے کہا جائے گا اے محمد ﷺ یہ ایسی عورت ہے جو حسین وجمیل تھی اسکے یتیم بچے تھے اس نے ان (کی تربیت و کفالت) پر صبر کیا (اور دوسرا نکاح نہ کیا) یہاں تک کہ انکا معاملہ پورا ہوگیا یعنی وہ بڑے ہو گئے سو اللہ تعالی نے اس (کے اس عمل) کی قدر دانی کی (اور صلے میں یہ مقام عطا فرمایا) اسکے علاوہ مذکورہ صفت والی عورت کی فضیلت میں ابوداؤد شریف میں بھی ایک روایت موجود ہے کہ:

عن عوف ابن مالک الاشجعی قال قال رسول اللہ ﷺ انا وامراۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیامۃ وأومأ یزید بالوسطی والسبابۃ امراۃ آمت من زوجھا ذات منصب وجمال حبست نفسھا علی یتاماھا حتی بانوا اوماتوا (ابوداؤد: ۲/۲۱۰، طبع رحمانیہ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں اور سیاہ رخساروں والی عورت قیامت کے دن اسطرح ہونگے (حدیث کے راوی) یزید نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلیوں (کو آپس میں ملا کران) سے اشارہ کیا (آگے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا) یہ ایسی عورت تھی جو اپنے شوہر (کی موت یا اسکے طلاق دینے کی وجہ) سے جدا ہوگئی تھی عمدہ خاندان اور جمال والی تھی اس نے (دوسرے نکاح سے) اپنے آپکو روکے رکھا اپنے یتیم بچوں کی وجہ سے یہاں تک کہ وہ (بڑے ہوکر) جدا ہوگئے یا مر گئے (سیاہ گالوں والی ہونے سے مراد یہ ہے کہ محنت ومشقت کی وجہ سے اسکے گال سیاہ پڑ گئے اور حسب نسب وجمال کی قید کمال ثواب کیلئے ہے ورنہ کوئی بھی عورت اسطرح کا عمل کرے تو وہ اس مقام ومرتبہ کی مستحق ہوگی)۔

مذکورہ دونوں حدیثیں اسی مفہوم کے ساتھ کئی کتب حدیث میں مختلف الفاظ کیساتھ وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی خاتون جو اولاد کی تربیت کی خاطر اپنی خواہشات قربان کردے یہاں تک کہ شریعت کی دی ہوئی گنجائش یعنی دوسری جگہ نکاح کا راستہ بھی اختیار نہ کرے تاکہ مکمل طور پر اپنے بچوں کی تربیت اور پرورش پر توجہ دے سکے تو یہ فضیلت اسکے لئے ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ فضیلت تب ہے جب وہ پوری طرح عفت وپاکدامنی اور

تقویٰ کی زندگی گذارتے ہوئے یہ خدمت انجام دے سکے چنانچہ کنز العمال ہی کی ایک روایت میں واضح طور پر اس شرط کو بیان کیا گیا ہے:

مـا انـا وامـرئة سفعاء الخدين اذاحنت على ولدها واطاعت ربها واحصنت فرجها الاكهاتين وقرن بين اصبعيه. كنزالعمال:(۱۱/۱۹۰،طبع رحمانيه)

ترجمہ: میں اور سیاہ رخساروں والی عورت جبکہ وہ اپنے بچے پر شفقت کرے اور اپنے رب کی اطاعت کرے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت رکھے اسطرح ہونگے اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں ملائیں، لہٰذا اگر وہ اس شرط پر عمل نہ کر سکے یا کسی بھی درجہ میں اسکو گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اسکے لئے نکاح ضروری ہے ایسی صورت میں فضیلت کے حصول کے بجائے گناہ سے بچنے کی تدبیر ضروری ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

۱۲ صفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۹۵

﴿حدیث اذا ترکتم الجہاد...... کی تخریج﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث "اذا تـــركــتــم الجهاد سلط الله عليكم الذلة" کیا انہی الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہے جبکہ خطباء اس کو زور وشور سے بیان کرتے ہیں۔ بندے کو کافی تلاش کے بعد صرف اس مفہوم کی حدیث ملی ہے جبکہ ان الفاظ کے ساتھ نہ مل سکی۔ کئی علماء سے بھی پوچھا لیکن حدیث کے ان الفاظ تک رسائی نہ ہو سکی۔

﴿جواب﴾ مذکورہ حدیث علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ آل عمران کی آخری آیت "يا ايها الذين امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون" کی تفسیر کرتے ہوئے ذکر کی ہے مکمل حدیث درج ذیل ہے:

اذا تركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم.(روح المعانی: (۲/۱۷۱،طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فیاض احمد

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۵۷

﴿التخريج للحديثين﴾

﴿سوال﴾ يذكر الخطباء ان في الحديث "لعن الله الناظر والمنظور اليه" هل هذا لفظ حديث فان كان ففي اى كتاب هو؟ وهل ورد في الحديث انه ﷺ كان يامر ان يمشي الرجل احيانا حافيا يعني بدون النعل؟

﴿جواب﴾ نعم قد ورد في الحديث هذا اللفظ "لعن الله الناظر والمنظور اليه" وذلك في مشكوة المصابيح فان النظر الى عورة الغير اذا كان عن قصد واختيار يستحق صاحبه اللعن. وكذا المنظور اليه اذا كشف عن عورته بلا عذر فوقع نظر الناس اليه يستحق اللعن ايضا وقد روى ايضا انه ﷺ كان يأمران يحتفي الرجل احيانا ومن فوائده كما نعلم انه يحدث في العبد التواضع ويعرف الانسان نعمة النعل ويعتاد المشي حافيا فاذا اضطر الى ذلك يمشي بلا مشقة.

لما في مشكوة المصابيح (ص ۲۷۰ طبع سعيد)

وعن الحسن مرسلا قال بلغني ان رسول الله ﷺ قال لعن الله الناظر والمنظور اليه رواه البيهقي في شعب الايمان.

ولما فيها ايضا: (۳۸۲/۲ طبع سعيد)

قال رجل لفضالة بن عبيد ... مالي لا أرى عليك حذاء قال كان رسول الله ﷺ يأمرنا ان نحتفي احيانا رواه ابوداود.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ　　　　فتوی نمبر: ۲۲۲۳

﴿مقام محمود سے مراد آپ ﷺ کی شفاعت عظمیٰ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ قرآن وحدیث، اسی طرح دیگر مقامات پر آپ ﷺ کے لئے مقام محمود کا ذکر آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ مستفتی: آصف محمود

﴿جواب﴾ حضرات مفسرین اور محدثین نے مقام محمود کے متعلق کئی اقوال نقل کئے ہیں اور مختلف تفسیریں بیان کی ہیں راجح قول کیمطابق مقام محمود سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے یعنی میدان حشر میں حساب کے لئے خاص طور پر آنحضرت ﷺ کو سفارش کی اجازت دی جائے گی اس

سفارش اور شفاعت سے مراد مقام محمود ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة الاسراء،پ۱۵،آیت ۷۹)

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا..... الآية.

ولمافی روح المعانی:(۱۵/۱۴۷مطبع رشیدیه)

والمراد بذالک المقام مقام الشفاعة العظمیٰ فی فصل القضاء حیث لااحد الا وهو تحت لوائه صلی الله علیه وسلم فقد اخرج البخاری وغیره عن ابن عمر..... الخ.

ولمافی المظهری:(۵/۴۷۱مطبع رشیدیه)

والصحیح ان المقام المحمود مقام الشفاعة اخرج احمدوابن ابی حاتم والترمذی عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم فی هذه الآیة قال هوالمقام الذی اشفع فیه لامتی.

ولمافی البخاری:(۲/۶۸۶مطبع رحمانیه)

عن آدم بن علی قال سمعت ابن عمر یقول ان الناس یصیرون یوم القیامة جثی کل امة تتبع نبیها یقولون یافلان اشفع یافلان اشفع حتی تنتهی الشفاعة الی النبی صلی الله علیه وسلم فذالک یوم یبعثه الله المقام المحمود.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۱/۱۰۷مطبع قدیمی)

قال فقال أتقرأالقرآن قلت نعم قال فهل سمعت بمقام محمد صلی الله علیه وسلم یعنی الذی یبعثه الله فیه قلت نعم قال فانه مقام محمد صلی الله علیه وسلم المحمود الذی یخرج الله به من یخرج.

ولمافیه ایضا:(۱/۱۰۸مطبع قدیمی)

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یجمع الله تعالیٰ الناس یوم القیامة فیهتمون لذلک وقال ابن عبید فیلهمون لذلک فیقولون لواستشفعنا علیٰ ربنا عزوجل حتی یریحنامن مکانناهذا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب نعمانی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۰۵

﴿کتاب السنة والبدعة﴾

﴿بدعت کی وضاحت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے متعلق کہ (۱) بدعت کیا ہے؟ (۲) بدعت کی کتنی قسمیں ہیں؟ کیا بدعت حسنہ کا مطلب کوئی اچھی بدعت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور حوالوں کے ساتھ بتائیے (۳) نیز کیا تسبیح پر اذکار کرنا اور سی ڈی کیسٹ وغیرہ میں بیان سننا بھی بدعت ہے؟ مستفتی: محمد کاشف ایاز مسجد ڈیفنس فیز۲

﴿جواب﴾ (۱) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اور دین کو آپ ﷺ پر مکمل اور تمام کردیا ہے، اب اس میں ادنیٰ کمی بیشی اور نقص واضافہ کی ہرگز گنجائش نہیں۔

لما فی قوله تعالیٰ:(مائدہ آیت۳ پ۶)

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی .... الآیة.

اتمام نعمت سے مراد اکمال فی الدین ہے یعنی دین کو اللہ رب العزت نے ہر اعتبار سے مکمل کردیا ہے اب اسمیں کسی قسم کا اضافہ اور نقص قابل قبول نہیں۔

لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ایسی نوایجاد چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔

لما فی المرقاة:(۳۲۷/۱،طبع رشیدیه)

قال النووی:البدعة کل شئی عمل علیٰ غیر مثال سبق.

اصطلاح شرع میں بدعت دین کے معاملہ میں ایسی نوایجاد چیز کو کہتے ہیں جو نہ عہد رسالت میں ہوئی ہو اور نہ عہد صحابہ میں اور نہ حضور ﷺ کے قول اور فعل سے اس کا جواز ملتا ہو اور نہ اس زمانہ میں اس کی کوئی اصل اور نظیر ہو اور نہ ہی دلیل شرعی اسکا تقاضہ کررہی ہو۔

لما فی مجموعة قواعد الفقه:(ص۲۰۲،طبع میر محمد)

ألبدعة هی الامر المحدث الذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشرعی قاله السید.

درجہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ دنیوی ایجادات، جدید وسائل وآلات وغیرہ

بدعت میں داخل نہیں ہیں اس لئے کہ ان کا تعلق دین سے نہیں۔

لمافی تاج العروس:(۵/۲۷۱،طبع داراحیاء التراث)

(البدعۃ بالکسر الحدث فی الدین بعد الاکمال)

(۲) بعض سلف صالحین نے بدعت کو سیئہ، حسنہ، مباح، مکروہ اور واجب کی طرف تقسیم کیا ہے اور انکی تقسیم کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ جن اشیاء کی اصل قرون خیر میں موجود تھی لیکن موجودہ صورت ان سے مختلف تھی ان کو لغت اور موجودہ شکل کے اعتبار سے بدعت حسنہ کہہ دیا اور بدعت شرعی حقیقی کو بدعت سیئہ سے تعبیر کر دیا، حسنہ اور سیئہ کی طرف بدعت کی تقسیم باعتبار لغت ہے البتہ اصطلاحی بدعت یعنی دین میں کمی زیادتی کرنا ہر صورت میں قبیح اور مذموم ہے اور یہ بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی، چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ لکھتے ہیں: امداد الفتاویٰ: (۵/۲۹۱)

''قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ جو امر کلیاً یا جزئیاً دین میں نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزو دین علماً وعملاً بنالینا بوجہ مزاحمت احکام شرعیہ کے بدعت ہے ...... اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی، اور بدعت حسنہ صوری بدعت ہے۔''

لمافی الشامی:(۱/۵۲۰،طبع سعید)

(قولہ ای صاحب بدعۃ) ای محرمۃ والا فقد تکون واجبۃ، کنصب الادلۃ للرد علی اہل الفرق الضالۃ، وتعلم النحو المفہم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ ... ومباحۃ کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب والثیاب ... الخ.

(۳) تسبیح پر اذکار کرنے کی نظیر آپ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں موجود تھی اور جس کی نظیر اور مثال موجود ہو اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، علاوہ ازیں فقہاء کرام نے مروجہ تسبیح کے جواز کی صراحت کی ہے۔

لمافی البحر الرائق:(۲/۲۹،طبع سعید)

ولما رواہ ابوداود والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انہ دخل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی امرأۃ وبین یدیہا نوی او حصی تسبح بہ ... ثم قال بعد اسطر ثم ہذا الحدیث ونحوہ مما یشہد بانہ لا باس باتخاذ السبحۃ المعروفۃ لاحصاء عدد الاذکار اذ لا تزید السبحۃ علی

مضمون هذا الحديث الابضم النوى ونحوه فى خبط ومثل هذا لايظهر تاثيره فى المنع.

سی ڈی اور کیسٹ وغیرہ سننا جائز ہے بدعت نہیں اس کی تفصیل شق نمبر ۱ میں ہو چکی ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۵ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۱۲

﴿بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ، اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟　　　　مستفتی: قاری ابراہیم صاحب

﴿جواب﴾ اذان کے بعد والی دعا اور درود شریف پر بھی مشتمل ہے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اسی کی تعلیم دی ہے اور با قاعدہ ترغیب بھی۔ اسی کا اہتمام ہونا چاہئے اذان سے پہلے درود شریف کا کوئی ثبوت نہیں ہے عبادت کوئی بھی ہو آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں بندہ کرے تو عبادت شمار ہوگی درود شریف بڑی فضیلت والی عبادت ہے لیکن آج کل رائج ترتیب سے اذان سے پہلے بلند آواز کے ساتھ لاوڈ سپیکر پر درود شریف پڑھنا کوئی عبادت نہیں ہے یہ تو محض بدعت ہے اور علامتی طور پر خاص فرقہ میں یہ رائج ہے باقی پوری امت میں کہیں اسطرح نہیں ہوتا اس لئے کہ کسی فقہ یا احادیث کی کتب میں اسکا کوئی حکم نہیں ہے یہ لاوڈ سپیکر کے ساتھ رائج ہوا ہے اس لئے بغیر لاوڈ سپیکر کے یہ لوگ بھی نہیں پڑھتے۔

لما فى فتح الملهم (۳/۲۱۵) مكتبه دار العلوم كراتشى

عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه انه سمع النبى ﷺ "يقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا على فانه من صلى على صلاة صلى الله عليه بها عشراً۔۔الى آخره۔۔۔قال الشيخ العلامة شبير احمد عثمانى رحمه الله تعالى ۔۔۔قوله " ثم صلوا على " اى بعد فراغكم.

ولما فى فيض البارى (۲/۲۲۲، طبع: مكتبه رشيديه)

واما ما يفعله الناس من الصلاة عند الشهادتين، فلم يرد به الحديث، وانما يفعلونه عملا بالاحاديث العامة التى وردت فيها الصلاة عند ذكر اسمه المبارك ولا يدرون ان الشرع قد راعاه، بنفسه فوضع الصلاة عقيب الاذان.

ولما فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح(ص ۲۰۰)قدیمی

ومن المکروهات الصلوة علی النبی ﷺ فی ابتداء الاقامة لانه بدعة.

ولما فی ردالمحتار(۱/ ۳۹۸)ایچ ایم سعید

قوله ویدعو ای بعد ان یصلی علی النبی ﷺ لما رواه مسلم وغیره اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلو علی الی آخره۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۷۸

﴿اقامت کے وقت حضور ﷺ اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب اس مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہے بعض ائمہ مساجد فرماتے ہیں کہ اذان اور اقامت میں آپ ﷺ کا اسم گرامی سن کر درود شریف نہیں پڑھنا چاہئے بلکہ موذن کے ساتھ وہی کلمات دہرانے چاہئے اور بعض فرماتے ہیں درود شریف پڑھ سکتے ہیں منع کرنا غلط ہے۔ مستفتی: حاجی نصیر احمد برخوداریہ

﴿جواب﴾ اذان اور اقامت کے موقع پر بھی درود شریف پڑھنا باقاعدہ سنت سے ثابت ہے۔البتہ اس کے لئے صحیح ترتیب احادیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ موذن کے ساتھ ساتھ اذان اور اقامت کے وہی کلمات دہرانے چاہئے جو موذن کہتا ہے اور اخیر میں درود شریف پڑھنا چاہئے،درود شریف سے متعلق اس موقع کا یہ خصوصی مستحب حکم ہے۔اس پر عمل کرنے سے اس عمومی حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے جس میں آپ ﷺ کا اسم گرامی مجلس میں سننے پر کم ازکم ایک بار درود شریف پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے لھذا ائمہ مساجد کو چاہئے کہ نمازیوں کو اس تفصیل کی تعلیم دیں۔

اور شہادت رسالت کے موقع پر بعض صرف ''ﷺ'' بولنے پر اکتفا کر لیتے ہیں ان کو منع کرنا بھی غلط ہے، بالفرض اگر کوئی شخص اس موقع پر اذان و اقامت کے کلمات دہرائے بغیر صرف اس عام حکم پر عمل کر لیتا ہے کہ مجلس میں آپ ﷺ کا اسم گرامی سننے والوں پر ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے تو کم ازکم ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوں گے یا بجائے خصوصی حکم کے عمومی حکم پر عمل ہو جائیگا۔

ہماری نظروں سے فقہاء کرام کی ایسی کوئی عبارت نہیں گزری جس میں اس موقع پر درود شریف پڑھنے کو منع فرمایا ہو، اور بعض ائمہ حضرات جو منع فرماتے ہیں ان کے علم میں اگر کوئی واضح ایسا حکم ہے تو براہ کرم ہمیں بھی مطلع فرمائیں تاکہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو۔ ہاں ممکن ہے کسی نے فیض الباری (۲/۲۱۲) کی عبارت سے یہ سمجھا ہو کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس موقع پر درود شریف کو مطلقاً منع فرماتے ہیں حالانکہ علامہ صاحب رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس موقع کے خصوصی حکم پر عمل کرنے سے اس عام حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم۔

سورۃ الاحزاب (آیۃ ۵۵، پ۲۲)

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین امنواصلوا علیہ وسلموا تسلیماً.

ولما فی المشکوۃ (۱/۸۶) ایچ ایم۔ سعید

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ "البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علی..........عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ من صلی علی النبی ﷺ واحدۃ صلی اللہ علیہ و ملائکتہ سبعین صلوۃ.

ولما فی ردالمحتار (۱/۵۱۶) ایچ ایم سعید

قولہ فی الاصح۔ صححہ الزاھدی فی المجتبی لکن صحح فی الکافی وجوب الصلواۃ مرۃ فی کل مجلس کسجود التلاوۃ حیث قال فی باب التلاوۃ و ھو کمن سمع اسمہ علیہ الصلاۃ والسلام مرارا لم تلزمہ الصلاۃ الا مرۃ فی الصحیح ،لان تکرار اسمہ ﷺ لحفظ سننہ التی بھا قوام الشریعۃ ،فلو وجبت الصلوۃ بکل مرۃ لافضی الی الحرج ،غیر انہ یندب تکرار الصلاۃ بخلاف السجود والتشمیت کالصلاۃ، و قیل یجب التشمیت فی کل مرۃ الی الثلاث.

وحاصلہ ان الواجب یتداخل فی المجلس فیکتفی بمرۃ للحرج کما فی السجود الا انہ یندب تکرار الصلاۃ فی المجلس الواحد بخلاف السجود.

ولما فی البخاری (۱/۸۶) قدیمی

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول ﷺ قال "اذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن

ولما فی المسلم (۱/۱۶۶) قدیمی

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص انہ سمع النبی ﷺ یقول "اذا سمعتم المؤذن

فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي فانه من صلى علي صلوة صلى الله عليه بها عشرا، الى آخره الخ

ولما في الشامية (۲۹۲/۱) ايچ ايم سعيد

قال الحلواني: ان الاجابة باللسان مندوبة والواجبة هي الاجابة بالقدم.

ولما في العالمگيرية (۵۷/۱) رشيديه

واجابة الاقامة مستحبة هكذا في فتح القدير واذا بلغ قوله "قد قامت الصلوة" يقول السامع "اقامها الله وادامها الله ما دامت السموات والارض في سائر الكلمات يجيب كما يجيب في الاذان، كذا في فتاوى الغرائب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حامد یاسین، بھکر

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۸۸

﴿قضائے عمری اور نوافل کی جماعت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں بعض افراد اکثر رمضان کے آخری عشرہ میں نصف شب کے بعد دوبارہ مسجد یا کسی حجرہ میں آتے ہیں، اور قضائے عمری کے نام سے نماز با جماعت پڑھتے ہیں، اس کے لئے با قاعدہ لوگوں کو شرکت کی دعوت دیکر بلاتے ہیں اور آج کل غیر رمضان میں بھی بیس پچیس افراد ملکر نوافل کی جماعت کراتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اسطرح نوافل جماعت کیساتھ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: لیاقت

﴿جواب﴾ نوافل کی جماعت میں تین سے زیادہ مقتدیوں کی گنجائش نہیں ہے امام کے ساتھ مزید تین افراد ملنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس کیلئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ ہو۔

لما في التنوير مع الدر: (۴۸/۲-۴۹ طبع سعيد)

(ولا يصلي الوتر) ولا (التطوع بجماعة خارج رمضان) اي يكره ذلك على سبيل التداعي، بان يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر.

وفي الشامية: (قوله أربعة بواحد)..........ظاهر ما قدمنا بان الجماعة في التطوع ليست بسنة فيفيد عدمه تأمل.

قضائے عمری سے لوگ عموماً احتیاطی قضاء مراد لیتے ہیں اور احتیاطی قضاء بھی نفل کے حکم میں ہے۔

لما فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة:(۱/۱۱۵،طبع رشیدیه)

رجل یقضی صلوات عمره مع انه لم یفته شیء منها قال بعضهم بانه یکره وبعضهم بأنه لایکره لانه أخذ باحتیاط والصحیح انه یجوز لکن لایقضی بعدصلاة العصر ولا بعدصلاة الفجر لانها نفل ظاهراوقدفعل کثیرمن السلف رحمهم الله تعالی لشبهة.

ولمافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص۲۲۴،طبع قدیمی)

ومن قضی صلاة عمره مع أنه لم یفته شیء منها احتیاطاقیل یکره وقیل لا لأن کثیرامن السلف قدفعل ذالک لکن لا یقضی فی وقت تکره فیه النافلة والافضل أن یقرأ فی الاخیرتین السورة مع الفاتحة لانهانوافل من وجه فلأن یقرأالفاتحة والسورة فی اربع الفرض علی احتماله أولی من أن یدع الواجب فی النفل ویقنت فی الوتر ویقعد قدرالتشهد فی ثالثته ثم یصلی رکعة رابعة فان کان وترافقدأداه وان لم یکن فقد صلی التطوع اربعا ولایضره القعود وکذایصلی المغرب أربعابثلاث قعدات.

بالفرض اگر واقعی فوت شدہ نمازوں کی قضاء مقصود ہو تب بھی جماعت کی صورت میں مذکورہ ترتیب سے قضاء پڑھنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ جماعت کیساتھ قضاء پڑھنے کی اس صورت میں گنجائش ہے جب تمام افراد سے کسی خاص وقت کی نماز ایک ساتھ رہ گئی ہو تو ایک ساتھ جماعت کی نہ صرف گنجائش بلکہ افضل ہے۔

لمافی مشکوٰۃ المصابیح:(ص ۶۷،حدیث لیلة التعریس،طبع سعید)

ثم توضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم وامربلالا فاقام الصلوة فصلی بهم الصبح فلماقضی الصلوة قال من نسی الصلوة فلیصلها اذا ذکرها فان الله تعالی قال(واقم الصلوة لذکری)

ولمافی سنن ابی داؤد:(ص۹۲،طبع رحمانیه)

ان صلوة الرجل مع الرجل ازکی من صلوته وحده وصلوته مع الرجلین ازکی من صلوته مع الرجل وماکثرفهواحب الی الله عزوجل.

ولمافی الشامی:(۲/۶۲،طبع سعید)

(قوله یوم الخندق)وذلک "ان المشرکین شغلوارسول الله صلی الله علیه وسلم عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ما شاء الله تعالی فامربلالافاذن ثم اقام فصلی الظهر،ثم اقام فصلی العصر،ثم اقام فصلی المغرب،ثم اقام فصلی العشاء."

مذکورہ ترتیب سے قضاء اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ امام اور مقتدی کی ایک خاص وقت کی

نیت کا ہونا شرط ہے یہ ممکن اگر چہ ہے مشکل ضرور ہے۔

ولما فی الهداية (ص ۱۲۰، طبع رحمانيه)

قال ولا من يصلي فرضا خلف من يصلي فرضا آخر لأن الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد

مزید یہ کہ جماعت کے ساتھ قضاء پڑھنا خصوصا جب اس کیلئے اعلان بھی ہو اپنی سستی اور فرض احکام میں لاپرواہی لوگوں پر ظاہر کرنے کے مترادف ہے اور یہ شرعاً قبیح ہے۔

ولما فی الدر المختار (۲/ ۷۷، طبع سعید)

وينبغي أن لا يطلع غيره على قضائه لأن التأخير معصية فلا يظهرها وفي الشامية وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع عليه سواء كان في المسجد أو غيره كما أفاده في المنح.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد ادریس چارسدوی

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۳۶۱

﴿صلوٰۃ التسبیح باجماعت پڑھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے گاؤں میں جمعہ کے دن کچھ عورتیں ایک عورت کی اقتداء میں صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کرتی ہیں منع کرنے پر بتایا کہ ہم عورتوں کو سکھانے کی غرض سے ایسا کرتی ہیں تو کیا صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: زاہد علی

﴿جواب﴾ صلوٰۃ التسبیح نفلی نماز ہے نوافل کی جماعت تراویح کے علاوہ مردوں کے لئے بھی منع ہے تنہا عورتوں کی جماعت تو فرض نمازوں میں بھی منع ہے بلاشبہ یہ بدعت ہے اور بجائے ثواب کے گناہ ہے سکھانے کا عذر پیش کرنا محض بہانہ ہے جماعت کے بغیر بھی سکھایا جا سکتا ہے صحیح طریقہ سے سیکھنے کی کوشش کے باوجود بھی کوئی نہ سیکھ سکے تو امید ہے اللہ تعالیٰ محض کوشش پر انکو صلوٰۃ التسبیح کا اجر دیگا۔

لما فی التنویر مع الدر (۱/ ۵۶۵، طبع سعید)

(و) يكره تحريما (جماعة النساء) ولو في التراويح في غير صلاة جنازة.

ولما فی خلاصة الفتاوى (۱/ ۱۵۳، طبع رشیدیه)

وعن شمس الأئمة السرخسي ان التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل

الجماعة امّا لو اقتدى واحد او اثنان بواحد لا يكره واذا اقتدى ثلاث بواحد اختلف فيه وان اقتدى اربعة بواحد كره اتفاقا

ولما في الهندية: (۱/۸۵ طبع رشيديه)

ويكره امامة المرأة للنساء في الصلوات كلها من الفرائض والنوافل الا في صلاة الجنازة هكذا في النهاية وصلاتهن فرادى افضل

ولما في التاتارخانية: (۱/۲۲۲ طبع قديمي)

ويكره للنساء ان تؤم النساء لعدم ورود السنة بالجماعة في حقهن وان فعلت قامت وسطهن

ولما في اعلاء السنن: (۴/۲۲۲ طبع دار الكتب العلمية بيروت)

عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا خير في جماعة النساء الا في المسجد وفي جنازة قتيل" قوله "عن عائشة" الخ قلت: وجه دلالته على معنى الباب انه صلى الله عليه وسلم نفى الخير عن جماعة النساء خارج مسجد الجماعة ولا يخفى ان جماعتهن في مسجد الجماعة لا تكون الا مع الرجال لانه لم ينقل احد جواز جماعتهن في مسجد الجماعة متميزات عن الرجال فعلم ان جماعتهن وحدهن مكروهة

ولما فيه ايضا: (۴/۲۲۳ طبع دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها اولها" قلت: وجه دلالته على معنى الباب ان امامتها تستلزم تقدمها على الصفوف وتقدمها منهي عنه كما ترى فتكون امامتها مكروهة

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: حبیب الرحمٰن سواتی

۵ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ — فتوی نمبر: ۱۲۰۱/۱

﴿مروجہ قرآن خوانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ علماء و طلبہ کو گھر بلاتے ہیں اور ان سے ایصال ثواب، مریض کی شفاء یابی یا خیر و برکت کیلئے قرآن خوانی کرواتے ہیں اور پھر ان کو کھانا بھی کھلاتے ہیں اور کبھی کچھ نقد رقم بھی دیتے ہیں کیا اس طرح قرآن خوانی کرنا اور اس پر پیسے لینا دینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ قرآن کریم کی تلاوت ایک بڑی عبادت ہے خیر و برکت کا باعث ہے اور

بیماریوں سے شفاء یابی کا بھی ذریعہ ہے شرعی حدود میں رہتے ہوئے ختم قرآن بھی ایک نیک عمل ہے لیکن آجکل اجتماعی قرآن خوانی میں بہت سارے مفاسد، بدعات ورسومات پائی جاتی ہیں جو کہ خلاف شرع ہیں اور کوئی بھی نیک عمل اگر سنت طریقہ پر نہ ہو تو وہ عبادت نہیں رہتی اور اسمیں بجائے ثواب کے گناہ ہوتا ہے۔

ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کے پسماندگان اور تعلق داروں کو چاہیے کہ تلاوت کریں یا دوسرا کوئی بھی نیکی کا کام مثلاً صدقہ وخیرات وغیرہ کریں اور میت کو ثواب بخش دیا کریں کیونکہ تمام نفلی عبادات کا اجر وثواب مرحوم کو بخشنے سے ملتا ہے ایصال ثواب کیلئے آج کل قرآن خوانی کا جو طریقہ رائج ہے، یہ خیر القرون اور بعد میں سلف صالحین سے بھی ثابت نہیں اسمیں دیگر مفاسد کے علاوہ یہ بھی ہے کہ لوگوں میں قرآن کی تلاوت کا رجحان کم ہوتا جا رہا ہے، عام سوچ بن گئی ہے کہ خود قرآن نہ تو سیکھے اور نہ اسکو اہمیت دے گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے تو طلباء کو بلا کر چند پیسے (چاہے وہ پیسے یتیموں کے کیوں نہ ہوں) خرچ کر کے ضرورت پوری کر لیں گے۔

اس عمل پر کھانا کھلانے اور رقم دینے میں تفصیل ہے چنانچہ اگر محض ثواب اور اخروی فائدہ مقصود ہو تو خالص عبادت (اطاعت محضہ) ہونے کی وجہ سے اسپر اجرت لینا دینا فقہاء کرام نے سختی سے منع کیا ہے اور اسپر دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کی صورت میں اجر وثواب باقی نہیں رہتا اس صورت میں خود پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا تو جس (میت) کیلئے یہ عمل کیا جا رہا ہے اسکو کیا ملے گا؟ لہٰذا ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی پر کچھ لینا دینا شرعاً منع ہے۔

لمافی قوله تعالى:(سورة البقره،ایت ۴۱)

ولا تشتروا بايتى ثمنا قليلا واياى فاتقون ...الاية.

ولمافی الهداية:(۳/۳۰۵،طبع رحمانيه)

والاصل ان كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليه عندنا ...... ولنا قوله عليه السلام اقرؤا القران ولا تاكلوا به.

ولمافی الشامی:(۶/۵۶،طبع ايچ ايم سعيد)

قال تاج الشريعة فی شرح الهداية:ان القران بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا

للقارئ وقال العینیؒ فی شرح الهدایة ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لایجوز لأن فیه الأمر بالقراءة واعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصل الثواب الی المستأجر ولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد فی هذا الزمان بل جعلوا القران العظیم مکسبا ووسیلة الی جمع الدنیا-انا لله وانا الیه راجعون.

ولمافی الشامی:(۲/۲۴۰،طبع ایچ ایم سعید)

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع... واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أولقراءة سورة الأنعام او الإخلاص.

اور دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کیلئے تلاوت کی جائے مثلاً بیماری سے شفاء یابی، خیر و برکت مقدمات میں کامیابی وغیرہ کیلئے تو اس پر اجرت لینے کی گنجائش ہے کیونکہ یہاں (تلاوت) سے مقصود تحصیل ثواب نہیں بلکہ دوسرا کام مقصود ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۲/۸۵۴،باب ألشرط فی الرقیة،طبع رحمانیه)

عن ابن عباس أن نفرا من اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مروابماء فیهم لدیغ اوسلیم فعرض لهم رجل من اهل الماء فقال هل فیکم من راق ان فی الماء رجلا لدیغا او سلیما فانطلق رجل منهم فقرأ بفاتحة الکتاب علی شاء فبرأ فجاء بالشاء الی اصحابه فکرهوا ذلک وقالوا أخذت علی کتاب اللّٰه اجرا حتی قدموا المدینة فقالوا یارسول اللّٰه اخذ علی کتاب اللّٰه اجرا فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان احق مااخذتم علیه اجرا کتاب اللّٰه.

ولما فی مجموعة الرسائل لابن عابدین:(۱/۱۵۶،طبع عثمانیه)

ومن استجعل جعلا علی عمل یعمله لغیره من رقیة اوغیرها وان کانت بقرآن اوعلاج او بما اشبه ذلک فذلک جائز والاستجعال علیه حلال.

ولمافی الشامی:(۶/۵۷،طبع سعید)

لأن المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقا جوزوا الرقیة بالأجرة ولو بالقرآن.

ولمافی امدادالاحکام:(۱/۳۲۷،طبع دارالعلوم کراچی)

وقیاس ختم مریض برختم میت درست نیست، ومختاربودن راقی به رقیه لازم نیست بلکه جائز است که مستاجر ازخود تعیین رقیه کند وایں اولی بالجواز است، لان الاصل فی الاجارة کون العمل معلوما عندالمتعاقدین وههنا کذلک واذاکان الراقی مختارا لم

یکن العمل معلوما للمستاجر وانما جوزوه بالنص علی خلاف القیاس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفر اللہ

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر: ۲۳۷

﴿قرآن خوانی عبادت ہے لیکن رائج رسم بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے دیار میں یہ رسم ہے کہ عید کی نماز کے بعد ہر ایک محلہ والے لوگ اپنے محلہ کہ ہر ہر گھر میں جاتے ہیں ٹولیوں کی شکل میں، اور وہاں بیٹھ کے، پہلے ایک آدمی بلند آواز سے قرآن کی کوئی سورت پڑھتا ہے پھر اجتماعی دعا کرتے ہیں اس کے بعد مٹھائی کھاتے ہیں اور اسی طرح ہر گھر میں ہوتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے اور اس پر بڑی پابندی سے عمل ہوتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے شریعتِ مطہرہ کی نظر میں اس موقع پر قرآن پڑھنے اور اجتماعی دعا کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔   مستفتی: خرسند تاجکستانی

﴿جواب﴾ قرآن کریم کی تلاوت اگر چہ بڑا اچھا عمل ہے، تقرب الٰہی کے ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے لیکن اس کے لئے وہ انداز وطریقہ اختیار کیا جائے جس کے آثار قرونِ ثلاثہ میں پائے جاتے ہوں، اپنی طرف سے کوئی ایسا طریقہ تلاوتِ قرآن کے لئے اختیار کرنا جو خیر القرون میں نہ ہو، اور پھر اس پر اصرار کرنا بدعت اور باعثِ گناہ وعذاب ہے، علاقہ کے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اچھے انداز سے اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

لما فی الصحیح للامام مسلم:(۳۶۱/۱ طبع قدیمی)

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه و سلم قال: لاتختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ولاتختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه.

ولما فی البحر الرائق:(۱۵۹/۲ فی باب العیدین، طبع سعید)

ولان ذکر الله تعالی اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت أو بشئی دون شئی، لم یکن مشروعا حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع

ولما فی مرقاة المفاتیح:(۲۶/۳ باب الدعاء فی التشهد، طبع رشیدیه)

قال الطیبی: وفیه ان من أصر علی أمر مندوب وجعله عزما و لم یعمل بالرخصة فقد

اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من أصر على بدعة او منكر.

ولما فى الاعتصام للشاطبى: (٢٢/١، الباب الاول، طبع توحيد)

من جهة ضرب الحدود، و تعيين الكيفيات، و التزام الهيئات المعينة، او الازمنة المعينة مع الدوام، ونحو ذلك، وهذا هو البدعة، و يسمى فاعله مبتدعا

ولما فى السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: (٢٦٥/٢، الفصل فى القراءة، طبع سهيل)

والأمر اذا دار بين الكراهة و الاباحة ينبغى الافتاء بالمنع لأن دفع مضرة اولى من جلب منفعة. وقد مر ان الاصرار على المندوب يبلغه الى حد الكراهة فكيف اصرار البدعة التى لا اصل لها فى الشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالیٰ　　واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین فرسندہ تاجکی

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۷۳۰

﴿میت پر کسی خاص سورت کے پڑھنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو لوگ قبر کے اردگرد بیٹھ جاتے ہیں اور ایک آدمی مخصوص سورت (یعنی سورۃ الملک) کی جہرا تلاوت کرتا ہے پھر آخر میں سب ملکر میت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور اس پر بڑی پابندی سے عمل ہوتا ہے اور اسکے خلاف کرنے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے شریعت مطہرہ کی روشنی میں اسکی وضاحت فرمائیں۔　　مستفتی: جمال الدین تاجکی

﴿جواب﴾ ایصال ثواب کی غرض سے سورۃ ملک یا کسی بھی دوسری سورت کو پڑھنا فی نفسہ جائز عمل ہے لیکن میت کو دفنانے کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام خیر القرون میں ثابت نہیں ہے، آپکے علاقہ میں یہ عمل اگر ضروری سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے والوں پر نکیر کیجاتی ہے تو یہ بدعت کے حکم میں ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔

البتہ میت کو دفنانے کے بعد اسکے سرھانے کھڑے ہوکر سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات "اولئک ھم المفلحون" تک پڑھنا، اور پیروں کی طرف کھڑے ہوکر آخری آیات یعنی "للہ ما فی السموات سے سورت کے ختم تک پڑھنا مستحب ہے صرف یہ عمل حدیث سے ثابت ہے لیکن ضروری اسکو بھی نہ سمجھا جائے۔

ولما فی الصحیح للامام مسلم:(۳۶۱/۱،باب ،طبع قدیمی)

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیه و سلم قال:لاتختصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی و لاتختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه.

لما فی الاعتصام لشاطبی:(۳۲/۱،الباب الاول : فی تعریف البدع وبیان معناها،طبع توحید)

من جهة ضرب الحدود وتعیین الکیفیات، والتزام الهیئات المعینة، او الازمنة المعینة مع الدوام،و نحو ذلک،وھذا ھو البدعة، و یسمی فاعله مبتدعا.

لما فی مشکوۃ المصابیح:(ص۱۴۹، باب دفن المیت، طبع سعید)

وعن عبدالله بن عمر قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: اذا مات احدکم فلاتحبسوہ واسرعوا به الی قبرہ ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرۃ وعند رجلیه بخاتمة البقرۃ، رواہ البیهقی فی شعب الایمان.

و لما فی الشامیة:(۲۳۷/۲مطلب فی دفن المیت،طبع سعید)

وکان ابن عمر یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورۃ البقرۃ و خاتمتها.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالی — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۴ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۷۰۲

﴿میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے گاؤں میں لوگ جب میت کو قبرستان لے جارہے ہوتے ہیں تو ایک آدمی تھوڑے تھوڑے وقفے سے کلمہ شہادت کی آواز بلند کرتا ہے اور لوگ جواب میں بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں شرعا یہ عمل جائز ہے یا نہیں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی:عبدالماجد جنڈ

﴿جواب﴾ جنازہ اٹھا کر کلمہ شہادت کی آواز بلند کرنا بدعت ہے آپ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے اور خلاف وضع بھی سیاسی جلوس کی طرح نعرے لگتے ہیں حالانکہ یہ موقع ہیبت اور عبرت کا ہے احادیث میں مرحوم کے لیے دل دل میں دعا کا ذکر آیا ہے اور فقہاء کرام نے بلند آواز سے ہر طرح کے ذکر کو اس موقع پر منع فرمایا ہے.

لما فی بذل المجھود:(۱۹۹/۴طبع:مکتبة الشیخ)

عن أبی ھریرۃ رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال:لا تتبع الجنازۃ بصوت ولا نار زاد

عارون ولا تمشى بين يديها

ولما فى رد المحتار:(۲/ ۲۳۳طبع: سعید)

(قوله كما كره الخ)قيل تحريما وقيل تنزيها كما فى البحر عن الغاية وفيه عنها وينبغى لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله يذكره فى نفسه لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اى الجاهرين بالدعاء وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل وهو يمشى معها استغفروا له غفرالله لكم

قلت: واذا كان هذا فى الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء الحادث فى هذا الزمان

ولما فى البحر الرائق:(۲/ ۱۹۲طبع: سعید)

وينبغى لمن تبع جنازة ان يطيل الصمت ويكره رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن وغيرهما فى الجنازة والكراهة فيها كراهة تحريم فى فتاوى العصر وعند مجد الأئمة الترکمانى وقال علاء الدين الناصرى ترك الاولى وفى الظهيرية فان اراد ان يذكر الله تعالى يذكره فى نفسه لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اى الجاهرين بالدعاء وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل وهو يمشى معها استغفروا له غفرالله لكم

ولما فى الهندية: (۱/ ۱۷۸طبع:قدیمی)

وعلى متبعى الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراءة القرآن فان اراد ان يذكر الله تعالى يذكره فى نفسه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۱۷صفر الخیر۱۴۳۳ھ　　　　فتوی نمبر:۳۲۱۴

﴿عورتوں کیلئے قبرستان جانے کا حکم نیز زیارت قبور کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا عورتیں قبرستان میں زیارت قبور کیلئے جاسکتی ہیں؟ زیارت قبور کا مسنون ومستحب طریقہ کیا ہے۔ مستفتی: کمال الدین

﴿جواب﴾ (۱) عورتوں کیلئے قبرستان جانے کی عام اجازت نہیں ہے، البتہ عمر رسیدہ خواتین عبرت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے عزیز واقارب کی زیارت کیلئے اگر کبھی کبھار جاتی ہیں تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے جوان عورتوں کیلئے بہرحال مکروہ ہے۔

(۲) سب سے پہلے قبرستان جا کر اہل قبور کو مخصوص الفاظ کیساتھ سلام کہنا چاہئے اس کے بعد

ان کیلئے دعاء واستغفار کرے اور جس قدر ممکن ہو تلاوت قرآن کریم کا ثواب انکو پہنچائے بعض سورتوں کا ذکر خصوصیت کیساتھ احادیث میں آیا ہے مثلاً سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۃ یسین، سورۃ تکاثر، سورۃ کافرون، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ ناس وغیرہ۔

ولما فی الدر مع الرد:(۲/۲۲۲ طبع سعید)

ويقول السلام عليكم دار قوم مومنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون ويقرء يس وفي الحديث من قرء الاخلاص احدعشر مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطى من الاجر بعدد الاموات)

ولما فی الشامية

قوله (ولو للنساء)وقيل تحرم عليهن والأصح ان الرخصة ثابتة لهن بحر. وجزم في شرح المنية بالكراهة لما مر في اتباعهن الجنازة. وقال الخير الرملي ان كان ذالك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلاتجوز وعليه حمل حديث: (لعن الله زائرات القبور)وان كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلابأس اذاكن عجائز ويكره اذاكن شواب كحضور الجماعة في المساجد اه وهو توفيق حسن.

ولما فی الشامی :(۳/۱۵۱ طبع امدادیه)

قوله (ويقول الخ)قال في الفتح: والسنة زيارتها قائما والدعاء عندها قائما كما كان يفعله ﷺ في الخروج الى البقيع ويقول:السلام عليكم ..... من دخل المقابر فقرء سورة يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات بحر وفي شرح اللباب ويقرء من القران ما تيسر له من الفاتحة واول البقرة الى المفلحون واية الكرسي وآمن الرسول وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

۳ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۱۰۳۴

﴿بارش کیلئے اجتماعی خیرات کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے جب بارش نہیں ہوتی تو لوگ کھانا وغیرہ پکا کر خیرات کرتے ہیں تا کہ بارش ہو نیز اسی طرح مخصوص قسم کے شربت بنا کر لوگوں کو پلاتے ہیں شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ مستفتی: محمد بلال

﴿جواب﴾ اس غرض سے صدقہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے مستحسن ہے مخصوص قسم کے

مشروب پلانا اگر بنیت صدقہ ہوتو وہ بھی اسی میں داخل ہے، ایسے موقع پر نماز استسقاء کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ اللہ تعالیٰ سے بارش مانگنے کیلئے اس خاص طریقے کو موثر سمجھنا غلط اور بدعت ہے بعض علاقوں میں خیرات کیلئے باقاعدہ چندہ کرتے ہیں گھر گھر جا کر مانگتے ہیں یہ بھی غلط رسم ہے۔

لمافی العالمگیریۃ:(۱/۱۵۴،طبع رشیدیہ)

ثم فی کل یوم یقدمون الصدقۃ قبل الخروج ثم یخرجون کذافی الظھیریۃ.

ولمافی تنقیح الحامدیۃ:(۲/۳۶۷طبع حقانیہ پشاور)

کل مباح یؤدی الیٰ زعم الجھال سنیۃ امراووجوبہ فھومکروہ.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۱۸۵،طبع سعید)

ویقدمون الصدقۃ فی کل یوم قبل خروجھم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: سعیداحمد

جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۹۵۷

﴿نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ نمازی حضرات نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرتے ہیں شرعی حیثیت سے اس طرح مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبدالجبار

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت کا عمل ہے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت رسول اللہ ﷺ اور باعث اجر وثواب ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لمافی مشکوۃ المصابیح:(ص۴۰۱،کتاب الآداب،طبع سعید)

مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفرلھما قبل أن یتفرقا.رواہ احمدوالترمذی.

اس حدیث پاک سے مصافحہ کی فضیلت معلوم ہوئی اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان سے ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ کرے، رہا نماز کے بعد امام سے مصافحہ کا مسئلہ اس میں اگر کوئی امام سے ملاقات کی غرض سے آیا ہو تو مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنے کی عادت بنالینا یا ثواب سمجھنا یا مصافحہ نہ کرنے والوں کو برا سمجھنا کسی طرح سے جائز نہیں ہے یہ روافض کا طریقہ ہے، اس لئے فقہائے کرام نے اس کو مکروہ

اور بدعت لکھا ہے، لہٰذا نماز کے بعد امام سے مصافحہ کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

لما فی الشامی:(۱/۵۲۴،طبع امدادیہ)

ان المواظبة عليها بعد الصلوٰت خاصة قديؤدى الجهلة الى اعتقاد سنيتها فى خصوص هذه المواضع وأن لها خصوصية زائدة على غيرها مع أن ظاهر كلامهم أنه لم يفعلها أحد من السلف فى هذه المواضع وكذا قالوا بسنية قرأة السور الثلاث فى الوتر مع الترك احيانا لئلا يعتقد وجوبها ونقل فى تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد اداء الصلاة بكل حال لأن الصحابة رضى الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا اصل لها فى الشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۸۳

﴿میت کو قبر میں دفنانے کے بعد اذان دینا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض لوگ قبرستان میں مردہ کو دفنانے کے بعد اذان دیتے ہیں اور اس کو باعث اجر وثواب سمجھتے ہیں شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ قبرستان میں اذان دینا اذان کے مواقع میں سے نہیں ہے کیونکہ شریعت نے اذان کے مواقع متعین کئے ہیں جبکہ اس موقع پر اذان دینے کو فقہاء کرام نے صاف لفظوں میں بدعت قرار دیا ہے لہٰذا اس سے بچنا لازمی ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۲۳۵،طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

لا يسن الاذان عند ادخال الميت فى قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن الحجر فى فتاويه بانه بدعة. وقال من ظن انه سنة قياسا على ندبهما للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتدائه فلم يصب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:

﴿جماعت کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا خلاف سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجدوں میں بوڑھے لوگ مغرب فجر جمعہ اور تراویح میں ہر چار رکعات کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ ممنون فرمائیں۔ مستفتی: حبیب الرحمٰن

﴿جواب﴾ مسجد میں خاص کر نمازوں کے بعد زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا بدعت ہے، سنت سے ثابت نہیں ہے، مزید یہ کہ اس وقت اکثر لوگ سنتوں اور نوافل میں مشغول ہوتے ہیں اور زور زور سے ذکر کرنے سے انکو اذیت ہوگی بلکہ انکی نمازوں میں خلل آنے کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا امام صاحب کو چاہئے کہ حکمت و بصیرت کے ساتھ اس رواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

لما فی المظہری:(٢/٢١١،طبع رشیدیہ)

ثم اجمع العلماء على ان الذكر سرا هو الافضل والجهر بالذكر بدعة الا في مواضع مخصوصة مست الحاجة فيها الى الجهر به كالاذان والاقامة وتكبيرات التشريق وتكبيرات الانتقال في الصلوة ـــــ والاصل في الاذكار الاخفاء والجهر به بدعة الخ ويدل على كون ذكر السر افضل ومجمعا عليه من الصحابة من تبعهم قول الحسن ان بين دعوة السر ودعوة العلانية سبعين ضعفا ولقد كان المسلمون يجتهدون في الدعاء وما يسمع لهم صوتا ان كان الا همسا بينهم وبين ربهم وذلك ان الله سبحانه وتعالى يقول ادعوا ربكم تضرعا وخفية وان الله ذكر عبدا صالحا ورضي فعله فقال اذ نادى ربه نداء خفيا

ولما فی روح المعانی:(٨/٥٢١،طبع رشیدیہ)

(وخفية) اى سرا الخ وترى كثيرا من اهل زمانك يعتمدون الصراخ في الدعاء خصوصا في الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتد وتستك المسامع وتستد ولا يدرون انهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت في الدعاء وكون ذلك في المسجد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہائی عفی عنہ

١٤٣٠ھ — فتویٰ نمبر:٢٠٢٦

﴿اہل میت کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(١) میت کے گھر کھانا پکنا چاہئے یا اپنے پیسوں سے باہر سے منگوا سکتے ہیں بہتر کیا ہے؟

نیز کتنے دن کھانا بنایا جائے؟

(۲) میت کے گھر کا پکا ہوا کھانا قریبی رشتہ دار کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر رشتہ دار بروقت موجود ہوں اور کھانا لگ رہا ہو یا لگ چکا ہو تو کھالینا بہتر ہے یا اٹھ کر چلے جانا؟ مستفتی حاجی نصیر

﴿جواب﴾ (۱)(۲) ایسے مواقع پر شریعت مطہرہ نے اہل میت کی طرف سے کھانے وغیرہ کے انتظام کو منع کیا ہے بلکہ دیگر دوست واحباب اور دور کے رشتہ داروں کو حکم ہے کہ وہ میت کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کریں میت کے گھر لوگوں کے اجتماع اور گھر والوں کی طرف سے کھانے وغیرہ کے انتظام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نوحہ تصور کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کنا نعد الاجتماع الی اهل البیت وصنعهم الطعام من النیاحة" نیز خود اہل میت کی طرف سے کھانے کے انتظام کرنے میں کئی سارے مفاسد ہیں بسا اوقات میت کے ورثاء میں نابالغ یتیم بچے ہوتے ہیں انکا مال کھایا جاتا ہے جسکی شرعاً ہرگز اجازت نہیں، اس لئے ایسے مواقع پر کھانے وغیرہ سے احتراز کرنا ضروری ہے، ہاں اگر ورثاء میں کوئی نابالغ نہ ہو اور تمام ورثاء اپنی رضامندی سے فقراء اور مساکین کے لئے کھانا تیار کریں تو یہ باعث اجر وثواب ہے اور چاہیئے کہ تعزیت کے ایام گذرنے کے بعد ایصال ثواب کریں۔

نیز واضح رہے کہ اہل میت کے لئے جو کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے تو اس میں عام تعزیت کے لئے آنے والے رشتہ داروں کو اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیئے کہ کھانے وغیرہ کے معاملہ میں انتظام کرنے والوں پر بوجھ نہ بنیں۔

یہ بات اکثر دیکھی جاتی ہے کہ بعض رشتہ دار کئی کئی دنوں تک اہل میت کے ہاں ٹھہرے رہتے ہیں واپسی کا نام تک نہیں لیتے جس سے انتظام کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے یہ مروت کے خلاف اور اہل میت کے لئے طبعی طور پر پریشانی والی بات ہے۔

لما فی مشکوٰۃ المصابیح:(ص۲۵۵،طبع سعید)

عن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا لا تظلموا

الالا يحل مال امرئ مسلم الابطيب نفس منه.

لمافي الدر المختار:(٢/٢٤٠،طبع سعيد)

وباتخاذ طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله عليه السلام اصنعوا الخ، وكذافي فتح القدير ومثله في اعلاء السنن:(٨-٢١٧/١،طبع دارلكتب بيروت)

ولمافي البحر الرائق:(٢/١٩٢،طبع سعيد)

ولاباس بالجلوس اليها ثلاثامن غيرارتكاب محظورمن فرش البسط والاطعمة من اهل البيت لانهاتتخذعندالسرورولاباس بان يتخذلاهل الميت اه وفي الخانية وان اتخذولي الميت طعاماللفقراء كان حسنااذاكانوابالغين وان كان في الورثة صغيرلم يتخذذلك من التركة.

ولمافي الشامي:(٢/٢٢٨،طبع امداديه)

قال:مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت:قال ايضا:ويكره اتخاذالضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرورلافي الشروروهي بدعة مستقبحة وروى الامام احمدوابن ماجه باسنادصحيح عن جريربن عبدالله قال "كنانعدالاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة.

ولمافي البزازية:(١/٨٣،طبع قديمي)

ويكره اتخاذالطعام في يوم الاول والثالث وبعدالاسبوع والأعياد ونقل الطعام الى القبرفي المواسم واتخاذالدعوة بقراءة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام اوالاخلاص.

ولمافي الهندية:(١/١٦٧،طبع رشيديه)

ولا يباح اتخاذالضيافة عندثلاثةايام كذافي التاتارخانية.

ولمافي الخانية على هامش الهندية:(٢/٢٠٥،طبع رشيديه)

ولاباس بان يكون حمل الطعام الى اهل المصيبةوهوفي اليوم الاول غيرمكروه وفي اليوم الثاني مكروه اذااجتمعت النياحة لانه اعانة لهم على الاثم والعدوان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالوہاب لغمانی

۱۴ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:

﴿میت کے گھر دعوت طعام کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میت کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں بعض لوگ تین دن کے بعد ایک اجتماع کرتے ہیں اور اس کو قل خوانی کا نام

دیتے ہیں اور ایسا ہی سات دن گذرنے کے بعد اور بعض چالیس دن کے بعد بھی کرتے ہیں اور پھر میت والوں کی طرف سے ایک دعوت ہوتی ہے تو کیا شرعاً اسکا کوئی جواز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ کسی مسلمان کی فوتگی غم اور پریشانی کا باعث ہے شریعت نے ایسے موقع پر تعزیت کا حکم دیا ہے مذکورہ رسم ورواج بجائے غم اور سوگ کے خوشی کا منظر پیش کررہا ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنا ضروری ہے۔

البتہ ایصال ثواب کیلئے غرباء ومساکین کیلئے کھانے کا انتظام کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ بالغ ورثاء اپنی خوشی اور رضامندی سے اپنے مال سے اس کا انتظام کریں اور اس کیلئے خاص مثلاً سوم، چالیسواں، وغیرہ ضروری نہ سمجھا جائے جن علاقوں میں باقاعدہ یہ رسم چلی آرہی ہے ایسے علاقوں میں کھانے کا انتظام نہیں کرنا چاہیے بجائے کھانے کے ایصال ثواب کے دیگر طریقوں کو اپنانا چاہیے جہاں رواج بن جاتا ہے وہاں عبادت وثواب کا پہلو مغلوب ہوجاتا ہے دکھلاوا نام ونمود کا اندیشہ قوی رہتا ہے اس لئے ایسے کاموں سے بچنا چاہیئے۔

لمافی البحر الرائق:(۱۹۲/۲ طبع سعید)

ولاباس بالجلوس اليها ثلاثا من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والاطعمة من اهل البيت لانها تتخذ عند السرور ولاباس بان يتخذ لاهل الميت اه وفي الخانية وان اتخذ ولي الميت طعاما للفقراء كان حسنا اذا كانوا بالغين وان كان في الورثة صغير لم يتخذ ذلك من التركة.

ولمافی الشامی:(۱۴۷/۲ طبع امدادیہ)

قال: مطلب في كراهة الضيافة من اهل الميت: قال ايضا: ويكره اتخاذ الضيافة من طعام اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة وروى الامام احمد وابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال "كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة" وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في يوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل طعام الى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القران وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القران لأجل الاكل يكره وفيها من كتاب الاستحسان وان اتخذ طعام للفقراء كان حسنا. كذا في فتاوى التاتارخانية:(۲۳۲/۵ طبع قديمي)

ولمافی العالمگیریہ:(۱۶۷/۱ طبع رشیدیہ)

ولايباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام كذا في التاتارخانية وفيه ايضا: قيل الطعام الى

صاحب المصيبة والاكل معهم فى اليوم الاول جائز لشغلهم بالجهاز وبعده يكره.

ولما فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:(۲/۴۰۵،كتاب الحضر والاباحة طبع رشيديه)

ولا باس بان يكون حمل الطعام الى اهل المصيبة وهو فى اليوم الاول غير مكروه وفى اليوم الثانى مكروه اذا اجتمعت النياحة لانه اعانة لهم على الاثم والعدوان

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر: ۶۹۵

﴿تیجہ، دسواں، چالیسواں سنت سے ثابت نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے خاندان میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی میت ہو جائے تو اسکا تیجہ، چوتھا، دسواں چالیسواں اور برسی مناتے ہیں اور اس موقع پر قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کراتے ہیں اور کھانے بھی پکاتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور میری ایک سہیلی کہتی ہے کہ یہ کھانا حرام ہے اور یہ رواج بھی بدعت ہے ازروئے شریعت مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔　　مستفتیہ: ایک سائلہ

﴿جواب﴾ ایصال ثواب حق ہے علماء احناف کا متفقہ عقیدہ ہے کہ میت کو نفلی عبادات خواہ بدنی ہو یا مالی کا ثواب پہنچتا ہے لیکن ایصال ثواب کیلئے کسی دن یا وقت کو خاص کرنا یا ایک خاص طریقہ کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے اور بدعت کے زمرے میں داخل ہے۔

آج کل ہر علاقے اور ہر برادری کا اس سے متعلق خاص رسم ورواج ہے اس کی پابندی کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے اور ایصال ثواب کو انہی رائج طریقوں میں منحصر جانتے ہیں حالانکہ یہ خالص آباء واجداد کے رائج کردہ طریقے ہیں ان رائج طریقوں سے ہٹ کر سادگی کیساتھ اجتماعی اور بلاوے کے بغیر اگر ایصال ثواب کیا جائے تلاوت کے ذریعے ہو یا غریبوں میں کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کئے جائیں انفرادی طور پر نفل ذکر دعا وغیرہ سے ایصال ثواب کرے تو شرعاً محبوب ہے اور امید ہے کہ اس سے میت کو بڑا نفع ہوگا، البتہ مذکورہ رسم ورواج کے تحت اگر کسی نے کھانے کا اہتمام کرلیا تو غلط ہے اور ثواب پہنچنے کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا لیکن کھانے کو حرام کہنا مشکل ہے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے صحیح طریقہ سے استعمال میں لانا چاہیئے عام مسلمانوں کیلئے حلال اور جائز ہے، ہاں کوئی مقتداء شخص ہو لوگ اس کو دیکھ کر

اس عمل کو شرعی عمل سمجھتے ہوں تو ایسے شخص کو اجتماعی کھانے میں شرکت کرنے سے گریز کرنا چاہئے تاکہ اس کے عمل سے غلط کام کی تائید نہ ہو۔

لمافی مجموعة الفتاوی علی هامش الخلاصة:(۱/۱۹۵،طبع رشیدیه)

این طور مخصوص نه درزمان آنحضرت ﷺ بودونه درزمانه خلفاء بلکه وجودآن درقرون ثلثه که مشهودلهابالخیراند منقول نشدہ اگر کسی این طور مخصوص بعمل آورد آں طعام حرام نمی شود وبخورندش مضائقه نیست واین راضروری دانستن مذموم است وبهتر آں است که هرچه خواهنده خوانده ثواب آں بمیت برسانند وطعام رابنیت تصدق بفقراء خورانند وثوابش نیزباموات رسانند مقرر کردن روزسوم وغیره بالتخصیص واوراضروری انگاشتن درشریعت محمدیه ثابت نیست

ولمافی الهندیة:(۱/۱۶۷،طبع رشیدیه)

ولا یباح اتخاذالضیافة عندثلاثة ایام کذافی التاتارخانیة.

ولمافی الشامی:(۳/۱۴۸،طبع امدادیه)

وفی البزازیة :یکره اتخاذالطعام فی الیوم الاول والثالث وبعدالاسبوع ونقل الطعام الی القبرفی المواسم واتخاذالدعوة لقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرأة سورة الانعام اوالاخلاص .

والحاصل ان اتخاذالطعام عندقراءة القرآن لاجل الاکل یکره وفیهامن کتاب الاستحسان:وان اتخذطعاماللفقراء کان حسناًاه واطال فی ذلک فی المعراج وقال وهذه الافعال کلهاللسمعة والریاء فیحترزعنهالانهم لایریدون بهاوجه الله تعالی اه.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب :محمد حسین

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر :۱۰۱۳

﴿ جنازہ کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنے کا حکم ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب لوگ میت کو اٹھا کر چلتے ہیں تو زور زور سے کہتے ہیں کلمہ شہادت تو اس پر لوگ کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور اسی طرح اس بات کا بھی خوب اہتمام کرتے ہیں کہ میت کے پاؤں قبلہ کی طرف نہ ہوں کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ جنازہ کو کندھوں پر اٹھا کر قبرستان لے جاتے وقت کلمہ شہادت کے نعرے بلند کرنا اور زور زور سے کلمہ شہادت پڑھنا خلاف سنت طریقہ ہے اس طرح کرنے سے جلوس کی

صورت بن جاتی ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ ادب واحترام اور خاموشی کے ساتھ جنازہ کو اٹھایا جائے مرحوم کیلئے دل دل میں مغفرت اور آنے والی منازل میں آسانی کی دعا کی جائے، جنازہ کی چارپائی کے پائے قبلہ کی طرف ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں سرہانا آگے کی طرف ہونا چاہیئے یعنی لے جاتے وقت چارپائی کا سرہانا اس جانب رہے جس طرف کو لے جار ہے ہیں۔

لمافی فتح القدیر:(۱۳۳/۲،طبع رشیدیه)

ویکره لمشیعها رفع الصوت بالذکر والقراءة ویذکر فی نفسه.

ولمافی الشامی:(۱۳۷/۳،طبع امدادیه)

کره فیها رفع الصوت بذکر او قراءة قال:قیل تحریما وقیل تنزیها کما فی البحر عن الغایة وفیه عنها:ینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالی یذکره فی نفسه لقوله تعالی (انه لایحب المعتدین) ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم.

ولمافی العالمگیریة:(۱۶۲/۱،طبع رشیدیه)

وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس کما فی المضمرات.

ولمافی التاتار خانیة:(۱۱۵/۲،طبع قدیمی)

وفی حال المشی بالجنازة یقدم الراس.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصوب:خضر حیات کمالوی

۱۹محرم الحرام ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۶۴۰

﴿مسجد کا مینار بدعت نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگراذان سے قبل صلاۃ وسلام بدعت ہے تو مسجد کا مینار بھی بدعت ہے کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ مسجد میں مینار بنانے کا رواج خیر القرون سے چلا آ رہا ہے،البتہ فرق اتنا ضرور ہے کہ اس وقت مینار میں اذان دیجاتی تھی اور آجکل مینار میں لاؤڈ سپیکر رکھے جاتے ہیں نیز یہ مسجد کی علامت ہے،اس لئے اس کو بدعت کہنا مشکل ہے مزید یہ کہ خلیفہ راشد حضرت

عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے چاروں میناروں کی تعمیر کرائی اور آج بھی مسجد نبوی اور مسجد حرام کے مینار قائم ہیں ایسا عمل جو کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصا خلفاء راشدین سے ثابت ہے اسکو کوئی بھی بدعت قرار نہیں دے سکتا مسجد کے مینار کو اذان سے قبل صلاۃ وسلام پر قیاس کرنا جہالت ہے۔

لما فی وفاء الوفا:(۵۲۶/۲،طبع دار احیاء التراث العربی)

وروی ابن زبالة ويحيى من طريقه عن محمد بن عمار عن جده قال جعل عمر بن عبد العزيزؒ لمسجد رسول ﷺ حين بناه اربع منارات في كل زاوية منه منارة.

ولما فی قاضیخان علی هامش الهندية:(۲۹۱/۳،طبع رشيديه)

عن ابی بكر البلخیؒ انه سئل عن الوقف على المسجد أيجوز لهم ان يبنوا منارة من غلة المسجد قال ان كان ذالک من مصلحة المسجد بان كان اسمع لهم فلا بأس به وان كان بحال يسمع الجيران الاذان بغير منارة فلا أرى لهم أن يفعلوا ذالک.

ولما فی الهندية:(۳۲۲/۵،طبع رشيديه)

واما بناء منارة المسجد من غلة الوقف ان كان بناء ها مصلحة للمسجد بان يكون اسمع للقوم فلا بأس به وان لم يكن مصلحة لا يجوز بان يسمع كل اهل المسجد الاذان بغير منارة. كذا في التمرتاشي:(۳۲۲/۵،طبع رشيديه كوئٹه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۹۷۲

﴿برسی منانا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ برسی منانے کا اہتمام کرتے ہیں، اس میں لوگوں کو بلا کر ایصال ثواب کیساتھ ساتھ ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے، براہ کرم اس کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

﴿جواب﴾ ایصال ثواب حق ہے لیکن اس کے لئے ایام کی تخصیص یا باقاعدہ لوگوں کو بلا کر مجلس منعقد کرنا محض ایک رسم اور خلاف شرع ایجاد کردہ طریقہ ہے، ایصال ثواب کا یہ طریقہ خیر القرون میں نہ تھا اور بعد میں بھی سلف وصالحین سے ثابت نہیں ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کے پسماندگان اور تعلق داروں کو چاہیئے کہ جب بھی موقع ملے تو ایصال ثواب کی نیت سے تلاوت کریں، ذکر کریں، نوافل پڑھیں یا دوسرا کوئی بھی نیکی کا کام مثلا صدقہ وخیرات وغیرہ جن کا مرحوم کو اجر وثواب پہنچتا ہے اور عمل کرنے والے کو بھی پورا اجر ملتا رہے بشرطیکہ سنت طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے۔

برسی اسی طرح موجودہ دور میں ایصال ثواب کے رائج دیگر طریقوں میں عبادت کا پہلو برائے نام رہتا ہے، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کی طرح نمائش، نام ونمود کا پہلو غالب رہتا ہے، ان مفاسد کے علاوہ ایک نقصان یہ بھی ہے کہ لوگوں میں قرآن مجید کی تلاوت اور دیگر نفلی عبادات کی طرف رجحان کم ہوتا جارہا ہے، عام سوچ بن گئی ہے کہ سال میں ایک دن مقرر ہے بس صرف اسی روز خود اور دیگر رشتہ داروں کو بلا کر کچھ پڑھ لیں گے جس سے مرحوم کا حق ادا ہو جائے گا۔

نیز بعض علاقوں میں اس رواج کو اس قدر اہمیت دیجاتی ہے کہ خود اگر خرچہ برداشت نہ کرسکے تو اس کے لئے قرض بھی لینا پڑتا ہے ورنہ تو برادری کے لوگ لعن طعن بھی کرتے ہیں، ہمارے دین اسلام میں بڑی آسانی اور سادگی ہے، لہذا ایسے طریقوں سے بچنا ضروری ہے۔

لما فی فتح القدیر:(۲/۱۰۲،طبع رشیدیہ)

ویکرہ اتخاذالضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرورلافی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام احمدوابن ماجه باسنادصحیح عن جریربن عبدالله قال کنا نعدالاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة.

ولمافی الشامی:(۲/۲۴۰،طبع سعید)

وفی البزازية ویکره اتخاذالطعام فی الیوم الاول والثالث وبعدالاسبوع ونقل الطعام الی القبرفی المواسم واتخاذالدعوة لقرأةالقران وجمع الصلحاء والقرأ للختم أولقرأة سورةالانعام او الاخلاص.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی غفرلہ

۶ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۵۰

﴿زکوۃ، صدقات وخیرات کیلئے ایام مخصوص کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ (۱) زکوۃ ہر مہینے دے سکتے ہیں یا کوئی خاص مہینہ

بھی ہے جس میں زیادہ ثواب ملتا ہو؟ اسی طرح دیگر صدقات وخیرات وغیرہ کیلئے بھی فضیلت کے مخصوص ایام ہیں جس میں اجر وثواب زیادہ ملتا ہے یا تمام ایام برابر ہیں؟ عام طور پر رمضان المبارک میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اسی مہینہ کو زکوٰۃ کا مہینہ سمجھتے ہیں۔

(۲) کیا بریلوی یا بے نمازی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ مستفتی: محمد دین صاحب

﴿جواب﴾ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہوتی ہے یعنی چاند کی وہ تاریخ جس میں آپ صاحب نصاب بنے تھے، اس تاریخ کے ایک سال گذرنے کے بعد بھی اسی تاریخ میں آپ صاحب نصاب ہیں تو اس دن آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس تاریخ کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے، البتہ ادائیگی میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے، ہاں سال یا اس سے زیادہ تاخیر کرنا گناہ ہے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۲۵۹،طبع سعید)

وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانه علیه.

ولمافی ردالمحتار:(۲/۲۷۲،طبع سعید)

لایوخر(الزکوة)الی العام القابل لمافی البدائع عن المنتقی بالنون اذالم یؤدحتی مضی حولان لقدأساء وأثم.

زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کیلئے شریعت نے کسی خاص دن یا وقت کو متعین نہیں کیا، البتہ رمضان المبارک میں اور اسی طرح دیگر ایام مثلاً عید الفطر، عشرہ ذی الحجہ وغیرہ میں بھی نیک اعمال کا اجر وثواب نسبتاً زیادہ ہوجاتا ہے۔

لمافی الفقه الاسلامی:(۲/۹۱۲،طبع رشیدیه)

عن انسؓ سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم ای صدقة أفضل ؟قال صدقة فی رمضان ،لأن الفقراء فیه یضعفون ویعجزون عن الكسب بسبب الصوم لأن الحسنات تضاعف فیه وتتأكد فی الایام الفاضلة كعشر ذی الحجة وایام العید،وكذافی الأماكن الشریفة كمكة والمدینة وفی الجهاد والحج وعند الأمور المهمة كالكسوف والمرض والسفر

مخصوص ایام کی فضیلت بلاشبہ اپنی جگہ ثابت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ وخیرات وغیرہ کا اہتمام صرف ان ہی ایام میں کیا جائے، مذکورہ ایام کے علاوہ اگر کسی فقیر کو سخت ضرورت درپیش ہے اور آپ کے علم میں بھی ہے پھر آپ ایام کی فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے زکوٰۃ وصدقات کو مؤخر کر رہے ہیں تاکہ ثواب زیادہ ملے تو یہ صدقہ وخیرات کی حکمت

کے خلاف ہے، اصل مقصود فقیر کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور خاص حالت اور موقع کی وجہ سے بسااوقات اجر وثواب مذکورہ ایام کی فضیلت سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

لما فی المتجر الرابح:(ص ۵۱۱،طبع بیروت)

قال رسول الله ﷺ: من أدخل على مؤمن سرورا خلق الله عز وجل من ذلك السرور خلقا فإذا صار المؤمن في قبره أتاه ذلك السرور فيقول له: أما تعرفني؟ فيقول له: من أنت؟ فيقول أنا السرور الذي أدخلتني على فلان أنا اليوم أونس وحشتك وألقنك حجتك وأثبتك بالقول الثابت، وأشهدك مشاهدك يوم القيامة وأشفع لك إلى ربك وأريك منزلك من الجنة

ولما فی رد المحتار:(۱۲۱/۲،طبع سعید)

فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل واذاكان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي ﷺ فقد يكون اكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط.

بریلوی یا بے نمازی مسلمان ہیں، لہذا اگر وہ غریب محتاج ہوں تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، البتہ متقی اور نمازیوں کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل ہے۔

لما فی الهداية:(۲۲۱/۱،طبع رحمانیه)

قال: الأصل فيه قوله تعالى:انما الصدقات للفقراء والمساكين ... الخ.والفقير من له أدنى شيء والمسكين من لاشيء له.

ولما فی الشامی:(۳۵۳/۲،طبع امدادیه)

(أو الى طالب علم)وفي المعراج التصدق على العالم الفقير أفضل اى من الجاهل الفقير أو الى الزهاد.

ولما فی جامع الترمذی:(۱۲/۲،طبع دار القرآن)

عن أبي سعيد أنه سمع رسول الله ﷺ يقول لاتصاحب الامؤمنا ولاياكل طعامك الاتقي.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین چترالی

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۸۸۲

﴿ایجاب وقبول تین دفعہ کرنے کو لازم سمجھنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ نکاح پڑھنے کے بعد ہمارا امام محلہ ایجاب وقبول تین دفعہ دہراتا ہے اور ایک عالم سے سنا ہے کہ ایک دفعہ بھی کافی ہے

آپ حضرات سے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ ایجاب وقبول تین دفعہ دہرانا ضروری ہے یا ایک دفعہ کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: نثار احمد مردانی

﴿جواب﴾ نکاح عبادت ہے ایجاب وقبول اسکا رکن ہے جو کہ صرف ایک بار ایجاب وقبول کرنے سے یہ رکن پورا ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ لغو اور بیکار ہے جہاں ایک سے زیادہ مرتبہ بولنا رائج ہے اور ایک بار بولنے کو لوگ ناکافی سمجھتے ہیں تو ایسی صورت میں بدعت ہے واجب الترک ہے، اس طریقہ کو اختیار کرنے والا بدعت کا مرتکب ہے لیکن نکاح بہر صورت ہو جاتا ہے۔

لما فی الدر:(۲/۱۸-۲۹،طبع امدادیه)

(وینعقد)ملتبسا(بایجاب) من احدهما(وقبول من الاخر (کزوجت) نفسی او بنتی او موکلتی منک (و)یقول الاخر(تزوجت) وینعقدایضا وفی الشامیة: قوله (وینعقد) قال فی شرح الوقایة العقدربط اجزاء التصرف،ای الایجاب والقبول شرعالکن هناأریدبالعقد الحاصل با لمصدروهوالارتباط لکن النکاح الایجاب والقبول مع ذلک الارتباط انماقلنا هذالان الشرع یعتبرالایجاب والقبول ارکان عقدالنکاح لا امورا خارجیة کالشرائط الخ

ولماایضا فی الدر:(۲/۲۹۹،طبع امدادیه)

(ومبتدع)ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لابمعاندة بل بنوع شبهة، وفی الشامیة:عزاهذاالتعریف فی هامش الخزائن الی الحافظ ابن حجرفی شرح النخبة..... وحینئذفیساوی تعریف الشمنی لهابانهاما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول ﷺ من علم اوعمل اوحال بنوع شبهة واستحسان وجعل دیناقویما وصراطا مستقیما.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۵۲۵

﴿حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز مروجہ حیلہ اسقاط سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بعض کتب فقہ میں حیلہ اسقاط کو کچھ شرائط کیساتھ اگرچہ جائز قرار دیا ہے لیکن موجودہ دور میں ان شرائط کی کوئی رعایت نہیں ہوتی، اس لئے جائز نہیں ہے، شرعی احکامات سے

لا پرواہی برتنا امت میں عام ہے حیلہ اسقاط میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ لوگ اخروی نجات کے لئے نماز، روزہ، زکوۃ وحج وغیرہ کو زیادہ اہمیت نہ دیں اس لئے کہ حیلہ اسقاط کو خلاصی کا دوسرا راستہ سمجھیں گے، فقہاء کرام نے صرف احتیاط کے درجہ میں اسکا ذکر کیا ہے اور وہ بھی کئی شرائط کے ساتھ اس دور میں نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکامات سے لا پرواہی برتنا مسلمانوں میں عام ہے احتیاط کا کوئی پہلو نہ رہا۔

لمافی منة الجليل رسائل ابن عابدين:(ص ۲۱۱،طبع عثمانيه)

فيستقرض الولي قيمتها ويدفعها للفقير ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذالك الفقير ... ليس فيهم غني ولا عبد ولا صبي ولا مجنون ثم بحسب سن الميت فيطرح منه اثنتي عشرة سنة لمدة بلوغه ان كان الميت ذكرا ... فان لم يوقف عليه قصدالى الزيادة لان ذالك احوط.

ولمافي منة الجليل رسائل ابن عابدين:(ص ۲۲۵،طبع عثمانيه)

ويجب الاحتراز من ان يديرها اجنبي الا بوكالة كماذكرنا اوان يكون الوصي ... بل يجب ان يدفعها عازما على تمليكها منه حقيقة لاتحيلا ملاحظا ان الفقير اذاابى عن هبتها الى الوصي كان له ذالك ولايجبر على الهبة.

ولمافي الشامي:(۲/۵۳۲،طبع امداديه)

ونص عليه في تبيين المحارم فقال لا يجب على الولي فعل الدور وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصي بمايفي بما عليه بترك ماوجب عليه.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمن چارسدوی

۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ | فتوی نمبر: ۱۶۶۱

﴿مروجہ حیلہ اسقاط کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ اسقاط کا مروجہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقہ میں اس طرح ہوتا ہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد بعض لوگ دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اہل میت قرآن مجید، گندم، نمک اور کچھ پیسے لیکر آتے ہیں۔ اور یہ لوگ آپس میں اس کی بخشش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ میت کی نمازوں اور روزوں اور دیگر اعمال کے کفارہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسا کرنے کے بعد دو تین آدمی اٹھ کر ان چیزوں کو آپس میں

تقسیم کر لیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں جبکہ یہ لوگ جواز کے لئے کچھ کتب کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں۔ برائے کرم آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: مفتی عبدالرب زروبی

﴿جواب﴾ مرجہ حیلہ اسقاط بدعت اور ناجائز ہے۔ متأخرین نے ضرورت کی بناء پر حیلہ اسقاط کے جواز کا جو فتویٰ دیا ہے۔ اس حیلہ میں اور مرجہ حیلہ اسقاط میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ متأخرین کی کتب میں جو حیلہ درج ہے وہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی مر جائے اور اسکے ذمہ کچھ نمازیں اور روزیں ہوں اور اس کے ترکہ کے ثلث مال سے نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو یا عدم وصیت کی صورت میں ولی تبرعاً ادا کرنا چاہے تو اس وقت اس حیلہ کی گنجائش ہے۔

جس کا طریقہ یہ ہے کہ ولی میت کسی فقیر کو نقدی یا گندم کا مالک بنائے اور وہ فقیر اپنی مرضی سے مالک کو وہ جنس واپس ہدیہ دے دے یا کسی اور کو دے دے اور وہ ولی میت کو ہدیہ دے اور اگر فقیر واپس نہ کرنا چاہے تو اس کو مجبور نہ کیا جائے اسی طرح متعدد بار کیا جائے یہاں تک کہ میت کے روزوں اور نمازوں کے بقدر ہو جائے۔ اب اس کے مقابلہ میں مرجہ حیلہ اسقاط بالکل مختلف ہے کیونکہ مذکورہ حیلہ میت کی غربت کی وجہ سے نہیں کیا جاتا کہ میت غریب تھا اس کے ترکہ کا ثلث مال فدیہ کیلئے کافی نہیں ہے۔

(ا) بلکہ ہر شخص کا کیا جاتا ہے چاہے غریب ہو یا امیر ہو یہاں تک کہ میت کے ذمہ نمازوں اور روزوں کی قضاء لازم ہو یا نہ ہو بس ایک رواج کے تحت اس کا التزام کیا جاتا ہے جو کہ شریعت کے مزاج سے بالکل ہٹ کر ہے۔

(ب) یہ مرجہ حیلہ اسقاط غریب اور امیر کے اعتبار سے کیا جاتا ہے میت اگر امیر ہے اتنی رقم بھی زیادہ ہوتی ہے نہ کہ فدیہ کی مقدار۔

(ج) دائرہ حیلہ اسقاط میں عموماً اس طرح دیکھنے کو ملا ہے کہ غیر مستحق لوگ بھی بیٹھتے ہیں۔ اگر بالفرض سارے مستحق ہوں بھی لیکن ان کو کما حقہ مالک نہیں بنایا جاتا لینے والا جانتا ہے کہ صرف برائے نام دیا جاتا ہے اور دینے والا بھی واپس لینے کے ارادہ سے دیتا ہے۔ اگر

بالفرض حیلہ تسلیم بھی کیا جائے تو فدیہ کی مقدار کے بقدر نہیں ہوتا بلکہ ایک یا دو دفعہ گھمانے کے بعد تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ اگر واقعتاً کسی شخص کے حیلے کی ضرورت ہی پڑگئی ہو تو کیا جنازہ کے متصل سب لوگوں کے سامنے حیلہ کرنا کوئی ضروری ہے تاکہ سب لوگ دیکھے کہ اس شخص نے نمازیں نہیں پڑھی اور روزے نہیں رکھے حالانکہ یہ اظہار علی المعصیۃ ہے جوکہ شرعاً ممنوع ہے نیز مروجہ حیلہ اسقاط میں وصیت اور عدم وصیت کا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

مذکورہ وجوہ کی بناء پر مروجہ حیلہ اس حیلہ سے جو مذکور فی کتب المتاخرین ہے قطعاً مختلف ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار: (۷۲/۲، طبع سعید)

(ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم ـ وانما يعطى (من ثلث ماله) ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير ثم وثم حتى يتم.(وقوله ولولم يترك مالا)أى اصلا أو كان ما أوصى به لايفى زاده فى الامداد أولم يوص بشيء وأراد الولى التبرع واشار بالتبرع الى ذلك ليس بواجب على الولى.

ولما فى الهندية: (۱۲۵/۱ طبع رشيديه)

واذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بان تعطى كفارة صلوته يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم نصف صاع ويدفع الى مسكين ثم يتصدق المسكين الى بعض ورثته ثم يتصدق ثم و ثم حتى يتم لكل صلاة ماذكرنا وان لم يوص لورثته وتبرع بعض ورثه يجوز.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر: ۳۳۴۱

﴿ختم قرآن کے موقع پر چندے کی رقم سے کھانا کھلانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں رمضان المبارک کے دوران ختم قرآن کے موقع پر ایک دینی تقریب منعقد کیجاتی ہے جس کیلئے اہل مسجد میں حسب استطاعت جبر کئے بغیر چندے کا اعلان کرتے ہیں پھر جمع شدہ رقم سے چاول وغیرہ پکانے کا اہتمام کرتے ہیں، اس تقریب میں علماء کرام اور قراء حضرات اور قریبی اہل مسجد والوں کو مدعو کیا جاتا ہے اسکے بعد پروگرام میں تلاوت، بیانات وغیرہ ہوتے ہیں اور

پروگرام کے اختتام پر حاضرین کو کھانا کھلایا جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اسطرح چندہ کر کے تقریب منعقد کرانا درست ہے؟ شرعاً اسکی کیا حیثیت ہے؟

واضح رہے کہ یہ لوگ نہ اسکو سنت سمجھ کر کرنے کے عادی ہیں بلکہ محض ختم قرآن کے موقع کو سعادت سمجھ کر اپنی خوشی کا قدرے اظہار کرتے ہیں، نیز اس پروگرام میں حافظ صاحب کی بھی حوصلہ افزائی ہوجاتی ہے بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اگر اعلان کئے بغیر کوئی اپنی طرف سے خوشی سے مٹھائی وغیرہ منگوا کر تقسیم کرے تو کوئی حرج نہیں، البتہ ایسے موقع پر مسجد کے آداب کی خصوصی رعایت رکھی جائے لیکن باقاعدہ چندہ کیلئے لوگوں کے پاس جانا درست نہیں کیونکہ عموماً لوگ شرم کے مارے طیب نفس کے بغیر چندہ دے دیتے ہیں، جسکو شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔

لمافی المشکوۃ:(۲۵۵/۱،طبع سعید)

لایحل مال امرء ی الا بطیب نفس منه.وکذافی فتاوی محمودیه:(۲۲/۱-۲۵،طبع مظهری)وایضافی تالیفات رشیدیة:(ص۲۲۳،طبع ادارة الاسلامیة لاهور)وایضافی فتاوی رحیمیه:(۲۵۹/۱،طبع دارالاشاعت)وایضافی فتاوی حقانیه:(۸۱/۲-۸۲)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۱۱۶

﴿فوتگی کے ایام میں ایصال ثواب کی خاطر کھانا کھلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب کسی کے ہاں فوتگی ہوجائے تو میت کے ورثاء پہلے دن چاول پکا کر نماز جنازہ کے بعد لوگوں کو کھلاتے ہیں ایسے صدقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ فوتگی کے شروع کے تین روز سوگ اور غم کے دن ہیں شریعت مطہرہ ان دنوں میں دیگر مسلمانوں خصوصاً پڑوسیوں کو سفارش کرتی ہے کہ اہل میت کے کھانے کا انتظام کریں آپکے علاقے میں خود اہل میت اگر پہلے روز چاول وغیرہ پکا کر لوگوں کو ایصال ثواب کی غرض سے کھلاتے ہیں تو اس سے شریعت کا مذکورہ بالا حکم بے معنی ہوجاتا ہے کہ اہل میت کے کھانے کا انتظام دیگر لوگ کریں اور یہ لوگ عام لوگوں کے کھانے کا انتظام کریں ایصال ثواب حق ہے اور

اسکی مختلف صورتیں ہیں کھانا کھلانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ بیواؤں یتیم بچوں اور غریبوں کی مدد کریں یا ذکر و تسبیح نماز، روزہ کا ایصال ثواب کریں کھانا کھلانے کی صورت میں دکھلاوے کا جذبہ اگر شامل ہوا تو بیکار ہو جائیگا، نیز اسکے لئے شروع کے دنوں کو خاص کر دینے سے آہستہ آہستہ لوگ میت کا واجب حق تصور کرینگے اور اسکا اہتمام نہ کرنے والوں پر ناراضگی کا اظہار کریں گے اس طرح کی رسومات سے بے شمار مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں علاقہ کے علماء کو چاہئے کہ اس رسم کو جلد ختم کرنے کی کوشش کریں۔

ولما فی الشامی:(۱۲۸/۲،طبع امدادیہ)

(وباتخاذ طعام لهم)قال فی الفتح ويستحب لجيران اهل الميت والاقرباء الاباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله ﷺ اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء هم مايشغلهم ،، حسنه الترمذي وصححه الحاكم ولانه بر ومعروف ويلح عليهم فی الاكل لان الحزن يمنعهم من ذلک فيضعفون...... ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة وروى الامام احمد وابن ماجة باسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال كنانعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة،اه وفی البزازية:ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم..... وفيهامن كتاب الاستحسان:وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنااه واطال فی ذالک فی المعراج وقال وهذه الافعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لانهم لايريدون بها وجه الله تعالى اه ..... ولا سيما اذا كان فی الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذالک غالبا من المنكرات الكثيرة كايقاد الشموع ..... واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن وغير ذالک مما هو مشاهد فی هذه الازمان وما كان كذالک فلا شک فی حرمته وبطلان الوصية به ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.هكذافی مراقی الفلاح:(ص ۲۲۲،طبع قديمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۲۹ھ | فتویٰ نمبر ۱۹۱۶

﴿قبروں کو بوسہ دینا جائز نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

عبداللہ یہ کہتا ہے کہ قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے، اور اس میں اس قبر والے یعنی میت سے اظہار عقیدت ومحبت ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا عبداللہ کا یہ قول صحیح ہے؟ مستفتی: ناصر حسین

﴿جواب﴾ عبداللہ کا یہ کہنا کہ قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے اور اس میں اس قبر والے سے اظہار عقیدت ومحبت ہے صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ عقیدت ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو فائدہ پہنچائے اور نقصان سے بچائے اور قبر کو بوسہ دینے سے میت کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ ہاں ایصال ثواب سے میت کو بلاشبہ ثواب پہنچ سکتا ہے، لہذا اس عقیدے سے قبر کو بوسہ دینا یا مس کرنا کہ یہ شرعاً پسندیدہ عمل ہے بدعت ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے، یہ عقیدہ نہ ہو صرف جذبات کو تسکین دینے کیلئے اپنے اختیار سے کوئی ایسا کرتا ہے تو بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ رہا ہے اور انکے طور طریقوں کو اپنانے سے شریعت نے سختی سے منع کیا ہے۔

لمافی الشامی:(۱۵۴/۲، طبع امدادیه)

ویکره النوم عندالقبر وقضاء الحاجة بل اولی وکل مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الازیارتها والدعاء عندها قائما

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(ص۱۲۰ طبع قدیمی)

ولا یمس القبر ولایقبله فانه من عادة اهل الکتاب ولم یعهد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصة وتمامه فی الحلبی.

ولمافی الحلبی:(ص۶۰۸ طبع سهیل اکیڈمی)

وفی القنیة قال ابوالليث لایعرف وضع الید علی القبر سنة ولامستحبا ولانری به باسا وقال علاء الدین التاجری هکذا وجدناه من غیر نکیر من السلف وقال شرف الائمة بدعة ۔۔ ولم یعهد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصة وکذافی التاتارخانیة: (۲۲۲/۲، طبع قدیمی) وکذافی الفقه الاسلامی وادلته:(۵۴۲/۲، طبع رشیدیه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: عبدالرزاق غفرلہ

۱۰ صفر الخیر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۹۲

﴿جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے آگے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ نیز بعض لوگ نعت

وغیرہ پڑھتے ہیں۔ برائے کرم اسکا حکم بھی بیان فرمائیں۔ مستفتی فضل ربی

﴿جواب﴾ جنازے کے ساتھ خاموشی کے ساتھ چلنے کا حکم ہے بلند آواز سے خواہ کلمہ طیبہ کا ذکر ہو منع ہے بعض تو باقاعدہ کلمہ شہادت کا نعرہ لگاتے ہیں اور جلوس کا نظارہ پیش کرتے ہیں یہ جہالت ہے ذکر منع نہیں ہے دل ہی دل میں ذکر کریں مرحوم کیلئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور اپنی موت کو یاد کریں شور مچانا عبرت حاصل کرنے کے خلاف ہے۔

لمافی الدر المختار:(۲/۲۳۳،طبع ایچ ایم سعید)

کما کرہ فیہا رفع صوت بذکر أو قرأۃ ولمافی الشامیۃ تحتہ وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فان أراد ان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالی انہ لایحب المعتدین ای الجاھرین بالدعاء وعن ابراھیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وھو یمشی معھا:استغفروالہ غفر اللہ لکم قلت:واذا کان ھذافی الدعاء فماظنک بالغناء الحادث فی ھذاالزمان.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:عبدالرزاق عفااللہ عنہ

۱۳رجب المرجب ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر:۱۶۸۱

﴿ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی وضیافت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے متعلق میں کہ ہمارے ہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے گھر والے ایک ضیافت کرتے ہیں جس میں ہر طرح کے آدمی یعنی امیر وغریب دونوں طبقے کے لوگ اس ضیافت میں شریک ہوتے ہیں اور اس وقت ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی بھی کرتے ہیں، کیا اس قسم کی ضیافت شرعاً جائز ہے اور اس پر اجر وثواب ملے گا یا مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے تو مکروہ کی کونسی قسم ہے تحریمی یا تنزیہی؟

﴿جواب﴾ چونکہ اس قسم کی ضیافت اکثر مشترکہ ترکہ میں سے کی جاتی ہے جس میں نابالغ یا غائب کا مال بھی خرچ ہوتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر شرکاء موجود اور بالغ ہیں لیکن ان میں سے بعض اجازت نہیں دیتے یا بادل نخواستہ رواجاً اجازت دے دیتے ہیں تب بھی جائز نہیں مکروہ تحریمی اور بدعت سیئہ ہے، احناف کے علاوہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں بھی اس قسم کی ضیافت مکروہ اور ناجائز ہے۔

رہا قرآن خوانی کا مسئلہ تو اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ شہید اسلام علامہ محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ حافظ سیوطیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک میت کو قرآن کریم کا ثواب پہنچتا ہے" (ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۳) اس لئے میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھنا تو بلاشبہ درست ہے لیکن اس میں چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

اول یہ کہ جو لوگ بھی قرآن خوانی میں شریک ہوں ان کا مقصد محض رضائے الٰہی ہو، اہل میت کی شرم اور دکھاوے کی وجہ سے مجبور نہ ہوں اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی نکیر نہ کی جائے بلکہ انفرادی تلاوت کو اجتماعی قرآن خوانی پر ترجیح دی جائے کہ اس میں اخلاص زیادہ ہے۔

دوم یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت صحیح کی جائے، جلدی پڑھنے کی وجہ سے غلط سلط نہ پڑھا جائے۔

سوم یہ کہ قرآن خوانی کسی معاوضہ پر نہ ہو ورنہ قرآن پڑھنے والے کو خود ثواب نہیں ہوگا میت کو کیا ثواب پہنچائیں گے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ قرآن خوانی کے لئے دعوت کرنا اور صلحاء وقراء کو ختم کے لئے یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص کی قراءت کے لئے جمع کرنا مکروہ ہے خلاصہ یہ نکلا کہ اجتماعی قرآن خوانی میں اگر ان امور کا لحاظ ہو تو گنجائش ہے ورنہ جائز نہیں مکروہ اور بدعت ہے۔

لمافی الشامی:(۲/۲۴۰-۲۴۱،طبع سعید)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة. وروى الامام احمد وابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبدالله قال: (كنا نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة) اه. وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام الى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقرأة سورة الانعام أو الاخلاص. والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لأجل الأكل يكره. وفيها من كتاب الاستحسان: وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا. وأطال في ذلك في المعراج وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لانهم لا يريدون بها وجه الله تعالى. اه وبحث هنا في شرح المنية بمعارضة حديث جرير المار بحديث آخر فيه ((أنه عليه الصلاة والسلام دعته امرأة رجل ميت لما رجع من دفنه فجاء وجئ بالطعام)) أقول: وفيه نظر: فانه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص بخلاف

مافی حدیث جریر علی أنه بحث فی المنقول فی مذهبنا ومذهب غیرنا کالشافعیة والحنابلة استدلالاً بحدیث جریر المذکور علی الکراهة ولاسیما اذا کان فی الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع والقناديل التي توجد في الأفراح، وكدق الطبول، والغناء بالأصوات الحسان واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الأزمان، وما كان كذلك فلا شك في حرمته وبطلان الوصية به، ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: صلاح الدین ڈیروی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۱

﴿صاحب مزار سے بیٹا مانگنا شرک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ ہمارے علاقے میں بعض سادہ لوح مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب کسی کا بچہ نہ ہو تو وہ فلاں بزرگ کے مزار پر جائے، رات گزارے اور اس سے دعا کرائے تو بیٹا پیدا ہو جائے گا، نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مزار کے قریب سے جوتے اتار کر اس میں داخل ہونا چاہیئے۔

اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ واپسی پر پشت مزار کی طرف نہیں ہونی چاہیئے بلکہ الٹے قدموں ادب اور احترام کے ساتھ واپس ہونا چاہیئے، مذکورہ بالا صورتوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) بزرگ کی زیارت کے لئے جانا، وہاں جا کر دعا کرنا اور ان کے لئے ایصال ثواب کرنا درست ہے ان کے توسل سے دعا مانگنا بھی جائز ہے لیکن ان بزرگوں سے اپنی مرادیں مانگنا ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا شرک ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔

اس طرح اس عقیدے کے ساتھ جانا کہ فلاں ولی کے مزار پر ایک رات گزاریں گے اور ان سے دعا کروائیں گے تو بچہ ملے گا، جاہلانہ عقیدہ ہے، گویا مزار پر رات گزارنے سے بچے کا ملنا ضروری اور یقینی ہو گیا یہ بہت غلط سوچ ہے، مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے وہ مختار کل ہے چاہے کسی بزرگ سے دعا کروانے یا توسل پکڑنے پر مراد پوری کرے یا نہ کرے۔

(۲) شریعت مطہرہ نے قبروں کے معاملے میں افراط وتفریط کی اجازت نہیں دی ہے،

چنانچہ قبروں کی تعظیم میں نہ حد درجہ مبالغہ سے کام لیا جائے اور نہ ہی اہانت اور بے حرمتی کو روا رکھا جائے، احادیث مبارکہ میں قبروں پر بیٹھنے، ان کو روندنے اور ان میں گندگی پھیلانے کی ممانعت آئی ہے، اس طرح پختہ قبر بنانے، ان پر قبہ تعمیر کرنے اور رنگ و روغن کرنے کو بھی منع کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

جامع الترمذي:(۱۲۵/۱،طبع فاروقی ملتان)

ولا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها. نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليه.

آج کل مزارات کی تعظیم میں جو حد درجہ غلو ہو رہا ہے جیسے قبروں پر غلاف ڈالنا، چراغ جلانا، طواف کرنا، چومنا اور الٹے قدم لوٹنا سب بدعت اور ناجائز ہیں شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم و: محمد عزیز چترالی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۳۱

﴿صرف اردو خطبہ پر اکتفاء کرنا بدعت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ جمعہ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں پڑھنا کیسا ہے؟ نیز خطبہ میں فارسی اور اردو کے اشعار پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ خطبہ جمعہ عربی میں دینا ضروری ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی دوسری زبان میں خطبہ دینے سے شرط کے درجہ میں اگرچہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے لیکن جائز نہیں ہے، دوران خطبہ اردو فارسی کے اشعار پڑھنا بھی خلاف سنت اور ناجائز عمل ہے خطبہ واجب عمل ہے اس میں مسنون ترتیب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لمافی عمدة الرعاية:(۲۲۲/۱،طبع امدادیہ)

لاشک فی ان الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريما وكذا قراءة الاشعار الفارسية والهندية فيها وقد فصلنا هذا المقام فی رسالتنا آكام النفائس فی اداء الاذكار بلسان الفارس.

ولمافی التنویر وشرحه:(۱۵۰/۲،طبع ایچ ایم سعید)

وهل هی قائمة مقام ركعتين الاصح لا ذكره الزيلعی بل كشطر عافی الشراب وفی

[illegible] (۲۲۲/۱)

الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ

واللہ اعلم بالصواب محمد ... ن

فتویٰ نمبر ۱۵۸۹

﴿چالیسویں کی حقیقت اور اسکے متعلق چند سوالات﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل چند مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) چالیسواں جس کو بدعت قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ (۲) اگر کوئی شخص کسی خاص دن اور خاص کیفیت کی رعایت کئے بغیر اپنی برادری والوں کو اور دیگر فقراء و مساکین کو ایصال ثواب کی غرض سے کھانا کھلادے تو اس کا وہی حکم ہوگا جس میں ایک خاص تاریخ مثلا چالیسواں ضروری سمجھنا اور دیگر مفاسد مثلا ایصال ثواب کیلئے صرف اسی کام کو ضروری سمجھنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کے بغیر ایصال ثواب ہوتا ہی نہیں یا اس میں زیادہ ثواب ہے دوسرے کاموں میں کم ہے، کیا دونوں صورتوں میں فرق ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی شخص ایصال ثواب کیلئے چالیسواں کرے اور اس کیلئے خاص چالیسواں دن ضروری سمجھتا ہو اور چالیسویں روز کا اہتمام کرے تو اس کا کھانا حلال ہے یا مکروہ اگر حرام ہے تو تیار شدہ کھانا ضائع کیا جائے یا مساکین کو کھلا دیا جائے؟ تو مساکین کیلئے جائز ہوگا؟

(۴) ایک خاص صورت کے متعلق سوال ہے وہ یہ کہ ایک مقتدی نے امام صاحب سے معلوم کیا کہ آپکے بیان کے مطابق میں چالیسواں بدعت سمجھتا ہوں لیکن گھر میں دیگر افراد کا اصرار ہے کہ چالیسواں کرینگے خصوصا والدہ صاحبہ ضعیف العمر ہیں اور انکو سمجھانا مشکل ہے اور ہم انکو ناراض نہیں کر سکتے تو اب کیا صورت اختیار کرلیں کوئی ایسی صورت بتادیں کہ والدہ صاحبہ بھی ناراض نہ ہوں اور ہم بدعت کے ارتکاب سے بھی بچ جائیں۔

امام صاحب نے کہا کہ چالیسواں کرنا چونکہ لوگ ضروری سمجھتے ہیں اور خاص دن میں ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے کسی عمل میں ثواب نہیں سمجھتے اسلئے یہ عمل بدعت ہے اور اسکا چھوڑنا ضروری ہے، تاہم ان مخصوص حالات کے پیش نظر کہ اگر بالکل سختی سے کام لیں گے تو اس سے زیادہ قوی فتنے کا اندیشہ ہے اسلئے آپ اسطرح کریں کہ کسی خاص دن کی تعیین نہ کریں اور صرف اسی میں ثواب نہ سمجھیں بلکہ مدارس یتیموں اور بیواؤں کا بھی حصہ کریں دوسرے طریقے سے بھی ان کی مدد کریں۔

چنانچہ شخص مذکور نے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے دارالعلوم اشرف العلوم، قاسم العلوم اور علاقے کے دیگر تمام مدارس میں کھانا پہنچایا اور زندہ بکرے بھی دیئے اور دینی کتب خرید کر ایصال ثواب کیلئے ایک عالم کو دیں اور بیواؤں یتیموں اور دیگر مساکین کی مدد کی اور کسی دن کی تعیین کئے بغیر والدہ صاحبہ اور بھائیوں کے مطالبہ سے کھانا بھی برادری کے لوگوں میں اور دیگر مساکین کو کھلایا تو اس صورت کے متعلق کیا جواب ہے؟ کیا اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو چالیسویں کا ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) چالیسواں جو بدعت ہے اس سے مراد وہ کھانا ہے جو میت کے مرنے کے چالیسویں دن پکایا جاتا ہے چونکہ لوگ اس میں دوسرے ایام کے نسبت زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر نکیر کرتے ہیں اسوجہ سے یہ بدعت ہے اس کے علاوہ اس میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلاً نابالغ کی حق تلفی اور غائب ورثاء کی اجازت کے بغیر میت کے ترکے سے صدقہ کرنا وغیرہ، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

(۲) البتہ پہلی قسم جسکا سوال میں ذکر ہے، اس میں اس قسم کی خرابیاں نہیں ہیں تو اس قسم کے صدقے کرنے سے میت اور صدقہ کرنے والے دونوں کو ثواب ملتا ہے جبکہ دوسری قسم میں بدعت کیوجہ سے صدقہ کرنے والا گنہگار ہوگا یہی فرق ہے دونوں طریقوں میں۔

(۳) اگر صدقہ مال حلال سے کیا ہو تو کھانا حلال ہے فی نفسہ کھانے میں کوئی خرابی نہیں ہے، البتہ اچھا طریقہ اختیار نہ کرنے کیوجہ سے یہ کھانا فقراء ومساکین کو کھلانا چاہئے مقتداء لوگوں کو اس سے نہیں کھانا چاہئے۔

(۴) امام صاحب نے جو صورت ذکر کی ہے اسمیں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ یہ مذکورہ بدعت کے حکم میں ہے بلکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ میت کے ایصال ثواب کی خاطر جو صدقہ کیا جائے جسمیں کسی خاص دن کی تعیین اور فقط اس میں زیادہ ثواب سمجھنا اور نہ کرنے والوں پر نکیر وغیرہ کے بدعات نہ ہوں، تو اسکا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور صدقہ کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔

لما فی الشامی:(۲/۲۴۰،طبع سعید)

ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی شرور وهی بدعة مستقبحة وروی الامام احمدؒ وابن ماجة با سناد صحیح عن جریر بن عبدالله رضی الله عنه کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة.

ولما فی البزازیة بهامش هندیة:(۴/۸۱،طبع رشیدیه)

ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام فی المواسم الی القبر.

ولما فیها ایضا:(۶/۳۴۹،کتاب الاستحسان،طبع رشیدیه)

وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا واطال فی ذالک فی المعراج وقال هذه کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها لانهم لا یریدون بها وجه الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عبیداللہ عابد غفرلہ ولوالدیہ

ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر: ۲۰۰۳

﴿یا محمد ﷺ، یارسول اللہ ﷺ لکھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام درج ذیل مسئلہ میں کہ میں پینٹر ہوں، میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں جو بورڈ وغیرہ پر یا اللہ جل جلالہ، یا محمد ﷺ، یارسول اللہ ﷺ الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ لکھوانے پر اصرار کرتے ہیں تو کیا میرے لئے ان کلمات کا لکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟   مستفتی: عبدالرشید شاہکار پینٹر دہلی کالونی

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا الفاظ کا لکھنا اگر چہ فی نفسہ جائز ہے لیکن پاک وہند میں چونکہ یہ خاص جماعت کا شعار بن چکا ہے اور اسکے پیچھے ایک عقیدے کا اظہار بھی ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر ناظر ہیں حالانکہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے، اس لئے معذرت کرنی چاہیئے۔

لما فی البزازیة بهامش الهندیة:(۳۲۶/۶،طبع رشیدیه)

قال العلامة ابن البزازؒ:عن هذاقال علمائنامن قال أرواح المشایخ حاضرة یکفر.

ولمافی الفقه الأکبر:(ص۲۵۳،طبع العلمیة،بیروت)

ومنهاماقال العلامةمُلاعلی القاریؒ:وبالجملة فالعلم بالغیب أمرتفرّدبه سبحانه ولا سبیل للعبادالیه الاباعلام منه والهام بطریق المعجزة،أوالکرامة أوالارشادالی الاستدلال بالامارات فیمایمکن فیه ذلک ولهذاذکرفی الفتاوی أن قول القائل عندرؤیة القمرأی دائرته یکون مطرمدعیاًعلم الغیب لابعلامة کفرحکم تصدیق الکاهن الخ،وکذافی الدرمع الرد:(۲۵۹/۲،طبع سعید)

ولمافی تفسیرابن کثیر:(۳۴۴/۴،طبع رشیدیه)

تحت قوله تعالٰی ان الذین ینادون من ورآء الحجرٰت أکثرهم لایعقلون قال العلامة ابن کثیررحمه الله تعالٰی: وقدذکرأنهانزلت فی الاقرع بن حابس التیمی فیماأورده غیر واحد.قال الامام احمدفی سنده حدثناعفان،حدثناوهیب،حدثناموسی بن عقبةعن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن عن الاقرع بن حابس رضی الله عنه انه نادی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یامحمدیامحمدوفی روایة یارسول الله فلم یجبه الخ.

ولماایضا فی تفسیرروح المعانی:(۱۳۹/۲۶،طبع رشیدیه)

تحت قوله تبارك وتعالی:وقیل ان الذی نادی رجل واحدکماهوخبرأخرجه الترمذی وحسنه وجماعة عن البراء بن عازب،وماأخرجه أحمد وابن جریروأبوالقاسم البغوی. والطبرانی وابن مردویه بسندصحیح من طریق أبی سلمة بن عبدالرحمن عن الاقرع بن حابس أنه اتی النبیﷺ فقال:یامحمداخرج الینافلم یجبه علیه الصلاة والسلام.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم بالصواب:عبدالرحمٰن کوئٹہ

۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۱۸۷۸

﴿دفن کے بعد قبر کے پاس اجتماعی دعا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ مردے کو دفنانے کے بعد عند القبر ایصال ثواب اوراجتماعی دعاء کا ثبوت ہے یا نہیں؟ مستفتی: آصف محمود بلدیہ کراچی

﴿جواب﴾ میت کو دفنانے سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس اجتماعی دعاء مانگنا بلاشبہ جائز اوراحادیث سے ثابت ہے بلکہ دعاء بھی ایصال ثواب کی ایک صورت ہے تو اس نوعیت کی

حد تک ایصال ثواب جائز ہے لیکن اس کے لیئے مروجہ طریقہ کے مطابق باقاعدہ تقریب منعقد کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ابوداود کی روایت ہے: (۲/۱۰۵، طبع رحمانیہ)

عن عثمان بن عفان رضی الله عنه قال كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم واسألوا الله له التثبيت فانه الآن يسئل

جب آنحضرت ﷺ کسی میت کی دفن سے فارغ ہو جاتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیئے ثابت قدمی کی دعا کرو اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ ابوداود کی مندرجہ بالا روایت کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کفایت المفتی: (۴/۵۹، طبع)

''ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا فرماتے تھے''۔

کیونکہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر اور توقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت اور مغفرت کے لیئے خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کرنے کا حکم فرماتے تھے کیونکہ "فانه الآن يسئل" اسکا قرینہ ہے پس تھوڑی دیر سب کا توقف کرنا اور حاضرین کو اسی وقت دعا اور استغفار کا حکم فرمانا اور سب کا موجود ہونا اور اس وقت کا وقت قرب سوال نکیرین کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سب حاضرین کی دعا ایک وقت میں اجتماعا ہوتی تھی اور یہی معمول و متوارث ہے لیکن واضح رہے کہ یہ اجتماع جو حدیث سے ثابت ہے، اجتماع قصداللدعا یہ بھی نہیں ہے بلکہ اجتماع قصدی دفن کے لئے ہے اگرچہ بسبب امور متذکرہ بالا وقت دعا بھی اجتماعی طور پر ہوگئی۔

لمافی مشکوۃ المصابیح: (ص ۱۴۹، طبع قدیمی)

عن عمرو بن العاص قال لابنه وهو فی سياق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحة ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقيموا حول قبری قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتی استانس بكم واعلم ماذا اراجع رسل ربی (رواه مسلم)

ولما فی المرقاۃ: (۲/۱۴۲، طبع رشیدیه)

(حتی استانس بكم) ای بدعائكم واذكاركم وقرائتكم واستغفاركم.

ولمافی الھندیۃ:(۱/ ۱۶۶،طبع رشیدیہ)

ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعۃ عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا ویتلون القرآن ویدعون للمیت کذا فی الجوہرۃ النیرۃ

ولمافی الدر مع الرد:(۲/ ۲۳۷،طبع سعید)

وجلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ لما فی سنن ابی داود کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسال اللہ لہ التثبیت فانہ الآن یسئل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۴۶

﴿مزاروں پر غیر شرعی امور کے ارتکاب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے چند رشتہ دار ہر سال ایک متعین تاریخ پر مزاروں پر جاتے ہیں وہاں پر مندرجہ ذیل کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں قبر والے سے اپنی مراد طلب کرنا قبر پر چادر چڑھانا اور مزار والے کے نام پر دیگ چڑھانا۔ از روئے شرع اسکی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: عادل حسین ڈی ایچ اے کراچی

﴿جواب﴾ شریعت نے قبروں کے معاملے میں افراط وتفریط کو روا نہیں رکھا چنانچہ جہاں انکی بے حرمتی سے منع فرمایا ہے، انکی تعظیم میں مبالغہ وغلو کرنے سے بھی، مذکورہ بالا امور میں چونکہ انکی تعظیم میں حد سے زیادہ مبالغہ اور غلو ہے اسلئے ان امور سے بچنا ضروری ہے۔

(۱) قبر والے کو مؤثر حقیقی سمجھ کر کوئی مراد طلب کرے تو یہ شرک ہے "ایاک نستعین" اقرار کے منافی ہے اور محض سفارشی سمجھ کر بطور وسیلہ اس سے مراد پوری کرنے کی کوئی دعا کرے تو یہ شرک اگرچہ نہیں ہے لیکن شرک اور کبیرہ گناہوں کی طرف مفضی ضرور ہے، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

(۲) قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں یہ بھی حد سے زیادہ انکی تعظیم ہے جو کہ منع ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ، وتابعینؒ اور ائمہ ھدیٰ کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی۔

لمافی ردالمحتار:(۲/۲۲۸،طبع سعید)

"فی الاحکام عن الحجۃ تکرہ الستور علی القبور."

(۳) قبر والے کے نام پر دیگ چڑھانا یا منت ماننا ہرگز جائز نہیں، اسلئے کہ نذر و منت ماننا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، ہاں ایصال ثواب کی غرض سے فقراء میں تقسیم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اصل عمل اللہ تعالیٰ ہی کے نام پر ہو اور ثواب قبر والوں کو پہنچانا مقصود ہو تو یہ صورت جائز ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۲/۴۳۹-۴۴۰،طبع ایچ ایم سعید)

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفھا للفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک لا سیما فی ھذہ الاعصار وقد بسطہ العلامۃ قاسم فی درر البحار.

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۴رجب المرجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۷۴۳

﴿جمعہ کی نماز کے بعد ذکر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا عین عبادت ہے اور ہر حال میں کرنا چاہیئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد درود وسلام کے بجائے اسپیکر پر رب تعالیٰ کا ذکر اجتماعی شروع کردیں تو کیا یہ بھی بدعت کے دائرہ میں آتا ہے؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: عبدالعزیز سنہری مسجد

﴿جواب﴾ نماز کے اوقات میں جب لوگ نماز میں مشغول ہوں مسجد میں بلند آواز سے ذکر درود شریف اور تلاوت وغیرہ سب منع ہیں، اس سے نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے بلکہ نماز میں خلل آنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے جبکہ درود شریف ذکر تلاوت وغیرہ کوئی آہستہ کرے تب بھی پورا بلکہ جہر سے زیادہ ثواب ملتا ہے جمعہ کے بعد بھی کوئی درود وسلام پڑھے خواہ اجتماعی طور پر یہ عمل کرے تو بلا شبہ باعث اجر و برکت ہے لیکن عبادت کے طرز پر ہو نمود و نمائش کے طرز پر نہ ہو،

لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے میں عبادت کا طرز باقی نہیں رہتا اسکے علاوہ محلے میں رہائشی لوگوں کیلئے تشویش کا بھی باعث ہوتا ہے، اس لیے منع ہے۔

لمافی الصحیح لمسلم:(۲۱۱/۱،طبع قدیمی)

قال لاتختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولاتختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الاان یکون فی صوم یصوم احدکم.

ولمافی البحر الرائق:(۱۵۹/۲،طبع سعید کمپنی)

اذلایمنع من ذکر اللہ بسائر الالفاظ فی شئی من الاوقات بل من ایقاعہ علی وجہ البدعۃ،فقال ابوحنیفۃ رفع الصوت بالذکر بدعۃ... ذکر اللہ تعالی اذاقصدبہ التخصیص بوقت دون وقت اوبشئی دون شئی لم یکن مشروعا حیث لم یرد الشرع بہ لانہ خلاف المشروع.

ولمافی الشامی:(۳۹۸/۶،طبع سعید کمپنی)

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعود انہ اخرج جماعۃ من المسجد یہللون ویصلون علی النبی ﷺ جہرا وقال لہم (ماارا کم الامبتدعین)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ　　　فتوی نمبر: ۲۶۱۷

﴿رسومات محرم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ محرم کی پہلی تاریخ سے صفر کی دس تاریخ تک کوئی بھی دن مقرر کر کے شربت اور حلیم کی محفل منعقد کرتے ہیں اور اس عمل میں لوگوں کے دو طرح کے نظریے ہیں:

(۱) بعض کہتے ہیں کسی صحابی یا تابعی کی نیاز ہے انکے نام کی ہے یا کسی ولی یا بزرگ کی نیاز ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ کہتا ہے کہ بس ایسے ہی بنالیا یا اللہ کے نام پر بنایا ہے لیکن انکی مجلس میں اور اوپر والوں کی مجلس میں کوئی بھی مستحق نہیں ہوتا بلکہ دوست احباب عزیز واقارب اور پڑوسیوں کو دعوت دی جاتی ہے کھانے والے عموماً فقراء ومساکین نہیں ہوتے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ تمام معاملات ان دنوں میں کرنا اور اس حلیم اور شربت کا کھانا پینا شریعت کی رو سے کیسا ہے جبکہ ان دنوں اہل تشیع کا بھی یہی معمول ہوتا ہے اور سنی بھائی بھی اسمیں مشغول رہتے ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ہم مسلمانوں کی رہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ اللہ کی رضا کے لیے صدقہ وخیرات فقراء پر کرنا بہترین عمل ہے جسمیں دن اور وقت کی کوئی تعین نہیں اللہ توفیق دے تو پورا سال کریں۔

لیکن مسئولہ صورت میں ایام کا طے کرنا اور یہ سمجھنا کہ بس ان ایام میں یہ خیر کا کام کیا جا سکتا ہے خصوصاً حلیم وشربت اور رائج طریقے ہی ثواب کے ہیں تو یہ عمل بلاشبہ بدعت ہے اس سے گریز کرنا ضروری ہے لیکن اللہ کے نام کے علاوہ کسی بزرگ ولی یا نبی کے نام پہ کرنا جبکہ ان کا احترام مقصود ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے۔

دوسرے طبقے کا عمل اگر خاص انہی دنوں میں ہے تو چاہیئے کہ ان دنوں کہ علاوہ بھی سال بھر میں مختلف اوقات میں کرتے رہیں زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ان دنوں میں نہ کریں باقی غریبوں کے علاوہ امیروں کو بھی کھلا سکتے ہیں۔

لمافی قوله تعالى:(پارہ۲،سورۃ البقرۃ،آیت ۱۷۳)

انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله۔ ۔ الاية.

ولمافی قوله تعالى:(پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب، رکوع ۲، آیت ۲۱)

لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة..... الأية.

لمافی صحيح البخاری:(۱۰۹۲/۲ طبع قدیمی)

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهورد.

ولمافی مشكوة المصابيح:(۳۱/۱،طبع سعید)

عن حسان قال: ما ابتدع قوم بدعة فى دينهم الا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا يعيدها اليهم الى يوم القيمة.

ولمافی الشامی:(۴۳۹/۲ طبع ایچ ایم سعید)

واعلم ان النذر الذی يقع للاموات من اكثر العوام وما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت و

نحرو ھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصد وا صرفھا للفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۲۸ صفر الخیر ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۶۸

﴿سوگ کو ختم کرنے کے لئے اجتماعی طور پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) سوگ کم از کم کتنے دن ضروری ہے؟ کیا تیسرے دن دفتر وغیرہ جانا غیر شرعی ہے؟

(۲) سوگ کو ختم کرنے کے لئے تیسرے یا چوتھے دن سب لوگ گھر یا مسجد میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اسکی شرعی حیثیت کیا ہے نیز ایسی مجالس میں شامل ہونا کیسا ہے؟

مستفتی: حاجی نصیر احمد ڈی ایچ اے فیز ۲ کراچی

﴿جواب﴾ (۱) جاننا چاہیئے کہ کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں ہے، احادیث مبارکہ میں تین دن سے زیادہ سوگ منانے کی ممانعت آئی ہے، البتہ بیوہ عورت کو اپنے شوہر کے فوت ہو جانے پر چار ماہ دس دن کے سوگ کا حکم ہے، لہٰذا تیسرے دن دفتر جانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ کسی علاقہ میں اگر تیسرے دن دفتر جانے کو برا جانتے ہوں تو اس کے خلاف کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

لما فی صحیح للبخاری: (۲/۲۱۴، کتاب الطلاق طبع رحمانیہ)

اخرج البخاری عن حمیدبن نافع عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت زینب دخلت علی ام حبیبۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی ابوھا ابوسفیان بن حرب فدعت ام حبیبۃ بالطیب فیہ صفرۃ خلوق اوغیرہ فدھنت منہ جاریۃ ثم مست بعارضیھا ثم قالت واللہ مالی بطیب من حاجۃ غیر انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشر.

(۲) اپنے طور پر صدقات نافلہ، تلاوت، تسبیح وغیرہ کا اہتمام کر کے میت کے لئے ایصال ثواب کرنا بلاشبہ احادیث سے ثابت ہے سوگ کو ختم کرنے کے لئے تیسرے یا چوتھے دن میت

کے گھر یا مسجد میں اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا اور اسکا باقاعدہ اہتمام کرنا کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے،ایصال ثواب کے لئے ایام کی تعیین اور سوگ وغیرہ کو ختم کرنے کے لئے رسوم اور قیود کی پابندی کرنا شریعت اور دین حنیف کے مزاج کے خلاف ہے،دراصل یہاں پر شرعی حکم پر رسم کا غلبہ ہوا ہے،اس لئے اسکو بدلنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔

لما فی صحیح البخاری:(۳۷۱/۱،طبع قدیمی)

عن عایشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد.

ولما فی الرد:(۲۴۰/۲،طبع سعید)

یکره اتخاذالطعام فی یوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذالدعوةلقرائةالقرآن الخ.

ولما فی الهندیة:(۱۶۷/۱،طبع رشیدیه)

ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثه ایام کذا فی التاتار خانیة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم:عبدالوہاب نعمانی

۱۴رجب المرجب ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر:۲۷۳۸

﴿مروجہ برسی منانے کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ مروجہ برسی منانے کی شرعی حیثیت کے بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔کیا عہد نبوی یا عہد صحابہ وتابعین میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے؟　　　مستفتی:محمد کاشان

﴿جواب﴾ فی نفسہ ایصال ثواب حق ہے اور اہلسنت والجماعت کے ہاں پسندیدہ ہے لیکن اس نیک عمل کے لیے لوگوں نے آجکل جو طریقہ وضع کیا ہے اس سے یہ عمل محض رسم ورواج اور دکھلاوا ہی رہ گیا ہے،چنانچہ سال بھر میں ایک خاص تاریخ میں باقاعدہ ''برسی،، کے نام سے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ہر علاقہ میں مختلف طریقے رائج ہو گئے ہیں بعض جگہ تو بے شمار منافی شریعت عمل اس نام سے کیے جاتے ہیں،اس لیے برسی اور اس طرح کے جتنے طریقے ایصال ثواب کے رائج ہو گئے ہیں ان کا چھوڑنا واجب ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے:کہ مرحوم سے تعلق رکھنے والوں کو چاہیئے کہ جب بھی موقع ملے سال بھر

ایصال ثواب کرتے رہیں انفرادی طور پر موقع ملے یا اس غرض سے نوافل پڑھ لیے، ذکر کردیا، کسی غریب کی مدد کردی، الغرض ہر نیک عمل کا ثواب مرحوم کو بخشا جاسکتا ہے، اجتماع کرنے اور لوگوں کو بلانے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے، ان طریقوں میں سراسر دشواریاں اور بلاوجہ کی پابندیاں ہیں، اس لیے برسی کے رواج کو ختم کرنا ضروری ہے اور سنت طریقہ سے ایصال ثواب کرنا چاہیے۔

لما في رد المحتار: (۲/۲۴۳، طبع سعید)

(مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له) الأفضل لمن يتصدق نفلا أن ينوي للمؤمنين والمؤمنات لأنها تصل اليهم ولا ينقص من أجره شئى

ولما في رد المحتار: (۲/۲۴۰-۲۴۱، طبع سعيد)

(مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت) يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة...... وفي البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام الى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الاخلاص والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره۔ وقال: هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله.

وفي الشامية على الامداد: وقال كثير من متأخري أئمتنا: يكره الاجتماع عند صاحب البيت ويكره له الجلوس في بيته حتى يأتي اليه من يعزي بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فليتفرقوا ويشتغل الناس بأمورهم وصاحب البيت بأمره.

قلت: وهل تنتفي الكراهة بالجلوس في المسجد وقراءة القرآن حتى اذا فرغوا قام ولي الميت وعزاه الناس كما يفعل في زماننا.؟ الا، لكون الجلوس مقصودا للتعزية لا للقراءة ولا سيما اذا كان هذا الاجتماع والجلوس في المقبرة فوق القبور المدثورة ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزل شاہ لکی مروت

۳ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ — فتوی نمبر: ۲۲۶۳

﴿مروجہ میلاد کی شرعی حیثیت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مروجہ میلاد النبی ﷺ کی ابتداء کب سے شروع ہوئی اور اس میں کیا کیا خرافات ہیں، جبکہ میلاد شروع کرنے سے

پہلے شرکاء میلاد آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں اور مختلف اقسام کے درود وغیرہ پڑھتے ہیں چراغاں اور طعام وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ از روئے شرع اسکی حقیقت بیان کریں۔

﴿جواب﴾ بلاشبہ آپ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت عین عبادت ہے اور آپ کے حالات، واقعات، اقوال، افعال کو پیش کرنا تا کہ لوگوں میں آپ ﷺ کی اتباع کا جذبہ بیدار ہو اور شریعت کیمطابق عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو، واقعی مفید بلکہ باعث نزول رحمت وبرکت ہے جبکہ مروجہ میلاد اس عنصر سے بالکل خالی ہوتا ہے یہاں تک کہ فرض نمازوں کو قضاء کر دیتے ہیں بجلی غصب کر لیتے ہیں اور روڈوں کو بلاک کر کے مسلمانوں کو اذیت دیتے ہیں اور کئی راتوں تک محلے والے سکون کی نیند سے بھی محروم ہو جاتے ہیں، اس لئے دراصل یہ شیطان کا ایک حربہ ہے تا کہ سادہ لوح مسلمانوں کو عشق رسول ﷺ کے نام سے دین سے دور رکھ سکے۔

مروجہ میلاد کی خیر القرون میں کہیں بھی کوئی نظیر دکھائی نہیں دیتی ہے چھ صدیوں میں اس بدعت کا کہیں بھی نام ونشان نہ تھا یہ بدعت ایک مسرف بادشاہ اور اس کے رفیق دنیا پرست مولوی کو ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری بن اربل (المتوفی ۶۳۰ھ) کو سوجھی، اس بادشاہ کے بارے میں ابن خلکان اور امام احمد بن محمد مصریؒ لکھتے ہیں:

كان ملكا مسرفا يأمر علماء زمانه ان يعملوا باستنباطهم واجتهادهم وان لا يتبعوا المذهب غيرهم حتى مالت اليه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء، ويحتفل لمولد النبي ﷺ في الربيع الاول وهو اول من احدث من الملوك هذا العمل. (بحواله راه سنت)

مروجہ میلاد میں مختلف قسم کے خرافات ہوتے ہیں، جیسے کہ شروع میلاد میں تمام شرکاء کھڑے ہوتے ہیں کہ سرکار ﷺ تشریف لے آئے آپ کے احترام میں کھڑے ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حاضر وناظر ہیں حالانکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ حاضر وناظر نہیں ہیں حاضر وناظر صرف صفت باری تعالی ہے۔

جب میلاد کا خیر القرون میں کہیں بھی ثبوت نہیں ملتا تو معلوم ہوا کہ مروجہ میلاد دین کے نام پر عوام کو بیوقوف بنانا اور صحابہ کرامؓ پر ایک قسم کا افتراء ہے کہ اگر یہ دین تھا تو خیر قرون کیوں اس سے خالی ہیں؟ حال ہی میں میلاد کے نام سے کئی قسم کے خرافات جنم لے رہے ہیں کہ بیت اللہ

وغیرہ کی شبیہ بنانا اور جلوس نعرہ وغیرہ اور اب تو اسمیں عید کی طرح نماز کا بھی اہتمام کیا جارہا ہے تو ہر سال بدعت در بدعت ہے۔ علامہ عبدالرحمن صاحب اپنے فتاوی میں تحریر کرتے ہیں

ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله والخلفاء والائمة

علامہ احمد بن محمد مصری مالکی لکھتے ہیں:

اتفق علماء المذاهب الاربعة بذم هذا العمل.(راہ سنت)

ولما في قوله تعالى:(پارہ ۲۱،سورۃ الاحزاب،ع ۲،آیت ۲۱)

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة الآية

ولما في صحيح البخاري:(۲/۱۰۹۲،طبع قدیمی)

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد

ولما في المشكوة:(۱/۳۱،طبع سعید)

ماابتدع قوم بدعة في دينهم الانزع الله من سنتهم ثم لايعيدها اليهم الى يوم القيامة.

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

هل افسد الدين الا الملوك واحبار سوء ورهبانها.

اب جس کی مرضی ہے کہ وہ خیر قرون کی اتباع کرتا ہے یا نفس پرست بادشاہ اور اسکے زر پرست مولوی کی (راہ سنت:ص ۱۶۴) یادر ہے ہر دور میں علماء حق نے میلاد کی تردید کی ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ — فتوی نمبر: ۲۶۱۸

﴿سالگرہ منانا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ہمارے علاقوں میں بھی دوسروں شہروں کی طرح بچوں کا سالگرہ منایا جاتا ہے اس میں رشتہ دار اور دوست احباب مدعو کئے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ تحائف بھی لے کر آتے ہیں اگر کوئی خالی ہاتھ جائے تو اسکو کم نظر سے دیکھا جاتا ہے اور بعض اسکو ملامت بھی کرتے ہیں کہ تم خالی ہاتھ آئے ہو وہاں کسی بڑی جگہ یا ہال میں سب مرد اور عورتیں بلا تمیز جمع ہو جاتے ہیں اور ایک بڑی میز کے گرد کھڑے ہو جاتے ہیں، بچہ ایک بڑا کیک کاٹتا ہے اور پھر تالیوں کی گونج میں سالگرہ مبارک کی آوازیں آتی

ہیں اور تحفہ تحائف کیساتھ ساتھ پر تکلف چائے اور دیگر لوازمات کا دور چلتا ہے، اور اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے بعض لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے تو قرض لیکر بھی اسکو مناتے ہیں اسکا شرعاً کیا حکم ہے؟ اسطرح کرنا جائز ہے؟ یا نہیں
مستفتی وسیم اختر سرائے نورنگ

﴿جواب﴾ سالگرہ منانا غیروں کی نقالی ہے، یہ صرف ایک گناہ نہیں بلکہ کئی بے ہودہ کاموں اور گناہوں پر مشتمل ہے سالگرہ منانے والے اور اس میں شرکت کرنے والے تمام سخت گناہ گار ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے فرمایا ہے کہ " سالگرہ منانے کی رسم انگریزوں کی جاری کی ہوئی ہے" (آپ مسائل اور انکا حل: ج ۲/ ۵۱۸)

(لمافی المشکوٰۃ ص: ۳۷۵) وعنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم

(لمافی المطلب العالیہ: ج ۲/ ۲۲) عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان لمن عملہ

(لمافی المرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ج ۴/ ۳۱ طبع بمبئی)

من تشبہ بقوم ای من شبہ نفسہ بالکفار مثلا فی اللباس وغیرھم اوبالفساق او لفجار او باھل التصوف والصلحاء الابرار (فھو منھم) ای فی الاثم والخیر۔

لمافی مجموعۃ قواعد الفقۃ: ص ۲۰۲ طبع میرمحمد)

البدعۃ ھی الامر المحدث الذی لم یکن علیہ الصحابۃ والتابعون ولم یکن مما اقتضاہ الدلیل الشرعی

(لمافی الشامی: ج ۱/ ۴۰۶ باب شروط الصلوۃ، مطلب فی سترالعورۃ طبع سعید کراچی)

ولانجیز لھن رفع اصواتھن ولا تمطیطھا ولا تلینھا وتقطیعھا لمافی ذالک من استمالہ الرجال الیھن وتحریک الشھوات منھم

(ولمافی مشکوٰۃ: ص ۲۵۵ طبع: سعید کراچی)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہٖ قال قال رسول اللہ ﷺ الا لاتظلموا الا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان والدار قطنی فی المجتبیٰ

(ولمافی قولہ تعالیٰ: (سورہ بنی اسرائیل: ۲۷)

ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربہ کفورا۔

ولمافی قولہ تعالیٰ: (سورہ الانفال ۳۵)

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون۔

(ولما فی در المختار:(ج:۶/۳۴۷،۳۴۸،طبع سعید کراچی)

قال العلامة الحصكفي: دعی الی ولیمة وثمة لعب او غناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائد فلا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضا لقوله تعالى فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين. وان علم اولا باللعب لا يحضر اصلا. لان حق الدعوة انما يلزمه بعد الحضور لا قبله ابن كمال۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفرلہ والولدیہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر: ۳۹۴۹

﴿تعویذ کا استعمال، گلے میں لٹکانے اور بازو پر باندھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ تعویذ کے بارے میں درست اور صحیح مسئلہ کیا ہے؟ بعض حضرات سختی سے منع کرتے ہیں، نیز تعویذ کو گلے میں لٹکانا یا بازو پر باندھنا درست ہے یا نہیں؟

مستفتی: آصف محمود گلشن غازی کراچی

﴿جواب﴾ جاننا چاہیئے کہ ایسے تعویذات جن میں شرکیہ کلمات ہوں یا ایسے کلمات ہوں جنکا معنی معلوم نہ ہو تو اس قسم کے تعویذات کا استعمال شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے جو حضرات منع کرتے ہیں وہ اس قسم کے تعویذات مراد لیتے ہیں، البتہ جن تعویذات میں قرآن کریم کی آیات لکھی جائیں یا ایسے کلمات لکھے جائیں جنکے معانی درست اور صحیح ہوں تو ایسے تعویذات کا استعمال بلاشبہ جائز اور آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اولاد کو آپ ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں سکھاتے تھے اور جو بچے یاد نہ کر سکتے تھے ان کے لئے وہ دعا لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے، لہٰذا تعویذ کو گلے میں لٹکانے یا بازو میں باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لما فی مشكاة المصابيح:(۲/۳۸۸،طبع سعید)

وعن عوف بن مالك الاشجعي قال كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يارسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا على رقاكم لاباس بالرقى مالم يكن فيه شرك رواه مسلم وكذا في ابي داود۔

ولما فی الشامی:(۶/۳۶۳،طبع سعید)

وبعضهم يتوهم ان المعاذات هي التمائم وليس كذلك انما التميمة الخرزة ولاباس

بالمعاذات اذاکتب فیه القرآن اواسماء الله تعالی وانماتکره العوذة اذاکانت بغیرلسان العرب ولایدری ماهو ولعله یدخله سحراوکفراوغیرذالک واماماکان من القرآن اوشیء من الدعوات فلاباس به وفی الشبلی عن ابن الاثیرالتمائم جمع تمیمة وهی خرزات کانت العرب تعلقها علیٰ اولادهم یتقون بهاالعین فی زعمهم فابطلهاالاسلام والحدیث الأخرمن علق تمیمة فلااتم الله له لانهم یعتقدون انهاتمام الدواء والشفاء بل جعلوها شرکاء لانهم ارادوابهادفع المقادیرالمکتوبة.

اختلف فی الاستشفاء بالقرآن بان یقرء علی المریض　اویکتب فی ورق ویعلق علیه اوفی طست ویغسل ویسقی　وعن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یعوذنفسه قال رضی الله عنه وعلی الجوازعمل الناس الیوم وبه وردت الأثارولاباس بان یشدالجنب والحائض التعاویذعلی العضداذاکانت ملفوفة

ولمافی الهندیة:(۳۵۶/۵مطبع رشیدیه)

ولاباس بتعلیق التعویذولکن ینزعه عندالخلاء والقربان کذافی الغرائب.

ولمافی تکملة فتح الملهم:(۱۲۷/۴مطبع دارالعلوم کراچی)

اماکتابة المعوذات وتعلیقهافی عنق الصبیان والمرضاوکتابتهاویسقی مدادها للمریض فقدثبت عن عددمن الصحابةوالتابعین رضی الله عنهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم:عبدالوہاب نعمانی عفااللہ عنہ

۲۲ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　فتویٰ نمبر:۶۳۲

﴿ننھیال پر کھانے کو لازم سمجھنا غلط ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے یہاں رواج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو تین دن تک ننھیال والے (اگر عورت کا انتقال ہوا اس کے بھائی) کھانا دیتے ہیں اور یہ ننھیال پر لازمی حق سمجھا جاتا ہے اگر نہ دیں تو پوری برادری انکو ملامت کرتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ ننھیال پر کھانا وغیرہ دینا لازم کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ننھیال پر تین دن کھانے کو لازمی کرنا یا انکا سمجھنا کہ یہ ہمارے اوپر لازم ہے یہ جہالت پر مبنی ہے، برادری کے معزز حضرات کو چاہیئے کہ اس قسم کے رسم ورواج کو ختم کریں۔

لما فی مشکوة المصابیح:(۲۵۵/۱مطبع قدیمی)

وعن ابی حرة الرقاشی قال رسول الله ألالاتظلموا ألالایحل مال امرئ الابطیب نفس منه.

لمافی شرح المجلة:(۲۶۴/۱مطبع رشیدیه)

لایجوزلاحدان یاخذمال احدبلاسبب شرعی ای لایحل فی کل الاحوال عندالوخطأاو

نسیانا، جدا اولعبا ان یاخذ مال أحد بوجه لم یشرعه الله تعالى ولم یبحه، لان حقوق العباد محترمة لاتسقط بعذر الخطاء والنسیان والهزل وغیره.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

یکم رجب ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۴۲

﴿ختم قرآن کے دوران سورۃ اخلاص کا تین مرتبہ پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اساتذہ ختم قرآن کے دوران اپنے طالبعلموں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ ختم کرتے وقت سورہ اخلاص کو تین بار پڑھیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی: حامد علی چھوٹا لاہور

﴿جواب﴾ اکثر مشائخ کے ہاں یہ طریقہ مستحسن ہے، لہٰذا اساتذہ کرام کی تلقین اپنے شاگردوں کو غلط نہیں ہے، البتہ اگر ختم قرآن نماز میں ہو تو اس دوران ایک مرتبہ سے زیادہ نہ پڑھے۔

لمافی حلبی الکبیر:(ص ۴۲۸ طبع نعمانیه)

قرأة قل هو الله احد ثلاث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنها بعض المشائخ وقال الفقیه ابو اللیث هذا شئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلا بأس به الا ان یکون الختم فی المکتوبة فلا یزید علی مرة.

ولمافی الهندیة:(۳۱۷/۵، طبع رشیدیه)

قرأة قل هو الله احد ثلاث مرات عقیب الختم لم یستحسنها بعض المشائخ واستحسنها اکثر المشائخ لجبر نقصان دخل فی قرأة البعض الا ان یکون ختم القرآن فی الصلوة المکتوبة فلا یزید علی مرة واحدة. کذا فی الغرائب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۸۱

﴿اجتماعی ختم قرآن کی تین صورتیں اور اس کے بعد کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں کسی کی فوتگی کے بعد چالیس دن تک ہر جمعرات کو ایصال ثواب کیلئے اجتماعی طور پر ختم قرآن ہوتا ہے جسکے بعد پڑھنے والے حضرات کو چائے وغیرہ پیش کی جاتی ہے یہ ایک لازم سا سمجھا گیا ہے اس

طرح کوئی نیا گھر بنائے تو برکت کیلئے اجتماعی ختم کے بعد کھانا کھلایا جاتا ہے یا کوئی سخت بیمار ہو تو بھی اسکی صحت یابی کیلئے اجتماعی ختم ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح ختم کرنا اور اسکے بعد کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ختم کے بعد کچھ کھائے پیئے بغیر اٹھ جانے سے صاحب خانہ ناراض ہوتے ہیں، اسی لئے بسا اوقات وہ ختم کے بعد پڑھنے والے حضرات کے اطمینان کیلئے خود ہی تصریح کردیتے ہیں کہ یہ ہم نے صدقہ کیا ہے کوئی معاوضہ نہیں کبھی تو ہم اس دن روزہ رکھ لیتے ہیں کبھی طبیعت ٹھیک نہیں کہہ کر ٹال دیتے ہیں لیکن آخر کب تک؟ جبکہ لوگ ہمیں مقتداء بھی سمجھتے ہیں کیا ان مذکورہ تین صورتوں کے حکم میں کوئی فرق ہے؟ کیا ختم قرآن کے بعد کا کھانا "ولاتشتروا بایاتی ثمناً قلیلاً" کے زمرہ میں نہیں آتا؟ کیا اسطرح اجتماعی ختم قرآن کے بعد کھانا پینا حدیث "من قرأ القرآن لیتأکل به الناس جاء یوم القیمة ووجهه عظم لیس علیه لحم" کا مصداق نہیں؟ کیا حدیث "اقرأوا القرآن ولا تأکلوا به شیئاً" میں اس سے منع نہیں کیا گیا؟ واضح رہے کہ بعض لوگ اصالۃً صدقہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تبعاً برکت کی زیادتی کے لئے ختم قرآن بھی ساتھ کر لیتے ہیں؟　مستفتی: فضل الرحمٰن کرک

﴿جواب﴾ سوال میں ختم قرآن سے متعلق رائج تینوں طریقوں کا ذکر ہے.(۱) ایصال ثواب کی غرض سے ختم قرآن (۲) مریض کی صحت یابی کیلئے ختم قرآن (۳) حصول برکت کے لئے، بلاشبہ ان تینوں مقاصد کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا احادیث نبویہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔

فقہاء کرام نے فی نفسہ اس کو پسندیدہ عمل قرار دیا ہے لیکن موجودہ دور میں قرآن خوانی کے رائج تینوں طریقے غیر شرعی امور سے خالی نہیں رہے جبکہ بعض علاقوں میں کئی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے محض رسم ورواج کی صورت میں بدل گئے۔

چنانچہ ایصال ثواب کا اصل اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کو ثواب پہنچانے کی غرض سے اسکے عزیز واقارب قرآن مجید کی تلاوت کریں، نماز پڑھیں، ذکر کریں، غریبوں کی مدد کریں، جب چاہے اور کوئی بھی مسلمان چاہے ایصال ثواب کرسکتا ہے بشرطیکہ عمل کرنے والا اس عبادت پر

اجرت نہ لے، علاوہ ازیں کسی خاص دن کو اس عمل کے لئے ضروری سمجھنا لازمی طور پر اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو اس پر مجبور کرنا یہ تمام باتیں سنت سے ہٹ کر ہیں۔

مریض کی شفاء یابی کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا کسی چیز پر یا مریض پر پڑھ کر دم کرنا بھی جائز عمل ہے اور اس پر اجرت لینا بھی درست ہے لیکن اس کام کیلئے باقاعدہ علماء طلباء کو بلانا کوئی ضروری نہیں ہے، کوئی بھی مسلمان اس غرض سے قرآن مجید پڑھ سکتا ہے دم بھی کر سکتا ہے، البتہ متقی پرہیزگار کے دم میں جو اثر ہوتا ہے عام مسلمان کے دم میں شاید وہ اثر نہ ہو۔

برکت کیلئے پڑھنا بھی جائز عمل ہے اور اس پر اجرت لینے میں بھی گنجائش ہے، البتہ زیادہ احتیاط نہ لینے میں ہے، آجکل عام رجحان یہ ہے کہ ایسے تمام کاموں کیلئے باقاعدہ اجتماع کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور یہ محض ایک تقریب کی صورت بن جاتی ہے، لہذا خود پڑھنا چاہئے باقاعدہ لوگوں کو بلانا، مکمل قرآن مجید ختم کرنا اور شیرینی تقسیم کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔

رہا یہ کہ ختم قرآن کے بعد کھانا "ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً" کے زمرہ میں آتا ہے یا نہیں؟ عام مفسرین نے اس سے تحریف قرآن مراد لیا ہے یعنی اگر دنیاوی غرض سے کوئی قرآن کی تحریف کرے تو وہ اس کا مصداق ہوگا، باقی دنیاوی مقاصد کیلئے پڑھنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے، البتہ صرف ثواب مقصود ہو تو اس پر اجرت لینا اصل نیت کے بھی خلاف ہے اس لئے ناجائز ہے۔

لمافی روح المعانی:(۱/۲۲۵،طبع رشیدیہ)

ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً﴾الاشتراء مجاز عن الاستبدال لاختصاصه بالاعیان ای لاتستبدلوا بالایمان بآیاتی،والاتباع لها حظوظ الدنيا الفانية القليلة المسترذلة بالنسبة الى حظوظ الاخرة وما اعدالله تعالىٰ للمؤمنين من النعيم العظيم الابدى وقد استدل بعض اهل العلم بالاية على منع جوازاخذالاجرة على تعليم كتاب الله تعالى والعلم، وروى فى ذالك ايضاً احاديث لاتصح .وقدصح انهم قالوا:"يارسول الله انأخذعلى التعليم اجراً؟فقال:ان خيرمااخذتم عليه اجراً كتاب الله تعالى"وقد تظافرت اقوال العلماء على جوازذالك وان نقل عن بعضهم الكراهة، ولادليل فى الاية على ماادعاه هذاالذاهب كمالايخفى.

ولما في صحيح البخاري:(۲/۸۴۵، طبع رحمانيه)

عن ابي سعيد الخدري أن ناسا من اصحاب النبي ﷺ اتوا على حي من احياء العرب فلم يقروهم فبينما هم كذالك اذ لدغ سيد اولئك فقالوا هل معكم دواء او راق فقالوا نعم انكم لم تقرونا ولا نفعل حتى تجعلوا لنا جعلا فجعلوا لهم قطيعا من الشاء فجعل يقرأ بام القرآن ويجمع بزاقه ويتفل فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لا نأخذه حتى نسئل النبي ﷺ فسالوه فضحك ﷺ فقال ﷺ ما ادراك انها رقية خذوها واضربوا لي بسهم. ومثله في رواية اخرى وزاد فيه فقال رسول الله ﷺ ان احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله. باب الشرط في الرقية بقطيع من الغنم(۲/۸۵۴)

ولما في تكملة فتح الملهم:(۴/۳۲۹-۳۳۰، طبع دارالعلوم كراچي)

واستدلوا على ذالك بما ياتي قوله تعالى ولا تشتروا باياتي ثمنا قليلا وهو استدلال ضعيف لان السياق في تحريف الايات — لكن افتى المتاخرون من الحنفية بقول الشافعية للضرورة لما يخشى على هذه الوظائف الدينية من الضياعة كما في الهداية وغيرها.

ولما في اعلاء السنن:(۱۹/۲۰۳-۲۰۴، طبع دارالكتب العلمية)

ووجه الدلالة ان الصحابة قالوا يا رسول الله انه اخذ اجرا على كتاب الله فدل ذالك على انه كان من المعروف عندهم عدم اخذ الاجرة على كتاب الله ولكن اخطاؤا في تعميمه للرقية فرد عليهم النبي الصواب ببيان ان الرقية ليست بداخلة فيه ويدل على ان قوله احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله مخصوص بالرقية والفرق بينه وبين ما اختلف فيه ان الرقية نوع مداواة — والمداواة يباح اخذ الاجرة عليها والجعالة توسع من الاجارة وبينة تجوز مع جهالة العمل والمدة وقوله ﷺ احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله يعني به الجعل في الرقية.

ولما في مجموعة رسائل ابن عابدين:(ص۱۵۶-۱۵۷ طبع عثمانيه كوئته)

ومن استجعل جعلا على عمل يعمله لغيره من رقية او غيرها وان كانت بقرآن او علاج او بما اشبه ذالك فذالك جائز والاستجعال عليه حلال... فحاصل كلامه انه لو عمل لغيره عملا ليس بطاعة كرقية مشروع ونحوها من بناء دار او خياطة ثوب وامثال ذالك يجوز اخذ المال عليه وان كان الرقية بقراءة قران او علاج غيره كوضع ترياق او بما اشبه ذالك لان ذالك ليس المراد منه القربة والثواب وهذا مذهب ائمتنا الثلاثة ابي حنيفة وابي يوسف ومحمد — والماجر الاستئجار على الرقية ولو كانت بالقران لانه لم تتعين قربة لله تعالى بل للتداوي فهي كصنعة الطب — وغيرها من الصنائع.

ولما في شرح المجلة:(۱/۱۰۱، طبع رشيديه)

والحاصل ان المعروف عرفا كالمشروط ذكرا عند عدم التصريح بخلافه

والا فالعبرة لما صرح به لا للعرف.

ولما في البزازية:(۱/۸۳،طبع قديمي)

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعياد ونقل الطعام الى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة بقرائة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرائة سورة الانعام اوالاخلاص.فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره.

ولما في الشامي:(۲/۵۹۶،طبع سعيد)

وعن انسؓ قال يا رسول الله انا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعولهم فهل يصل ذلك لهم قال نعم انه ليصل اليهم و انهم ليفرحون به كمايفرح احدكم بالطبق اذااهدى اليه وعنه انه صلى الله عليه وسلم قال اقرؤاعلى موتاكم يس رواه ابوداؤد فهذاكله ونحوه مماتركناه خوف الاطالة يبلغ القدر المشترك بينه وهو النتفع بعمل الغير مبلغ التواتر.

ولما في الشامي:(۶/۵۷،طبع سعيد)

والاستئجار على مجرد التلاوة لم يقل به احدمن الائمة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:خالدالرحمٰن کرکی

۹جمادی الثانیہ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۲۷۹

﴿دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ دعا کے لیئے ہاتھ اٹھانے کا مستحب اور بہتر طریقہ کیا ہے؟ کیا کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا منقول ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ افضل اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی کو کھول دے اور دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی ہو اور ہاتھوں کو سینہ تک اٹھالے اور آخر میں دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل دے۔

آنحضرت ﷺ کھانے کے بعد دعا پڑھتے تھے لیکن ہاتھ اٹھانا منقول نہیں اور بہت ساری ایسی دعائیں ہیں جو پڑھی جاتی ہیں لیکن اسوقت ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں جیسے مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں سونے کی دعا وغیرہ کھانے کے بعد دعا بھی منجملہ انہیں میں سے ہے، نفس دعا چونکہ ثابت ہے، اس لیئے اگر کوئی ہاتھ اٹھالے تو اس پر نکیر نہ کرنا چاہیئے،

اس میں شدت مناسب نہیں ہے۔

لمافی الھندیۃ:(۳۱۸/۵،طبع رشیدیہ)

والافضل فی الدعاء ان یبسط کفیہ ویکون بینھما فرجۃ وان قلت ولایضع احدی یدیہ علی الاخری الخ والمستحب ان یرفع یدیہ عندالدعاء حذاء صدرہ کذا فی التنبیہ مسح الوجہ بالیدین اذا فرغ من الدعاء قیل لیس بشیء وکثیر من مشایخنا اعتبروا ذالک وھوالصحیح وبہ وردالخبر.

ولما فی کنزالعمال:(۱۰۵/۱۵، الحدیث:۴۰۷۳۵،طبع رحمانیہ)اللھم بارک لنا فیہ وابدلنا خیرا منہ.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص ۳۱۸،طبع قدیمی)

لقولہ علیہ السلام اذادعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولاتدع بظھورھمافاذافرغت فامسح بھماوجھک.

ولمافی حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح:(ص ۳۱۸،طبع قدیمی)

ودل الحدیث علی انہ اذالم یرفع یدیہ فی الدعاء لم یمسح بھماوھوقیدحسن لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعواکثیراکماھوفی الصلاۃ والطواف وغیرھما من الدعوات الماثورۃ دبرالصلوات وعندالنوم وبعدالاکل وامثال ذالک ولم یرفع یدیہ ولم یمسح بھماوجھہ افادہ فی شرح المشکاۃ وشرح الحصن والحصین وغیرھما.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب نعمانی عفااللہ عنہ

۱۸ربیع الثانی۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۶۰۷

﴿محرم الحرام میں رسومات وبدعات کے بارے میں﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے معاشرے میں محرم الحرام کے مہینے میں مختلف قسم کے رسومات اور بدعات کاارتکاب کیاجاتاہے،مثلاً دس محرم کوروزہ رکھنا،محرم کومنحوس سمجھنا،لفظِ امام حضراتِ حسنین رضی اللہ عنھما کیساتھ خاص کرنا،دس محرم کواہل وعیال پروسعتِ رزق کرنا،دس اور گیارہ محرم کوکھاناکھلانا،ماتم کی مجلسوں اورجلسوں میں شرکت کرنابراہ کرم قرآن اورحدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں کہ اسمیں کونسے اعمال جائزاورکونسے ناجائزہیں؟ مستفتی:محمد معاذ گاشکوڑسواتی

﴿جواب﴾(۱)دس محرم الحرام کوروزہ رکھناگزشتہ سال کے گناہوں کاکفارہ ہے جبکہ

یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت سے بچنے کی وجہ سے دسویں محرم کیساتھ نویں یا گیارہویں کو بھی روزہ رکھنے کو زیادہ پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

(۲) محرم الحرام محترم و معظم اور فضیلت والا مہینہ ہے منحوس نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، لہذا اسمیں نکاح، شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات منعقد کرنا بلاشبہ پسندیدہ ہیں۔

(۳) لفظِ امام صرف حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور علماء کرام کے لئے بھی استعمال کرنا جائز ہے۔

(۴) دس محرم الحرام کو اپنے اہل وعیال پر وسعتِ رزق کرنے کی ترغیب احادیث میں آئی ہے کہ اسکی برکت سے سال بھر اللہ تعالیٰ وسعت فرماتے ہیں۔

(۵) دسویں محرم بلکہ محرم کے شروع دنوں سے شربتوں اور سبیلوں کا بھی بڑا رواج پڑا ہے، یہ بھی محض ایک رسم بلکہ بدعت ہے، اس سے بھی بچنا ضروری ہے، بالفرض کوئی ایصال ثواب کی غرض سے کرے تب بھی صحیح نہیں ہے، واقعی ایصال ثواب مقصود ہو تو شربت اور سبیلوں کے علاوہ کوئی نیک عمل کر کے ثواب پہنچائے۔

(۶) ماتم کی مجلسوں اور جلسوں میں شرکت کرنا بدعت میں اعانت اور غیروں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنے کی بناء پر ناجائز اور حرام ہے، لہذا اس حرام کام سے اجتناب ضروری ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الحج،آیت۳۷)

لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم..... الآية.

ولما فی صحيح المسلم:(۳۵۹/۱،قديمی كتب خانه)

عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة،فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء،فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ماهذا اليوم الذى تصومونه؟ قالوا:هذا يوم عظيم،أنجى الله فيه موسى وقومه وغرق فرعون وقومه،فصامه موسى شكراً،فنحن نصومه،فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فنحن أحق وأولىٰ بموسى منكم،فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمر بصيامه..... عبدالله بن عباس يقول:حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء،وأمر بصيامه،

قالوا: یارسول الله انه یوم یعظمه الیهود والنصاری، فقال: رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذاکان العام المقبل ان شاء الله صمنا الیوم التاسع، قال: فلم یأت العام المقبل حتی توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم.

ولمافی الصحیح لمسلم: (۳۶۸/۱، طبع قدیمی)

وسئل عن صوم یوم عاشوراء، فقال یکفر السنة الماضیة.

ولمافی الصحیح لمسلم: (۷۷/۲، طبع قدیمی)

عن عائشة رضی الله عنها قالت قال قال: رسول الله صلی الله علیه وسلم من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهو رد.

ولمافی الصحیح لمسلم: (۳۰۸/۲، کتاب الفضائل، طبع قدیمی)

قال: (علیه السلام) ألنجوم أمنة للسماء، فاذا ذهبت النجوم أتی السماء ماتوعد وأنا أمنة لأصحابی فاذا ذهبت أنا أتی أصحابی مایوعدون وأصحابی أمنة لأمتی فاذا ذهب أصحابی أتی أمتی مایوعدون.

ولمافی سنن أبی داود: (۲۰۳/۲، کتاب اللباس، فی لبس شهرة، طبع رحمانیه)

عن ابن عمر قال: قال: رسول الله صلی الله علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم.

ولمافی کنز العمال: (۱۱-۱۲/۱۴۳، کتاب الفضائل فضائل الأمکنة والأزمنة، طبع رحمانیه)

من وسع علی عیاله فی یوم عاشوراء، وسع الله علیه فی سنته کلها.

ولمافی الدر المختار: (۱۷۸/۱۰، کتاب الجنٰیات، فصل فی مایوجب القود ومالا یوجبه، امدادیه)

قال علیه الصلاة والسلام من کثر سواد قوم فهو منهم.

ولمافی مجموعة قواعد الفقه: (ص ۲۰۲، ألباء، ألبدعة، طبع امیر محمد)

ألبدعة: هی الأمر المحدث الذی لم یکن علیه الصحابة والتابعون ولم یکن مما اقتضاه الدلیل الشرعی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر: ۲۸۲۱

﴿ کرسمس ڈے ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دنیا بھر کی طرح

ہمارے ملک عزیز میں عیسائی لوگ ۲۵ دسمبر کو تہوار مناتے ہیں اس کو کرسمس ڈے کہتے ہیں اور یہ دن عیسائیوں کے تہوار میں عید کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ اس دن حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے تھے یہ سالگرہ کے طور پر منایا جاتا ہے اسی خوشی میں کیک کاٹتے ہیں ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں اور عید مبارک پیش کرتے ہیں، ان لوگوں کے ساتھ آج کل ہمارے مسلمان بھائی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے لئے اس طرح کرنا شرعاً درست ہے؟ ہم شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ آپ حضرات ہماری راہنمائی فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ مستفتی: عبدالسمیع چترالی

﴿جواب﴾ کرسمس ڈے عیسائی لوگوں کا مذہبی تہوار ہے، غیر مسلم لوگوں کے کسی بھی تہوار میں باقاعدہ شرکت کرنا، یا مبارک باد کہنا، خوشی کا اظہار کرنا ان کی دعوت کو قبول کرنا وغیرہ تمام چیزوں سے ان کی تقریب وتہوار کی تائید ہورہی ہے دین اسلام سختی سے اس سے منع فرمارہا ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ آپ کے مسائل اوران کا حل میں تحریر فرماتے ہیں: غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات ورسوم میں شرکت جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ:

جس نے کسی قوم کے مجمع کو بڑھایا وہ انہی میں شمار ہوگا۔ (۲/۱۰)

لمافی المطالب العالیۃ: (۲/۲۲)

عن عبداللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان لمن عملہ۔

قال اللہ عزوجل "یاایھا الذین امنوا لاتتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم" (المائدۃ: ۵) وفی التفسیر ای لاتتخذوھم اولیاء بعضھم اولیاء وتستنصرونھم وتواخذونھم وتعاشرونھم معاشرۃ المومنین ثم علل المنھی بقولہ بعضھم اولیاء بعض وکلھم اعداء المومنین (تفسیر نسفی: ج ۱/ ۳۵۲ طبع دار ابن کثیر بیروت)

(لمافی المشکوۃ: ص ۳۷۵)

وعنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔

(فی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ:ج ۴/۳۱۱طبع بمبی)

من تشبہ بقوم ای شبہ نفسہ بالکفار مثلافی اللباس وغیرہ او بالفساق او الفجار اوباھل التصرف والصلحاء الابرار (فھو منھم)ای فی الاثم والخیر.

(لمافی الشامی:ج۶/۷۵۵سعید)

والاولی للمسلمین ان لایوافقوھم علی مثل ھذہ الاحوال لاظھار الفرح والسرور [۹۲۸۸]قال صاحب "الجامع الاصغر "المسلم اذا اھدی یوم النیروز الی مسلم اخر شیئا ،ولم یرد بہ تعظیم ذلک الیوم ،ولکن جری ماعتادہ بعض الناس لایکفر ،ولکن ینبغی ان لایفعل ذلک فی ذلک الیوم خاصۃ ،ویفعلہ قبلہ او بعدہ کیلا یکون شبیھا اولئک القوم وقد قال النبی علیہ الصلاۃ والسلام (من تشبہ بقوم فھو منھم)

(لمافی الدر مع التنویر:ج۶/۷۵۴سعید)

(والاعطاء باسم النیروز والمھرجان لایجوز)الھدایا باسم ھذین الیومین حرام (وان قصدتعظیمہ)کمایعظمہ المشرکون (یکفر)

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفرلہ ولوالدیہ

۱۲ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر ۳۹۴۸

﴿دعوت کا کھانا کھانے کے بعد اہل خانہ کے لیے دعا کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کی دعوت میں کھانا کھانے کے بعد اہل خانہ کے لیے اجتماعی طور پر دعا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اگر اس دعا کو ضروری قرار دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد حسن پشاور

﴿جواب﴾ حضور اکرم ﷺ سے دعوت کرنے والوں کے لیے متعدد کتب احادیث میں نفس دعا ثابت ہے، البتہ اس میں ہاتھ اٹھانا اور اجتماعی طور پر دعا کرنے کی صراحت نہیں ہے لیکن ہاتھ اٹھانا مستقل کوئی عمل نہیں ہے، دعا کے آداب میں سے ہے، اس لیے ہاتھ اٹھا کر کوئی کرے تو بڑا گناہ نہ سمجھا جائے، اس کو بدعت قرار دینا مشکل ہے، ہاں کسی جگہ ہاتھ اٹھانا ضروری سمجھا جائے اور نفس دعا کو کافی نہ سمجھیں تو اس علاقے کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ حکمت وبصیرت کے ساتھ صحیح نہج قائم کرنے کی کوشش کریں۔

لما فی الصحیح لمسلم:(۱۸۰/۲ طبع قدیمی)

عن عبدالله بن بسرؓ قال نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم على أبي قال فقربنا اليه طعاما قال فقال أبي رأخذبلجام دابته أدع الله لنافقال اللهم بارك لهم فيما رزقتهم فاغفر لهم فارحمهم.

ولما فی سنن أبی داؤد:(۱۸۲/۲،باب فی الدعاء لرب الطعام،طبع رحمانیه)

عن جابر بن عبداللہؓ قال صنع أبوالهيثم بن التيهان للنبي صلى الله عليه وسلم طعاما فدعى النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه فلمافرغوا قال أثيبوا أخاكم قالوا يارسول الله وماثابته قال ان الرجل اذادخل بيته فأكل طعامه وشرب شرابه فدعوا له فذلك اثابته.

ولما فی الحصن الحصین:(ص ۵۲،دار الاشاعت)

ومن آداب الدعاء بسط اليدين ورفعهما.

واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری
الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر:۲۹۵۱
یکم ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

﴿قبروں پر سبز ٹہنیاں، گل دستے، پھول وغیرہ ڈالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ قبروں پر پھول، گل دستے، سبز ٹہنیاں اور خوشبوں وغیرہ رکھتے ہیں، اس کو ثواب اور قبر والے کی تعظیم سمجھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔
مستفتی: محمد معاذ کاشکور سواتی

﴿جواب﴾ قبر پر پھول، سبز ٹہنیاں، خوشبوں وغیرہ ڈالنا ثواب کی غرض سے اگر ہو یعنی دین اسلام کا حکم سمجھ کر اگر کوئی ایسا کرے تو غلط ہے، واجب الترک ہے۔

ٹہنی کے بارے میں حدیث مبارکہ سے صرف اتنا ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام نے کھجور کی ایک شاخ دو حصے کر کے دو شخصوں کی قبروں پر ایک ایک کر کے لگادی اور یہ ارشاد فرمایا: امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر ہوں اس وقت تک ان دونوں سے عذاب خفیف ہو جائے۔

اس مسئلہ میں حضرات حنفیہ کے اقوال متردد ہیں کہ یہ امر صرف آپ علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا یا آج بھی اگر کوئی تر ٹہنی لگائے تو اس سے بھی عذاب میں تخفیف ہو جائیگی۔

چنانچہ قبر پر پھول یا سبز ٹہنیاں اس عقیدہ سے لگانا کہ اس سے عذاب میں تخفیف یقینی ہے تو اس صورت میں جائز نہیں ہے اور صرف محبت وعقیدت کے جذبہ سے ایسا کوئی کرے، شرعی حکم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنی محبت کی تسکین کے لئے تو اس کی گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسے اعمال جو محض جذبات کی بنیاد پر ہوں اور ان کا ثبوت بھی یقینی درجہ میں نہ ہو سے دور رہے اور یقینی درجہ میں ثابت اعمال مثلاً دعاء ذکرِ خیر اور ایصالِ ثواب وغیرہ کے ذریعہ مرحوم کو نفع پہنچائیں۔

لما في الرد:(۲/۲۲۵، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور، طبع سعيد كراتشي)

أقول: ودليله ما ورد في الحديث من وضعه عليه الصلاة والسلام الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان، وتعليله بالتخفيف عنهما مالم ييبسا: اى يخفف عنهما ببركة تسبيحهما اذ هو أكمل من تسبيح اليابس لما في الأخضر من نوع حياة..... ويؤخذ من ذلك ومن الحديث ندب وضع ذلك فلاتباع ويقاس عليه ما اعتيد في زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه وصرح بذلك أيضا جماعة من الشافعية، وهذا أولى مما قاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين انما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعاء، لهما فلا يقاس عليه غيره وقد ذكر البخاري في صحيحه أن بريدة بن الخصيب رضي الله تعالى عنه أوصى بأن يجعل في قبره جريدتان

ولما في مرقاة المفاتيح:(۲/۵۳، كتاب الصلاة، باب آداب الخلاء، طبع رشيديه)

قال النوى: أما وضعهما على القبر فقيل: أنه عليه الصلاة والسلام سأل الشفاعة لهما فأجيب بالتخفيف الى أن ييبسا، وقد ذكر مسلم في أخر الكتاب في حديث جابر "أن صاحبي القبرين أجيب شفاعتي فيهما" اى برفع ذلك عنهما مادام القضيبان رطبين ..... قال كثير من المفسرين في قوله تعالى "وان من شيء الا يسبح بحمده" (الاسراء: ۴۴) معناه أن من شيء حتى ثم قال وحياة كل شيء بحسبه، فحياة الخشب مالم ييبس، والحجر مالم يقطع .... وقد ذكر البخاري أن بريدة بن الحصيب - ثم رأيت ابن حجر صرح به وقال: قوله لا أصل له ممنوع بل هذا الحديث أصل أصيل له، ومن ثم أفتى بعض الأئمة من متأخري أصحابنا بأن ما اعتيد من وضع الريحان والجريدة لهذا الحديث، اهـ، ولعل وجه كلام الخطابي أن هذا الحديث واقعة حال خاص لا يفيد العموم ولهذا وجه له التوجيهات السابقة فتدبر فانه محل نظر (متفق عليه)

وهكذا في امداد الأحكام:(۱/۱۸۴-۱۸۵، كتاب السنة والبدعة، طبع دار العلوم كراتشي)

ولما فی الهندیة:(۵/۳۵۱،فی زیارة القبور،طبع رشیدیه کوئٹه)

وضع الورد والرماحسن على القبور حسن وان تصدق بقيمة الورد كان أحسن كذا فى الغرائب، وهكذا فى الخلاصة

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۳۰۴۳ ۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

﴿کسی بھی سنت پر عمل کرنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق میں کہ میری عمر ۲۵ سال ہے، میں نے سنت کی نیت سے بارہا زلفیں رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اکثر احباب یہ کہہ کر منع کر دیتے ہیں کہ زلفیں رکھنا چالیس ۴۰ سال عمر کے بعد ہی سنت ہے اس سے پہلے نہیں، اسکی کیا حقیقت ہے؟

﴿جواب﴾ زلفیں رکھنا سنن عادیہ میں سے ہے جیسے آپ ﷺ کی نشست و برخاست، لباس سواری وغیرہ۔ اور کسی بھی سنت پر عمل کرنے کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے، البتہ اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ امرد لڑکوں کو زلفیں رکھنے سے منع کرتے ہیں اس لئے کہ اس عمر میں فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے اور ایسی عمر میں منع ہی کرنا چاہیئے ہوسکتا ہے کسی نے قائل کرنے کیلئے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ چالیس سال کی عمر میں زلفیں رکھنا سنت عمل شمار ہوگا جبکہ حق بات یہ ہے کہ چالیس سال عمر کی کوئی قید ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے اس سنت پر عمل کرنے کے لئے چالیس سال عمر کا انتظار منقول ہے، البتہ اساتذہ، بزرگان دین نوعمر لڑکوں کو اگر منع کریں تو انکی اطاعت ضروری ہے۔

لما فی اصول السرخسی:(۱/۱۲۸،طبع قدیمی)

السنة سنتان سنة اخذها هدى وتركها ضلالة وسنة اخذها حسن وتركها لا باس به فالاول نحو صلوٰة العيد والأذان والاقامة والصلوٰة بالجماعة ... والثانى نحو مانقل من طريقة رسول الله ﷺ فى قيامه وقعوده ولباسه وركوبه.

ولما فی صحیح البخاری:(۲/۲۰۱،باب الزوائب،طبع رحمانیه)

عن ابن عباسؓ قال بت ليلة عند ميمونةؓ بنت الحارث خالتى وكان رسول الله ﷺ عندها فى ليلتها قال فقام رسول الله ﷺ يصلى من الليل فقمت عن يساره قال فاخذ بذوابتى فجعلنى عن يمينه.

ولما فی سنن ابی داود:(۲/۲۲۳،طبع رحمانیہ)

عن البراء قال مارایت من ذی لمة احسن فی حلة حمراء من الرسول اللہ ﷺ وعن انسؓ قال کان شعر رسول اللہ ﷺ الی شحمة اذنیه وعن عائشةؓ قالت کان شعر رسول اللہ ﷺ فوق الوفرة ودون الجمة. وفی حاشیته: فالجمة الی المنکبین ... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خالدالرحمٰن کرکی

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۷۲

﴿کھانے کے شروع میں بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ پڑھنا چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کھانا شروع کرتے وقت "بسم الله وعلیٰ برکة الله" پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ یہ دعاء ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں اس کا پڑھنا بدعت ہے۔ تسلی بخش جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا انہی الفاظ کے ساتھ حصن حصین اور تفسیر مظہری میں بحوالہ مستدرک موجود ہے، مستدرک کے موجودہ نسخہ میں لفظ "علی" نہیں ہے، کاتب کی غلطی کا بھی امکان ہے، تاہم حصن حصین اور تفسیر مظہری کا لفظ "علی" کے ساتھ روایت کرنا بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کما ھو مقرر، لہٰذا پڑھنے کو غلط یا بدعت قرار دینا مولوی صاحب کی غلطی ہے امت میں عام رائج خصوصاً نیک لوگوں کے حلقوں میں جاری عمل کے بارے میں تحقیق نہ ہو تو معذرت کرنی چاہیے، زیادہ سے زیادہ یوں کہہ دیا جائے کہ میرے علم میں نہیں ہے یا میری نظر سے نہیں گذرا تو اسمیں بچت ہے اپنی ناقص تحقیق سے بدعت قرار دینا بڑی غلطی ہے۔

لما فی حصن حصین:(ص ۲۳۰،طبع دارالاشاعت)

قوله ﷺ ان هذا هو النعیم الذی تسألون عنه یوم القیٰمة فلما کبر علی اصحابه قال: اذا اصبتم مثل هذا وضربتم بایدیکم فقولوا بسم الله وعلیٰ برکة الله.

ولما فی المظهری:(۱۰/۳۲۶،طبع رشیدیہ)

روی الحاکم فی المستدرک عن ابی هریرة ... قوله ﷺ اذا اصبتم مثل هذا وخبزتم بایدیکم فقولوا بسم الله وعلیٰ برکة الله... الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: خالدالرحمٰن کرکی

۲۳ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر: ۱۹۲۵

﴿کتاب العلم والتبلیغ﴾

﴿روضہ اقدس ﷺ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص حج یا عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضہ اقدس ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ جانا لازم ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: محمد صادق

﴿جواب﴾ حج یا عمرہ کرنے والا جب حج اور عمرہ کے افعال سے فارغ ہو جائے تو ان کو چاہئے کہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ چلا جائے اس لئے کہ روضہ اقدس ﷺ کی زیارت افضل مستحبات میں سے ہے، آپ ﷺ نے اسکی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔

لما في حاشية الطحطاوي: (ص:[illegible] مطبع قديمي)

على سبيل الاختصار تبعا لما قال في الاختيار لما كانت زيارة النبي ﷺ من افضل القرب وحسن المستحبات بل تقرب من درجة مالزم من الواجبات فانه ﷺ حرض عليها وبالغ في الندب اليها فقال "من وجد سعة ولم يزرني فقد جفاني" وقال ﷺ من زار قبري وجبت له شفاعتي وقال ﷺ من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي.

ولما في كتاب الاختيار: (١/٢٢٢)

ولما جرى الرسم ان الحجاج اذا فرغوا من مناسكهم وقفلوا عن المسجد الحرام قصدوا المدينة زائرين قبر النبي ﷺ اذ هي من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات فانه ﷺ حرض عليها وبالغ في الندب اليها

ولما في الهندية: (١/٢٦٥ طبع رشيديه)

خاتمة في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى انها أفضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة والحج ان كان فرضا فالاحسن ان يبدأ به ثم يثني بالزيارة وان كان نفلا كان بالخيار

ولما في فتح القدير (ج٣/ص١٦٧ طبع رشيديه)

المقصد الثالث في زيارة قبر النبي ﷺ قال مشايخنا رحمهم الله تعالى: من افضل المندوبات وفي مناسك الفارسي وشرح المختار أنها قريبة من الوجوب لمن له سعة والحج لما قضى عنه عليه الصلاة والسلام من جاءني زائرا لا تعلمه حاجة الا

زارنی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة

ولمافی الدر مع الرد (ج۲/ص۶۲۲) سعید

وزیارة قبره مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة یبدأ بالحج لو فرضا ویخیر لو نفلا.

فی الشامی تحت قوله مندوبة ای باجماع المسلمین......(قوله بل قیل واجبة) انما قریبة من الوجوب لمن له سعة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۳ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ　　　　فتویٰ نمبر

﴿خلافت وامن مشروط وموعود ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اس آیت مبارکہ ''وعدالله الذین امنو منکم وعملوا الصٰلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم...الخ '' جو وعدہ مذکور ہے یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ خاص تھا یا ہمارے لئے بھی ہے؟ اس لئے کہ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ آیت کریمہ میں جو وعدہ ہے یہ ہر زمانہ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے، جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وعدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھا جو کہ پورا ہو چکا ہے۔ براہ کرم آپ تفاسیر کے حوالوں کے ساتھ صحیح موقف کی نشاندہی فرمائیں۔　　　　مستفتی: مولوی نور محمد صاحب

﴿جواب﴾ جس طرح آپ ﷺ آخری نبی اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے معلم بنا کر مبعوث فرمائے گئے اسی طرح قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کیلئے ہدایت نامہ کے طور پر نازل فرمائی گئی، اس میں موجود تمام وعدے، بشارتیں اور وعیدیں ہر دور کے لوگوں کیلئے ہیں اور روئے زمین پر آباد تمام اقوام کیلئے ہیں، لہٰذا مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی خلافت اور قیام امن وامان کا جو وعدہ فرمادیا ہے وہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے، البتہ مشروط وعدہ ہے شرط پوری ہوگی تو وعدہ پورا ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شرط کے معیار پر پورے اترے تو وعدہ بھی پورا ہوا اسی طرح بعد کے مسلمانوں میں جس درجہ کا ایمان تھا اور اعمال صالحہ تھے تو اسی

درجہ میں وعدہ بھی پورا ہوتا رہا اور مسلمان جب ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے کسی حد تک کمزوری کے شکار ہو گئے تو اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے خلافت اور امن وامان کی نعمت بھی سلب فرمائی اس آیت کے علاوہ بھی کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ میں اس وعدہ یا بشارت کا ثبوت ملتا ہے اور اصحاب بصیرت پوری طرح یقین کے درجہ میں جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت آج بھی اس شرط پر پوری اترے تو اللہ تعالیٰ وعدہ پورا فرمانے میں دیر نہیں فرمائیں گے وہ ہر ایک وعدہ پورا کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں فرماتے ہاں بعض علماء کرام نے اس وعدہ کو خیر القرون کے ساتھ خاص سمجھا ہے لیکن ان پر تمام محققین علماء کرام اور مفسرین نے رد کر دیا ہے اس لئے اس وعدہ کو خیر القرون کے ساتھ خاص سمجھنا غلط ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ وعد الله الذين...الخ میں جو وعدہ ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ عام مؤمنین کیلئے بھی ہے۔

من الواعد الكريم معرب عنه بطريق التصريح ومبين لتفاصيل ماجمل فيه من فنون السعادات الدينية والدنيوية التي هي من آثار الاهتداء ومتضمن لماهو المراد بالطاعة التي نيط بها الاهتداء وان المراد بالذين امنوا كل من اتصف بالايمان بعد الكفر على الاطلاق من اى طائفة كان وفي اى وقت كان لامن آمن من طائفة المنافقين فقط ولا من آمن بعد نزول الاية الكريمة فحسب ضرورة عموم الوعد الكريم ــ الخ (۱۸/۵۲۵)

حضرت علامہ ابن عطیہؒ اپنی تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز المعروف بتفسیر ابن عطیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عام امت محمدیہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

فنزلت هذه الآية عامة لامة محمد ﷺ ــ "أستخلافهم" هو أن يملكهم البلاد ويجعلهم أهلها ــ ولما قدم تعالى شرط عمل الصالحات بينهما في هذه الآية، فنص على عظمها وهي اقامة الصلاة وايتاء الزكوة وعم بطاعة الرسول لانها عامة لجميع الطاعات ولعلكم معناه في حقكم معتقدكم ــ الخ (۴/۱۹۱، طبع بيروت)

حضرت علامہ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستنبولی الحنفی اپنی تفسیر روح البیان میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ عام ہے:

وعد الله الذين امنوا منكم وعملو الصلحت الخطاب لعامة الكفرة ومن تبعيضية اوله

عليه السلام ولمن معه من المومنين...الخ(۱۴۲/۶،مطبع:دار البشر بيروت)

حضرت علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری نے اپنی تفسیر الطبری میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ جو وعدہ ذکر فرمایا ہے یہ مجموعہ امت محمد ﷺ کیلئے انعام ہے:

[۲۶۱۸۱]قال حدثنا ابن المثنى ـــــــ والذى قال ابو العاليه من التأويل اشبه بتأويل الأية وذلك ان الله وعد الانعام على هذه الامة بما اخبر فى هذه الأية ان منعهم به عليهم ...الخ(جلد ۹آیۃ ۵۵،سورۃ النور،دار الکتب)

اور حضرت علامہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن المعروف بتفسیر قرطبی میں تحریر فرماتے ہیں کہ وعدہ جمیع امت کیلئے ہے:

قال علماؤنا هذه الاية دليل على خلافة الخلفاء الاربعة رضى الله عنهم فان الله استخلفهم ورضى امانتهم وكانوا على الدين الذى ارتضى لهم ،لانهم لم يتقدمهم احد فى الفضيلة الى يومنا فاستقر الامر لهم ،وقاموا بسياسة المسلمين وذبوا عن حوزة الدين فنفذ الوعد فيهم، واذا لم يكن هذا الوعد لهم نجز وفيهم نفذ وعليهم ورد،ففيمن يكون اذا،وليس بعدهم مثلهم الى يومنا هذا،ولا يكون فيما بعده،رضى الله عنهم وحكى هذا القول القشيرى عن ابن عباس واحتجوا بما رواه سفينة مولى رسول الله ﷺ يقول:[۶۱۲۹]"الخلافة بعدى ثلاثون سنة ثم تكون ملكاً"_وقال قوم:هذا وعد لجميع الامة فى ملك الارض كلها تحت كلمة الاسلام،كما قال عليه الصلاة والسلام:[۶۱۳۰]"زويت لى الارض فرايت مشارقها ومغاربها وسيبلغ ملك امتى ما زوى لى منها"واختار هذا القول ابن عطيه فى تفسيره حيث قال:والصحيح فى الاية انها فى استخلاف الجمهور،واستخلافهم هو ان يملكهم البلاد ويجعلهم اهلها،كالذى جرى فى الشام والعراق وخرسان والمغرب.قال ابن العربى:قلنا لهم هذا وعد عام فى النبوة والخلافة واقامة الدعوة وعموم الشريعة،فنفذ الوعد فى كل احد بقدره وعلى حاله،حتى فى المفتين والقضاة والائمة،...قلت:هذه الحال لم تختص بالخلفاء الاربعة رضى الله عنهم حتى يخصوا بها من عموم الاية،بل شاركهم فى ذلك جميع المهاجرين بل وغيرهم ...الخ(ج۱۱/۱۲:ص۲۴۲،مطبع رشيديه)

جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ وعدہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص تھا اور پورا ہو چکا، ان کا مستدل وہ حدیث ہے جو صاحب احکام القرآن نے بروایت حضرت سفینہ نقل کی ہے:"الخلافة ثلاثون سنة ثم تكون ملكاً"لیکن ان کا یہ استدلال کمزور ہے۔ چنانچہ

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے دو جوابات دیئے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ تیس (۳۰) سال ہوگی یا یہ کہ تیس سال بغیر انقطاع کے خلافت ہوگی اسکے بعد کبھی ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی، لہذا حدیث مذکور تیس سال کے بعد خلافت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

(قال سمعت النبي ﷺ يقول :الخلافة)اى الحقة او المرضية لله ورسوله او الكاملة او المتصلة(ثلاثون سنة ثم تكون)اى تنقلب الخلافة وترجع (ملكا) بضم الميم،اى سلطنة وغلبة على اهل الحق ،قال في شرح العقائد :وهذا مشكل لان اهل الحل والعقد كانوا متفقين على خلافة الخلفاء العباسية وبعض المروانية كعمر بن عبد العزيز ولعل المراد ان الخلافة الكاملة التي لا يشوبها شئى من المخالفة وميل عن المتابعة تكون ثلاثون سنة وبعدها قد تكون وقد لا تكون .اه(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح:ج ۱۰/ ۲۱،۲۲رشيدية)

اسی طرح الشیخ الامام المحدث الکبیر حضرت خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ" بذل المجهود فی حل ابی داود" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دین اسلام کی شان وشوکت بارہ خلفاء کے ادوار تک بلند وبالا رہیگی۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ ادوار سارے مسلسل ہونگے، بلکہ تیس سال تک تو خلفاء راشدین کا دور مسلسل رہا، اور اسکے بعد بھی وقتاً فوقتاً اور خلفاء آئینگے اور اس حدیث میں بارہ خلفاء کی تعداد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زیادہ نہیں آئینگے۔

عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا يزال هذا الدين عزيزا الى اثنى عشر خليفة قال فكبر الناس وضجوا ..ثم قال كلمة خفيفة قلت لابي يا ابت ما قال ..قال...كلهم ...قريش ...كتب مولانا محمد يحيى المرحوم في التقرير قوله اثنا عشر خليفة وليس فيه نفي الزيادة والمراد بالخليفة ان كان اعم من ان يكون على سيرة الخلفاء الراشدين اولا فالامر ظاهر انه كان كذلك وان اريد ان يكون على سيرة اولئك فنقول ليس فيه اشتراط انهم يكونون على التوالي من دون ان ينفصل بينهم من ليس كذلك فكم من ملوك هم على طريقة مسلوكة من الائمة الراشدين انتهى.(بذل المجهود في حل ابى داود:ج ۵/ ۱۰۱ مكتبه الشيخ)

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں" اس آیت میں مجموعہ امت سے وعدہ ہے ایمان وعمل صالح پر حکومت دینے

کا جس کا ظہور خود عہد نبوی سے شروع ہو کر خلافت راشدہ تک متصلاً ممتد رہا چنانچہ جزیرہ عرب آپ کے زمانہ میں اور دیگر عرب ممالک زمانہ خلفاء راشدین میں فتح ہو گئے اور بعد میں وقتاً فوقتاً گو اتصال نہ ہو دوسرے صلحاء ملوک وخلفاء کے حق میں اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا جب کہ دوسری آیات میں ہے "ان حزب اللہ ھم الغلبون" المائدہ اور اس وعدہ کا حاصل مجموعہ ایمان وعمل صالح وعبادت خالصہ پر مجموعہ استخلاف تمکین دین وتبدیل خوف بالامن کا مرتب ہونا ہے اور سیاق سے اس مرتب کا اختصاص بھی اس مرتب علیہ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے بس فساق یا کفار کو احیاناً حکومت وسلطنت مل جانا اشکال نہیں۔ الخ (۲/۵۸۸،۵۸۹)

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ برحق ہے اس نے ہر وعدہ پورا فرمایا ہے اور آئندہ اس کے سارے وعدے پورے ہوں گے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو وعدے فرمائے جو ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر تھے وہ سب پورے ہوئے پورے عرب (حجاز، یمن عراق، نجد) پر ان کا تسلط ہوا، ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم رہیں صدہا سال افریقہ اور ایشیاء کے ممالک پر ان کا قبضہ رہا انہیں پورا اختیار تھا کہ اپنے دین پر چلیں اور لوگوں کو چلائیں۔ اسلام کی دعوت دیں اور اسلام پھیلائیں۔۔۔۔ (آخر میں لکھتے ہیں) کہ اگر آج بھی مسلمان مضبوط ایمان والے ہو جائیں اور اعمال صالحہ والے بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت خالصہ میں لگ جائیں تو پھر ان شاء اللہ وہی دن آجائیں گے جو خلافت راشدہ کے زمانے میں اور ان کے بعد دیگر ملوک صالحین کے زمانہ میں تھے "واقیموا الصلوۃ۔۔۔ (اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) اس میں واضح طور پر بتادیا کہ دوبارہ فرمانبرداری کی زندگی پر آنے اور عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ ادا کرنے پر آجائیں تو پھر رحم کے مستحق ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر تعجب ہے کہ جن فاسقوں کو بار بار آزما چکے ہیں انہی کو دوبارہ اقتدار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" (انوار البیان: ۴/ ۱۲۱۱،۱۲۱۰ طبع: دار الاشاعت)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں "الحمد للہ یہ وعدہ

انہی چاروں خلفاء راشدین کے ہاتھوں پورا ہوا، اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشن گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا خلفاء راشدین ؓ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئینگے۔احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہونگے جنکے متعلق عجیب وغریب بشارات سنائی گئی ہیں۔وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دینگے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اسلام کا کلمہ بلند کرینگے۔۔۔۔۔۔ابن کثیر نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لیکر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ لکھتے ہیں

"وجبی انخراج من المشارق والمغارب الی حضرة امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وذلک ببرکۃ تلاوتہ ودراستہ وجمعہ الامۃ علی حفظ القرآن ولھذا ثبت فی الصحیح ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقہا ومغاربہا وسیبلغ ملک امتی مازوی لی منہا فہا نحن نتقلب فیما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ فنسأل اللہ الایمان بہ وبرسولہ والقیام بشکرہ علی الوجہ الذی یرضیہ عنا" (تفسیر عثمانی: ص۴۷۷)

"ابن کثیر نے اس جگہ صحیح مسلم کی حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا کام چلتا رہے گا جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس امت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے ہیں جو خلفاء راشدینؓ تھے کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز ہوئے ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہونگے۔روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دینا کا یکساں ہو بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان اور عمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات میں اختلاف لازمی ہے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح

بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے "ان حزب اللہ ھم الغلبون" یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی" (گلدستہ تفاسیر: ج ۵/۱۵۹، ادارہ تالیفات)

اسی آیت سے متعلق ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاوی میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت مبارکہ عام ہے اور مجموعہ امت کے لئے ہے (امداد الفتاوی: ۸۰/۶، ۸۱ دفع الاعتساف عن آیۃ استخلاف) عبارت امداد الفتاوی میں ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ بالا مستند حوالوں سے آیت کے متعلق صحیح اور غلط مؤقف واضح ہو گیا لہذا آپ نے صحیح نہیں سمجھا اور اس دوسرے صاحب کا مؤقف صحیح ہے کہ یہ وعدہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: حفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۹۶۰

﴿قرآن کریم کے رسم الخط کی رعایت ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل اکثر لوگ قرآن مجید کی عبارت کو انگریزی الفاظ میں یا اردو میں لکھ کر میسج کرتے رہتے ہیں آیا اس طرح کرنا شرعاً درست ہے؟ قرآن شریف کی بے ادبی میں تو نہیں آتا؟ اگر آتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا　　مستفتی: مولوی محمد نعیم خان مانسہرہ

﴿جواب﴾ قرآن کریم لکھتے ہوئے رسم خط (خط عثمانی) کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لکھائی کی اپنی اصلی ہیئت کے خلاف لکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ آج کل موبائل پر انگریزی ہجوں میں اردو لکھنا بھی رائج ہو رہا ہے میری نظر میں یہ بھی غیروں کی نقالی کا ایک حصہ ہے اس سے بھی بچنا چاہیے قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھنا بلاشبہ سخت گناہ ہے چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے فتاوی عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں "قرآن کریم

کو رسم عثمانی کے سوا کسی اور رسم الخط میں لکھنا ناجائز ہے" ۲۱۸/۱

لما في الاتقان في علوم القرآن في مرسوم الخط وآداب كتابته:(۲/ ۳۲۵مطبع:قديمي)

قال اشهب:سئل مالك :هل يكتب المصحف على ما احدثه الناس في الهجاء؟ فقال: لا الا على الكتبة الاولى رواه الداني في المقنع ثم قال :ولا المخالف له علماء الأمة وبعد اسطر وقال الامام احمد يحرم مخالفة مصحف الامام في واو او ياء او الف او غير ذلك.

وفي خلاصة النصوص الجلية ص:۲۵(بحواله جواهر الفقه:۲/ ۱۰۲)

اجمع المسلمون قاطبة على وجوب اتباع رسم مصاحف عثمان ومنع مخالفته ـــــ الخ

وايضاً في الفرائد الحسان في بيان رسم القرآن ص:۵۸

لما في التجنيس والمزيد(بحواله جواهر الفقه ۲/ ۱۰۲)

ويمنع من كتابة القرآن بالفارسية بالاجماع لانه يؤدي الى الاخلال بحفظ القرآن .لانا امرنا بحفظ النظم والمعنى فانه دلالة على النبوة ولانه ربما يؤدي الى التهاون بامر القرآن انتهى.

ايضاً في معراج الدراية انه يمنع من كتاب المصحف بالفارسية اشد المنع انه يكون معتمده زنديقا ـــ الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ

واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفر لہ ولوالدیہ

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر:۲۰۱۶

﴿قرآن مجید ٹیوشن پڑھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے سے متعلق کہ ڈیفنس سوسائٹی کے بنگلوں میں کمرشل (تجارتی) کام کی اجازت نہیں ہے تو کیا ان بنگلوں میں ٹیوشن پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسروں کے گھروں میں جا کر ٹیوشن پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ مستفتی: مجتبیٰ

﴿جواب﴾ ٹیوشن پڑھانا کوئی کمرشل (تجارتی) کام نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اجارہ یعنی ملازمت کے زمرہ میں آتا ہے ڈیفنس اتھارٹی نے صرف کمرشل کام کو اگر منع کیا ہے تو اس کا اطلاق ٹیوشن پر نہیں ہوتا اس لحاظ سے کوئی گناہ نہیں۔

اور یہ کام فی نفسہ تو جائز ہے اس میں کوئی خرابی نہیں لیکن دوسروں کے گھروں میں جا کر

پڑھانا اور بار بار آنا جانا انتہائی نازک کام ہے طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس لیے جہاں تک سکے ہو اس سے بچنا چاہیے زیادہ مجبوری ہو تو محتاط رہنا چاہیے۔

لما فی الفتاوی العالمگیریۃ(۵/۵۰۷ قدیمی کتب خانہ)

ولو استاجر لتعليم ولده الكتابة او النجوم اوالطب او التعبير جاز بالاتفاق وفى الفتاوى الفضلى ولواستاجر المعلم على حفظ الصبيان ارتعليم الخط او الهجاء جاز.

ولما فی الفتاوی قاضی خان(۲/۲۲۳ قدیمی کتب خانہ)

ولواستاجر رجلا ليعلم غلامه اوولده شعرا اوادبا اوخطا او حسابا او هجاء او حرفة من الخياطة ونحوها ان بين لذاك وقتا معلوما ستة اشهر او ما اشبه ذالک جاز ويجب المسمى تعلم فى تلک المدة او لم يتعلم.

ولما فی تبیین الحقائق(۶/۱۸۱ مکتبہ سعید)

استاجر انسانا ليعلم لغلامه او ولده شعرا او ادبا او حرفة مثل الخياطة ونحوها فالكل سواء ان بين المدة بان استاجر شهرا ليعلمه هذا العمل يجوز ويصح وينعقد العقد على المدة حتى يستحق الاجرة تعلم او لم يتعلم اذا سلم الاستاذ نفسه لذالک ......وكذا تعليم سائر الاعمال كالخط والهجاء والحساب على هذا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اکی غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ المحرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۱۹

﴿لاؤڈ اسپیکر پر درس قرآن دینے سے لوگوں کو تکلیف ہو تو منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی مسجد میں امام صاحب نماز فجر کے فوراً بعد لاؤڈ اسپیکر میں درس قرآن دیتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کی آواز پورے گاؤں کے گھروں میں سنائی دیتی ہے، گھروں میں اکثر حضرات و مستورات اس بیان کو توجہ سے نہیں سنتے، تو کیا اس طرح لاؤڈ اسپیکر میں درس قرآن دینا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ درس قرآن دینا تو بڑا اچھا عمل ہے، لیکن ہر اچھے اور مفید کام کیلئے موقع محل کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے، امام صاحب درس قرآن کے پھول برسائیں اور لوگ سونگھنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں، تو اس طرح بے قدری کرنے میں امام صاحب کا بھی حصہ ہے، دین کی بات کوئی احترام سے اگر نہیں سنتا تو سنانا نہیں چاہیے۔

امام صاحب کو چاہئے کہ صرف ان لوگوں کو سنائیں جو لا محالہ اسے ساتھ باقاعدہ سمجھنے سننے کے لئے حاضر ہوں، پورے گاؤں والوں کو سنانے میں کئی مفاسد ہیں، بعض لوگوں کی بے توجہی سے علاوہ بعض کو تکلیف بھی ہوسکتی ہے، کوئی مریض ہوگا، کوئی دوسری تحت عبادت ہوگی بعض لوگوں میں غلطی فہمی ہوتی ہے، وہ اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ حقیقی معنی کے الفاظ بدل دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے فرائض غلط ہوجاتے ہیں، اس لئے امام صاحب کو چاہئے کہ آواز مسجد تک محدود رکھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگ خصوصاً مستورات لاؤڈ اسپیکر پر درس ہونے کو پسند کریں گے اور ان کو فائدہ بھی ہوگا لیکن فائدے سے نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے، اس لئے لاؤڈ اسپیکر پر درس قرآن نہیں دیا کریں۔

لما فی البحر الرائق (باب: ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها ۲/۳۳، طبع: رشیدیه)

"لان المسجد ما بنی الا لها من صلاۃ واعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمه وقراءۃ قرآن"

ولما فی الشامی (مکروهات الصلوٰۃ ۱/۶۶۰، طبع: سعید)

"وفی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی: اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصلی او قارئ... الخ"

ولما فی الدر المختار (مکروهات الصلوٰۃ ۱/۶۶۱)

"فانه یقول بلسانه ولا عقد الا المعتکف بشرطه"

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب کتبہ: امین الدین محمدی

۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۵۰۰

﴿انگوٹھے کو کانوں کی لو سے مس کرنا ضروری نہیں تو منع بھی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جب ہمارا درس کتب حدیث رفع الیدین فی تکبیر التحریمہ پر پہنچ گیا تو ایک استاذ حدیث نے فرمایا کہ انگوٹھے کا کان کے لو کو ہاتھ مس کرنا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے اور دوسرے استاذ حدیث نے اپنے

درس میں فرمایا، کہ مس کرنا حدیث میں آیا ہے۔لہٰذا آپ حضرات سے گذارش ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ دونوں اساتذہ کرام کی بات صحیح ہے، کسی حدیث شریف میں با قاعدہ مس کرنے کا صراحۃً ذکر ہمارے علم میں بھی نہیں ہے، لیکن مس کرنا کوئی غلط بھی نہیں ہے بعض فقہاء کرام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

آجکل غیر مقلدین کے پروپیگنڈوں سے اور سنت اعمال کو اپنے نئے فیشن انداز میں پیش کرنے سے ہم لوگ بھی متاثر ہورہے ہیں، اکثر غیر مقلدین کو دیکھا ہے رفع یدین کیلئے ایک نیا انداز (سٹائل) اختیار کرتے ہیں۔لہٰذا رفع یدین کرتے ہوئے آسانی سے کانوں کے لو کو انگوٹھوں سے مس کرنا کوئی غلط نہیں ہے، البتہ ضروری سمجھنا اور مس کرنے کیلئے تکلف برتنا غلط ہے، اسی طرح صرف ہاتھوں کو اٹھانا کافی سمجھنا چاہے جس رخ پر ہاتھ جائیں یہ بھی غلط ہے، سنت عمل کو اہتمام سے ادا کرنا چاہئے۔اساتذہ کرام کی باتوں میں تضاد یا تعارض نظر آئے تو مناسب توجیہ سے تعارض کو خود ہی ختم کرنا چاہئے یہی ادب کا تقاضا ہے، توجیہ کی کوئی صورت نہ بن پائے تو انہی اساتذہ کرام سے ہی حل پوچھنا چاہئے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۴۸۲، طبع: سعید)

(ورفع يديه ـ ماسا بابهاميه شحمتى أذنيه) هو المراد بالمحاذاة لأنها تتيقن الا بذالك. ومثله فى فتاوى قاضيخان :(۱/۸۲ طبع: قديمى) وفى البحر:(۱/۱۰۵، طبع: سعيد)

ولما فى السعاية:(۲/۱۵۲، باب صفة الصلوة طبع: سهيل اكيڈمى)

(قال ما سا الخ) حال ثالثة مترادفة اى لا مسا بطرفى ابهاميه شحمتى أذنيه بفتح الشين اى مالان من أسفل الأذن معلق القرط ، وعبارة الهداية يرفع يديه حتى يحاذى بابهاميه شحمتى أذنيه ، فغير المصنف المحاذاة الى المس تبعا لقاضيخان فانه قال فى فتاواه يرفع يديه حذاء أذنيه ويمس طرف ابهاميه شحمة أذنيه وأصابعه فوق أذنيه انتهى. وذكر صاحب النهاية أيضا فى مختارات النوازل المس ، وقال القهستانى فى جامع الرموز ذكر فى النظم أن محاذاة الابهام الشحمة مسنونة، وفى ظاهر الأصول محاذاتها اليد الأذن ويكره التجاوز عنها، والمس لم يذكر فى المتداولات الا فى فتاوى

قاضیخان والظهيرية، والقول بأنه لتحقق المحاذاة ليس بشيئ انتهى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۸ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۵

﴿فقہ حنفی چالیس فقہاء کرام کا مرتب کردہ قانون ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہ حنفی کو ترتیب چالیس علماء کرام نے دی ہے اس بات کی کچھ حقیقت ہے؟ مستفتی: محمد ارشاد

﴿جواب﴾ یہ بات بالکل درست ہے کہ فقہ حنفی ایک شخصی رائے نہیں بلکہ ان چالیس جبال العلم حضرات جو علم وفضل، فہم وفراست زہد وتقویٰ اور ذکاوت میں اپنی مثال آپ تھے کی شوریٰ کا مرتب کردہ قانون ہے، جب کوئی واقعہ پیش آتا تو امام صاحبؒ اپنی کمیٹی کے ارکان سے مشورہ فرماتے، کئی کئی دنوں تک بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیالات فرماتے اور اس وقت تک کسی مسئلہ کو حتمی شکل نہیں دیتے تھے جب تک آپ کے تمام اہل مجلس کی رائے سامنے نہ آتی اور جب مسئلہ پوری طرح منقح ہو جاتا تو امام ابو یوسفؒ یا کسی اور کو فرماتے کہ اس مسئلہ کو فلاں باب میں لکھ دو۔

لمافي رد المحتار:(۱/۶۷،طبع ايچ ايم سعيد)

ونقل ط عن مسند الخوارزمي:أن الامام اجتمع معه ألف من أصحابه أجلهم وأفضلهم أربعون،قد بلغوا حد الاجتهاد.....فكان اذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم،وجاورهم وسألهم،فيسمع ما عندهم من الاخبار والآثار،ويقول ما عنده،ويناظرهم شهرا أو أكثر حتى يستقر الآخر الاقوال فيثبته أبو يوسف،حتى أثبت الاصول على هذا المنهاج شورى،لا أنه تفرد بذلك كغيره من الأئمة.

ولمافي التاتارخانية:(۱/۱۳،طبع قديمي)

فأول من دون الفقه والقانون الاسلامي:الامام أبو حنيفة،انتخب من تلاميذه أربعين رجلا من كبار العلماء والفقهاء،وكوّن مجلسا متقنا،وكان كل عضو من أعضاء ذلك المجلس فريد عصره في فنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۸

﴿نوجوان عالم کا مرتبہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہمارے علاقے میں ایک نوجوان عالم کو بزرگ لوگوں سے زیادہ حیثیت دی جاتی ہے مثلاً بات کرنے کے دوران یا راستے پر چلتے وقت اٹھنے بیٹھنے وغیرہ میں کیا بزرگوں کی حیثیت ایک نوجوان عالم سے زیادہ نہیں شریعت کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تعجب کی بات ہے کہ ایک دنیا دار کی عزت وتوقیر اور خوشامد پر تو کسی کے منہ سے حرف شکایت نہیں نکلتا اگرچہ وہ ایک نوخیز لڑکا ہی کیوں نہ ہو حالانکہ وہ عزت وتوقیر صرف دنیوی غرض کے لیے ہوتی ہے لیکن جب ایک دینی طالب علم مدارس میں سالہا سال علوم قرآن وحدیث پڑھ کر گھر لوٹتا ہے اور کچھ خوش نصیب لوگوں کو اس کے احترام کی توفیق مل جاتی ہے تو ذہن میں طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوجاتے ہیں فالی اللہ المشتکی!

بے شک بزرگوں کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے بلکہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ جو ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے لیکن بایں ہمہ بزرگ اگر غیر عالم ہیں تو ان کی حیثیت ایک عالم کے برابر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی عالم کو حیثیت دینے سے بزرگ کی اپنی حیثیت میں کچھ کمی آتی ہے۔

فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے کہ غیر عالم کو چاہیئے (اگرچہ وہ بزرگ ہو) کہ عالم سے پہلے بات نہ کرے اور اس کی جگہ پر نہ بیٹھے وغیرہ، اس لیے اگر آپ کے علاقے میں واقعی عالم کو اتنی حیثیت دیجاتی ہے تو آپ کو اس پر اشکال نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ اس دور ناشناسائی میں محبت کی ایک جھلک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم اور اہل علم سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

لمافی قوله تعالی:(سورة الزمر،آیت ۹)قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون.

ولمافی قوله تعالی(سورة المجادلة،آیت ۱۱)یرفع الله الذین آمنو منکم والذین اوتوالعلم درجات

ولمافی الهندیة :(۵/۳۷۲،طبع رشیدیه)

"والشاب العالم یتقدم علی الشیخ الغیر العالم والعالم یتقدم علی القرشی الغیر العالم قال الزندویستی حق العالم علی الجاهل وحق الاستاذعلی التلمیذواحد علی السواء

وهو ان لايفتتح بالكلام قبله ولايجلس مكانه وان غاب ولايرد على كلامه ولايتقدم عليه في مشيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر: ۱۲۴

﴿کسی غیر عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ عالم کی تحریر پر اعتراض کرے﴾

﴿سوال﴾ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حضرت مفتی صاحب امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے عرض طلب مسئلہ یہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فضائل اعمال میں فضائل قرآن کے تحت "ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر" کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں "ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کیلئے سہل کر رکھا ہے، ہے کوئی حفظ کرنے والا" جس پر ہمارے چند ساتھیوں کا کہنا ہے کہ یہ ترجمہ غلط ہے، کیونکہ "للذکر" کا ترجمہ نصیحت اور عبرت ہے جیسا کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۵۹۹ پر لکھتے ہیں "بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کیلئے تو ہے کوئی شخص سوچنے والا کہ ان عبرتناک واقعات کو غور وفکر کی نظر سے دیکھ کر ایمان و ہدایت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرے تاکہ دین و دنیا کی فلاح و سعادت حاصل ہو"۔ برائے مہربانی اس اعتراض کا جواب دلائل کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔　　　مستفتی: محمد ایاز، عمرکوٹ

﴿جواب﴾ شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ اپنے دور کے ممتاز عالم دین تھے، کسی غیر عالم آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عالم کی بات کو غلط کہے۔ اور بغیر تحقیق کے کسی عالم کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بزرگوں کی تحریر یا تقریر پر تنقید کرے۔ آپ کے دوستوں نے کون سی تفاسیر کا مطالعہ کیا جس سے ان کو معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت کا اس طرح ترجمہ غلط ہے؟ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے آیت کا دوسرا ترجمہ کر کے ایسا تو نہیں فرمایا کہ اس کے علاوہ ترجمہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ترجمے صحیح ہیں عربی تفاسیر میں یہاں پر "للذکر" سے دونوں معانی مراد لینا صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں دونوں معانی مراد لینا واضح فرما دیا ہے۔

لمافی روح المعانی:(۱۱۸/۲۷، طبع رشیدیہ کوئٹہ)

والله لقد سهلنا القرآن للذكر بان انزلناه على لغتهم وشحناه بانواع المواعظ والعبر وصرفنا فيه من الوعيد والوعد "للذكر" اى للتذكر والاتعاظ "فهل من مدكر" انكار ونفى للمتعظ على ابلغ وجه وآكده يدل على انه لا يقدر احد ان يجيب المستفهم بنعم. وقيل: المعنى سهلناه للحفظ لما اشتمل عليه من حسن النظم وسلامة اللفظ وشرف المعانى وصحتها وعروه عن الحشو.

اسی طرح محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر صفوۃ التفاسیر میں دونوں معانی مراد لینے کا ذکر فرمایا ہے۔

لمافی صفوة التفاسير:(۲۸۲/۳، طبع: مدنیہ لاہور)

اى والله لقد سهلنا القرآن للحفظ والتدبر والاتعاظ لما اشتمل عليه من انواع المواعظ والعبر "فهل من مدكر" اى فهل متعظ بمواعظه معتبر بقصصه وزواجره؟ قال الخازن: وفيه الحث على تعليم القرآن والاشتغال به، لانه قد يسره الله وسهله على من يشاء من عباده بحيث يسهل حفظه للصغير والكبير والعربى والعجمى ـ وبالجملة فقد جعل الله القرآن مهيأ ومسهلا لمن اراد حفظه وفهمه او الاتعاظ به ظهوراس سعادة الدنيا والآخرة.

اور ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ:(۶/ ۵۰، طبع: رشیدیہ، کوئٹہ)

(ولقد يسرالقرآن للذكر) يعنى هونا قرأته. وقال السدى: يسرنا تلاوته على الالسن. وقال الضحاك: عن ابن عباس ؓ لولا ان الله يسره على لسان الآدميين ما استطاع احد من الخلق ان يتكلم بكلام الله "فهل من مدكر" اى فهل من متذكر بهذا القرآن الذى قد يسر الله حفظه ومعناه؟ وقال محمد بن كعب القرظى فهل من منزجر عن المعاصى؟

اور دیکھئے تفسیر مظہری:(۱۳۸/۹، طبع: رشیدیہ، کوئٹہ)

(ولقد يسرنا القرآن للذكر) اى سهلنا القرآن للذكر اى للاذكار والاتعاظ بان ذكرنا فيه انواع المواعظ والعبر والوعيد واحوال الامم السابقة للاعتبار والمعنى يسرنا القرآن للحفظ بالاختصار وعذوبة اللفظ.

امید ہے آپ کے دوستوں کی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے مذکورہ حوالے کافی ہوں گے۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ   فتویٰ نمبر: ۳۰۲۸

﴿تعلیمی حلقے میں بیٹھنا نفلی نماز سے افضل ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صوم وصلاۃ کا پابند آدمی ہوں فرض نماز کے بعد ذکرواذکار، اوابین اور دیگر نوافل بھی عرصہ سے میرا معمول ہے لیکن آج کل ہماری مسجد میں فرض نماز کے بعد سنتیں پڑھتے ہی تعلیم یا بیان وغیرہ ہوتا ہے اگر میں تعلیم وغیرہ میں شریک ہوتا ہوں تو میرا مذکورہ معمول رہ جاتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ میں اوابین یا دیگر اوراد میں مشغول ہو جاؤں یا تعلیم میں بیٹھ جاؤں؟

﴿جواب﴾ فرض نماز کے بعد بلا تاخیر سنت مؤکدہ پڑھنا چاہیئے باقی نوافل، اذکار وظائف وغیرہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے چاہئیں۔

اجتماعی حلقے میں شرکت کی فضیلت انفرادی ذکر وعبادت سے ہزاروں درجہ زیادہ ہے، خصوصاً ایسا تعلیمی حلقہ جو احیاء دین اسلام کیلئے اجتماعی ترتیب کا حصہ ہو احادیث میں ایسے عمل کے مقابلہ میں دیگر تمام اعمال کی نسبت سمندر اور ایک چلو بھر پانی کی بتائی گئی ہے۔

لما فی سنن ابن ماجة:(ص ۲۰،باب فضل من تعلم القران وعلمه،طبع قدیمی)

عن ابی ذر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا اباذر لان تغدو فتعلم آية من كتاب الله خير لك من ان تصلي مائة ركعة ولأن تغدو فتعلم بابا من العلم عمل به او لم يعمل خير من ان تصلي الف ركعة.

ولما فی احیاء علوم الدین:(۲/ ۳۰۸،كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر،دار المعرفة)

وقال صلی الله علیه وسلم ما اعمال البر عند الجهاد في سبيل الله الا كنفثة في بحر لجي وما جميع اعمال البر والجهاد في سبيل الله عند الامر بالمعروف والنهي عن المنكر الا كنفثة في بحر لجي.

ولما فی حاشیة احیاء علوم الدین:(۲/ ۳۰۸،طبع دار المعرفة،بیروت)

حديث ما اعمال البر عند الجهاد رواه ابو منصور الديلمي في مسند الفردوس مقتصرا على الشطر الاول من حديث جابر باسناد ضعيف واما الشطر الاخير فرواه علي بن معبد في كتاب الطاعة والمعصية من رواية يحيى بن عطاء مرسلا او معضلا ولا أدري من يحيى بن عطاء.

ولما فی الدر مع الرد:(۱/ ۲۳۱،طبع سعید)

ودرسک باقی الذکر اولی من الصلاة نفلا ودرس العلم أولى وانظر وفي الشامية اى

تعلمک باقی القرآن عند الفراغ اولی من صلاۃ التطوع، وعلله فی منیۃ المفتی بان حفظ القرآن علی الأمۃ ای فرض کفایۃ وصلاۃ التطوع مندوبۃ اھ (قوله ودرس العلم) ای المفترض علیک اولی وانظر من تعلم باقی القرآن قال فی منیۃ المفتی: لان تعلم جمیع القرآن فرض کفایۃ وتعلم مالابدمنه من الفقه فرض عین والاشتغال بفرض العین اولی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ | فتوی نمبر: ۲۹۸۶

﴿لفظ عمداً کی تحقیق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پنجم کلمہ میں لفظ "عَمْداً" (بسکون المیم) ہے یا "عَمَداً" (بفتح المیم) ایک محقق عالم فرماتے ہیں کہ "عَمْداً" (بسکون المیم) ہے جبکہ مشہور "عَمَداً" (بفتح المیم) ہے۔ مستفتی: قاری سعادت اللہ

﴿جواب﴾ محقق عالم دامت برکاتہم صحیح فرمار ہے ہیں کہ یہ لفظ عمداً یعنی سکون میم کے ساتھ ہے اگر چہ عوام میں میم مفتوح کے ساتھ پڑھنا رائج ہے چنانچہ لغت کی معتبر کتب میں "العمد القصد" لکھتے ہیں۔ قصد کے معنی میں عمداً مصدر کو کسی نے بھی میم مفتوح کے ساتھ نہیں لکھا۔

لمافی تاج العروس ج۲/۴۲۲ طبع داراحیاء التراث العربی.

کذافی المعجم الوسیط ج۲/۶۲۶ المکتبۃ الشاملۃ.

وکذا فی القاموس الوحید ۱۱۲۴ طبع ادارۃ اسلامیات.

وکذافی المنجد ۶۸۰ طبع دارالاشاعت کراچی.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر:

﴿جہالت کی وجہ سے غلط مسئلہ بیان کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جہالت کی وجہ سے جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کہے اور اس پر ڈٹا بھی رہے مثلاً قسطوں پر خریدنا جائز ہے اور یہ

اسکو نا جائز کہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: محمد عظیم عبدالخیل لکی مروت

﴿جواب﴾ شرعی مسائل کیلئے علماء سے رجوع کرنا چاہیئے، مسائل بتانا ہر آدمی کا کام نہیں ہے، ہاں کوئی مسئلہ یقینی طور پر معلوم ہو تو بتانے کی گنجائش ہے لیکن ضد و بحث بہر صورت منع ہے اور سخت گناہ ہے، علماء کے علاوہ عام آدمیوں کا مسائل بیان کرنا اور اپنے موقف پر ڈٹنا خواہ غلط ہو جہالت ہے اور قیامت کی علامات میں سے ہے۔

لمافی تکملہ فتح الملهم: (۵/۵۲۵ مطبع دارالعلوم کراچی)

حدثنا قتيبة بن سعيد..... سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى اذا لم يترك عالما اتخذ الناس رؤساجهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۲۳۶

﴿لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضراتِ مفتیانِ کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) لڑکے لڑکیوں کا ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟ (۲) ایسی تعلیم دلوانے کے لیے والدین کا پیسے خرچ کرنا کیسا ہے؟ (۳) کیا والدین سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پوچھ گچھ ہوگی؟ (۴) شریعت نے لڑکیوں کی کتنی تعلیم روا رکھی ہے؟ مستفتی: زبیر احمد کورنگی

﴿جواب﴾ (۱) لڑکے اور لڑکیوں کا ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنا شریعت کی رو سے بالکل ناجائز ہے (۲) والدین کا ایسی تعلیم میں رقم وغیرہ خرچ کرنا بھی درست نہیں ہے (۳) شریعت میں عورتوں کیلئے دنیوی تعلیم بقدر ضرورت سیکھنا (کہ جس سے گھریلو کام کاج، حساب و کتاب آجائے) جائز ہے رہی دینی تعلیم وہ ہر مسلمان پر، خواہ مرد ہو یا عورت اتنی سیکھنا فرض ہے کہ وہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں حلال وحرام، جائز و ناجائز، کو پہچان سکے (۴) والدین سے بارگاہ الٰہی میں اولاد کی صحیح تربیت نہ کرنے کی صورت میں ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۲/۵۸،باب مایلزم الامام من حق الرعیة،طبع رحمانیه)

الاكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته(الحديث)

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة النور،آیت ۳۱)

ولا يضربن بارجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن الاية.

ولمافی قوله تعالیٰ:سورة الأحزاب،آیت ۳۳)

وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى الاية

ولمافی سنن ابن ماجة:(ص۲۰،طبع قدیمی)طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة

ولمافی البحر:(۸/۱۹۲،طبع سعید)

والطبيب انمايجوزلهذلك اذالم يوجدامرأةطبيبةفلووجدت فلايجوزله ان ينظر لان نظرالجنس الى الجنس اخف وينبغى للطبيب ان يعلم امرأة ان امكن.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم:محمد شریف حسین چترالی

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر:۱۷۱

﴿کیا طالب علم کے اخراجات کی ذمہ داری والد پر ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک طالب علم جو دینی علوم میں مشغول رہنے کی بناء پر خود کما نہیں سکتا تو کیا اس کا خرچہ اس کے والد صاحب پر لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ والدین میں خرچہ دینے کی استطاعت بھی ہو؟　　　　مستفتی:عبدالغنی

﴿جواب﴾ علم دین سیکھنا عبادت اور وقت کی ضرورت ہے جو خود طالب علم کی اصلاح کا ذریعہ ہے اور ساتھ ساتھ دوسروں کی رہنمائی کا باعث بھی ہے، لہٰذا جو طالب علم، علم دین حاصل کرنے کی وجہ سے خود کمانہ سکے تو اس کا خرچہ باپ سے ساقط نہیں ہوتا، باپ اس کے مناسب اور ضروری خرچے کا ذمہ دار ہے بشرطیکہ طالب علم وقت ضائع کئے بغیر پڑھائی میں مشغول رہے اور ضروری علوم حاصل کرے۔

لمافی الهندية:(۱/ ۵۶۳ طبع رشیدیه)

وكذا طلبة العلم اذا كانوا عاجزين عن الكسب لايهتدون اليه لاتسقط نفقتهم عن

ابانہم اذا کانوا مشتغلین بالعلوم الشرعیۃ لا بالخلافیات الرکیکۃ وھذیان الفلاسفۃ ولہم رشد والا لا تجب کذا فی الوجیز للکردری

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم صلاح الدین چترالی

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۳۵۴

﴿تعلیم اور شرعی احکام سے لاپرواہی پر مار پیٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ معلم اگر بچے کو شرارت کرنے پر یا سبق یاد نہ ہونے پر بے تحاشا مارے جس سے اس کی کمر پر چھالے پڑ جائیں تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ عام طور پر بعض قراء حضرات کے ہاتھوں اس طرح بچے تشدد کا شکار ہو جاتے ہیں کبھی کبھار ان کے اعضاء تک معطل ہو جاتے ہیں شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۲) کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی کام پر ضرب کر سکتا ہے؟ یا نماز نہ پڑھنے پر مارنے کی اجازت ہے؟ بینوا تو جروا۔

مستفتی اکبر خان

﴿جواب﴾ (۱) شریعت مطہرہ نے استاد کو بہت بڑا مقام دیا ہے، استاد کے فرائض منصبی میں جہاں بچوں کی تعلیم ہے وہاں ساتھ ساتھ تربیت و تادیب بھی شامل ہے، اس واسطے معلم کو تعلیم کے ساتھ تلامذہ کے اخلاقی تربیت کا بھی مجاز ہے، اس تربیت کے دوران اس کو سزا دینے کا بھی اختیار ہے جس کی ایک صورت ضرب کی بھی ہے، ضرب اس وقت کر سکتا ہے جب تادیب کی کوئی اور صورت کارگر ہوتی ہوئی نظر نہ آئے یا استاذ اس کو بچے کے حق میں مؤثر اور فائدہ مند سمجھے اور ساتھ ساتھ اپنی ذاتی کوئی غرض یا غصہ بھی شامل نہ ہو، تاہم چہرے پر نہ مارا جائے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح: (۲/۲۱۶، طبع سعید)

عن أبی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ قال اذا ضرب احدکم فلیتق الوجہ رواہ ابو داؤد.

نازک اعضاء پر نہ مارا جائے اور اس قدر زور سے بھی نہ مارا جائے کہ جلد سیاہ ہو جائے۔ تین ضرب سے زیادہ نہ مارا جائے۔

لمافی الشامی: (۲/۵، طبع امدادیہ)

قال علیہ الصلاۃ والسلام لمرداس المعلم: "ایاک أن تضرب فوق الثلاث، فانک اذا

ضربت فوق الثلاث اقتص الله منک"اھ.

حتیٰ الامکان لکڑی استعمال نہ کرے صرف ہاتھ سے ضرب خفیف کی گنجائش ہے محض شفقت سے کام بنتا ہو تو فبہا بصورت دیگر صرف ڈرانے دھمکانے سے کام لیا جائے کیونکہ تجربے اور مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ مارنے سے بچوں کی طبیعت بگڑ جاتی ہے پھر وہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔

(۲) عام حالات میں کسی شخص کے لئے اپنی بیوی کو مارنا جائز نہیں لیکن اگر وہ نافرمان ہوگئی ہو، راہ راست پر نہ آرہی ہو دوسرے ذرائع سے سمجھانا بیکار ثابت ہوگیا ہو تو ہلکا مارنے کی گنجائش ہے، ناحق مارنے کی بالکل گنجائش نہیں بصورت دیگر شوہر پر تعزیر جاری کردی جائے گی نماز کے متعلق مارنے میں اختلاف ہے۔

لما فی الشامی:(۴/۷۹،طبع سعید)

قال فی البحر: وصرحوا بأنه اذا ضربها بغیر حق وجب علیه التعزیر اھ: ... و ذکر الحاکم: لا یضرب أمرته علی ترک الصلوٰۃ و یضرب أبنه الخ.

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اور بیوی کو تعلیمی کوتاہی پر مارنا جائز نہیں یہ حق باپ کا ہے شوہر کا نہیں اور ترک صلوٰۃ پر مارنے میں اختلاف ہے۔امداد الاحکام: (۴/۱۳۵،طبع دارالعلوم کراچی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۱۷۶

﴿کیا تبلیغ صرف انبیاء کا کام ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کئی لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ پیغمبروں کا کام تھا ہمارا نہیں کیا یہ ٹھیک ہے؟

﴿جواب﴾ کئی لوگوں کا یہ کہنا کہ "تبلیغ پیغمبروں کا کام تھا" یہاں تک تو صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ "ہمارا نہیں" یہ غلط ہے اور بہت خطرے کی بات ہے، بلکہ ہر مسلمان کو یہ جان لینا ضروری ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے آنا نہیں، لہٰذا ہمارے نبی

ﷺ کی جو ذمہ داری تھی وہی اب امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ کیا میں نے تم تک دین پہنچا دیا؟ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے صرف دین پہنچایا ہی نہیں بلکہ پہنچانے کا حق بھی ادا کر دیا اس پر آپ ﷺ نے اللہ کو تین مرتبہ گواہ بنایا اور پھر آخر میں فرمایا خبردار! جو حاضرین ہیں اب وہ غائبین تک (اس دین کو) پہنچائیں۔

تفسیر ابن کثیر میں حافظ عماد الدین رحمہ اللہ نے چوتھے پارے کی آیت "ولتکن منکم امة الخ" کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالی عنقریب تم پر اپنا عذاب نازل کریں گے پھر تم دعا بھی کرو گے تو اللہ تعالی تمہاری دعا قبول نہیں کریں گے۔ (۱۱۴/۲، طبع رشیدیہ)

معلوم ہوا کہ تبلیغ کا کام سب کی ذمہ داری ہے اور ہر ایک کو اس میں دلچسپی لینی چاہیے جن حضرات کو اس کام کے بارے میں شکوک وشبہات ہوں انکے لئے مشورہ ہے کہ کچھ وقت لگا کر دیکھ لیں کہ انکے دل کی دنیا کیسے بدلتی ہے۔

لمافی المظهری:(۱۱۳/۲، طبع رشیدیه)

(ولتكن منكم امة) "من للتبعيض لان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفاية وجاز ان يكون من للتبيين ويكون النهي عن المنكر واجب على كل احد واقله ان ينكر بقلبه.

ولمافی ابن کثیر:(۹۱/۲، طبع دار طیبة، مکتبه شامله)

منتصبة للقيام بأمر الله في الدعوة الى الخير والامر بالمعروف والنهي عن المنكر" ...... والمقصود من هذه الاية أن تكون فرقة من هذه الأمة متصدية لهذا الشان وان كان واجبا على كل فرد من الأمة بحسبه.

ولمافيه ايضا:(۹۳/۲ طبع دار طيبة، مكتبه شامله)

(كنتم خير امة اخرجت للناس) والصحيح ان هذه الاية عامة في جميع الأمة كل قرن بحسبه.

ولمافی روح المعانی:(۲۲۲/۴، طبع رشیدیه)

ومنشا الخلاف في ذالك ان العلماء اتفقوا على ان الأمر بالمعروف والنهي

عن المذکر من فروض الکفایات

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹

﴿والدین کے حکم پر علم دین کو مؤخر کرنا﴾

﴿سوال﴾ میں عالم دین اور حافظ قرآن بننا چاہتا ہوں لیکن میرے والدین کی خواہش ہے کہ میں پہلے انٹر پاس کرلوں اس وقت میں گیارہویں جماعت میں ہوں اور میری عمر 17 سال ہے، میں سوچتا ہوں کہ جب میں نے عالم دین بننا ہے تو میرا انٹر کرنا فضول ہے کالج کا ماحول بھی ٹھیک نہیں کالج میں طالبات بھی ہیں البتہ ہماری کلاس میں نہیں ہیں، پڑھانے والی استانیاں بھی ہیں اور اگر میں کالج میں آخری پیریڈ لوں تو ظہر کی نماز باجماعت نہیں پڑھ سکتا اجازت نہیں ہوتی جبکہ جماعت کالج میں ہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

﴿جواب﴾ آپکا جذبہ قابل قدر ہے اللہ تعالیٰ آپکو کامیاب کرے آپ کیلئے مشورہ یہ ہے کہ آپ والدین کی خواہش کے مطابق پہلے انٹر کریں ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے علم دین کے حصول اور اس مقصد میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی دعائیں بھی کرتے رہیں اور والدین کو بھی اسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں انشاء اللہ رب کریم معاملہ آسان کردیگا آپکا انٹر کرنا بے کار نہیں اسکی بھی ضرورت ہے انٹر کے بعد جب آپ عالم دین بنیں گے تو اس صورت میں دین کا کام زیادہ بہتر کرسکیں گے بے پردگی اگر کالجوں میں ہے تو اس مغربی لعنت سے بازار اور عام راستے بھی تو خالی نہیں ہیں آخر آدمی جائے کہاں؟ اس ماحول میں رہتے ہوئے اگر مجاہدہ کریں گے اور بدنظری سے اجتناب کریں گے تو انشاء اللہ حلاوت ایمان نصیب ہوگی، جماعت کیلئے تمام ساتھی اگر کوشش کریں تو امید ہے کہ اجازت مل جائیگی، اسکے باوجود نہ ملے تو بعد میں سب مل کر جماعت ادا کریں، آپکی تحریر کے مطابق والدین علم دین حاصل کرنے کو منع نہیں کررہے ہیں بلکہ مؤخر کررہے ہیں تو ایسی صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے۔

لما فی قولہ تعالیٰ: (سورۃ الاسراء، آیت ۲۳)

وقضی ربک الّا تعبدوا الّا ایاہ وبالوالدین احسانا ... الآیۃ

ولما فی المشکوٰۃ:(ص۴۲۱،طبع سعید)

عن ابن عباسؓ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اصبح مطیعا فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من الجنۃ وان کان واحد فواحد ومن امسی عاصیا فی والدیہ اصبح لہ بابان مفتوحان من النار ان کان واحد فواحد۔ قال رجل وان ظلماہ ؟قال:وان ظلماہ وان ظلماہ وان ظلماہ۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:فرمان اللہ غفرہ اللہ

۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۸۶۴

﴿کیا تبلیغ امت کا کام نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تبلیغ پیغمبروں کا کام تھا ہمارا نہیں کیا یہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ تبلیغ کا کام تمام انبیاء علیہم السلام کا فرض منصبی رہا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دیگر امتوں کے لئے بھی اس اہم کام میں حصہ لینا پسندیدہ رہا ہے، چنانچہ سورہ ''یٰسٓ'' میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعی قال یٰقوم اتبعوا المرسلین.....الآیۃ.

ترجمہ:اور ایک شخص شہر کے ایک کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ اے قوم رسولوں کی بات مان لو) لیکن اس آخری امت کے تمام افراد پر خصوصیت کے ساتھ تبلیغ کا کام حسب استطاعت واجب اور ضروری ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وسبحن اللّٰہ وما انا من المشرکین.....الآیۃ.

ولما فی المظھری:(۲۰۲/۵،طبع رشیدیہ)

ای من اٰمن بی وصدقنی فھو ایضا یدعوا الی اللّٰہ.

ترجمہ:آپ کہہ دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ،لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں حکمت وبصیرت کے ساتھ یہ میرا بھی کام ہے اور جس نے میری اتباع کی ہے اسکا بھی یہی کام ہے) قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جس نے بھی میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لایا اس کا بھی یہی راستہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف حکمت وبصیرت کیساتھ بلاتا رہے سورہ آل عمران میں

ارشاد ربانی ہے:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولئک هم المفلحون ..... الایة.

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلاتی رہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی رہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں) معلوم ہوا کہ اس کے لئے ایک منظم جماعت کا ہونا ضروری ہے جو اس فریضۂ تبلیغ کو پورا کرتی رہے اور اسی فریضۂ تبلیغ کی وجہ سے اس امت کو تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله..... الایة.

ترجمہ: تم بہترین امت ہو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: ''اے لوگو! جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ اس بہترین امت میں شامل ہو تو چاہئے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارے میں بے شمار ہیں ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں ہیں:

لمافی جامع الترمذی: (۲/۳۹، طبع فاروقی ملتان)

وعن حذیفة بن الیمان ان النبی صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیوشکن الله تعالی ان یبعث علیکم عذابا منه فتدعونه فلا یستجیب لکم.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے ساتھ تم سب پر اپنا عذاب بھیج دے اس وقت تم خدا تعالیٰ

سے دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے بھی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر ہر فرد پر لازم ہے، دلائل نقلیہ کے علاوہ ایک سلیم الطبع آدمی اس کام کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کر سکتا، جو حضرات اس تبلیغ کی محنت میں شریک ہوتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ ان کے گھروں میں دینداری کا ماحول بن جاتا ہے بلکہ عام لوگوں کے لئے بھی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں اسی محنت کی برکت سے۔ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے کئی غیر مسلم ملکوں میں مدارس، مساجد اور مراکز کا قیام فرمایا، لہٰذا ضروری ہے کہ ہر آدمی اس دعوت وتبلیغ کے اصول وضوابط کو سیکھ کر اپنی استطاعت کی بقدر اس محنت میں شریک ہو۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عبد اللہ

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۶۹۷

﴿تبلیغ میں وقت لگانے کے بعد چھوڑ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغ میں چار مہینے لگانے کے بعد اس کو چھوڑ دینا گناہ ہے؟

﴿جواب﴾ آیات وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ کا کام اس امت کے تمام افراد پر حسب استطاعت واجب اور ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني ــ الأية.

ترجمہ: اے محمد آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ ہے میرا راستہ کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں حکمت وبصیرت کے ساتھ میرا یہ کام ہے اور جس نے میری اتباع کی ہے اسکا بھی یہی کام ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: (۲۰۶/۵، طبع رشیدیہ)

اى من امن بى وصدقنى فهو ايضا يدعوا الى الله.

ترجمہ: یعنی جس نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لایا اس کا بھی یہی راستہ ہے کہ حکمت وبصیرت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف بلاتا رہے چار مہینے لگانے سے آدمی اس کام سے

سبکدوش نہیں ہوتا بلکہ اس سے تھوڑی سی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے باقی تبلیغ کی محنت حسب استطاعت ساری زندگی کا کام ہے لیکن یہ سوچ کر کہ چار مہینے لگانے کے بعد شاید مزید وقت نہ دے سکوں گا جس کی وجہ سے گنہگار ہوجاؤں گا یہ محض شیطانی وسوسہ ہے، اس اندیشہ کی بناء پر چار مہینے میں نہ نکلنا کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبداللہ چارسدوی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۰۵

﴿نماز کے بعد تبلیغی جماعت والوں کی تعلیم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہماری مسجد میں تبلیغی جماعت والے نماز کے بعد تعلیم کرتے ہیں اور اس وقت بعض لوگ نماز بھی پڑھ رہے ہوتے ہیں، اس تعلیم کی وجہ سے ان نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کیا ایسی صورت میں تبلیغ والوں کا تعلیم کرانا جائز ہے یا ناجائز؟

﴿جواب﴾ مساجد شعائر اسلام میں سے ہیں، آپ ﷺ مسلمانوں کے اکثر اجتماعی تقاضے مسجد میں پورا فرماتے تھے، فرض نمازوں کے علاوہ تعلیمی حلقے ذکر کے حلقے تبلیغ دین کے لئے جماعتوں کی تشکیل اور اسی طرح آپس کے تنازعات کے فیصلے بھی مسجد میں حل فرماتے تھے، تبلیغی جماعت والے اپنی تعلیم جماعت اور سنتوں سے فارغ ہوکر مسجد میں ایک طرف بیٹھ کر کرتے ہیں جبکہ اکثر نمازی تقریباً فارغ ہوکر واپس جا چکے ہوتے ہیں اس وقت کوئی نمازی مزید نوافل کا اہتمام کرتا ہے یا کسی کو جماعت نہیں ملی بعد میں آکر فرض نماز پڑھتا ہے تو انہیں چاہیئے کہ وہ بھی اجتماعی عمل میں شریک ہوکر تعلیمی حلقہ سے استفادہ کریں۔

کیونکہ اجتماعی عمل خاص کر تعلیمی حلقے میں شریک ہونا زیادہ افضل اور باعث ثواب ہے، ہاں نماز قضاء ہونے کا اندیشہ ہو تو اس جگہ سے ہٹ کر مسجد میں کسی دوسری جگہ نماز ادا کرے، مسجد نبوی میں آپ ﷺ کے زمانے میں بیک وقت بہت سارے اعمال ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اپنی مسجد میں دو حلقوں پر گزر ہوا۔

ایک حلقہ والے دعائیں اور اللہ سے راز و نیاز کی باتوں میں لگے ہوئے تھے اور دوسرے حلقہ والے دینی علم سیکھ رہے تھے اور سکھا رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا دونوں حلقوں والے خیر پر ہیں لیکن ایک حلقے والے دوسرے سے بہتر ہیں یہ تو اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس سے راز و نیاز میں لگے ہوئے ہیں اگر اللہ چاہے گا تو ان کو دے گا اور اگر چاہے گا تو نہیں دے گا۔

یہ دوسرے حلقہ والے سیکھ رہے ہیں اور جسے نہیں آتا اسے سکھا رہے ہیں اور مجھے تو سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے پھر آپ ﷺ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ حیاۃ الصحابہ: ۳/۲۳۲، طبع فیضی)

حضرت ابوھریرہؓ ایک مرتبہ مدینہ کے بازار سے گزرے تو کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا اے بازار والو! تم لوگ کتنے عاجز ہو، بازار والوں نے کہا ابوھریرہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو تو کیا تم لوگ جا کر اس میں سے اپنا حصہ نہیں لے لیتے، لوگوں نے پوچھا کہاں تقسیم ہو رہی ہے، انھوں نے فرمایا مسجد میں چنانچہ بازار والے بہت تیزی سے مسجد گئے اور حضرت ابوھریرہؓ وہاں ٹھہرے رہے تھوڑی دیر میں وہ لوگ واپس آ گئے تو حضرت ابوھریرہؓ نے ان سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ (کہ جلدی سے واپس آ گئے) انہوں نے کہا اے ابوھریرہ ہم مسجد گئے تھے، ہم نے اندر جا کر دیکھا تو ہمیں وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی، حضرت ابوھریرہؓ نے ان سے پوچھا کیا تم نے مسجد میں کوئی آدمی نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا ہم نے مسجد میں بہت سے آدمی دیکھے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ حلال و حرام کا مذاکرہ کر رہے تھے تو ان سے حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو یہی اعمال مسجد تو حضرت محمد ﷺ کی میراث ہیں۔ حیاۃ الصحابہ: (۳/۱۲۹، طبع فیضی لاہور)

اسی طرح مسجد میں مال بھی تقسیم ہوتا اور بیعت کا سلسلہ بھی رہتا نومسلموں کا اسلام لانا بھی مسجد میں ہوتا اہل شوریٰ کا مشورہ کیلئے بیٹھنا بھی ہوتا حضرت عمرؓ نمازوں کے بعد لوگوں کی ضرورت کے لئے مسجد میں تشریف رکھتے۔

لمالي الحلبي الكبير: (ص ۶۱۱، طبع سهيل اكيڈمی)

لما لحاصل ان المساجد بنيت لاعمال الآخرة مما ليس فيه توهم اہانتها وتلويثها مما

ینبغی التنظیف منه (وبعد اسطر قال) ولهذا نثر علیه السلام ما اتاه من البحرین فی المسجد وقسمه فیه لکونه نوع عبادة ولیس فیه امتهان

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۱۱محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

فتوی نمبر: ۶۲۶

﴿والدین کی اجازت کے بغیر تبلیغ میں جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں دورہ حدیث کا طالب علم ہوں، امسال سالانہ تعطیلات سے میرا تبلیغ میں سال لگانے کا ارادہ ہے جب کہ والدین کا مطالبہ درس و تدریس میں مشغولیت اور شادی کرنے کا ہے اور میری رائے یہ ہے کہ بالعموم شادی کے بعد آدمی مصروفیت میں پڑ جاتا ہے، لہٰذا تبلیغ میں سال لگانے کے بعد شادی کروں، گھر کی مالی حالت بھی متوسط درجہ کی ہے، اس مسئلہ میں ازروئے شریعت کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تبلیغ میں نکلنے کا اصل مقصد اپنی ذات کی اصلاح ہے اور اس ضمن میں دین کی اشاعت بھی ہوتی ہے اگر اشاعت دین کیلئے نکلنا فرض کفایہ یا اس سے بھی کم درجہ کا حکم رکھتا ہے لیکن اصلاح نفس تو بعض صورتوں میں فرض عین ہے مباح امور میں والدین کا حکم ماننے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی ضرورت ہو کہ بدوں اس کے تکلیف ہوگی تو اس صورت میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں اگر آپ کا تبلیغ میں سال لگانے کا مقصد اصلاح نفس ہے تو والدین کی اجازت کے بغیر بھی آپ سال لگا سکتے ہیں کیونکہ دین کے تمام اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا اصلاح نفس پر موقوف ہے۔

اگر آپ کا مقصد صرف اشاعت دین ہے تو پھر اگر آپ کے سال لگانے سے والدین کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے اور آپ کے علاوہ گھر کے دوسرے افراد والدین کا خیال رکھنے والے ہیں تو اس صورت میں بھی آپ سال لگا سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے والدین کو کسی طریقے سے راضی کر لیں۔

اگر آپ کے سال لگانے سے والدین کو کوئی تکلیف ہوتی ہے اور ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو پھر آپ والدین کی اطاعت کریں، اس لئے کہ ایسی صورت میں ان کا حکم ماننا

ضروری ہے، سوال میں ذکرکردہ صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدین کے پاس سال لگانے سے روکنے کی کوئی شرعی، معقول وجہ نہیں ہے۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورۃ الاسراء، آیت ۲۳)

وقضی ربک الاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا.....الآیة

لمافی احکام القرآن للجصاص:(۲/۲۹۰، طبع قدیمی)

(قضی ربک) معناه امر ربک وامر بالوالدين احسانا وقيل معناه ولوصى بالوالدين احسانا والمعنى واحد. لان الوصية امر وقد اوصى الله تعالى ببر الوالدين والاحسان اليهما فى غير موضع من كتابه وقال (ووصينا الانسان بوالديه احسانا) وقال (أن اشكرلى ولوالديك الى المصير وان جاهداك على ان تشرك بى ماليس لك به علم فلاتطعهما وصاحبهما فى الدنيا معروفا) فامر بمصاحبة الوالدين المشركين بالمعروف مع النهى عن طاعتهما فى الشرك لانه لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق وروى عن النبى ﷺ ان من الكبائر عقوق الوالدين.

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۴)

ولتكن منكم أمة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولٰئك هم المفلحون.....الآية.

لمافی المظهری:(۲/۱۱۲ طبع رشیدیه)

ولتكن منكم من للتبعيض لان الامر بالمعروف والنهى عن المنكر من فروض الكفاية.

ولمافی بدائع الصنائع:(۷/۹۸ طبع سعید)

وكذا الولد لايخرج الا باذن والديه أو احدهما اذا كان الآخر ميتا لان بر الوالدين فرض عين فكان مقدما على فرض الكفاية والاصل ان كل سفر لايومن فيه الهلاك ويشتد فيه الخطر لايحل للولد ان يخرج اليه بغير اذن والديه لانهما يشفقان على ولدهما فيتضرران بذلك وكل سفر لايشتد فيه الخطر يحل له ان يخرج اليه بغير اذنهما اذا لم يضيعهما لانعدام الضرر ومن مشائخنا من رخص فى سفر التعلم بغير اذنهما لانهما لايتضرران بذلك بل ينتفعان به فلايلحقه سمة العقوق.

ولمافی الدر المختار:(۴/۱۲۲ طبع سعید)

لايفرض (القتال) على صبى وبالغ له ابوان او احدهما لان طاعتهما فرض عين وقال ﷺ للعباس بن مرداس لما اراد الجهاد الزم امك فان الجنة تحت رجل امك سراج وفيه لايحل سفر فيه خطر الا باذنهما ومالاخطر فيه يحل بلااذن ومنه السفر فى طلب العلم.

ولما فی رد المحتار:(۲/۱۲۲،طبع سعید)

قولہ فیہ خطر کالجہاد وسفر البحر قولہ ومالاخطر کالسفر للتجارۃ والحج والعمرۃ یحل لہ بلااذن الاان خیف علیہما الضیعۃ سرخسی قولہ ومنہ السفر فی طلب العلم لانہ اولی من التجارۃ اذاکان طریقا أمنا ولم یخف علیہما الضیعۃ سرخسی

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین

۲۲ربیع الاول۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:۲۹۲

﴿اللہ کی راہ میں پیدل چلنا ایک مستقل فضیلت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جماعتوں کی تشکیل پیدل ہوتی ہے مثلاً اندرون ملک سال پیدل اور پیدل چلہ،یہ جماعتیں گاڑی کی سہولت موجود ہوتے ہوئے بھی گاڑی کو استعمال نہیں کرتے،کیا ہمارے دینِ اسلام میں بلاوجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا کوئی پسندیدہ امر ہے؟پیدل چلنا خود تو کوئی مقصودی عمل نہیں ہے،اصل مقصود تک رسائی اگر سہولت سے ہو تو اس سے بلاوجہ اعراض کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

﴿جواب﴾ یہ بات تو صحیح ہے کہ''اصل مقصود تک رسائی اگر سہولت سے ہو تو اس سے بلاوجہ اعراض کرنا کوئی سمجھداری نہیں''لیکن دین اسلام کے ہر حکم کو اپنی سمجھ پر پرکھنا بھی کوئی سمجھداری نہیں ہے۔

سہولت کے مقابلہ میں کوئی عمل محض مشقت ہی مشقت اگر ہے یعنی شارع علیہ السلام نے اس عمل کو کسی بھی درجہ میں مقصودی عبادت کا مقام اگر نہیں دیا ہے تو ایسی صورت میں اپنے کو مشقت میں ڈالنا سمجھداری کے خلاف شمار ہوگا،لیکن مجاہدہ اور عبادت کو محض مشقت قرار دینا لاعلمی اور جہالت ہے،الحمدللہ تبلیغ کا کام خصوصاً جماعتوں کی تشکیل کا کام علماء کرام کی نگرانی میں ہوتا ہے،ان حضرات کا اجتماعی کوئی بھی عمل سنت کے خلاف نہیں ہوتا۔

اس عظیم کام سے دور اور لاتعلق رہنے والے بعض علماء کرام کو اشکالات ہوتے ہیں،یہ حضرات صحابہ کرام کی تاریخ کا خود اگر مطالعہ کرتے یا تعلق رکھنے والے علماء کرام کے حلقوں میں جُوتے تو اس طرح کے اشکالات پیدا نہ ہوتے،یہ مرض عام ہوتا جارہا ہے کہ''نہ کرو اور نہ کرنے دو''۔

اللہ کے راستہ میں پیدل چلنا دوسری مقصودی عبادت تک رسائی کیلئے اگرچہ وسیلہ ہے لیکن محض وسیلہ نہیں بلکہ شارع علیہ السلام نے اس کو مجاہدہ اور مقصودی عبادت کا مقام بھی دیا ہے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے باقاعدہ عملی طور پر اسکی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ اللہ کے راستہ میں سواری سے اتر کر پیدل چل رہے تھے جماعت کے امیر نے ان سے فرمایا کہ آپ سوار ہو کر کیوں نہیں چلتے؟ اللہ تعالیٰ نے سواری کی نعمت سے نوازا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں، ساتھی آپ سے آگے نکل رہے ہیں، آپؓ نے جواباً فرمایا، تاکہ اپنی سواری کو سہولت دوں اور آپ علیہ السلام نے پیدل چلنے کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے وہ حاصل کروں، راوی نے بیان کیا ہے کہ اس پر دیگر صحابہ کرام بھی پیدل چلنے کیلئے اپنی اپنی سواریوں سے اتر گئے اور اس روز بہت زیادہ صحابہ کرام پیدل چلنے والے نظر آ رہے تھے۔

لما فی الترغیب والترھیب:۲/۲۴۷،طبع حقانیة)

وعن ابی المصبح المقرائی قال بینما نحن نسیر فی ارض الروم فی طائفة علیها مالک بن عبدالله الخثعمی اذمر مالک بجابر بن عبد الله وهو یقود بغلا له فقال له مالک ای ابا عبد الله ارکب فقد حملک الله فقال جابر اصلح دابتی واستغنی عن قومی وسمعت رسول الله ﷺ یقول :من اغبرت قدماه فی سبیل الله حرمه الله علی النار فسار حتی اذا کان حیث یسمعه الصوت نادی باعلی صوته یا اباعبد الله ارکب فقد حملک الله فعرف جابر الذی یرید فقال اصلح دابتی واستغنی عن قومی وسمعت رسول الله ﷺ یقول من اغبرت قدماه فی سبیل الله حرمه الله علی النار فتواثب الناس عن دوابهم فما رأیت یوما اکثر ماشیا منه .رواه ابن حبان فی صحیحه .

سنن ابی داؤد میں نماز جمعہ کے لئے پیدل چلنے کی فضیلت میں ایک حدیث مروی ہے جس میں باقاعدہ صراحت ہے کہ یہ فضیلت سوار ہو کر چلنے والے کے لئے نہیں بلکہ پیدل چلنے والے کے لیے ہے چنانچہ "لم یرکب" کے واضح الفاظ حدیث کے ہیں۔

لما فی سنن ابی داؤد ۱/۶۲،طبع : رحمانیه لاہور

حدثنی اوس بن اوس الثقفی قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من غسل یوم الجمعة واغتسل ثم بکر وابتکر ومشی ولم یرکب ودنا من الامام فاستمع ولم یلغ کان له بکل خطوة عمل سنة اجر صیامها وقیامها .

اور فقہاء کرام نے بھی پیدل چلنے کو سوار ہو کر عبادت کے لئے جانے سے افضل قرار دیا ہے چنانچہ فقہ کی معتبر کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی'' میں امام طحطاوی لکھتے ہیں۔

ویجب)یعنی یفترض (السعی)اراد الذهاب ماشیا بالسکینة والوقار لا الهرولة لانها تذهب بهاء المؤمن ،والمشی افضل لمن یقدر علیه وفی العود منها وانما ذکر بلفظ السعی لمطابقة الامر به فی الآیة وقد نهی النبی ﷺ بقوله :اذا اقیمت الصلاة فلاتأتوها وانتم تسعون وأتوها تمشون وعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلو وما فاتکم فاتموا.

امید ہے کہ اطمئنان کے لئے مذکورہ بالا چند حوالے کافی ہونگے جن میں سوار ہو کے چلنے کے مقابلہ میں پیدل چلنے کی افضلیت کا واضح ذکر ہے، اس کے علاوہ بے شمار احادیث ہیں جن میں پیدل چلنے کی مطلقاً فضیلت وارد ہے، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

لما فی الصحیح البخاری :۳۹۳/۱،طبع قدیمی کراچی

اخبرنی ابو عبس اسمه عبد الرحمن بن جبر ان رسول الله ﷺ قال ما اغبرت قدما عبد فی سبیل الله فتمسه النار.

ولما فی عمدة القاری :۱۵۲/۱۴،طبع رشیدیه کوئٹه

قال :فسر النبی العمل الصالح ان النار لاتمس من عمل بذلک قال والمراد بسبیل الله جمیع طاعاته وقیل مطابقة الآیة من جهة ان الله اثابهم بخطواتهم وان لم یباشروا قتالا وکذلک دل الحدیث علی ان من اغبرت قدمه فی سبیل الله حرمه الله علی النار سواء باشرو قتالا ام لا .

ولما فی عمدة القاری :۲۹۲/۶،طبع رشیدیه کوئٹه

قال یزید بن ابی مریم لحقنی عبایة بن رافع بن خدیج وانا ماش الی الجمعة فقال أبشر فان خطاك هذه فی سبیل الله سمعت اباعبس یقول :قال رسول الله ﷺ من اغبرت قدماه فی سبیل الله فهو حرام علی النار.

وعن ابی امامة عند ابن عساکر

ما من رجل یغبر وجهه فی سبیل الله الا آمن الله وجهه من النار وما من رجل یغبر قدماه فی سبیل الله الاآمن الله قدمه من النار یوم القیمة ۔

ولما فی الترغیب والترهیب :۲۸۱/۱،طبع حقانیه

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل فی الجماعة تضعف علی صلاته

في بيته وفي سوقه خمسا وعشرين درجة وذلك انه اذ توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى الصلوة لايخرجه الا الصلوة لم يخط خطوة الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة فاذا صلى لم تزل الملائكة تصلي عليه مادام في مصلاه اللهم صل عليه اللهم ارحمه ولا يزال في صلاة ما انتظر الصلاة وفي رواية اللهم اغفرله اللهم تب عليه ما لم يؤذ فيه مالم يحدث فيه". رواه البخاري ومسلم والترمذي وابن ماجه باختصاره ومالك في الموطا ولفظه من توضأفاحسن وضوئه ثم خرج عامدا الى الصلاة فانه في صلاة ما كان يعمد الى الصلاة وانه يكتب له باحدى خطوتيه حسنة ويمحى عنه بالاخرى سيئة فاذا سمع احدكم الاقامة فلا يسعى فان اعظمكم اجرا ابعد كم دارا قالو :لم يا اباهريرة؟قال من اجل كثرة الخطا.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۶۰۱

﴿اصلاح سے اگر فساد کا اندیشہ ہو تو۔۔۔﴾

﴿سوال﴾ کسی کے ساتھ اچھائی کرنے یا اس کی اصلاح کرنے کی غرض سے بعض اوقات نوبت قتل تک پہنچ جاتی ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے اچھائی چھوڑ دی جائے تاکہ گناہ کبیرہ سے تو آدمی محفوظ رہے؟

﴿جواب﴾ اصلاح وتبلیغ بلاشبہ بڑا اہم کام ہے اور مشکل بھی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جو کہ ہر لحاظ سے کامل ترین انسان تھے اس امت کی طرف یہ ذمہ داری ختم نبوت کی طفیل منتقل ہوئی ہے، لہٰذا یہ اہم کام اگر انبیاء علیہم السلام کے نہج پر ہوگا تو فساد وقتل عام کی نوبت بھی نہیں آئے گی اور اگر کوئی اپنے طرز وطریقہ پر یہ اہم کام انجام دے گا تو حکمت وبصیرت کا درس چھوٹنے کا قوی اندیشہ ہے جس کے نتیجہ میں فساد وقتال ہوسکتا ہے، لہٰذا اس نہج وترتیب کو باقاعدہ سیکھنا چاہیے اور تبلیغ میں وقت لگانا چاہیے، صحیح نہج وترتیب اپنا کر بھی اگر فساد کا اندیشہ ہو تو پھر اصلاح کے ادنی درجہ پر عمل کرتا رہے یعنی اس منکر کو دل میں برا سمجھتا رہے تو پھر بھی کفایت ہو جائے گی۔

لما في المسلم:(۱/۵۱،طبع قديمي)

عن طارق بن شهاب وهذا حديث ابي بكر قال اول من بدأبالخطبة..قال ابوسعيد..

سمعت رسول الله ﷺ يقول من راى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان.

قال النووى تحت هذا الحديث :(۱/۵۱ طبع قديمى)

قوله ﷺ فليغيره فهو امر ايجاب باجماع الامة وقد تطابق على وجوب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر الكتاب والسنة واجماع الامة وهو ايضا من النصيحة التى هى الدين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۹۴

﴿دعوت کا کام ہر امتی کا تمغہ امتیاز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں تبلیغی جماعت میں تھا ہماری تشکیل (ضلع اوکاڑہ) ہوئی جماعت میں ایک نومسلم یعنی دس دن قبل عیسائیت سے دائرہ اسلام میں آیا ہے اس نومسلم بھائی کو صرف کلمہ آتا تھا اور کچھ نہیں وہاں پر ایک ڈاکٹر موجود تھا ایک مرتبہ اس کے پاس گشت پر گئے تو ڈاکٹر نے کہا کہ تبلیغ وہ شخص کرے جو کہ متقی پرہیزگار ہوں اور دلیل پیش کی کہ آپ ﷺ نے تبلیغی کام نبوت ملنے کے بعد کیا اور اسی طرح بزرگوں کے حالات دیکھ لو جب کامل ہو جاتے ہیں تب تبلیغی کام سرانجام دیتے ہیں تو معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسا شخص جو کہ نومسلم ہو تو اس کا لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا یعنی تبلیغ کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ڈاکٹر صاحب کی بات غلط ہے، کامل تو صرف انبیاء علیہم السلام ہیں انکے علاوہ کوئی امتی اپنے کو کامل سمجھے تو عجب سے خالی نہیں ہے جبکہ دعوت کا کام تو اس امت کے ہر عاقل بالغ کا تمغہ امتیاز ہے۔

لما فى المظهرى:(۲/۱۱۳ طبع رشيديه)

(ولتكن منكم)من للتبعيض لان الامر بالمعروف والنهى عن المنكر من فروض الكفاية..... وجاز ان يكون من للتبيين ويكون النهى عن المنكر واجب على كل احد والله ان ينكر بقلبه.

لما فى التفسير ابن كثير:(۲/۸۳ طبع رشيديه)

(كنتم خير امة اخرجت للناس)والصحيح ان هذه الاية عامة فى جميع الامة كل قرن بحسبه

لمافی روح المعانی: (۲/۲۲۲، طبع رشیدیہ)

و منشا الخلاف فی ذالک ان العلماء اتفقوا علی ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من فروض الکفایات

لمافی فضائل اعمال: (ص ۱۲، مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج)

عن انس قال قلنا یا رسول الله لا نامر بالمعروف حتی نعمل به کله ولا ننھی عن المنکر حتی نجتنبه کله فقال ﷺ بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا به کله وانھوا عن المنکر وان لم تجتنبوه کله (رواه الطبرانی فی الصغیر والاوسط)

واللہ اعلم بالصواب محمد زبیر اکرام — الجواب صحیح عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۶۷۴ — ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

﴿تبلیغی جماعت پر ایک اعتراض کا جواب﴾

﴿سوال﴾ تبلیغی حضرات کلمہ شریف کا مقصد (اللہ سے ہونے کا یقین اور بندہ سے نہ ہونے کا یقین) بیان کرتے ہیں جبکہ ہمارے جنوبی وزیرستان میں ایک شخص حفیظ اللہ جو پشاور والے پیر سیف الرحمٰن کا مرید ہے وہ کہتے ہے کہ کلمہ کا مقصد (اللہ سے پیدا ہونے کا یقین اور بندہ سے ہونے کا یقین ہے) اور تبلیغی حضرات والا مقصد غلط ہے یہ جبریہ کا عقیدہ ہے ورنہ پھر جو انسان چوری زنا وغیرہ کرتا ہے یہ نعوذ باللہ اللہ نے کرایا لازم آئیگا۔

بظاہر اگر کلمہ شریف کا ترجمہ دیکھا جائے تو ترجمہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو یہ اللہ سے ہونے کا یقین اور بندہ سے نہ ہونے کا یقین تبلیغی حضرات نے کہاں سے لیا ہے کلمہ کے یہ دونوں مقصد درست ہیں یا ایک درست دوسرا غلط اور غلط مقصد بیان کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ تبلیغی حضرات جو کلمہ شریف کا مقصد بیان کرتے ہیں (کہ مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین اور خالق سے سب کچھ ہونے کا یقین ہمارے دلوں میں آجائے) اسمیں کسب یا اختیار کی کوئی نفی نہیں اور نہ ہی اسمیں انسانوں کے مجبور محض ہونے کا کوئی دعویٰ ہے۔

تبلیغ کا کام اہلسنت والجماعۃ کے بڑے بڑے علماء کرام کی نگرانی میں ہورہا ہے اور اہلسنت

والجماعۃ کا عقیدہ قدریہ اور جبریہ کے درمیان ہے یعنی یہ کہ انسان نہ اپنے افعال کا خالق اور نہ ان پر قادر مطلق ہے اور نہ وہ اپنے افعال میں مجبور محض، بلکہ اپنے افعال میں ایک حد تک مجبور اور ایک حد تک با اختیار ہے اور اسی اختیار کو قرآن کریم میں کسب سے تعبیر کیا ہے (لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت) اور اسی کسب کی بناء پر انسان مکلف ہے۔

لیکن کسب واختیار کیا چیز ہے؟ تو کسب کسی کام کا ارادہ اور اس کام کے واقع ہونے کے درمیان ایک خفیف سی قدرت ہے جو کہ غیر مستقلہ ہے غیر مستقلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قدرت ہمارے افعال کو وجود میں لانے میں دخیل تو ہے لیکن کافی نہیں، اس لیے کہ وہ قدرت اس فعل کو نہ پیدا کرتی ہے اور نہ اس کو وجود میں لانے میں موثر حقیقی ہے موثر حقیقی تو صرف اللہ کا ارادہ اور اسکا خلق ہے۔

خلاصہ یہ کہ انسان کے تمام افعال اور جن چیزوں کے ذریعہ وہ کسی فعل کا اکتساب کرتا ہے وہ تمام اسباب اور اسباب کی جو تأثیرات ہیں ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے امتحان لینے کیلئے اسکو کسب کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے نیکی یا برائی کا اکتساب کرتا رہے یعنی اسباب کے استعمال میں آزاد تو چھوڑ دیا ہے لیکن اسباب سے کچھ ہونے کا اصل مدار پھر بھی مشیت خداوندی پر رکھا گیا ہے اگر خداوند کریم نہ چاہے تو کوئی مخلوق اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتی، اسلئے کہ اسباب میں قوت تأثیر اصلی اور ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے اور جس سے چاہے اسکی قوت کو ختم کر سکتا ہے، جیسے آگ کی تأثیر جلانا ہے لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے آگ سے جلانے کی تأثیر کو ختم کر دیا تو آگ ابراہیم علیہ السلام کو کچھ ضرر نہیں دے سکی اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں۔

تبلیغی حضرات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اگر چہ کسب اپنے اختیار سے کرتا ہے لیکن اس کسب پر اثر ونتیجہ مرتب ہونا اسکے اختیار میں نہیں ہے۔

چونکہ اس وقت عام لوگوں کی نظر اسباب ہی پر ہے عہدہ، ڈگری اور دولت کو سب کچھ سمجھتے

ہیں اس غلط عقیدہ کو درست کرنے کیلئے اس بات کو خوب بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ تمام اسباب اپنے اثر دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کے اثرات مرتب ہوں گے، اللہ تعالیٰ نہیں چاہے گا تو ان چیزوں سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اسباب کے بغیر بھی اثرات اور نتائج کو وجود دینے پر قادر ہے بس یہی بات ہے جو کہ تبلیغی حضرات بیان فرماتے ہیں ہاں تعبیرات مختلف ہو سکتی ہیں مقصد سب کا یہی ہوتا ہے۔

چنانچہ تبلیغی حضرات اسباب کو مکمل چھوڑنے کی تعلیم نہیں دیتے، بلکہ ان کو اختیار کرتے ہوئے یقین اللہ تعالیٰ پر رکھنے کی تعلیم دیتے ہیں اور لوگوں کو یہ تعلیم دینا نہایت ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس خرابی میں مبتلا ہیں۔

باقی جو سیف الرحمٰن وغیرہ کے جملہ کی وضاحت ضروری ہے، اس لئے کچھ کہنا مناسب نہیں ہے لیکن تبلیغی جماعت کے ان جملوں پر رد کرنا صرف لوگوں میں تفرقہ اور اختلافات پیدا کرنے اور تبلیغ کے عظیم کام سے لوگوں کو روکنے کی کوشش کے مترادف ہے، اس لئے اس قسم کی باتوں سے پرہیز ضروری ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت سے یہ اشکال کہ گناہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو رہی ہے بھی ختم ہو جائے، یہ اشکال تو تب لازم آتا اگر انسان کو مجبور محض مانتے اور اس کا اختیار بالکلیہ نفی کرتے لیکن اختیار کسب سے کوئی انکار نہیں کرتا، تقدیر کے مسائل مشکل ترین مسائل ہیں عام لوگوں کو اس میں بحث کرنے سے شریعت نے روکا ہے، لہٰذا اس میں الجھنا نہیں چاہئے۔

لما فی قوله تعالیٰ (سورة الدهر ایت ۳۰)

وما تشاؤن الا ان یشاء الله ان الله کان علیما حکیما ۔ الایة.

ولما فی روح المعانی: (۲۹/۱۶۷ طبع رشیدیه)

ولا یمکن للمعتزلة ان ینازعوا اهل الحق فی ذالک لان المشیئة لیست من الافعال الاختیاریة والا لتسلسلت بل المتکلمون بیا منها فدعوی استقلال العبد مکابرة وکذلک دعوی الجبر المطلق مهاترة والامر بین الامرین لاثبات المشیئتین وحاصله ما حققه الکورانی ان العبد مختار فی افعاله وغیر مختار فی اختیاره والثواب والعقاب لحسن الاستعداد النفس الامری وسوءه ولکل یعمل علی شاکلته وسبحان من اعطی کل شیء خلقه ثم هدی.

ولما فی شرح الکتاب الفقه الأکبر:(ص۸۹،طبع بیروت)

وجمیع افعال العباد من الحرکة والسکون کسبهم علی الحقیقة والله تعالی خالقها وهی کلها بمشیئته وعلمه وقضائه وقدره والطاعات ماکانت واجبة .. والمعاصی کلها بعلمه وقضائه وتقدیره ومشیئته لا بمحبته ولا ولا برضائه

ولما فی شرح العقیدة الطحاوی:(ص۴۷،طبع الغرباء)

وکل شی یجری بتقدیره ومشیئته ومشیئته تنفذ لا مشیئة للعباد الأ ما شاء لهم فما شاء لهم کان وما لم یشأ لم یکن.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غنی عنہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۳ ۔ ۲

﴿طالب علم کو تعلیم کے ساتھ ساتھ اوراد بھی کرنے چاہئیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران طالبعلمی نفلی کتابوں کا مطالعہ کرنا تکرار وغیرہ افضل ہے یا دوسرے نوافل وظائف وغیرہ افضل ہیں؟

﴿جواب﴾ دوران تعلیم جو اوقات تعلیم کے لئے باقاعدہ مقرر ہیں ان میں باقاعدہ کلاس میں حاضر ہونا اور اپنے درسی امور کو اخلاص نیت کے ساتھ پورا کرنا طالب علم کے لئے ضروری ہے، اس کے علاوہ کسی خوش نصیب طالب علم کو مطالعہ وتکرار میں انہماک کی وجہ سے وقت نہ ملتا ہو تو بلا شبہ نوافل واذکار کو وقت دینے سے ایسی صورت میں اسکو زیادہ ثواب ملے گا اور فقہاء کرام نے اسکی فضیلت جو بیان فرمائی ہے، اس سے ایسا ہی طالب علم مراد ہے آجکل تو طلباء نوافل واذکار سے لا پرواہی کے لئے اس قول کو بطور حجت پیش کرتے ہیں دوسری طرف غیر ضروری بلکہ فضول کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں ایسے طالب علم ہرگز مراد نہیں طالب علم کو عام لوگوں سے نسبتاً زیادہ وقت نوافل واذکار کو دینا چاہیئے، اس لئے کہ وظائف اور نوافل سے بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے، روحانی قوت ملتی ہے جسکی وجہ سے علم میں برکت واخلاص اور شیاطین سے حفاظت رہے گی اور عمل کی توفیق حاصل ہوگی (تجربہ شاہد ہے کہ اس کے بغیر زائد وقت کیا ضروری وقت بھی شیاطین ضائع کرادیتے ہیں!) اور ہمارے اکابر کا یہی معمول رہا ہے۔

لما فی الدر:(۹/۵۸۲،طبع امدادیه)

(رجل تعلم علم الصلاة اونحوه ليعلم الناس وآخرليعمل به فالاول افضل)لانه متعد وروى:مذاكرة العلم ساعة خيرمن أحياء ليلة:

ولما فی الشامی:(۹/۵۸۲،طبع امدادیه)

قوله "وروى"وروى البيهقي عن ابن عمر:"ماعبدالله بشئ افضل من فقه في دين" وفي البزازيه طلب العلم والفقه اذاصحت النيةافضل من جميع اعمال البروكذا الاشتغال بزيادةالعلم اذاصحت النيةلانه اعم نفعا...تعلم بعض القرآن ووجد فراغا فالافضل الاشتغال بالفقه...قال في الخزانةوجميع الفقه لابدمنه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیزالرحمٰن چارسدی

۲۳رجب المرجب۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۷۲۷

﴿انماالجهادباذن الوالدين﴾

﴿عام حالات میں جہاد کیلئے والدین کی اجازت ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾هل يجوز للولد أن يخرج الى الجهاد بلااذن والديه وليس عندهمامن يقوم بخدمتهماأووجدمن يقوم بخدمتهمامثل اخوةله في حال كون الجهاد فرض كفاية. مستفتی:محمد سفر

﴿جواب﴾لايجوزللولدالخروج الى الجهادبدون اذن أبويه سواء وجد من يخدمهماأولم يوجدلأن الولد مأموربحسن صحبتهمافي عامةالأحوال الا أن يكون فرض عين فيجوزللولدأن يخرج بلااذنهما.والله أعلم.

لما فی مشکوٰة المصابیح:(ص/۳۳۱،طبع قدیمی)

جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذنه في الجهادفقال:أحي والداك؟ قال نعم قال ففيهمافجاهد."متفق عليه"وفي رواية فارجع الى والديك فاحسن صحبتهما.

ولما فی مرقاة المفاتیح:(۷/۳۵۰،طبع رشیدیه)

(فارجع و الى والديك فاحسن صحبتها)في الشرح السنةهذافي جهاد التطوع لايخرج الاباذن الوالدين اذاكانامسلمين.فان كان الجهادفرضاً متعيناًفلاحاجةالى اذنهما وان منعاه عصاهماوخرج وان كاناكافرين فيخرج بدون اذنهمافرضاًكان الجهاد أوتطوعا

وفی سنن ابی داود عن عبداللہ ابن عمرابن العاص جآء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال جئت أبایعک علی الہجرۃ وترکت ابوی یبکیان فقال:ارجع الیہما واضحکہما کما ابکیتہما وفیہ عن الخدری أن رجلاً ھاجرالی رسول اللہ ﷺ من الیمن فقال:ھل لک أحدبالیمن قال أبوای قال:اذنالک؟قال لاقال:فارجع راستاذنہما فان اذنالک فجاھدوالافبرھما.

ولمافی التنویروشرحہ:(۴/۱۲۲مطبع سعید)

لایفرض علی صبی وبالغ لہ أبوان أوأحدھمالأن طاعتہمافرض عین وقال علیہ الصلاۃ والسلام للعباس بن مرداس لماارادالجہادالزم امک فان الجنۃتحت رجل امک۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمد سلیم

۲۹جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر:۲۲۲۲

﴿قتال سے پہلے کفار کو دعوت دینا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اسلامی جہاد میں کفار سے مقابلے سے پہلے کفار کو دعوت (اسلام) دیئے بغیر جہاد ہو جائے گا؟ کیا دعوت جہاد کیلئے شرط ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں نوازش ہوگی۔

﴿جواب﴾ بلاشبہ جہاں اسلام کی دعوت پہنچی نہ ہو وہاں جہاد سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے اور جہاں پہنچی ہو وہاں جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری نہیں ہے البتہ مستحب پھر بھی ہے۔

لمافی البدائع ۷/۱۰۰(کتاب السیر فصل فی بیان ما یجب علی الغزاۃ)طبع سعید

اما إن كانت الدعوة قد بلغتهم وإما إن كانت لم تبلغهم فإن كانت الدعوة لم تبلغهم فعليهم الافتتاح بالدعوة إلى الإسلام باللسان لقول الله تبارك وتعالى "أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن" ولا يجوز لهم القتال قبل الدعوة [illegible] الدعوة لم تبلغهم وإن كانت قد بلغتهم جاز لهم أن يفتتحوا القتال من غير تجديد الدعوة لما بينا أن الحجة لازمة والعذر في الحقيقة منقطع وشبهة العذر انقطعت بالتبليغ مرة لكن مع هذا الأفضل أن لا يفتتحوا القتال إلا بعد تجديد الدعوة لرجاء الإجابة في الجملة.

ولما في تنوير الابصار مع الدر المختار: ۲/ ۱۲۹ طبع سعيد

(ولا يحل) لنا أن (نقاتل من لا تبلغه) الدعوة بفتح الدال (الى الاسلام) وهو وان اشتهر في زماننا شرقا وغربا لكن لا شك أن في بلاد الله من لا شعور له بذالك ۔ (وندعو ندبا من بلغته الا اذا تضمن ذالك ضررا) ولو بغلبة الظن كان يستعدون أو يتحصنون فلا يفعل فتح۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۷۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

﴿ازالۃ الخفاء عن تبلیغ النساء﴾

﴿عورتوں کیلئے تبلیغ میں نکلنے کے جواز پر تفصیلی فتویٰ﴾

مجیب: استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن ملاخیل عفا اللہ عنہ

جسکی تصدیق مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے۔

﴿ازالۃ الخفاء عن تبلیغ النساء﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغ دین کیا مردوں کیساتھ خاص ہے یا یہ حکم عورتوں کو بھی شامل ہے؟ اور یہ کہ عورتیں بھی باقاعدہ تبلیغ کے لئے گھر سے نکل سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس مقصد کے لئے سفر بھی کر سکتی ہیں یا نہیں؟

جامعہ بنوری ٹاؤن سے فتوی جاری ہوا ہے جس میں عورتوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے باقاعدہ نکلنا اور خاص طرز پر یہ کام انجام دینا منع فرمادیا ہے اور ناجائز قرار دیا ہے یہ فتوی کس حد تک صحیح ہے؟

فتوی مولانا عبدالوحید صاحب نے لکھا ہے اور مفتی عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم جو کہ دارالافتاء کے انچارج ہیں انہوں نے اسکی تصدیق کی ہے۔

﴿جواب﴾ عام حالات میں عورت کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھر میں رہتے ہوئے اپنے فرائض منصبیہ انجام دیتی رہے، بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلے، اسی میں اسکی عزت و وقار مضمر ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ جو کہ اہم فریضہ ہے اور نماز باجماعت جیسے پسندیدہ عمل سے وہ سبکدوش ہے اور نان ونفقہ کے بوجھ سے بھی آزاد ہے بلکہ اندرون خانہ در ودیوار کی آڑ میں اسکی تنہائی کی نماز جماعت کے ثواب کا باعث ہے اور دیانتداری اور حسن اسلوبی کیساتھ خانہ داری کے امور بجالانا اس کے لئے جہاد کے برابر قرار دیا گیا ہے تا کہ مرد اندرون خانہ امور سے بے فکر ہو اور باہر کی ذمہ داری بخوبی انجام دے سکے۔

لیکن اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عورت کا گھر ہمارے مذہب اسلام میں اس کے لئے جیل خانہ کے مترادف ہے کہ انسانی ضرورت ہو یا دینی تقاضا ہو کسی بھی صورت میں گھر سے باہر نہ نکلے ہر حالت میں وہ گھر کے اندر ہی رہے بلکہ شریعت اسلام نے جہاں اسکی نزاکت اور جالب النظر صفت کا لحاظ کرتے ہوئے گھر سے باہر اکثر ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے تو ساتھ ساتھ اس کے بشری تقاضوں اور دینی ضروریات کی بھی رعایت رکھی ہے اور محدود موقعوں پر باہر جانے کی اجازت دی ہے، چنانچہ تمام فتاوی اور کتب فقہیہ میں تصریح ہے کہ عورت علاج ومعالجہ کے لئے،

زیارت والدین اور اپنے محارم رشتہ داروں سے ملنے کے لئے علم دین کے لئے اور دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

لہٰذا انصاف کی بات یہ ہے کہ عورت نہ تو مرد کی طرح مکمل آزاد ہے کہ جب چاہے جیسے چاہے مغربی یورپی عورتوں کی طرح یا زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بازاروں گلیوں میں بے پردہ گھومتی رہے اور نہ ایسی پابند ہے کہ قیدی کی طرح کسی بھی صورت میں باہر نہ نکلے ہر حالت میں وہ گھر کے اندر ہی رہے انسانی ضرورت ہو خواہ دینی تقاضا وہ باہر نہ جائے اگر چہ پورے پردہ کیساتھ شوہر یا محرم کی معیت میں ہو باہر جانا اس کے لئے ممنوع ہے بلکہ عام حالات میں بلاوجہ بغیر پردہ کے نکلنا منع ہے اور اگر کسی تقاضا سے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے نکلتی ہے تو یہ جائز ہے۔

اس تمہید کے بعد اصل مسئلے کا جواب اس تحقیق پر موقوف رہ جاتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر (تبلیغ) جس طرح مردوں کی دینی ضرورت ہے اور بقائے دین اسلام کی خاطر ایک دوسرے کو احکام شرعیہ کی پابندی کی تلقین اور وعظ ونصیحت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے، عورت کو بھی یہ حکم شامل ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسہ میں قرآن مجید اور اس کی تفاسیر، کتب احادیث ،فتاوی اور سلف کی عبارات کیطرف مراجعت کرتے ہیں۔

قرآن کریم اور دیگر نصوص قطعیہ میں جہاں جہاں یہ حکم (امر بالمعروف ونهي عن المنكر) وارد ہوا ہے ہماری نظر سے کوئی ایسی عبارت نہیں گذری جس میں عورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہو اور یہ ضابطہ تو کسی پر بھی مخفی نہیں ہونا چاہیئے کہ تمام شرعی احکام جن سے مرد مخاطب ہیں عورتوں کو بھی وہ احکام شامل ہیں۔

البتہ جہاں عورتوں کو مستثنیٰ کردیا گیا ہو تو وہ خطاب صرف مردوں کے ساتھ خاص ہو گا عورتوں کو شامل نہ ہوگا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلقہ خطابات اپنے عموم خطاب کیوجہ سے عورتوں کو شامل ہیں جبکہ بعض جگہ تو باقاعدہ عورت کی تصریح موجود ہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس حکم خداوندی میں امت کی خواتین بھی مردوں کیساتھ برابر شریک ہیں۔

چنانچہ فخر الاحناف محی السنۃ علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

لسانی أحکام القرآن :(۱/۱۸ مطبع ادارۃ القرآن)

قلت والصحیح انهن شقائق الرجال یجب علیهن مایجب علیهم الا ماخص بدلیل ولم یوجد هنا فالظاهر وجوب ذلک علیهن فیمابینهن نعم لو قیل لایجب علیهن تعلیم الرجال و تبلیغ الاحکام الیهم لکونهن مامورات بالقرار فی البیوت وبالحجاب والتستر عنهم لکان له وجه وقد ثبت ان عائشه رضی الله عنها وغیرها من ازواج النبی صلی الله علیه وسلم کن یحدثن الرجال من وراء حجاب ـــ ولولا فساد الزمان واستعجال الناس للشر ومسابقتهم الی الفتن لقلنا بوجوب التبلیغ واظهار العلم علی النساء کوجوبها علی الرجال سواء، والی الله المشتکی من فساد الاحوال۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ عورتیں بھی مردوں میں سے ہیں کوئی الگ جنس نہیں تمام شرعی احکام جن سے مرد حضرات مخاطب ہیں عورتوں پر بھی واجب ہوں گے، البتہ جہاں عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہو تو وہاں وہ خطاب مردوں کیساتھ خاص ہوگا عورتوں کو وہ حکم شامل نہ ہوگا جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (تبلیغ) کے حکم میں عورتوں کو کسی بھی خطاب میں مستثنیٰ نہیں کیا ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب ہے۔

البتہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مردوں کو تبلیغ کرنا یا ان کو تعلیم دینا عام عورتوں کی ذمہ داری نہیں ہے، اس لئے کہ عورت کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم ہے اور (عام و بیشتر اوقات) گھروں میں رہنے کا حکم ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہرات رضوان اللہ علیھن سے ثابت ہے کہ انہوں نے پردہ میں مردوں کو احادیث پڑھائی ہیں اگر فساد زمان نہ ہوتا اور لوگوں کا فساد وفتنہ میں بہت جلدی پڑنا نہ ہوتا تو (اس کام کی اہمیت کیوجہ سے اور دلالت نصوص کیوجہ سے) ہم عورتوں پر بھی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دوسروں کو تعلیم دینا اس درجہ میں واجب ہونے کا فتویٰ دیتے جس درجہ میں مردوں پر واجب ہے بالکل برابر برابر اور اللہ تعالیٰ کو شکایت کرتے ہیں فساد احوال کی۔

اور جب خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمن عورتوں کا اپنے کلام پاک میں صراحۃ ذکر فرما کر

اس صفت (امر بالمعروف ونھی عن المنکر) سے متصف ہونے کی ترغیب دی ہے تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں رہی اور یہ حکم ہر دور اور ہر زمانہ کی عورتوں کے لئے ثابت ہوا۔

لما فی قولہ تعالیٰ:(سورۃ التوبۃ،آیت ۷۱)

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض ط یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ ویطیعون اللہ ورسولہ۔ الآیۃ

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مراد کو واضح فرمادیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: مظہری:(۲۶۴/۴،طبع رشیدیہ)

(والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض)یؤید بعضھم بعضا فی طاعۃ اللہ واعلاء دینہ(یأمرون بالمعروف)بالایمان والطاعۃ(وینھون عن المنکر)عن الشرک والنفاق و معصیۃ الرسول واتباع الشھوات۔

یعنی مؤمن مرد حضرات اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی تائید اور مدد کرتے ہیں امر بالمعروف کرتے ہیں، ایمان اور اطاعت کا حکم کرتے ہیں اور نہی عن المنکر کرتے ہیں شرک، نفاق حضور ﷺ کی نافرمانی سے اور شہوات وخواہشات کی تابعداری سے روکتے ہیں۔

اسی مسئلہ کے سلسلہ میں علامہ الدکتور محی الدین عبدالحلیم مذکورہ آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام نے عورت پر احسان فرمایا ہے، کہ اشاعت دین کے ذمہ دار جس طرح مردوں کو قرار دیا ہے عورتوں کو بھی اس شرافت میں مردوں کے بالکل برابر شریک کیا ہے اور ان کو بھی اس اعلیٰ منصب پر فائز فرمادیا ہے۔ چنانچہ شریعت کے حدود کی رعایت رکھتے ہوئے ہر زمانہ کے لحاظ سے مناسب طریقہ پر وہ بھی یہ ذمہ داری انجام دیتی رہیگی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بل لقد منح الاسلام المرأۃ حق المشارکۃ فی النشاط الثقافی والاعلامی علی ان یلتزمن بما أمر بہ اللہ شانھن فی ذلک شان الرجل والدلیل علی ذلک قولہ سبحانہ وتعالیٰ" والمؤمنون والمؤمنات بعضھم أولیاء بعض ط یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر الخ.

ومامعنی الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر الذی حض اللہ النساء کماحض الرجال علی العمل ؟انہ الدعوۃ الی اللہ من خلال الوسائل والاسالیب المتاحۃ فی کل عصر

في حدود ما أمر الله به(الاعلام الاسلامي وتطبيقاته العملية:ص ۳۳۷)

علامہ الدکتور محی الدین عبدالحلیم اپنی معتمد کتاب ''تطور المرأۃ'' میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا خطاب مرد وعورت دونوں کو برابر شامل ہے۔

چنانچہ جن امور کا حکم مرد کو ہے عورت بھی ان کی مکلف ہے، علامہ نے بطور استشہاد کے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے حکم کو بھی ذکر فرمایا: (تطور المرأۃ عبر التاریخ ص ۷۰)

ولقد كانت دعوة القرآن عامة للرجل والمرأة على السواء، حيث كلفت المرأة فيه بجميع الواجبات الايمانية والتعبدية المالية والبدنية والاجتماعية الخطيرة كالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وتبادل النصر مع الرجال استثناءات قليلة معينة

اور تفسیر قرطبی اور احکام القرآن لابن العربی میں صاف وضاحت ہے کہ ''أمر بالاصلاح'' ایسا حکم ہے کہ تمام لوگ مرد ہو خواہ عورت، آزاد ہو خواہ غلام سب اس حکم کے مکلف ہیں۔

والأمر بالاصلاح مخاطب به جميع الناس من ذكر أو انثى حر او عبد. قرطبي: (۱۲/۱۸۱،طبع بيروت)أحكام القرآن:(۳/۵۷۰،طبع بيروت)

اور علامہ ''جصاص'' قدس سرہ ''احکام القرآن'' میں آیت " قل هذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني " کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت وبصیرت کے ساتھ بلانا ہے اور جو بھی آپ کا اتباع کرے اس کا بھی یہی کام ہے اور اس توضیح میں اس بات پر دلالت ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی یہ ذمہ داری تھی اسی طرح تمام مسلمانوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

فيه بيان انه مبعوث بدعاء الناس الى الله عزوجل على بصيرة من امره كانه يبصره بعينه وان من اتبعه فذلك سبيله في الدعاء الى الله عزوجل وفيه الدلالة على ان على المسلمين دعاء الناس الى الله تعالى كما كان على النبي صلى الله عليه وسلم ذلك. احكام القرآن للجصاص:(۲/۲۶۳،طبع قديمي)

اور قاضی صاحب اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے تو اس کی بھی ذمہ داری ہے

کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے۔

لما فی المظہری:(۵/۲۰۱،طبع رشیدیہ)

قل هذه سبيلي ادعوالى الله على بصيرة أناومن اتبعني "أي من امن بي وصدقني فهوايضايدعوالى الله قال الكلبي وابن زيد حق على من تبعه ان يدعو الى ما دعااليه ويذكرالقرآن ... الخ.

اورخاص اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے علامہ عبدالکریم زیدان نے اپنے ''مقالہ اصول الدعوۃ'' میں اس بات کوخوب واضح فرمادیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: (جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے) تمام مسلمانوں کی اصلاح کی فکر کرنا عورت کا حق بنتا ہے بلکہ یہ اس کی ذمہ داریوں میں داخل ہے۔

چنانچہ عورتوں کا باہم ایک دوسرے کوترغیب دینا نیکی کی دعوت دینا برائیوں سے روکنااوراس مقصد کے لئے باقاعدہ جمع ہونا سب جائز ہے۔

لما فی اصول الدعوۃ:(ص۱۲۶،طبع بیروت)

أماالاهتمام بأمور المسلمين العامة ،فهذا من حقها بل من واجبها جاء في الحديث من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منهم ومن أمر المسلمين شئونهم العامة التي يصلحون بهاأويشقون ومن مظاهر الاهتمام التفكير بشئونهم واشاعة المفاهيم الاسلامية فيمن يحيط بالمرأة من زوج وأبناء واقارب وجيران.

وابداء النصح بالكيفية المستطاعة والملائمة لطبيعتهامثل الكتابة والتأليف وعقدالاجتماعات للنساء وتعليمهن واشاعة الاخلاق الفاضلة فيهن وحثهن على القيام بواجبهن ونحو ذلك وبنهيهن عن المنكرات قال تعالى والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر الآية.

رہا یہ کہ اس مقصد کیلئے کسی خاتون کا اپنے گھر سے نکلنا یا باقاعدہ سفر کرنا کیسا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس سفر عورت کے لئے جس سے اس کا کوئی غرض ومقصد نہ ہو مباح ہے بشرطیکہ پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے اپنے محرم کیساتھ ہو اور فتنہ کا بظاہر کوئی اندیشہ نہ ہو اسی طرح دنیاوی مقاصد کیلئے اس کا گھر سے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے نکلنا خواہ بغیر محرم کے ہو جائز ہے بشرطیکہ مسافت سفر سے کم مسافت کے لئے نکلنا ہو (احناف کے ہاں) تو اگر کوئی عورت مذکورہ شرائط کی

رعایت رکھتے ہوئے یعنی پردہ کا پورا اہتمام کرتے ہوئے اپنے محرم کیساتھ اس غرض ومقصد کے لئے نکلتی ہے کہ دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنے کا جزبہ وشوق بیدار ہو ایمان ویقین کی باتیں بار بار سننے سنانے سے دل میں راسخ ہوں، دوسروں سے اپنی ذات کو دینی فائدہ پہنچنا مطلوب ہو اور اپنی ذات کی دیگر مسلمان خواتین بہنوں کو فائدہ دینا پہنچانا مقصود ہو اور اس مقصد کے لئے اپنا مال وقت خرچ کرے تو ایسی عورت کا گھر سے نکلنا اور باقاعدہ سفر کرنا بطریق اولیٰ جائز ہے بلکہ پسندیدہ اور مستحب ہے، البتہ مذکورہ شرائط کی رعایت رکھنا ضروری اور لازم ہے ورنہ بجائے ثواب کے سخت گناہ ہوگا۔ چنانچہ فخر الاحناف مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ ''اعلاء السنن'' میں عورت کیلئے شوہر یا محرم کے بغیر مسافت سفر سے کم سفر کے جواز پر دلائل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اعلاء السنن: (۲۶۹/۷، طبع بیروت)

وقد كان السفر مباحا للمرأة قبل النهي مطلقا لكون الاباحة هي الاصل، ولان النهي عن الشئ يقتضي اباحته قبله ولاطلاق قوله تعالى (قل سيروا في الارض فانظروا كيف كان عاقبة المجرمين الاية وقوله تعالى ولقد كرمنا بني ادم وحملناهم في البر والبحر الآية وقوله تعالى (فانتشروا في الارض الأية والرجال والنساء في الخطاب بها سوآء، لم يقل احد باختصاصها بالرجال دون النساء، فلا يجوز تقييد هذا المطلق الا بالمتيقن وهو فيما قلنا لما قال الطحاوي رحمه الله: اتفقت الاثار التي فيها مدة الثلث كلها عن النبي صلى الله عليه وسلم في تحريم السفر ثلثة ايام (بلياليها) على المرأة بغير محرم.

عورتوں کے لئے وعظ ونصیحت کی مجالس منعقد کرنا اور وہاں عورتوں کا جمع ہونا سلف صالحین کا بھی معمول رہا ہے اور اس کے استحباب پر باقاعدہ کئی احادیث بطور استشہاد پیش کئے ہے۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح مسلم للنووی'' میں پورے وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو وعظ ونصیحت کرنا مستحب ہے جبکہ ان تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے جو فتنہ کے سد باب کے لئے لگائی گئی ہیں اور یہ حکم شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر دور کے لئے ہے (یہ کہنا کہ خیر القرون میں یا خاص صحابہ کرام کے دور میں تو درست تھا، اس لئے کہ فتنہ کا اس قدر اندیشہ نہیں تھا خیر غالب تھا اور اب چونکہ شر غالب ہے، لہٰذا عورتوں کے اجتماع کو روکنا چاہیئے اور انکو نصیحت کرنے کے لئے وہی طرز نہیں اختیار کرنا چاہئے جو سنت سے ثابت ہے، وہ طرز یعنی عورتوں کا اجتماع صرف اسی

دور کیساتھ خاص تھا، موجودہ دور میں نہیں کرنا چاہیئے، یہ غلط ہے بلکہ وہی طرز یعنی اجتماعی نصیحت ہر دور کے لئے ہے بشرطیکہ شرائط کا لحاظ رکھا جائے) اور اس سنت صحیحہ سے ہمیں کوئی روکنے والا باز نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: (شرح صحیح مسلم للنووی": (۲۸۹/۱، طبع قدیمی)

وحدثنا اسحق بن ابراهيم ..... اخبرني عطاء عن جابر بن عبدالله قال سمعته يقول ان النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى فبدا بالصلوٰة قبل الخطبة ثم خطب الناس فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل فأتى النساء فذكرهن وهو يتوكأ على يد بلال ..... قلت لعطاء أحقا على الامام الآن ان يأتي النساء حين يفرغ فيذكرهن قال اي لعمري ان ذلك لحق عليهم ومالهم لايفعلون ذلك.

قال النووی رحمة الله قال القاضي هذا الذي قاله عطاء غير موافق عليه وليس كما قال القاضي بل يستحب اذا لم يسمعن ان يأتيهن بعد فراغه ويعظهن ويذكرهن اذا لم يترتب عليه مفسدة وكذا قاله النبي ... هذه الشروط فالذي قاله عطاء وهو الصواب والسنة الآن وفي كل الأزمان بالشروط المذكورة وأي دافع يدفعنا عن هذه السنة الصحيحة والله اعلم

اشاعت دین اسلام کے لئے خیر القرون میں عورتوں کا اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنا اور باقاعدہ سفر کرنا بہت سارے واقعات سے ثابت ہے جہاد کے لئے اور انفرادی دعوت دینے کے لئے عورتوں کے نکلنے پر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، ام حکیم بنت الحارث بن ہشام صحابیہ رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے روز ایمان سے مشرف ہوئیں اور اپنے شوہر حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو دعوت اسلام دینے کے لئے حجاز سے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت دیکر اسلام کیطرف مائل کیا۔

لما في موطا الامام مالک: (۷۸۲/۲، برقم الحديث: ۲۰۰۳، طبع مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان)

عن ابن شهاب ان ام حكيم بنت الحارث بن هشام وكانت تحت "عكرمه بن ابي جهل" فاسلمت يوم الفتح وهرب زوجها عكرمه بن ابي جهل من الاسلام حتى قدم اليمن فارتحلت ام حكيم حتى قدمت عليه باليمن فدعته الى الاسلام فاسلم وقدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اور جہاد کے لئے سفر کرنا کئی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ملاحظہ ہوں: مسلم شریف: (۱۱٦/۲، طبع قدیمی) بخاری شریف: (۴۰۳/۱، طبع قدیمی) وغیرہ اس کے علاوہ تمام کتب فقہ میں تصریح ہے کہ دینی مسائل معلوم کرنے کی غرض سے خواہ کوئی خاص مسئلہ کو معلوم کرنے کی ضرورت

درپیش نہ ہو محض دینی معلومات میں اضافہ کی غرض سے کبھی کبھار نکلنا چاہے تو شوہر کی اجازت سے نکل سکتی ہے اور اگر کسی خاص مسئلہ کے حکم کو معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی اور گھر بیٹھے معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی تو ایسی صورت میں وہ شوہر کی اجازت کے بغیر بھی نکل سکتی ہے بشرطیکہ پردہ کے اہتمام کیساتھ ہو زیب وزینت کا لباس اختیار کئے بغیر نکلے ۔اسی طرح اگر بیوی کو گھر کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو یا وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہو یا والدین کی مدد کرنے کی ضرورت پیش آگئی ہو تو ایسی صورتوں میں شوہر کی اجازت کے بغیر بھی گھر سے نکل سکتی ہے۔

لمافی الفتاوی التاتارخانیة:(۱۵۶/۳،طبع قدیمی)

وفی الحجة:ویجوزلهاالخروج بغیراذن الزوج ان خافت انهدام الدار وهلاكهاوالى تعلم علم الفرض ولهاان تخرج لماء التوضئ ومسألة العلم واعانة الابوين،فان ارادت ان تخرج الى مجلس العلم لنازلة وقعت لها فان كان الزوج يسأل العالم ويخبرها بذلك فليس لهاأن تخرج وان امتنع عن السؤال فلهاان تخرج وان لم تقع لهانازلة فارادت ان تخرج الى مجلس العلم لتتعلم بعض مسائل الصلاة والوضوء،فان كان الزوج يحفظ المسائل ويذكر عندهاله ان يمنعهامن الخروج وان كان لايحفظ ولايذكر عندها فالأولى ان يأذن لهابالخروج أحياناوان لم يأذن لهافلاشئ عليه ولايسعهاان تخرج مالم تقع لهانازلة.وكذافي فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:(۴۴۲/۱،طبع رشيديه)وكذافي البحر:(۱۹۵/۴،طبع سعيد)وفي الطحطاوي على الدر:(۲۲۵/۱،طبع رشيديه)

ولمافی الشامی:(۶۰۲/۳،طبع سعید)

وتمامه في الفتح وقال قبله وحيث ابحنالهاالخروج فانمايباح بشرط عدم الزينة وتغيير الهيئة الى مالايكون داعيةلنظر الرجال.

ولمافی البحر:(۱۹۱/۸،کتاب الحظروالاباحة،طبع سعید)

ولان المرأة لايحل لهامن الخروج للمعاملة مع الاجانب.

فتاویٰ قاضیخان میں مذکورہ بالا عبارت کی چند سطور کے بعد پھر صراحت فرماتے ہیں کہ عورت کا شوہر کی اجازت سے مجلس علم میں جانا جائز ہے۔

لمافی الخانیة:(۳۸۳/۱،طبع قدیمی)

المرأة اذا كانت قابلة فاستأذنت الزوج لرفع الولد وكذااذا كانت تغسل الموتى والى مجلس العلم.

اسی طرح فتاوی عالمگیریہ میں تصریح فرمائی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسی مجالس وعظ ونصیحت جو بدعات اور خلاف شرع کاموں سے خالی ہوں میں جانے کی اجازت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لمافی الهندية:(۱/۵۵۷،طبع رشيديه)

ولواذن لهافي الخروج الى مجلس الوعظ الخالي عن البدع لاباس به.

اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

محض اجتماع عورتوں کا ممنوع نہیں ہے اگر صرف عورتیں کسی جگہ جمع ہوں اور اجتماع کی غرض وغایت مفید ہو تو شرعا کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع بہت سے فتنوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ کفایت المفتی: (۳۹/۲، طبع امدادیہ)

مذکورہ بالا چند حوالے عورتوں کے علم دین کے لئے نکلنے سے متعلق ہیں لیکن واضح رہے کہ تبلیغ میں نکلنے والے مردوں اور عورتوں کی جو تربیت کی جاتی ہے بلاشبہ علم دین میں شامل ہے، لہٰذا کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ علم سے متعلق حوالے تبلیغ کیلئے بطور استشہاد کیسے پیش کئے جاتے ہیں؟

علاوہ ازیں موجودہ دور میں عورتوں کے اندر دین کا جذبہ پیدا کئے بغیر امت کی اکثریت میں احکام شریعت کا اور حضور ﷺ کی مٹی ہوئی سنتوں کا دوبارہ زندہ کرنا بظاہر ممکن نہیں افرادی اکثریت تو بلاشبہ عورتوں کی ہے امت میں مرد افراد نسبتاً کم ہیں جبکہ اب تو معاشرہ نے انکو مردوں کا مقام دیدیا ہے اور عام طور پر دین سے بے رغبتی اور خواہش پرستی بھی نسبتاً ان میں زیادہ پائی جاتی ہے امت کی خواتین کو اصلاح تربیت اور اسلامی تہذیب سے آراستہ کرنے کی انتہائی ضرورت ہے، اس لئے کہ آج کے بچے جو کہ کل کو معاشرہ کے رکن بننے والے ہیں بلکہ معاشرہ انہی سے عبارت ہوگا ان تمام کے لئے سب سے پہلی تربیت گاہ و مدرسہ انکی ماں کی گود ہے، اسکے علاوہ کسی شوہر کو بھی اپنی بیوی کی دینداری کے بغیر دین پر چلنا نہایت دشوار ہے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر جماعت کے اکابرین نے عورتوں میں اجتماعی ترتیب اور منظم انداز سے موجودہ دور کی نزاکتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کام کا طریقہ کار وضع کیا اور اہل علم سے فتوی

کی صورت میں اجازت لیکر شروع کیا، اس سلسلہ میں حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع قدس سرہ اور جامعہ دارالعلوم کے دیگر مفتیان عظام کے فتاویٰ سرفہرست ہیں۔ ملاحظہ ہو:
(تبویب نمبر۳۲الف/۴۶۹، ۳۹، ۲۱۲/۳۹، ۳۹ح/۲۵۵۱ وغیرہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)

مندرجہ بالا مستند حوالوں سے ثابت ہوا کہ عورت کے لئے تبلیغی جماعت میں نکلنا بلاشبہ جائز بلکہ پسندیدہ عمل ہے بشرطیکہ مذکورہ شرائط کی پابندی ہو یعنی پردہ کا اہتمام ہو سرپرست یا شوہر کی اجازت سے ہو، محرم یا شوہر ساتھ ہو، زیب وزینت کے لباس اور خوشبو سے گریز کرتی ہو دوران تعلیم انکی آواز مرد حضرات نہ سنتے ہوں۔

اہل علم میں سے بعض حضرات کو عورت کے جماعت میں نکلنے پر اشکالات ہیں ہمارے سامنے جو اشکالات آئے ہیں ہر ایک کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

(اشکال نمبر۱) عورتوں کے جماعت میں نکلنے پر بعض اہل علم کی طرف سے ایک اشکال یہ سامنے آرہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کا ازواج مطہرات کو صاف ارشاد ہے "وقرن فی بیوتکن .....الآیۃ تو اس میں ضمنا امت کی تمام عورتوں کو قرار فی البیوت کا حکم ہے، لہٰذا جو بھی عورت جماعت میں نکلے گی اس حکم خداوندی کی مخالفت کریگی۔

(اشکال نمبر۲) آیت کے علاوہ کئی احادیث اور آثار بھی عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے منع پر شاہد ہیں خواہ تبلیغ کے لئے نکلنا ہو۔ ملاحظہ ہو:

(۱) لمافی مجمع الزوائد:(۲/۳۴، رقم الحدیث:۲۱۰۹، مکتبة القدسی القاهرة)

ان المرأة اذا خرجت استشرفها الشيطن

یعنی عورت جب نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔

(۲) لمافی صحیح البخاری:(۱/۱۲۰، طبع قدیمی)

عن عائشه رضى الله عنها قالت لو ادرك رسو ل الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النسآء لمنعهن المسجد كما منعت نساء نبى اسرائيل.

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ "اگر حضور

علیہ وسلم یہ حالات پالیتے جو اس وقت کی عورتوں نے پیدا کئے ہیں تو آپ علیہ وسلم عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمالیتے جس طرح کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں''

یہ خیر القرون کے بارے میں ام المؤمنین کا فرمانا ہے اور نماز جیسی اہم عبادت کے بارے میں فرمارہی ہیں جبکہ اس وقت کا فساد اور فتنہ اس دور کی خرابیوں سے نسبتاً کہیں زیادہ ہے، لہٰذا اس دور میں عورت کو تبلیغ کیلئے نکلنا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔

(اشکال نمبر۳) جماعت کی نماز کی اہمیت کسی پر مخفی نہیں ہے، شروع میں مسلمان مرد وخواتین تمام نماز باجماعت اداء کرنے کیلئے مسجد حاضر ہوتے تھے۔

حضور علیہ وسلم کی موجودگی میں عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت اداء کرنے سے نہیں روکا گیا لیکن بعد میں فتنہ کے اندیشہ سے عورتوں کو گھروں میں نماز پڑھنے کا فتوی دیدیا گیا اور یہی خطرہ تبلیغ میں نکل کر بھی ہے، اس لئے تبلیغ کا کام صرف مردوں کو کرنا چاہیئے، عورت گھر کے اندر رہتے ہوئے اپنے بچوں کو اور زیر تربیت افراد کو تبلیغ کرے اس سے اسکی ذمہ داری پوری ہوجائیگی، باہر نکلنا اس کا فتنہ سے خالی نہیں ہے، ورنہ پھر تو نماز باجماعت اداء کرنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت ہونی چاہیئے، اس لئے کہ نماز کی اہمیت زیادہ ہے۔

(اشکال نمبر۴) بعض لوگ تبلیغ میں عورت کے لئے نکلنے کے جواز پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ جنگ جمل میں حکم خداوندی زندہ کرنے کے لئے نکلی تھیں جس سے جواز معلوم ہوتا ہے لیکن روایات میں صاف موجود ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس پر نادم تھیں اور بعد میں جب بھی دوران تلاوت ''وقرن فی بیوتکن'' آیت کی تلاوت کرتیں تو بہت زیادہ روتی تھیں، لہٰذا اس عمل سے استدلال کرنا غلط ہے۔

(اشکال نمبر۵) بعض لوگ نفس کام کو تو جائز اور ثابت سمجھتے ہیں لیکن ان کو مستورات کی اس ترتیب وطریقہ پر اعتراض ہے کہ عورتوں کا اس اجتماعی انداز اور ترتیب سے دعوت کا کام حضور علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں نہیں تھا، اس لئے یہ بدعت میں شمار ہوگا اور اگر پسندیدہ ہوتا تو حضور علیہ وسلم یا خیر القرون میں ہمارے بزرگ اس انداز وترتیب سے

خواتین کو تبلیغ کی غرض سے گھروں سے نکالتے۔

اب مذکورہ تمام اعتراضات کے جوابات ترتیب وار ملاحظہ ہوں:

(جواب نمبر۱) مذکورہ آیت "وقرن فی بیوتکن" سے متعلق تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے اپنی سمجھ سے اس کا ایسا مطلب متعین کرنا جو سلف اکابرین کے بتائے ہوئے مطالب کے خلاف ہو بلاشبہ غلطی ہے، لہٰذا چند مستند اور معتمد تفاسیر سے اس آیت کی تفسیر پیش کرتے ہیں جس سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے، چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: مظہری: (۷/۳۳۸، طبع رشیدیہ)

أمر بالقرار فی البیوت وعدم الخروج بقصد المعصیة کمایدل علیه قوله تعالی "ولاتبرجن" فانه عطف تفسیری وتاکیدمعنی ولیس فی الایة نهی عن الخروج من البیت مطلقاوان کان للصلوۃ اوللحج اولحاجة الانسان کمازعمه الذین فی قلوبهم مرض من الروافض حتی طعنوافی الصدیقة الکبریٰ.

یعنی آیت کا مقصد مطلقاً ممانعت خروج عن البیوت نہیں ہے بلکہ بقصد المعصیۃ (گناہ کی غرض سے نکلنا) خروج ممنوع ہے، چنانچہ نماز، حج اور حاجت (اپنی ہو خواہ دوسروں کی) کے لئے عورت کا نکلنا جائز ہے اور مطلقاً نکلنے کو ممنوع مراد لینا ان لوگوں کا خیال و گمان ہے جن کے دلوں میں مرض ہے جیسے شیعہ لوگ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرتے ہیں کہ واقعہ جمل میں نکل کر اس آیت کے خلاف کا ارتکاب کیا۔

اسی طرح علامہ سید محمود آلوسی قدس سرہ "روح المعانی" جو کہ نہایت معتبر اور مستند تفسیر ہے، اس آیت کے ذیل میں بڑی تفصیل کیساتھ لکھتے ہیں: روح المعانی: (ج۲۲ ص۲۵۸، رشیدیہ)

وأجیب بأن الامر بالاستقرار فی البیوت والنهی عن الخروج لیس مطلقاوالالما أخرجهن صلی الله علیه وسلم بعد نزول الآیة للحج والعمرۃ ولماذهب بهن فی الغزوات ولمارخصهن لزیارۃ الوالدین وعیادۃ المرضی وتعزیة الاقارب وقد وقع کل ذلک کماتشهدبه الاخبار وقدصح انهن کلهن یحججن بعدوفاۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم الابنت زمعة وفی روایة عن احمد عن ابی هریرہ رضی الله عنه الازینب بنت جحش وسودۃ رضی الله عنهن ولم ینکر علیهن احدمن الصحابة رضی الله تعالی عنهم والأمیر کرم الله وجهه وغیرہ وقدجاء فی الحدیث الصحیح

انه علیه الصلوٰة والسلام قال لهن بعد نزول الآية اذن لكن ان تخرجن لحاجتكن "فعلم ان المراد الامر بالاستقرار الذی يحصل به وقار من وامتياز عن علی سائر النسآء بان يلازمن البيوت فی اغلب اوقاتهن ولا يكن خراجات ولاجات طوافات فی الطرق والاسواق وبيوت الناس وهذا لاينافی خروجهن للحج او لمافيه مصلحة دينية مع التستر وعدم الابتذال

یعنی (شیعہ لوگوں کو اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ جمل میں مدینہ منورہ سے نکل کر بصرہ تک سفر کیا جبکہ آیت میں قرار فی البیوت کا حکم ہے) کا جواب دیا جاتا ہے کہ اس آیت میں مطلقا ممانعت خروج عن البیوت نہیں ہے۔

اگر اس حکم خداوند تعالی کا یہی مطلب ہوتا (جس طرح تم روافض لوگ مطلب نکالتے ہو) تو خود حضور ﷺ ازواج مطہرات کو اس آیت کے نزول کے بعد حج (نفلی) اور عمرہ کے لئے اور اسی طرح غزوات میں بھی نہ لے جاتے اور انکے والدین کی زیارت کرنے مریضوں کی بیمار پرسی کرنے اور رشتہ داروں میں تعزیت کے لئے باہر جانے کی اجازت نہ فرماتے جبکہ یہ سب کچھ آپ ﷺ کی اجازت سے ہوا اور اخبار واحادیث اس پر شاہد ہیں اور یہ بات بالکل صحیح ہے (صحیح احادیث سے ثابت ہے) کہ سوائے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور ایک روایت میں ہے کہ سوائے حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواج مطہرات آپ صلی اللہ کی وفات کے بعد (نفلی) حج کیلئے جاتی تھیں جبکہ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اور خود امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس پر کوئی نکیر نہیں کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا تمہیں اپنی حاجات کے لئے نکلنے کی اجازت ہوئی ہے اور یہ ارشاد آیت نازل ہونے کے بعد ہوا، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حکم باری تعالی کا مراد یہ ہے کہ ایسا قرار فی البیوت اختیار کریں جس سے ازواج مطہرات کو عزت ووقار ملے اور عام عورتوں سے ان کو امتیاز ملے اور عام اوقات میں گھروں میں رہیں (زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نہ ہوں کہ) بازاروں میں، گلی کوچوں میں اور لوگوں کے گھروں میں آنے جانے اور گھومنے والی نہ ہوں اور ایسا حکم حج کے لئے نکلنا یا کسی بھی ایسے کام کے لئے نکلنا جس میں کوئی دینی مصلحت ہو منافی نہیں ہے بشرطیکہ پردہ کا اہتمام ہو اور بناؤ سنگار سے پرہیز ہو۔

علامہ آلوسیؒ کا بیان آپ کے سامنے ہے انہوں نے صاف فرمادیا کہ عورت پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے ایسے کام کیلئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے جس میں کوئی دینی مصلحت ہو .....

موجودہ دور میں حدود شرعیہ کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کا جماعت میں جانا بے شمار مصالح دینیہ اور دنیویہ رکھتا ہے اور یہ مشاہدہ ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا بلاشبہ ہزاروں عورتیں اس محنت کی برکت سے نمازی بن گئی ہیں بے شمار خواتین جو شرعی پردہ کو آزادی میں آڑ سمجھ کر اسلام کے اس عظیم حکم پر طعنے کستی تھیں اب وہ نہ صرف خود شرعی پردہ کی پابندی کرنے والی بن گئیں بلکہ دوسری خواتین کو بھی اس حکم کو زندہ کرنے کی دعوت دے رہی ہیں۔

عام طور پر عورتوں میں جہالت زیادہ ہوتی ہے، پاکی وناپاکی اور دیگر فرائض اسلامیہ سے غافل رہتی ہیں نماز جیسے عظیم حکم الٰہی میں بے انتہاء غفلت برتی جارہی ہے، عام عورتیں پڑھتی نہیں اور جو پڑھتی ہیں تو وہ صحیح نہیں پڑھ پاتی الحمدللہ جماعت کی محنت سے اور مستورات کے تعلیمی حلقوں کی برکت سے بے شمار عورتوں کی نمازیں درست ہوئیں، کلمہ طیبہ کے الفاظ کی ادائیگی کے علاوہ اس کا مفہوم بھی بہت ساری عورتیں سمجھ گئیں، روزمرہ کے ضروری مسائل سے آگاہی اور انہیں معلوم کرنے کی سچی طلب پیدا ہورہی ہے، اس لئے اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت کا کام خواہ مستورات کا ہو بے شمار مصالح دینیہ اور فوائد دنیویہ پر مشتمل ہے۔

تفسیر قرطبی میں اس بات سے متعلق تفصیل فرماتے ہوئے صاف وضاحت ہے کہ عورت امر بالمعروف واصلاح بین الناس کے لئے نکل سکتی ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: (۱۴/۱۸۱، طبع دار الکتب المصریۃ، بیروت)

وأما خروجها الى حرب الجمل فما خرجت لحرب ،ولكن تعلق الناس بها فخرجت مقتدية بالله فى قوله:لاخير فى كثير من نجواهم الا من أمر بصدقة او معروف أو اصلاح بين الناس "وقوله تعالى "وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما" والأمر بالاصلاح مخاطب به جميع الناس من ذكر أو انثى ،حر او عبد.

بلکہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں صریح قول صحیح سند کیساتھ منقول ہے جو کہ امت کی تمام عورتوں کے لئے اس مسئلہ میں حجت تامہ ہے آپ کی

فقاہت واجتہاد اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ واقعہ جمل میں جب آپ رضی اللہ عنہا سے آنے کی وجہ معلوم کی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے یہی جواب دیا کہ میرے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں (امر بالمعروف کریں) اور اچھائی کی ترغیب دیں اور انہیں برائی سے روک لیں اور اسکو چھوڑنے پر آمادہ کریں نہی عن المنکر کریں اور بطور حوالہ قرآن مجید کی ایک آیت پیش فرمائی جو کہ ذیل کے حوالہ میں مذکور ہے اور فرمایا اس کام کو انجام دینے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر ایک کو ہے چھوٹا ہو یا بڑا مرد ہو خواہ عورت۔

لمافی اعلام النساء للعلامة الكحالة:(۲/۲۲)

ولما سئلت عائشه رضى الله عنها عن مسيرتها فى وقعة الجمل فقالت رضى الله تعالى عنها والله مامثلى يسير بالامر المكتوم ۔ فخرجت فى المسلمين اعلمهم ما اتى هولاء القوم...... وقرأت لاخير فى كثير من نجواهم الامن أمر بصدقة أو معروف أو اصلاح بين الناس ننهض ممن أمر الله عزوجل وأمر رسول الله صلى عليه وسلم الصغير والكبير والذكر والانثى فهذا شأننا الى معروف نأمركم به ونحضكم عليه ومنكر ننهاكم عنه ونحثكم على تغييره۔

(جواب نمبر۲) قرآن کریم کی کسی آیت کی تشریح ہو یا حدیث کی، اکابرین کی تفسیر وتشریح سے موازنہ کرنا ضروری ہے اگر سلف کی تفسیر وتشریح کے برعکس ہم کسی آیت یا حدیث کا مطلب بیان کریں گے تو بلاشبہ وہ غلط اور رد کرنے کے قابل ہوگا (اشکال نمبر۲) میں دو حدیثوں کا حوالہ دیکر عورتوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کے عدم جواز پر دلیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن محدثین حضرات کی تشریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر حدیث کا مطلب مطلقاً ممانعت خروج نہیں ہے جس طرح آیت مذکورہ کا مطلب مطلقاً قرار فی البیوت کا حکم نہیں تھا بلکہ بقصد المعصیۃ نکلنا ممنوع تھا، اسی طرح حدیث کا مصداق وہ عورت ہوگی جو بغیر پردہ زینت وسنگار کیساتھ نکلتی ہو، تبلیغ میں کوئی بھی عورت نکلتی ہے تو پورے پردہ کا اہتمام کرتی ہے اور شوہر یا محرم ساتھ لیکر نکلتی ہے، اس لئے حدیث کا مصداق نہیں بنتی، چنانچہ جامع ترمذی کی شرح ''تحفۃ الأحوذی'' میں اسی حدیث کی تشریح ملاحظہ ہو: (۲/ ۲۰۸، طبع قدیمی)

اذا خرجت استشرفها الشيطن ۔ والمعنى ان المرأة بروزها وظهورها۔

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا ظہور و بروز'' کھلا ظاہر ہونا یعنی بغیر پردہ وحجاب نکلنا برا ہے'' لہٰذا جو عورت پورے پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے اپنی اور دوسری خواتین مسلمانوں کی اصلاح کی غرض سے نکلتی ہے، وہ اس زمرہ میں نہیں آتی اور نہ اس حدیث مبارک کا مصداق بنتی ہے، اس کام کے لئے عورت کا نکلنا اپنے ساتھ ساتھ دوسری خواتین کو بھی پردہ میں لانا مقصود ہوتا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی صحیح حدیث ملاحظہ ہو: (۱/۱۲۰، طبع قدیمی)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا استأذنت امرأة احدكم فلا يمنعها

یعنی جب کوئی عورت تم سے باہر نکلنے کی اجازت طلب کرے بشرطیکہ جائز کام کے لئے ہو تو منع نہ کرے۔

معلوم ہوا جہاں بھی ممانعت وارد ہوئی مقید پر محمول ہوگی ورنہ تعارض ہوگا، چنانچہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے شارح بخاری علامہ عینیؒ ''عمدۃ القاری'' میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں عموم اور اطلاق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت کو مطلقا اجازت دینے کا حکم ہے کہ شوہر وغیرہ اجازت دیں تو ایسے کاموں کیلئے جوان پر فرض ہیں یا ان کے لئے مستحب ہیں اگر اجازت لیں تو شوہر کو بطریق اولی اجازت دینا چاہیئے، جیسے گواہی دینے کے لئے حج کے لئے والدین اور عزیز و اقارب کی زیارت کیلئے نکلنا ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری شرح بخاری: (٦/۲۳۰، طبع رشیدیہ)

حدثنا يزيد بن زريع عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا استأذنت امرأة احدكم فلا يمنعها (الحديث) واذا كان حق عليهن ان يأذنوا فيما هو مطلق لهن الخروج فيه فالاذن لهن فيما هو فرض عليهن او يندب الخروج اليه اولى كخروجهن لا داء شهادة له منهن ولاداء فرض الحج وشبهه من الفرائض اولزيارة آباء هن وامهاتهن وذوى امحارمهن.

اسکے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث سے ممانعت پر استشہاد کیا ہے کہ حضور ﷺ یہ حالات پالیتے تو منع فرمادیتے، اس حدیث کے سلسلہ میں بھی محدثین حضرات کی تشریحات کی طرف مراجعت کریں تو حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حدیث کا مطلب کیا ہے؟

ذیل میں پہلے حدیث کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد بخاری شریف کی معروف شروحات عمدۃ القاری اور فتح الباری سے اسی حدیث کی تشریح کریں گے۔

حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن يحي بن سعيد عن عمرة بنت عبد الرحمن عن عائشه رضي الله عنها قالت لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النسآء لمنعهن كما منعت نسآء بني اسرائيل قلت لعمرة او منعن قالت نعم.

اس حدیث کے ذیل میں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: عمدۃ القاری: ۶/ ۲۲۷-۲۲۸، طبع رشیدیہ)

وبهذا يمنع استدلال بعضهم في المنع مطلقا في قول عائشه رضي الله عنها لانها علقته على شرط لم يوجد. فقالت "لو رأى لمنع فيقال عليه لم يرولم يمنع" على ان عائشه رضي الله عنها لم تصرح بالمنع وان كان ظاهر كلامها يقتضي انها ترى المنع. وايضا فلاحداث لم يقع من الكل بل من بعضهن فان تعين المنع فيكون في حق من أحدث لا في حق الكل.

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خروج المرأۃ کی ممانعت مطلقہ پر عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منع کی تصریح نہیں فرمائی، البتہ آپکے کلام سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم آپ رضی اللہ عنہا کی رائے بھی مطلقا نہیں ہے بلکہ ممانعت خروج معلول بالعلۃ ہے یعنی عورتوں کی بد احتیاطی پردہ میں کوتاہی زیب وزینت کا اختیار کرنا وغیرہ۔

لہٰذا جو عورت ایسا کریگی تو مذکورہ حکم بھی اسی سے متعلق ہوگا اور جو پردہ وغیرہ کا پورا اہتمام کریگی تو اس سے متعلق نہ ہوگا، اسی طرح علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری شرح البخاری میں اسی حدیث کے ذیل میں اس استدلال پر تفصیلا رد کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: (۲/ ۳۴۹، طبع دار المعرفۃ)

وتمسك بعضهم بقول عائشةؓ في منع النسآء مطلقا وفيه نظر اذ لا يترتب على ذلك تغيير الحكم لانها علقته على شرط لم يوجد بناء على ظن ظنت فقالت: لو رأى لمنع، فيقال عليه لم يرولم يمنع فاستمر الحكم حتى ان عائشه لم تصرح بالمنع وان كان كلامها يشعر بانها كانت ترى المنع وأيضا فقد علم الله سبحانه ماسيحدثن فما أوحى الى نبيه بمنعهن ولو كان ما احدثن يستلزم منعهن من المساجد لكان منعهن من غيرها كالأسواق أولى وأيضا فالأحداث انما وقع من بعض النسآء لا من جميعهن فان تعين المنع فليكن لمن أحدثت والأولى ان ينظر الى ما يخشى منه الفساد فيجتنب لاشارته عليه الصلوة والسلام الى ذلك بمنع التطيب والزينة وكذلك التقييد بالليل.

یعنی بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس قول سے عورت کے لئے مطلقاً ممانعت خروج پر استدلال کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تو منع کرنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ بتاتی ہیں سو اگر وہ وجہ کسی میں پائی جاتی ہے تو اس کو منع کرنا چاہیئے (تمام عورتوں کو نہیں) جبکہ عائشہ صدیقہ نے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ اگر حضور ﷺ یہ حالت دیکھتے تو منع فرما دیتے لیکن جب دیکھا نہیں اور منع نہیں فرمایا تو حکم جوں کا توں رہا۔

البتہ یہ کہنا زیادہ اولی ہے کہ جس طرز و انداز سے فتنہ کا اور فساد کا قوی اندیشہ ہو تو اس طرز و طریقہ کو روکنے کا حکم دینا چاہیئے تا کہ اس سے بچیں جیسا کہ دوسری احادیث میں خوشبو لگانے اور زیب وزینت اختیار کرنے کو منع فرمایا، اسی طرح رات کے وقت کیساتھ خاص کرنے کا حکم ہے۔

الحمد للہ ہمارے اکابر حضرات قدس اللہ سرہم نے عورتوں کو تبلیغ میں جانے کے استحباب کا فتوی دیا ہے اور فتنہ وفساد کے سد باب کے لئے کڑی شرائط لگائی ہیں کہ محرم یا شوہر ساتھ ہو پردہ کا پورا اہتمام ہو، مرد وعورت کی اقامت ایک مکان میں نہ ہو عورتوں کی اقامت کے لئے الگ مکان یا علیحدہ کمرہ ہو، مردوں تک دوران تعلیم آواز نہ پہنچتی ہو وغیرہ ان شرائط کی پابندی کا اہتمام کر دیا جائے تو فتنہ کا اندیشہ نہیں رہ سکتا صرف احتمال کے درجہ میں رہ جاتا ہے اور احتمال کے درجہ میں اندیشہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

(جواب نمبر۳) تیسرا اشکال کہ وہ عورتوں کو مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے تو تبلیغ میں جانے سے بطریق اولی منع کرنا چاہیئے۔

دراصل اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے دونوں خروج یعنی جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کے لئے عورت کا نکلنا اور تبلیغی جماعت میں نکلنے کو برابر سمجھا ہے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کے لئے عورت کے نکلنے کو ممنوع قرار دیا ہے یہ حکم مصلحت پر مبنی ہے یعنی فتنہ کا قوی اندیشہ تھا، اس لئے منع کیا لیکن تبلیغی جماعت میں نکلنے کی صورت میں فتنہ کا قوی اندیشہ نہیں رہتا مسجد میں نماز با جماعت پڑھنے کے

لئے نکلنے میں فتنہ کا جو اندیشہ ہے تبلیغی جماعت میں عورت کے جانے میں وہ اندیشہ کہاں ہے؟ دونوں میں بڑا فرق ہے، اس لئے تبلیغ کے لئے نکلنے کو مسجد کیلئے نکلنے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ ذیل میں وجوہ فرق ملاحظہ ہوں:

عورت کو اگر جماعت کی نماز میں شرکت کی عام اجازت مل گئی تو ظاہر ہے پانچ وقت محلہ کی مسجد میں آئیگی دن میں گھر سے نکلے گی اور رات میں بھی نکلے گی سات سال کی عمر سے لیکر آخری عمر تک نکلے گی اتنے لمبے عرصے میں عمر کے مختلف مراحل سے گزرے گی اور جانے پہچانے لوگوں کے سامنے روز جانا ہوگا بعض مراحل میں تو پردہ بھی نہیں ہوگا اور بچپن میں ہم عمروں سے بے تکلفی بھی ہوتی ہے جو کہ جوانی میں تعلق بننے کا سبب بن سکتا ہے اور روزانہ پانچ مرتبہ گھر سے نکل کر مسجد میں اور راستہ میں بھی بار بار غیر محرم لوگوں کے سامنے عورتوں کا آنا جانا فتنہ کا تقریباً یقینی درجہ میں سبب اور ذریعہ ہے۔

اسکے علاوہ مرد حضرات اس بات کا اہتمام نہیں کر سکتے کہ اپنی بیوی یا جوان لڑکی کو پانچ وقت گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک خود لے آئیں اور لے جائیں اس لئے کہ مرد کے ذمہ بیوی بچوں کا خرچہ بھی ہے جس کیلئے اسے آزاد رہنے کی ضرورت ہے ہر شخص کیلئے گھر کے قریب، معاشی مسائل کیلئے کاروبار کا بندوبست کرنا ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا مرد مسجد تک آنے جانے میں عورت کا ساتھ نہیں دے سکتا، وہ تنہا روزانہ مسجد میں آئیگی اور جائیگی اور ظاہر ہے ایسی صورت میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے۔

بخلاف اس حکم کے یعنی عورت کا تبلیغ میں نکلنا ایسا نہیں ہے، تبلیغ میں عورت روزانہ نہیں نکل سکتی اور نہ اسے اس کی اجازت ملتی ہے بلکہ ہر دو ماہ کے وقفے سے ''سہ روزہ'' لگا سکتی ہے اور بغیر شوہر یا محرم کے بھی نہیں نکل سکتی اور ہر مرتبہ جانے میں عموماً ان جانے لوگوں کے سامنے نکلنے کی نوبت آتی ہے جانے پہچانے لوگوں سے واسطہ نہیں پڑتا اور ایسی صورت میں فتنہ کا اندیشہ تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا تبلیغ میں نکلنے کو جماعت کی نماز پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، ہمارے اکابر نے جماعت کی

نماز میں عورت کے لئے شرکت پر ممانعت کا فتوی جو دیا ہے وہ اپنی جگہ درست اور تبلیغ کے لئے نکلنے کے جواز و استحباب کا فتوی اپنی جگہ درست و صحیح ہے۔

رہا یہ کہ عورت اپنے بچوں اور زیر تربیت افراد کو تبلیغ کرے جس سے اس کی ذمہ داری پوری ہو جائیگی یہ مسئلہ اپنی جگہ الگ تحقیق طلب ہے کہ اس سے اسکی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے یا نہیں اور در صورت تسلیم یعنی بالفرض اسکی ذمہ داری ایسی صورت میں پوری ہو جاتی ہے یا سرے سے اسکی ذمہ داری ہے نہیں لیکن ہماری بات تو اس سے متعلق ہے کہ مذکورہ تمام شرائط کی پابندی کرتے ہوئے نفس خروج پر ممانعت کی کوئی دلیل ہے؟

پھر خاص کر دین کے کام کے لیے جس کے فوائد کا مشاہدہ ہو رہا ہے، پس اگر مذکورہ شرائط کی پابندی کرتے ہوئے نفس خروج پر ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے تو دین کے کام کے لیے نکلنا بطریق اولی جائز اور مستحسن ہوگا، اس کے علاوہ ایسی لاکھوں مسلمان خواتین ہیں جن کو دینداری کیطرف مائل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے انکے گھروں میں نماز اور دین کی دوسری باتوں کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا مردوں پر محنت کرنے کیلئے تو مرد حضرات ہیں لیکن خواتین پر محنت کرنے کی کیا ترتیب ہو سکتی ہے؟

بالفرض ایسے گھرانوں کے مرد حضرات ضدی اور متعنت ہیں اور سوء مزاج کیوجہ سے اچھی بات سے متاثر نہیں ہو رہے دین کیطرف خود مائل نہیں ہو رہے چہ جائیکہ اپنی عورتوں کو دیندار بنانے کی فکر کریں کیا ایسی عورتوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے یا غیر محرم مرد حضرات جا کر نکو ترغیب دیں جبکہ یہ تو ممکن نہیں ہے تو ایسی عورتوں کا کون فکر کرے؟ حالانکہ اس وقت عورت معاشرہ کا بہت بڑا حصہ ہے اور اس کے بگاڑ و اصلاح کا بڑا سبب ہے صرف ایک ہی صورت ہے کہ دیندار عورتیں جا کر ان کو دعوت دیں اور دین کی طرف مائل کریں ورنہ معاشرہ کا بہت بڑا حصہ صرف نام کا مسلمان رہ جائیگا بلکہ رہ گیا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہی غفلت اور کوتاہی ہے کہ دینداروں نے دوسروں کی فکر نہیں کی واللہ اعلم۔

(جواب نمبر ۲) بلاشبہ یہ تو صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت کی تلاوت

کرتیں یا ویسے واقعہ جمل یاد آجاتا تو بہت زیادہ روتیں لیکن اس سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اس عمل یعنی اصلاح کی غرض سے نکلنے پر نادم تھیں بالکل غلط ہے، چنانچہ ''روح المعانی'' میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رونا اس بات پر نہیں تھا کہ اس نے "وقرن فی بیوتکن " آیت میں جو حکم ہے اس کو سمجھا نہیں تھا، اس لئے پریشان ہوتی تھیں یا اس آیت کے حکم کو بھول گئی تھیں جب نکلی تھیں، اس لئے پریشان و نادم ہوتی تھیں رونے کا یہ مطلب لینا سراسر وہم ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس نقصان پر روتی تھیں جو ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی واقعہ کے بعد بہت زیادہ غمگین ہوئے اور افسوس سے اپنے ران مبارک کو مارتے میدان میں گھوم رہے تھے اور کہتے تھے کاش اس سے پہلے موت آتی اور میں نسیا منسیا ہوتا، چنانچہ روح المعانی کی عبارت ملاحظہ ہو: (ج ۲۲ ص ۲۶۰، رشیدیہ)

وماترتب عليه لم يكن فى حسابها ولم يمربهالهاترتبه، ولهذالماوقع ماوقع وترتب ماترب ندمت غاية الندم، فقدروى انهاكلماكانت تذكريوم الجمل تبكي حتى يبتل معجرهابل اخرج عبدالله بن احمدفى زوائدالزهدوابن المنذر وابن ابى شيبة وابن سعد عن مسروق قال كانت عائشه رضى الله عنهااذاقرأت (وقرن فى بيوتكن)بكت حتى تبل خمارها وما ذاك الالان قرأتها تذكرهاالواقعة التى قتل فيها كثير من المسلمين وهذاكماان الأمير كرم الله وجهه احزنه ذلك فقد صح انه رضى الله تعالى عنه لما وقع الانهزام على من مع ام المؤمنين و قتل من قتل من الجمعين طاف فى مقتل القتلى فكان يضرب على فخذيه ويقول ياليتنى مت قبل هذاوكنت نسيا منسيا وليس بكاءها عندقرائة الاية لعلمهابانهااخطأت فى فهم معناهاوانهانسيتها يوم خرجت كماتوهم

(جواب نمبر ۵) یہ اشکال عام لوگ تو کر سکتے ہیں جو بدعت کے مفہوم سے ناواقف ہوں علماء سے اس کی توقع نہیں، اس لئے کہ جب نفس حکم ثابت ہے اور نصوص قطعیہ اس پر شاہد ہیں تو ترتیب اور طرز عمل ہر دور اور زمانہ کیساتھ بدلتا رہتا ہے، الہٰذا یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے جس کی وضاحت کی ضرورت ہو۔

لہٰذا عورت مذکورہ شرائط کی پابندی کرتے ہوئے بلاشبہ جماعت میں جاسکتی ہے اور مذکورہ شرائط کی پابندی کا اہتمام کرتے ہوئے بھی اگر کوئی کہے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے تو اس بات کو وہم اور

وسوسہ سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاسکتی اور محض اس خیال وگمان کو بنیاد بنا کر دین کے اس قدر اہم کام کو نہیں روکا جاسکتا جسکی وجہ سے لاکھوں عورتیں نمازی بن گئیں شرعی پردہ کا اہتمام کرنے والی پرہیزگار متقی بن گئیں اور بن رہی ہیں، چنانچہ فقیہ العصر مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''معلم الفقہ'' میں اس قسم کی بات کا جواب دیتے ہوئے فرمارہے ہیں۔

''اور یہ جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ عورتوں کا لکھنا سیکھنا چونکہ مفاسد کیطرف مفضی ہے، اس لئے ضرور مکروہ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک غالب گمان مفضی الی المفاسد نہ ہو، مباح شئی حرام نہیں ہوتی، ہاں جب غالب گمان ہوتو اس سے احتراز اولیٰ ہوتا ہے، حرمت اس وقت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ معلم الفقہ: (ص ۱۵۱)

هذا بدا للعبد الضعيف من عباراتهم فان كان حقا وصوابا عند الله فمنه وله الحمد والا فمن العبد لقلة فهمه وعلمه ونقصان عقله فاستغفر الله الرحمن الرحيم والله تعالى اعلم بالصواب وعلمه أتم واكمل.

بندہ: عبدالرحمٰن ملاخیل عفا اللہ عنہ

دارالافتاء اشرف العلوم بیت المکرّم کورنگی

اس فتویٰ کی تصویب حضرت مولانا یوسف لدھیانوی ؒ نے بھی فرمائی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

بلاشبہ اللہ کے راستے میں نکل کر ہر عمل کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ثابت ہے

الجواب صحیح: سحبان محمود رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ مراقب درجہ تخصص فی الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: بندہ عبدالرؤف سکھروی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ نائب مفتی دار الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: محمد عبدالمنان عفی عنہ دار الافتاء دار العلوم کراچی

الجواب صحیح: اصغر علی ربانی عفی عنہ دار الافتاء دار العلوم کراچی

مجیب: بندہ عبدالرحمٰن ڈیروی عفا اللہ عنہ

﴿بلاشبہ اللہ کے راستے میں نکل کر ہر عمل کا ثواب انچاس کروڑ کے برابر ثابت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ(1) تبلیغی جماعت والے اللہ کی راہ و تبلیغ میں نکل کر ایک نماز کی ادائیگی کا اجر و ثواب انچاس کروڑ بتلاتے ہیں کیا قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے؟ ازراہ کرم تعین حدیث فرمادیجئے اگر حدیث سے ثابت ہے تو کیا وہ اس قابل ہے کہ فضائل میں بیان کی جائے۔

(2) کہتے ہیں کہ بعض احادیث کے ضرب دینے سے حاصل یہ تعداد بنتی ہے اگر اسطرح ضرب دینا درست ہے تو سلف صالحین سے یہ ضرب دینا ثابت ہے۔

(3) اگر یہ ضرب دینا درست ہے تو پھر اگر ایک شخص مسواک استعمال کر کے گھر کے بجائے مسجد میں نماز جماعت کیساتھ ادا کرے تو مسواک سے ستر گنا اجر بڑھا اور مسجد میں جماعت کیساتھ آدئیگی کا 25 گنا اجر بڑھا تو ستر (70) کو پچیس (25) میں ضرب کا حاصل تقریبا ستر لاکھ پچاس ہزار (70,50,000) بنتا ہے اور اگر رمضان میں ادا کرے جو ایک فرض کی ادائیگی کے برابر ہے تو حاصل ضرب ایک کروڑ بائیس لاکھ پچاس ہزار (1,22,50,000) بنے، اب اگر کوئی شخص یہ تعبیر کرے کہ رمضان کے مہینے میں مسواک استعمال کر کے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا ثواب ایک کروڑ بائیس لاکھ پچاس ہزار (1,22,50,000) نمازوں کا ملیگا نیز مذکورہ بالا قیودات کو سامنے رکھ کر نماز بیت اللہ میں ادا کرے۔

(4) یہ حضرات آجکل خروج فی سبیل اللہ اس مخصوص کیفیت کے ساتھ نکلنے کو کہتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے، مدارس عربیہ میں تعلیم پانے والے طلباء فی سبیل اللہ کے زمرے میں داخل ہیں یا نہیں؟ (5) افغانستان کے جہاد کا کیا حکم ہے؟

(6) افغانستان وکشمیر میں جہاد (بالسیف) عملی میں شرکت اور خروج فی سبیل اللہ مروجہ میں افضل کونسا ہے؟ (7) اگر ایک عالم دین اس انچاس کروڑ کے ثواب کا قائل نہ ہو یہ کہے کہ یہ ضرب وتحدید صحیح نہیں بلکہ (واللہ یضاعف لمن یشآء) کا قائل ہو (8) نیز چلہ کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو کہ قرآنی چلہ (وواعدنا موسی ثلثین لیلۃ واتممنٰھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین

لیـــلة) سے مراد اعتکاف ہے اور بوریہ بستر لیکر گھومنے پھرنے کا نام چلہ نہیں تو ایسے عالم کا کیا حکم ہے؟ بینوا بمایشفی الصدور توجروا یوم البعث والنشور.

مستفتی: حافظ غنی الرحمٰن جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نوٹ: مستفتی نے جیسے سوال میں لکھا ویسے ہی نقل کیا گیا۔

﴿جواب﴾ (۱) بعض روایات کے ظاہر سے یہ سمجھنا درست ہے کہ راہ خدا میں نکل کر ایک نماز کی ادائیگی کا ثواب دوسری عام نمازوں سے انچاس کروڑ گنا ہے، چنانچہ خلیفہ رابع سیدنا حضرت علیؓ بن ابی طالب اسی طرح بعض دوسرے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں خرچہ بھیجے اور خود اپنے گھر میں مقیم رہے تو اسکو ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم (صدقہ کرنے کا ثواب) ملیگا اور جو شخص اللہ کے راستہ میں خود جہاد کرنے کے لئے جائے اور اس میں خرچ کرے تو اسے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم (صدقہ کرنے کا ثواب) ملیگا پھر یہ آیت پڑھی "واللہ یضاعف لمن یشآء" اللہ جس کے لئے چاہتا ہے دوچند کردیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ) وتفسیر ابن کثیر وغیرہ۔

اور حضرت معاذؓ بن انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کے راستہ میں نماز، روزہ اور اللہ کا ذکر کرنے کا ثواب اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کے ثواب سے سات سو گنا بڑھادیا جاتا ہے۔

لمافی ابن ماجة:(ص۱۹۸ طبع قدیمی)

عن الحسن عن علی بن ابی طالب وابی الدرداء وابی هريرة وابی امامة الباهلی وعبدالله بن عمرو وجابر بن عبدالله وعمران بن حصين كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال:من أرسل بنفقة فی سبيل الله وأقام فی بيته فله بكل درهم سبعمائة درهم ،ومن غزا بنفسه فی سبيل الله وأنفق فی جهة ذالک فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم ثم تلا هذه الاية والله يضاعف لمن يشآء.

ولمافی مصباح الزجاجة:(۲/۱۵۳ طبع دار العربية)

هذا اسناد ضعيف،الخليل بن عبدالله لايعرف قاله الذهبی وابن عبدالهادقلت قال عبدالعظيم المنذری فی كتاب الترغيب فی النفقة فی سبيل الله ان الحسن لم يسمع

عن عبدالله بن عمرو ولا من أبي هريرة ولا من عمران بن الحصين وسمع من غير هم والله اعلم واصله في صحيح مسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه من حديث ثوبان وفي الترمذي من حديث خريم بن فاتک. وفي الترغيب والترهيب:(۲/۲۱۲، طبع حقانيه) وفي ابن كثير:(۱/۲۹۳، طبع دار طيبة للنشر والتوزيع)

رواه ابن كثير عن ابن ابي حاتم وقال في أخره "وهذا حديث غريب.(أقول:) وقد تقدم حديث ابي عثمان النهدي عن ابي هريرة في تضعيف الحسنة الى ألفي ألف حسنة عند قوله تعالى من ذالذي يقرض الله قرضا حسنا الاية

ولما في سنن أبي داؤد:(۱/۳۶۰، باب تضعيف الذكر طبع رحمانيه)

عن معاذ بن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الصلوة والصيام والذكر يضاعف على النفقة في سبيل الله عزوجل بسبع مائة ضعف.

شارح علامہ خلیل احمدؒ نے بذل المجہود میں فرمایا ہے:(۱۱/۲۰۳، طبع الشیخ)

وللفظ أحمد في مسنده: قال ان الذكر في سبيل الله تعالى يضعف فوق النفقة بسبع مائة ضعف، قال يحيى في حديثه: بسبعمائة ألف والحديث ضعيف لان في سنده زبان بن فائد وسهل بن معاذ رواه الحافظ منذريؒ في (الترغيب والترهيب:(۲/ ۲۶۹)

یہاں حدیث ثانی میں "یضاعف علی النفقة" کہا گیا ہےاور نفقہ کا ثواب حدیث اول میں بتلایا گیا ہے لہٰذا دونوں حدیثوں میں مذکورہ ثواب کو باہم ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب انچاس کروڑ نکل آتا ہے اور ضرب دینے کے بعد ہی حدیث ثانی کے خط کشیدہ الفاظ کا مطلب واضح ہوجاتا ہے،اس کے بغیر معنی ہی نہیں بنتا۔

اب رہی یہ بات کیا مذکورہ دونوں حدیثیں اس قابل ہیں کہ ان سے یہ مدعیٰ ثابت کیا جائے تو جہاں تک حدیث اول کا تعلق ہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی خلیل بن عبداللہ بھی ہیں جن کو بعض کتابوں میں غیر معروف کہا گیا ہے تاہم کسی راوی کے مجہول یا ضعیف ہونے سے حدیث میں ضعف اس درجہ کا نہیں آتا جس طرح کہ راوی متہم بالکذب والفسق وغیرہ کی حدیث میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث بالکل مردود ومتروک ہوجاتی ہے۔

چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "التقریب" میں فرماتے ہیں کہ جس راوی کے

بارے میں محدثین کرام ضعیف، مجہول وغیرہ الفاظ کہدیں تو بذات خود اس راوی کی حدیث بالکل مردود و متروک نہیں ہوگی بلکہ قابل استشہاد قرار پائی گی۔

لما فی تدریب الراوی فی شرح النواوی:(ص ۳۰۰-۳۰۱،طبع قدیمی)

وأما ألفاظ الجرح فمراتب فاذاقالوا لين الحديث كتب حديثه وينظر اعتبارا ... وقولهم ليس بقوى يكتب حديثه.. وهو دون لين، واذاقالوا ضعيف الحديث فدون ليس بقوى ولايطرح بل يعتبر به ... ومن الفاظهم فلان روى عنه الناس، وسط، مقارب الحديث، مضطرب، لايحتج به، مجهول لاشئى ... ويستدل على معانيها بما تقدم.قال السيوطى رحمه الله فى التدريب(مضطرب لا يحتج به مجهول، وهذه الالفاظ الثلاثة فى المرتبة التى فيها:ضعيف الحديث، وهى الثالثة: من مراتب الترجيح. (تدريب الراوى: ص ۳۰۱،طبع قديمى)

قال العبدا لضعيف.وهى المرتبة التى قدمت حكمها أنفامن التقريب اعنى قوله "ولايطرح بل يعتبر به"

نیز اس مفہوم کی تائید قرآن کریم کی آیت اور ایک دوسری صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کونقل کرنے کے بعد فرمایا:

وهذاحديث غريب وقدتقدم حديث أبى عثمان النهدى عن أبى هريرة فى تضعيف الحسنة الى ألفى ألف حسنة عندقوله تعالى:من ذاالذى يقرض الله قرضاحسنا الاية.

قال العبد الضعيف:فراجعت اليه فوجدت مزيدالهذاالحديث حيث قال :

لكن رواه ابن أبى حاتم من وجه أخرفقال حدثناابوخلاد ... قال فتحملت أريدان الحقه فوجدته قدانطلق حاجافانطلقت الى الحج ان القاه فى هذاالحديث فلقيته لهذا فقلت ياأباهريرة ماحديث سمعت أهل البصرة يأثرون عنك ؟قال وماهوقلت زعموأنك تقول ان الله يضاعف الحسنة ألف ألف حسنة قال ياأباعثمان وماتعجب من ذاوالله يقول :من ذاالذى يقرض الله قرضاحسنافيضاعف له أضعافاكثيرة.الاية ويقول:مامتاع الحيوة الدنيافى الاخرة الاقليل. الآية ... والذى نفسى بيده لقدسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :ان الله يضاعف الحسنة ألفى ألف حسنة (تفسيرابن كثير:(۱/۲۹۹)

اور جہاں تک حدیث ثانی کا تعلق ہے تو اس کے راویوں میں سے سہل بن معاذ اور زبان بن فائد بھی ہیں ان دونوں حضرات پر محدثین کرام نے جرح کی ہے لیکن سہل بن معاذ کو جہاں

بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے وہاں بعض نے انکی توثیق بھی کی ہے۔

جیسا کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔(۳۲۱/۴) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن معاذ کے بارے فرمایا ہے: تقریب التھذیب: (ص ۲۵۸)

سهل بن معاذ الجهني: نزل مصر لا باس به الا في روايات زبان بن فائد عنه من الرابعة.

یعنی سہل بن معاذ سے حدیث روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں الا یہ کہ ان سے زبان بن فائد روایت کرے اور انکا تعلق محدثین کے طبقہ رابعہ سے ہے، البتہ زبان بن فائد کے بارے یہی حافظؒ لکھتے ہیں: تقریب: (ص ۲۱۳)

زبان بن فائد: هو ضعيف الحديث مع صلاحه وعبادته.

یعنی زبان بن فائد اپنی ورع وعبادت کے باوجود حدیث میں ضعیف ہیں۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق دونوں حضرات میں سے صرف زبان بن فائد زیادہ ضعیف ہیں لیکن ان کو نہ تو اتہام بالکذب کیوجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی فسق کیوجہ سے، لہٰذا یہ ضعف شدید نہیں ہے اس لئے حدیث مذکور کو بالکلیہ نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

لما في ردالمحتار: (۱۲۸/۱ طبع سعيد)

(قوله عدم شدة ضعفه) شديد الضعف هو الذي لا يخلو طريق من طرقه عن كذاب أو متهم بالكذب قاله ابن حجر.

علاوہ ازیں اس حدیث کے متابع بھی مسند احمد میں مذکور ہیں: (۴۳۸/۳، طبع دار الکتب العلمیۃ) اس لئے اب یہ حدیث ضعف سے نکل کر حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے۔

(۱) قال الامام احمد رحمه الله: حدثنا حسن حدثنا ابن لهيعه قال وحدثنا يحيى ابن غيلان قال حدثنا رشدين عن سهل بن معاذ عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الذكر في سبيل الله تعالى يضعف فوق النفقة بسبعمائة ضعف قال يحيى في حديثه بسبعمائة ألف ضعف.

(۲) قال الامام احمد رحمه الله حدثنا اسحق بن عيسى ثنا ابن لهيعه عن خير بن نعيم الحضرمي عن سهل بن معاذ بن انس الجهني عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يفضل الذكر على النفقة في سبيل الله تعالى بسبعمائة ألف ضعف (وفي

لفظ بسبعمائة ضعف)مسنداحمد:(۴۴۰/۲)الفتح الربانی:(۲۰۲/۱۴)

قال الساعاتی رحمه الله فی شرحه"بلوغ الأمانی ":أخرجه الطبرانی.وفی اسناده ابن لهیعه فیه کلام.(الفتح الربانی:۲۰۲/۱۴)

قال الحافظ رحمه الله :رقم۳۵۶۳: عبدالله بن لهیعه : بفتح اللام وکسر الهاابن عقبة الحضرمی ابوعبدالرحمن المصری القاضی صدوق من السابعة .خلط بعداحتراق کتب ... (تقریب:۴۴۴/۱)

یقول العبدالضعیف ان العلماء المحدثین:قالوا:اذا روی الحدیث من وجوه ضعیفة لا یلزم ان یحصل من مجموعها حسن بل ماکان ضعفه لضعف حفظ راویه الصدوق الأمین زال بمجیئه من وجه اٰخروصارحسنا وکذااذاکان ضعفهاالأرسال زال بمجیئه من وجه أخروأماالضعیف لفسق الراوی فلایؤثرفیه موافقه غیره.

قال السیوطی رحمه الله قوله:(وأماالضعیف لفسق الراوی)أوکذبه فلایؤثرفیه موافقة غیره له اذاکان الاخرمثله لقوة الضعیف وتقاعدهذاالجابرنعم یرتقی بمجموع طرقه عن کونه منکراأولاأصل له صرح به شیخ الاسلام.(تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۷۷ وعلوم الحدیث لابن صلاح:(ص۳۰)

واضح رہے کہ اس سے پہلے اسی قسم کے سوال کے جواب میں جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتوی صادر ہوا ہے (تبویب ۴۱/۲۲۶) جس میں ضعیف حدیث کو اس کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر بیان کرنا مطلقاً ناجائز قرار دیا تھا سو یہ درست نہیں ہے، لہٰذا اس سے رجوع کیا جاتا ہے اور اب صحیح تحقیق یہ ہے کہ حدیث میں اگر شدید درجہ کا ضعف نہ ہو اور وہ موضوع بھی نہ ہو تو اس کے ضعف پر تنبیہ کئے بغیر اسے بیان کرنا درست ہے۔

البتہ حدیث ضعیف کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر اور دیگر صیغ جزم سے بیان نہیں کرنا چاہیئے بلکہ روی، جاء، نقل عنہ، وغیرہ صیغ سے بیان کرنا چاہیئے لیکن اگر حدیث موضوع ہو تو اسکے موضوع ہونے پر تنبیہ کئے بغیر بیان کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۱۲۸/۱،طبع سعید)

واماالموضوع فلایجوزالعمل به بحال ولاروایته الااذاقرن ببیانه.

وفی الشامیة:(قوله بحال) ای ولوفی فضائل الأعمال قال ط أی حیث کان مخالفا لقواعد الشریعة واما لوکان داخلا فی اصل عام فلا مانع منه لا لجعله حدیثا بل

لدخوله تحت الأصل العا م تأمل(قوله الااذ اقرن) اى ذالک الحد يث المروى(ببيانه) اى ببيان وضعه، اماالضعيف فتجوزروايته بلابيان ضعفه،لكن اذاأردت روايته بغيراسناد فلاتقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذاوماأشبه من صيغ الجزم بل قل روى كذاأوجاء أونقل عنه وماأشبه من صيغ التمريض وكذاماشک فى صحته وضعفه كمافى التقريب.

وذكرالخطيب البغدادى كثيرامن أقوال العلماء المتعلقة ببيان الحديث الضعيف فى باب التشديد فى أحاديث الأحكام والتجوزفى فضائل الأعمال "منهاقوله "

(۷)أخبرنامحمد بن احمد بن يعقوب قال أنامحمدبن نعيم قال سمعت أبازكريا العنبرى يقول ألخبراذاوردلم يحرم حلالا ولم يحل حراماولم يوجب حكماوكان فى تر غيب أوترعيب أوتشديدأوترخيص وجب الاغماض عنه والتساهل فى رواته(كتاب الكفاية:ص ۱۳۳)

ولمافى علوم الحديث لابن صلاحؒ فى مقدمته:(ص ۹۳ مطبع فاراپی)

يجوزعندأهل الحديث وغيرهم التساهل فى الأسانيدورواية ما سوى الموضوع من أنواع الحديث الضعيفةمن غيراهتمام ببيان ضعفهافى ماسوى صفات الله تعالى وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرهماوذلک كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائرفنون الترغيب والترهيب وسائرمالاتعلق له بالأحكام والعقائد وممن روينا عنه التنصيص على التساهل فى نحوذلک عبدالرحمن بن مهدى وأحمد بن حنبل رضى الله عنهما.

ولمافى تدريب الراوى:(ص ۲۹۹ مكتبه شامله)

والضعيف مردودمالم يقتض ترغيباأوترهيباأوتعددطرقه ولم يكن المتابع منحطا عنه وقيل لايقبل مطلقاأوقيل يقبل ان شهدله أصل واندرج تحت عموم،انتهى.ويعمل بالضعيف أيضافى الأحكام اذاكان فيه احتياط.

قال عبد الوهاب عبد اللطيف فى تعليقه على التدريب .نص على قبول الضعيف فى فضائل الاعمال أحمدبن حنبل وابن سيد الناس والنووى،العراقى،والسخاوى،وشيخ زكرياوابن حجرالعسقلانى، والسيوطى وعلى القارى،بل ذهب ابن الهمام الى انه يثبت به الاستحباب وأشارالى ذالک النووى وابن حجرالمكى والجلال الدوانى وممن منع العمل به (لا ببيانه) الشهاب الخفاجى،والجلال الدوانى وتوسع فى القول فيه والعمل اللكنوى فى ظفر الامانى.

مذکورہ عبارات سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ فضائل اعمال سے متعلق احادیث ضعیفہ کو بیان ضعف کے بغیر ذکر کرنا درست ہے۔

واضح رہے کہ تبلیغ کے بعض اصحاب کیطرف اس بات کی نسبت کی جاتی ہے کہ یہ اصحاب ثواب موعود بیان کرتے ہوئے بعض اوقات یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ بیت اللہ میں یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے کہ تبلیغ میں نکل کر نماز پڑھی جائے کیونکہ وہاں پر ایک لاکھ یا پچاس ہزار کا ثواب ہے جبکہ تبلیغ میں نکل کر ثواب انچاس کروڑ ہو جاتا ہے اگر یہ نسبت درست ہے تو یہ بعض اصحاب کی اپنی غلطی ہے، اس محنت کے ذمے دار بزرگ حضرات اس قسم کی بے بنیاد بات کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

لہٰذا اس قسم کی بے بنیاد باتوں سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ انچاس کروڑ کا ثواب احادیث میں صراحتاً منقول نہیں ہے بلکہ احادیث سے مستنبط ہے علاوہ ازیں حج فرض ہو یا نفل ہو اس طرح عمرہ یا صرف نماز کے ثواب مضاعف کی غرض سے بیت اللہ یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کرنا بھی سبیل اللہ میں داخل ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لہٰذا وہاں جا کر نماز پڑھنے کا ثواب سبیل اللہ اور خصوصیت مقام دونوں کا ثواب شمار کیا جائیگا، اس طرح اس نسبت سے تبلیغ میں جا کر نماز پڑھنے کے مقابلے میں بیت اللہ یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کا ثواب بہت ہی زیادہ ہو جائیگا، واللہ اعلم۔

(۲) اس طرح ضرب دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ جواب نمبر ا میں گزرا ہے کیونکہ حدیث ثانی کی موعود مقدار ثواب کو حدیث اول کی مقدار ثواب میں ضرب دیئے بغیر "یضاعف علی النفقة" کا مطلب واضح نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی معنی بن سکتا ہے۔

(۳) اللہ جل شانہ کی رحمت بے پایاں ہے کہ وہ بندوں کے حساب اور گنتی سے زیادہ دینے پر قادر ہے اسکے یہاں کوئی کمی نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی حق تعالیٰ کے بے اندازہ رحمت کے پیش نظر معتبر احادیث سے ثابت ہونے والی فضیلتوں کو ضرب دیکر حساب لگائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ بعض علمائے کرام کے نزدیک قرآن وسنت کے اشارات سے یہ بات نکلتی ہے کہ ضرب کا اصول وہاں جاری ہوگا جہاں نصوص میں یضاعف، أضعاف اور تضعیف وغیرہ کے

الفاظ موجود ہوں اور جہاں مذکورہ الفاظ موجود نہ ہوں وہاں ضرب کا اصول جاری نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ان میں بھی حساب لگا لے تو بھی ممانعت نہیں، اس لئے کہ اسکی ممانعت صراحۃ منقول نہیں۔

(واضح رہے کہ ضرب دینے میں سائل سے غلطی ہوئی ہے۔)

(۴) تبلیغی جماعت کے اکابر خروج فی سبیل اللہ کو تبلیغی جماعت کے مخصوص طریقہ سے نکلنے کیساتھ خاص نہیں کرتے، البتہ اگر بعض لوگ نا سمجھی سے ایسا کہیں تو یہ انکی اپنی غلطی ہے، تاہم خروج فی سبیل اللہ عام ہے اور تبلیغی جماعت کے مخصوص طریقہ سے نکلنے کیساتھ خاص نہیں ہے۔

(۵) مدارس عربیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بھی سبیل اللہ میں داخل ہیں بلکہ اسلامی سرحدات کی حفاظت، خانقاہیں اور تبلیغ واشاعت کا کام خواہ وہ تبلیغی جماعت کی شکل میں ہو یا اور کسی صورت میں یہ تمام سبیل اللہ میں داخل ہیں۔

قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: (۱/۳۷۴، طبع رشیدیہ)

مثل الذين ينفقون اموالهم فى سبيل الله "الجهاد أو غيرذلك من ابواب الخير.

"الذين أحصروا فى سبيل الله" فى تحصيل العلوم الظاهرة والباطنة والجهاد

(التفسير المظهرى:(ص ۳۹۱، طبع رشيديه)

مولانا قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد تحصیل علم اور دیگر طرق خیر کو سبیل اللہ میں داخل فرمایا ہے، اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سبیل اللہ میں طلب علم اور اشاعت دین کی ہر محنت کو داخل کیا ہے: الدرالمختار مع ردالمحتار: (۲/۳۴۳، طبع سعید)

قوله وقيل طلبة العلم ...فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصا وقدقال فى البدائع "فى سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات اذاكان محتاجاً.

سوال نمبر ۵، ۶، ۷، ۸ کے لئے مستقل استفتاء تحریر کرکے فتوی طلب فرمائیں۔

الجواب صحیح: سحبان محمود (رحمہ اللہ) شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ مراقب درجہ تخصص فی الافتاء دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح: بندہ عبدالرؤف سکھروی ۱۳/۴/۱۴۱۲ھ نائب مفتی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح: محمد عبدالمنان عفی عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی

الجواب صحیح: اصغر علی ربانی عفی عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب مجیب: بندہ عبدالرحمٰن ڈیروی عفا اللہ عنہ

﴿ایسے گناہ جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے (گناہ کبیرہ)﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دین اسلام میں کبیرہ گناہ کون کونسے ہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: شاہد حنیف صاحب

﴿جواب﴾ کبائر کی کوئی متعین تعداد قرآن وحدیث میں مذکور نہیں ہے، احادیث مبارکہ میں مختلف مقامات پر مختلف گناہوں کو کبیرہ قرار دیا گیا ہے، تاہم علماء کرام نے غور وخوض کے بعد قران وحدیث سے ثابت شدہ کبائر کی فہرست بنائی ہے، چنانچہ علامہ حافظ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الکبائر'' میں پچھتر (۷۵) تک کبائر کی تعداد ذکر کی ہے ذیل میں بمع دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) شرک: پھر شرک کی دو قسمیں ہیں شرک جلی، شرک خفی،

(الف) شرک جلی (شرک اکبر): اللہ کے ساتھ ذات یا صفات مختصہ میں کسی کو شریک کرنا شرک اکبر کہلاتا ہے. قال تعالی: ''ان الله لایغفر أن یشرك به ویغفر مادون ذالک'' (ب) شرک خفی (شرک اصغر): اعمال صالحہ میں ریاکاری اور دکھاوے کو کہتے ہیں. قال الله تعالی: ''فویل للمصلین'' الذین هم عن صلاتهم ساهون ''الذین هم یراؤن ویمنعون الماعون''. (۲) ناحق قتل کرنا: قال الله تعالی ''ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا'' (۳) بغیر عذر شرعی کے نماز چھوڑنا: قال تعالی: ''فخلف من بعدهم خلف أضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا'' (۴) سحر یعنی جادوگری کرنا یا کروانا: قال تعالی: ''ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر'' (۵) زکوٰۃ نہ دینا: قال تعالی: ''وویل للمشرکین الذین لایؤتون الزکوة وهم بالآخرة هم کفرون'' (۶) جائز امور میں والدین کی نافرمانی کرنا: قال تعالی: ''وقضی ربک أن

لا تعبد وا الاایاہ وبالوالدین احسانا "وقال النبی ﷺ :ألا أنبئکم بأکبر الکبائر ؟وذکر منھا عقوق الوالدین .(۷) سود کھانا،قال تعالی :"یاأیھاالذین امنو اتقو اللہ وذروامابقی من الربا ان کنتم مؤمنین .فان لم تفعلوافاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"(۸) ناحق یتیم کا مال کھانا .قال تعالی :"ان الذین یأکلون اموال الیتامی ظلما انمایأکلون فی بطونھم ناراوسیصلون سعیرا"(۹) نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا:قال النبی ﷺ ان کذباعلی لیس ککذبا علی غیری،من کذب علی متعمد فلیتبوء مقعدہ من النار"،واہ البخاری (۱۰) بغیر عذر کے رمضان کا روزہ توڑنا، من افطر یوما من رمضان من غیر عذر ولار خصۃلم یقضہ صیام الدھر ،ولو صامہ" (۱۱) میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا:قال تعالی :"ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال أو متحیزا الی فئۃفقد باء بغضب من اللہ ومأ واہ جھنم وبئس المصیر" (۱۲) زنا کرنا،قال تعالی: "ولاتقربوا الزنانہ کان فاحشۃوساء سبیلا" (۱۳) بادشاہ کا اپنی رعیت کے ساتھ ظلم وستم کا معاملہ کرنا،قال تعالی :انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغیرالحق أولئک لھم عذاب ألیم "[شوری] (۱۴) شراب پینا،قال تعالی :"یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھماا ثم کبیرومنافع للناس" (۱۵) فخر،تکبر،غرور،خود پسندی .قال تعالی :"وقال موسی انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لایؤمن بیوم الحساب "وقال تعالی :"انہ لایحب المستکبرین " (۱۶) جھوٹی گواہی دینا،قال تعالی :"والذین لایشھدون الزور"[الفرقان]وقال تعالی :"فاجتنبواالرجس من الأوثان واجتنبواقول الزور" (۱۷) لواطت،یعنی مرد یا عورت کے دبر میں مباشرت کرنا،قال تعالی :"أتأتون الذکران من العلمین وتذرون ماخلق لکم ربکم من أزواجکم بل أنتم قوم عادون"(۱۸) پاک دامن عورت پر تہمت لگانا،قال تعالی :"ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیاوالأخرۃولھم عذاب ألیم " (۱۹) مال غنیمت،بیت المال،اور مال زکوۃ میں خیانت کرنا،قال تعالی :"ماکان لنبیٔ ان یغل ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ" (۲۰) ظلم کر کے ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال لینا،قال تعالی: "یاأیھاالذین آمنوا لاتاکلوا أمولکم بینکم بالباطل وتدلوابھا الی الحکام ....."وقال النبیؐ "من ظلم شبرامن الأرض طوقہ الی سبعین أرضین یوم القیامۃ " (۲۱) چوری کرنا،قال تعالی:

"السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالاً من الله والله عزيز حكيم (۲۲) ڈاکہ ڈالنا، قال تعالى: "انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فساداً أن يقتلوا أو يصلبوا ..." (۲۳) جھوٹی قسم کھانا، عن عبدالله بن عمرؓ عن النبی ﷺ: "الكبائر: الاشراك بالله، وعقوق الوالدين، ... واليمين الغموس" (۲۴) جھوٹ بولنا، قال تعالى: "ان الله لا يهدي من هو مسرف كذاب" وقال تعالى "قتل الخراصون" وقال تعالى: "ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكذبين (۲۵) خودکشی کرنا، قال تعالى: "ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم (۲۶) حق سے ہٹ کر فیصلہ کرنا، قال تعالى: "ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الظلمون" وقال تعالى: "أفحكم الجاهلية يبغون (۲۷) دیوث صفت (بے غیرت) ہونا، دیوث اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ بے حیائی اور زنا کاری وغیرہ کو (نعوذ باللہ) جانتے یا دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہے یا اسے روشن خیالی سمجھے: قال النبی ﷺ: ثلاثة لا يدخلون الجنة: العاق لوالديه، والديوث، ورجلة النساء، (۲۸) مرد کا اپنے کو عورت یا عورت کا اپنے کو مرد ظاہر کرنا۔ قال ابن عباسؓ "لعن رسول الله ﷺ المخنثين من الرجال والمترجلات من النساء" البخاری (۲۹) شرعی داعیہ کے بغیر حلالہ کرنا یا کرانا۔ قال ابن مسعودؓ: "لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له" (۳۰) خون (اگرچہ حلال جانور کا ہو) اسی طرح مردار کا گوشت اور خنزیر کا گوشت وغیرہ کھانا، قال تعالى: "قل لا أجد فيما أوحي الي محرما على طاعم يطعمه الا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فانه رجس أو فسق (۳۱) پیشاب سے بچنے میں لاپرواہی کرنا، قال تعالى: "وثيابك فطهر" وقال النبی ﷺ: "تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه (۳۲) ظالمانہ ٹیکس وصول کرنا، قال تعالى: "انما السبيل على الذين يظلمون الناس ويبغون في الأرض بغير الحق (۳۳) منافقت اور ریا کاری کرنا، قال تعالى "يراء ون الناس ولا يذكرون الله (۳۴) خیانت کرنا، قال تعالى: "يا أيها الذين امنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا آماناتكم وأنتم تعلمون (۳۵) علم دین دنیا کیلئے حاصل کرنا اور حق بات چھپانا، قال تعالى! "ان الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى من بعد ما بيناه للناس في الكتاب أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون (۳۶) احسان جتلانا۔ قال تعالى: "لا تبطلوا صدقتكم بالمن والاذى "

وقال النبی ﷺ "ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیٰمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم" وذکر منهم المنان (۳۷) قضاء وقدر کا انکار کرنا قال تعالیٰ: "انا کل شیء خلقناه بقدر" وقال تعالیٰ!" والله خلقکم وماتعملون" وقال تعالیٰ!" واضله الله علی علم (۳۸) تجسس، یعنی چوری چھپے لوگوں کی ایسی باتیں سننا جن کا سننا وہ دوسروں کیلئے پسند نہ کرتے ہوں، البتہ اخلاق کے نگران ذمہ دار افراد کیلئے اپنے زیر تربیت افراد کا تجسس جائز ہے، قال تعالیٰ!" ولاتجسسو (۳۹) لعن طعن کرنا، قال النبی ﷺ "لعن المؤمن کقتله" بخاری، مسلم وقال "لایکون اللعانون شفعاء ولاشهداء یوم القیامة (۴۰) غداری اور بے وفائی کرنا "قال تعالیٰ: "واوفوابالعهد ان العهد کان مسؤلا (۴۱) کاہنوں اور نجومیوں کی تصدیق کرنا، قال تعالیٰ: "ولاتقف مالیس لک به علم" وقال تعالیٰ!" ان بعض الظن اثم (۴۲) بیوی کا شوہر کی نافرمانی کرنا، قال تعالیٰ: "واللٰتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربو اهن (۴۳) اپنوں سے قطع رحمی کرنا، قال تعالیٰ: "واتقوا الله الذی تساء لون به (۴۴) کپڑوں، دیواروں اور پتھروں پر تصویریں بنانا: قال النبی ﷺ: "من صور صورة کلف ان ینفخ فیه الروح ولیس وقال ایضا: "اشد الناس عذابایوم القیامة المصورون، یقال لهم احیواماخلقتم (۴۵) چغل خوری کرنا، قال تعالیٰ: "ولا تطع کل حلاف مهین هماز مشاء بنمیم (۴۶) مصیبت کے وقت نوحہ گری اور سینا کوبی کرنا، قال النبی ﷺ: "ثنتان هما بالناس کفر: الطعن فی النسب، والنیاحة علی المیت (۴۷) سرکشی کرنا، قال تعالیٰ: "انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الأرض بغیر الحق (۴۸) کسی مسلمان کو کافر کہنا، قال النبی ﷺ: "من قال لأخیه یاکافر فقدباء بها أحدهما" (۴۹) مسلمان کو اذیت دینا، خصوصا اسکی عزت نفس کو مجروح کرنا قال تعالیٰ: "والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر مااکتسبوا فقداحتملوا بهتانا وانما مبینا" وقال النبی ﷺ: "کل المسلم علی المسلم حرام: عرضه، ودمه، وماله، التقوی ههنا بحسب امرء من الشرّأن یحتقر أخاه المسلم" (۵۰) اولیاء اللہ سے دشمنی کرنا اور انہیں کسی بھی قسم کی اذیت پہنچانا، قال تعالیٰ: "ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة ولهم عذاب ألیم" وقال النبی ﷺ: "یقول الله عزوجل: من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب (۵۱) شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، قال النبی ﷺ:

"ما أسفل من الكعبين من الازار ففي النار" وقال: "لا ينظر الله الى من يجر ازاره" (۵۲) مردوں کا ریشمی لباس اور سونے کی بنی اشیا استعمال کرنا، قال النبي ﷺ: "من لبس الحرير في الدنيا لم يلبسه في الآخرة" (۵۳) غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا، قال النبي ﷺ: "اذا أبق العبد من مولاه لم تقبل له صلوة" (۵۴) غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، قال تعالى: "ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق" وقال النبي ﷺ: "لعن الله من ذبح لغير الله" (۵۵) رہنمائی کیلئے لگائے گئے نشانات ہٹانا، قال النبي ﷺ: "لعن الله من غير تخوم" (۵٦) صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا۔ قال النبي ﷺ: "لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفس محمد بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم" (۵۷) انصار صحابہ کو برا بھلا کہنا، قال النبي ﷺ: "آية الايمان حب الأنصار، وآية النفاق بغض الأنصار." وقال النبي ﷺ: "لا يحبهم الا مؤمن ولا يبغضهم الا منافق" (۵۸) بری عادت کا ایجاد کرنا، نیز برائی کی دعوت دینا، قال النبي ﷺ: "من دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه، لا ينقص ذالك من آثامهم شيئا" وقال النبي ﷺ: "من سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شيئا" (۵۹) بال میں بال ملانا، اور جسم گودنا اور گدوانا، قال النبي ﷺ "لعن الله الواصلة والمستوصلة، والواشمة والمستوشمة، والنامصة والمتنمصة والمتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله" (٦۰) کسی مسلمان کو اسلحہ دکھا کر دھمکانا۔ قال النبي ﷺ "من اشار الى اخيه بحديدة، فان الملائكة تلعنه، وان كان اخاه لابيه وامه" رواه مسلم (٦١) جان بوجھ کر اپنی نسبت باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرنا۔ قال النبي ﷺ "من ادعى الى غير ابيه - وهو يعلم أنه غير أبيه - فالجنة عليه حرام" متفق عليه (٦٢) فال نکلوانا، قال النبي ﷺ "الطيرة شرك، - وما منا - ولكن الله يذهبه بالتوكل" وقال النبي ﷺ "لا عدوى ولا طيرة واحب الفال" (٦٣) سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا، قال النبي ﷺ "لا تلبسوا الحرير ولا الديباج، ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا في صحافها فانها لهم في الدنيا ولكم في" (٦۴) فضول بحث ومباحثہ کرنا، قال الله تعالى "ما ضربوه لك الا جدلا بل هم قوم خصمون، وقال النبي ﷺ "ما ضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل" (٦۵) غلاموں اور ملازمین پر ظلم کرنا، قال النبي ﷺ "من قتل عبده قتلناه ومن جدع

جدعناه "رواه احمد (٦٦) ناپ تول میں کمی کرنا، قال الله تعالى "ويل للمطففين الذين اذا اكتالوا على الناس يستوفون واذا كالوهم اووزنوهم (٦٧) تدبیر الٰہی سے بے خوف رہنا، قال تعالى: "أفأمنوا مكر الله فلايأمن مكر الله الا القوم الخاسرون "وقال تعالى: "حتى اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتة " (٦٨) مایوسی، یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوجانا، قال تعالى: "انه لا ييأس من روح الله الا القوم الكافرون "وقال النبي ﷺ: "لايموتن أحدكم الا وهويحسن الظن بالله (٦٩) احسان فراموشی، قال تعالى: "ان اشكر لي و لوالديك "و قال النبي ﷺ: "لا يشكر الله من لا يشكر الناس (٧٠) زائد پانی روک کر رکھنا، قال النبي ﷺ "لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا به الكلأ "وقال ايضا: "لا تبيعوا فضل (٧١) جانور کے چہرے کو داغنا، قال النبي ﷺ: "أما بلغكم أني لعنتُ من وسم البهيمة في وجهها ،أوضربها في وجهها" (٧٢) جوا بازی کرنا، قال تعالى: "انما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل (٧٣) حدود حرم میں ملحدانہ کام کرنا، قال تعالى: "ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب أليم "وقال النبي ﷺ: "ان أعتى الناس على الله من قتل في الحرم (٧٤) شرعی عذر کے بغیر جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنا، عن ابن مسعودؓ أن النبي ﷺ قال لقوم يتخلفون عن الجمعة: "لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ،ثم أحرّق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم (٧٥) مسلمانوں کی جاسوسی کرنا، اور انکے خفیہ امور پر دشمن کو اطلاع کرنا، لما ورد في حديث حاطب بن أبي بلتعةؓ ،وأن عمرؓ أراد قتله فمنعه النبي ﷺ من قتله لكونه شهدبدرا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۴ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۰۲

﴿توبہ کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گناہوں سے توبہ کا کیا طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ گناہوں سے توبہ کا طریقہ یہ ہیکہ بندہ پاک وصاف ہوکر دو رکعت "نماز توبہ" کی نیت سے پڑھے، اسکے بعد انتہائی ندامت کے ساتھ یہ کہے کہ: اے اللہ! اب تک

مجھ سے جتنے گناہ ہوئے ہیں، جتنی غلطیاں ہوئی ہیں، جتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں، اے اللہ! میں ان سب کے بارے میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ واستغفار کرتا ہوں، اور پکا عزم کرتا ہوں کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا ۔ چنانچہ جب یہ تین چیزیں (پچھلے گناہ پر ندامت ،ترک گناہ، اور آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم) توبہ میں پائی جائنگی تو یہ سچی توبہ کہلائے گی اور اس سے گناہ معاف ہوجائنگے ،البتہ حقوق اگر باقی ہیں تو وہ ذمہ رہ جاتے ہیں، پس اگر کسی کا مالی حق اپنے ذمہ ہوتو اسکو ادا کردے یا صاحب حق سے معاف کرالے، اور اگر غیر مالی حق ہو(جیسے کسی کو مارنا، گالی دینا، غیبت کرنا وغیرہ)تو اس کی زندگی میں اس سے معاف کرائے ،اور اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا واستغفار کرتا رہے، انشاء اللہ معافی ہوجائے گی۔

لما أورده الامام مسلمؒ في صحيحه (۲/۳۵۵)

عن أبي أيوب أنه قال حين حضرته الوفاة: كنت كتمت عنكم شيئا سمعته من رسول الله ﷺ يقول: لولا أنكم تذنبون لخلق الله خلقا يذنبون يغفر لهم.

ولما جاء في جامع الترمذي تحت (۱/۵۴)طبع فاروق كتب خانه

عن أسماء بن الحكم الفزاري قال: سمعت عليا يقول: اني كنت رجلا اذا سمعت من رسول الله ﷺ حديثا نفعني الله منه بما شاء أن ينفعني به ،واذا حدثني رجل من أصحابه استحلفته فاذا حلف لي صدقته ،وانه حدثني أبوبكرؓ وصدق أبوبكرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول مامن رجل يذنب ذنبا ثم يقوم فيتطهر ثم يصلي ثم يستغفر الله الا غفر الله

ولما في الترغيب والترهيب (۴/۱۲)طبع حقانيه

۴۱۰۲ وعن حميد الطويل قال: قلت لأنس بن مالكؓ: أقال النبي ﷺ: "الندم التوبة" قال: نعم.

ولما في الشامية(۶/۱۸۲)سعيد

(قوله ويجب رد عين المغصوب)لقوله ﷺ: "على اليد ماأخذت حتى ترد" ولقوله ﷺ: "لايحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعبا ولاجادا ،وان أخذه فليرده عليه".

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۰۴

﴿كتاب حقوق المعاشرة و آدابها﴾

﴿معاشرت کے حقوق وآداب﴾

﴿یوم عاشوراء کو اہل وعیال پر کھانے میں وسعت کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ہماری مسجد میں ایک مولوی صاحب نے جمعہ کے بیان میں فرمایا جو آدمی دس محرم یعنی عاشوراء والے دن اپنے گھر والوں کے کھانے پینے میں وسعت کرے گا تو پورا سال اللہ تعالی اس کے رزق میں وسعت کریں گے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ حدیث ہے اگر ہے تو صحیح ہے یا ضعیف وضاحت فرمائیں؟

﴿جواب﴾ مولوی صاحب نے عاشوراء کی جو فضیلت بیان فرمائی ہے احادیث میں اس کا ذکر ہے اور سند کے اعتبار سے اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن کثرت اسانید کی وجہ سے وہ ضعف باقی نہیں رہتا، حدیث میں قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس حدیث کی اسانید زیادہ ہیں لہذا مولوی صاحب کی بیان کردہ فضیلت درست ہے قابل عمل ہے۔

لما في الترغيب والترهيب:(۴۸/۲،مكتبه: حقانيه)

عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال:من اوسع على عياله واهله يوم عاشوراء اوسع الله عليه سائر سنته رواه البيهقي وغيره من طرق ،وعن جماعة من الصحابة ،وقال البيهقي هذه الاسانيد وان كانت ضعيفة فهي اذا ضم بعضها الى بعض اخذت قوة.والله اعلم

ولما في اوجز المسالك:(۱۳۲/۵،طبع:بيروت)

فيه عدة ابحاث:___البحث الثالث:في اعمال ذلك اليوم غير الصوم ،ففي الروض المربع يسن فيه التوسعة على العيال وكذا في الشرح الكبير للدردير

ولما في الرد المحتار:(۴۱۸/۲،طبع سعيد)

وحديث التوسعة على العيال يوم عاشوراء صحيح وحديث الاكتحال فيه ضعيفة لا موضوعة كما زعمه ابن عبد العزيز

واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی　　　الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتوی نمبر: ۳۲۹۷　　　۳ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

﴿والدین کی فرمانبرداری کیلئے بھی حدود ہیں﴾

﴿سوال﴾ حضرت مفتی صاحب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ شریعت میں والد کے اختیارات کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ کیا والد جب چاہے اور جیسا چاہے بیٹے کو حکم دے سکتا ہے؟ اور کیا بیٹے کے اوپر باپ کی ہر بات ماننا ضروری ہے؟ اگر باپ بلا وجہ یا کسی چھوٹی سی بات پر بیٹے کو کہے کہ بیوی کو طلاق دے تو کیا بیٹے پر لازم ہے کہ بیوی کو طلاق دیدے؟ اگر باپ یہ ظلم کرے کہ باقی بیٹوں کو ساری جائیداد تقسیم کردے اور ایک بیٹے کو کچھ بھی نہ دے تو کیا باپ گنہگار نہیں ہوگا؟ اگر باپ ظلم کرے تو کیا بیٹا برداشت کرتا رہے؟ کیا باپ کو یہ سب کچھ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا؟

﴿جواب﴾ بلا شبہ والدین کی فرمانبرداری اور ان کی خدمت کے بارے میں بہت سخت تاکیدیں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ذکر ہیں یہاں تک کہ اگر والدین نعوذ باللہ کافر بھی ہوں تب بھی دنیا میں ان سے حسن سلوک کا معاملہ ضروری ہے لیکن یہ بات غلط ہے کہ والدین کی ہر جائز اور ناجائز بات ماننے کا حکم ہے بلکہ والدین کی فرمانبرداری کی بھی حدود ہیں جس کو شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے لکھا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: (۷/۱۹۹-۲۰۰ طبع لدھیانوی)

والدین خواہ کیسے ہی برے ہوں ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کی جائے بلکہ ادب اور نرمی کیساتھ سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن لب ولہجہ گستاخانہ نہ ہو اور اگر سمجھانے پر بھی نہ سمجھیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اگر والدین کسی جائز بات کا حکم کریں تو اسکی تعمیل ضروری ہے بشرطیکہ آدمی اسکی طاقت بھی رکھتا ہو اور اس سے دوسروں کے حقوق تلف نہ ہوتے ہوں اگر ان کے حکم کی تعمیل اسکے بس کی بات نہیں یا اس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے تو تعمیل ضروری نہیں بلکہ بعض صورتوں میں جائز بھی نہیں۔ اگر والدین کسی ایسی بات کا حکم کریں جو شرعاً ناجائز ہے تب بھی انکے حکم کی تعمیل جائز نہیں ماں باپ تو ایسا حکم دے کر گناہ گار ہونگے اور اولاد انکے ناجائز حکم کی تعمیل کر کے گنہگار ہوگی، مشہور حدیث ہے: "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" یعنی جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اسمیں مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

اگر والدین یہ کہیں کہ بیوی کو طلاق دو تو دیکھنا چاہیئے کہ بیوی قصوروار ہے یا نہیں؟ اگر بیوی بے قصور ہو تو محض والدین کے کہنے سے طلاق دینا جائز نہیں اگر والدین کہیں کہ بیوی کو الگ مکان میں مت رکھو تو اسمیں انکی تعمیل روا نہیں، والدین اگر ماریں پیٹیں، گالی گلوچ کریں، برا بھلا کہیں یا طعن و تشنیع کرتے رہیں تو انکی ایذاؤں کو برداشت کیا جائے اور انکو پلٹ کر جواب نہ دیا جائے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں: ماں باپ کی نافرمانی اور انکو ایذاء رسانی پر جہنم کی وعید ہے خواہ ماں باپ نے ہی لڑکے پر ظلم کیا ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق نہیں کہ انھوں نے ظلم کیا تو یہ بھی انکی خدمت واطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ (۴۶۴/۵، طبع معارف القرآن)

اگر بعض اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا انکے فسق وفجور کی وجہ سے ہو تو اسکی گنجائش ہے اور باپ ایسا کرنے سے گنہگار بھی نہیں ہوگا لیکن یہ طریقہ اختیار کرنے میں جنکو حصہ دیا ہے انکو قبضہ کرانا بھی ضروری ہے، البتہ جسکو محروم کیا ہے اگر وہ فرمانبردار اور نیک سیرت ہو تو اسکو محروم کرنا صحیح نہیں اور اس صورت میں باپ گنہگار ہوگا۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة العنكبوت،ایت۸)

ووصينا الانسان بوالديه حسنا وان جاهداك لتشرك بي ماليس لك به علم فلاتطعهما ـ الاية.

ولمافی المظهری:(۱۹۲/۷، طبع رشیدیه)

في ذلك قال رسول الله ﷺ لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق.

ولمافی المشكوة:(۲۲۱، طبع سعيد) وكذافی المظهری:(۲۳۲/۵، طبع رشیدیه)

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من اصبح لله مطيعا في والديه اصبح له بابان مفتوحان من الجنة وان كان واحدا فواحدا ومن امسى عاصيا لله في والديه اصبح له بابان مفتوحان من النار وان كان واحدا فواحدا قال رجل وان ظلماه قال وان ظلماه وان ظلماه وان ظلماه.

ولمافی سنن أبي داؤد:(۳۵۸/۲، طبع رحمانيه)

عن ابن عمرؓ قال كانت تحتي امرأة وكنت احبها وكان عمرؓ يكرهها فقال لي طلقها فابيت

فاتی عمرؓ النبی ﷺ فذکر ذلک له فقال النبی ﷺ طلقها.

ولمافی مرقاۃ المفاتیح:(۱۵۸/۹،طبع رشیدیه)

"طلقها" امر ندب او وجوب ان کان هناك باعث اخر.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۴۰۰/۴،طبع رشیدیه)

ولو اعطی بعض ولده شیئادون البعض لزیادة رشده لابأس به .وان کاناسواء لاینبغی ان یفضل،ولوکان ولده فاسقافارادان یصرف ماله الی وجوه الخیرویحرمه عن المیراث هذاخیرمن ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة ولوکان ولده فاسقالا یعطی له اکثر من قوته.وهکذا فی الهندیة:(۳۹۱/۴،طبع رشیدیه)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرلہ اللہ

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ — فتویٰ نمبر:۶۸۹

﴿گھرانے کے مشترک حقوق ایک فرد سے معاف کرانا کافی نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر کسی گھرانے کے کچھ مالی حقوق ہیں،تو میں نے مؤذن صاحب سے مسئلہ پوچھا،تو وہ کہہ رہا تھا،کہ ایک کے معاف کرنے سے آپ بری الذمہ ہو جائیں گے،سب سے معافی مانگنا ضروری نہیں ہے،لیکن پھر میں نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا،تو اس نے کہا کہ سب سے معاف کروانا ضروری ہے،تو اس میں کون سی بات صحیح ہے۔برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں نوازش ہوگی۔

﴿جواب﴾ کسی گھرانے کے مالی حقوق آپکے ذمہ اگر ہوں،تو ہر ایک کو اس کا حق ادا کر دینا ضروری ہے،صرف ایک سے معاف کرانا کافی نہیں ہے،تمام اصحاب حق معاف کردیں یا انکو اپنا حق ادا کردیں تو آپ بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

لما فی الشامی:۵۷/۳ طبع سعید

(فرضا البعض)من الأولیاء قبل العقد أو بعده(کالکل) لثبوته لکل کملا کولایة أمان ،قود لأنه حق واحد لا یتجزألانه ثبت بسبب لا یتجزأ.بحر

ولما فی سنن الدارمی:(۵۶/۱ باب الفتیا وما فیه من الشدة)طبع دار الحدیث القاهرہ

أخبرنا ابراهیم بن موسی حدثنا ابن المبارك عن سعید بن أبی ایوب عن عبید

الله بن أبي جعفر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "أجرؤكم على الفتيا أجرؤكم على النار".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۴۶

﴿یتیم بچوں کی مدد کے لئے ان کے کاروبار کو سنبھالنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست قضائے الٰہی سے شہید ہو گئے ہیں پسماندگان میں انکا ایک بالغ لڑکا ہے، ایک نابالغ، دو بیٹیاں اور ایک انکی اہلیہ بیوہ ہے۔ بچے زیرِ تعلیم ہیں اور خاندان میں کاروبار سنبھالنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ پسماندگان کی خواہش ہے کہ مرحوم کے کاروبار کو میں سنبھال لوں اور وہ لوگ فرماتے ہیں کہ آپ جیسے مناسب سمجھیں یہ معاملہ خود طے کرلیں لیکن معاملہ دنیا وآخرت کے اعتبار سے نازک اور احتیاط طلب ہے اس لئے از خود کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل بتادیں؟

مستفتی: محمد شاہد حنیف

﴿جواب﴾ یتیم بچوں کے کاروبار کو سنبھالنا بلاشبہ بڑا نازک اور احتیاط طلب امر ہے، لیکن کوئی متقی قابل بھروسہ آدمی اچھی نیت اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہوئے اگر سنبھال لے تاکہ یتیم بچوں کی مدد ہو یعنی یکسوئی سے وہ دینی تعلیم حاصل کریں اور اس کاروبار سے انکی ضروریات پوری ہوں تو بہت بڑے اجر وثواب کا بھی باعث ہے۔ کوئی بھی معاملہ متعاقدین کے باہمی رضامندی سے طے ہوتا ہے از خود ایک جانب سے کوئی طے نہیں کرسکتا، آپ مندرجہ ذیل تجاویز میں سے جو مناسب سمجھیں مرحوم کے بالغ لڑکے کے سامنے پیش کریں چونکہ دیگر یتیم بھائی اور بہنوں کا بھی وہی اب شرعاً ولی (ذمہ دار) ہے، اس لئے اسی کا فیصلہ معتبر ہوگا، لیکن اتنا بڑا بوجھ وہ اکیلے اور از خود نہ لے بلکہ اپنی والدہ اور خاندان کے دیگر بزرگوں کیساتھ بھی مشورہ کرے، تجربہ کار لوگوں سے رہنمائی حاصل کرے اس کے بعد آپکی تجویز کردہ صورت کو کاروبار اور اپنے یتیم بھائی بہن وغیرہ کے حق میں اگر مفید سمجھے تو خاندان کے چند بزرگوں کی موجودگی میں معاملہ کو تحریری صورت دیکر باضابطہ معاہدہ کریں۔

یتیم بچوں کے کاروبار کو سنبھالنے کے لئے ایک تجویز تو یہ ہے کہ آپ بطور ملازمت یہ کام سنبھال لیں، کام کی نوعیت، اپنی ضروریات اور یتیم بچوں کی ضروریات کے علاوہ کاروبار کا فائدہ بھی ملحوظ رکھتے ہوئے ایک خاص مقدار کا مشاہرہ انکو بتادیں اور اپنی ڈیوٹی کے اوقات بھی ان پر واضح کریں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ بطور شراکت آپ یہ کاروبار سنبھال لیں۔ شراکت کی صورت اس طرح ہوسکتی ہے کہ آپ باقاعدہ اس کاروبار میں حصہ دار بنیں مثلاً کاروبار اگر ہارڈ ویئز کی دوکان ہی ہے اور ہارڈ ویئر سامان ہے، تو موجود سامان کا تجربہ کار لوگ صحیح اندازہ لگائیں کہ کتنی مالیت کا کل سامان ہے، بالفرض نو لاکھ کا سامان ہے، آپ نے تین لاکھ کا حصہ خرید لیا تو چھ حصوں کے مالک مرحوم کے بچے وغیرہ ہیں، اور تین حصوں کے آپ مالک ہوجائیں گے، پھر باہمی رضامندی سے منافع کی شرح بھی مقرر کریں، چونکہ آپ اپنے حصوں کے تو مالک ہیں اور انکے چھ حصوں کی محنت پوری آپ کی ہوگی، تو منافع کی شرح پچاس فی صد بھی طے کرسکتے ہیں یا مرحوم کے بچوں کیلئے ساٹھ فی صد اور اپنے لئے چالیس فیصد بھی طے کرسکتے ہیں یعنی محنت کیوجہ سے اپنے سرمایہ کی نسبت سے زیادہ منافع کا آپ مطالبہ کرسکتے ہیں، پھر اگر وہ منظور کرلیں تو یہ جائز صورت ہوگی۔

اور ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ خدانخواستہ کبھی نقصان ہوا تو پہلے منافع سے وہ نقصان پورا کیا جائیگا، اور ہر ایک فریق اپنے نفع کی شرح کی نسبت نفع واپس کریگا تاکہ اس نقصان کا ازالہ ہوسکے۔ لیکن اس سے بھی خدانخواستہ نقصان اگر زیادہ ہوا یعنی تمام منافع واپس کرنے کے بعد بھی اصل سرمایہ میں کمی رہی تو مزید نقصان ہر ایک کو سرمایہ کی نسبت سے ہوگا۔ اور دوکان کی بلڈنگ، فرنیچر وغیرہ مرحوم کی بچوں کی اگر ملکیت ہے کرایہ کی نہیں ہے تو اس کیلئے بھی مناسب کرایہ مقرر کریں اور اپنے حصوں کا کرایہ الگ سے آپ ادا کرتے رہیں اور کرایہ کا نفع ونقصان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لما فی التنویر مع الدر :(۶/۶۹،طبع سعید)

(والثانی)هو الاجیر (الخاص)یسمی اجیر وحد(وهو من یعمل لواحد عملا

مؤقتا بتخصيص ويستحق الاجر بتسليم نفسه فی المدة وان لم يعمل كمن استؤجر شهرا للخدمة).

ولما فی التنویرمع الرد:(۳۱۲/۴ طبع سعید)

(قوله:ومع التفاضل فی المال دون الربح)أی بان يكون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلاو اشترطا التساوی فی الربح ،وقوله:وعكسه ای بان يتساوی المالان ويتفاضلا فی الربح لكن هذا مقيد بان يشترط الاكثر للعامل منهما أو لاكثر هما عملا اما لو شرطاه للقاعد او لاقلهما عملا فلا يجوز.

ولما فی الهندیة:(۳۲۰/۲،طبع رشیدیه)

لو كان المال منهما فی شركة العنان والعمل علی احدهما ان شرطا الربح علی قدر رؤس اموالهما جاز ويكون ربحه له ووضيعته عليه وان شرطا الربح للعامل اكثر من راس ماله جاز علی الشرط ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة.

ولما فی الشامیة:(۴۷۵/۱طبع امدادیه)

ثم يقول:فما كان من ربح فهو بينهما علی قدررؤس اموالهما ،وما كان من وضيعة او تبعة فكذلك، ولاخلاف أن اشتراط الوضيعة بخلاف قدر رأس المال باطل ،واشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحيح.

ولما فی البحر الرائق :(۱۷۲/۵،طبع :سعید)

وقوله ولاتصح مفاوضة عنا ن بغير النقدين والتبر والفلوس .

ولما فی الشامی :(۱۳۴/۱طبع :امدادیه)

قلت: ذكروا مثل هذا فی وصی اليتيم ،وانه لو تصرف فی ماله احد من اهل السكة من بيع او شراء جاز فی زماننا للضرورة .وفی الخانية :انه استحسان ،وبه يفتی .

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب :نصرت اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۱۷ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

فتویٰ نمبر:۳۶۷۶

﴿حکومتی نرخنامہ سے مہنگا بیچنا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا پٹرول پمپ ہے، پٹرول کی قیمت فروخت حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔وضاحت طلب امر یہ ہے کہ

کیا حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے مہنگا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حکومت کی طرف سے بعض چیزوں کی قیمت فروخت مقرر کی جاتی ہے تاکہ عام لوگوں کی مجبوری سے کاروباری لوگ غلط فائدہ نہ اٹھائیں۔اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے، انتظامی امور کی بہتری کیلئے انتظامیہ کا ساتھ دینا واجب ہے بشرطیکہ ان کا فیصلہ شریعت مطہرہ کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو۔اس لئے مہنگا بیچنا گناہ ہے، تاہم بیع ہو جاتی ہے۔

لمافی البحر الرائق :(۸/۲۰۲،طبع:سعید،کراچی)

ولو باع شیأبثمن زائد علی ماقدره الامام فلیس علی الامام ان ینقضه.

ولمافی المحیط :(۱۰/۳۷۹،طبع:ادارة القرآن)

وان کان ارباب الطعام یتحملون علی المسلمین ،ویتعدون عن القیمة تعدیا فاحشا ،وعجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الابالتعسیر ،فلاباس بمشورة اهل الرأی والبصیرة ،فاذافعل ذلک ،ثم تعدی رجل عن ذلک القدر فباعه بثمن فوق اجازة القاضی یعنی امضاه ولم یبطله.

ولمافی الدرمع الرد:(۶/۴۰۰،طبع:سعید کراچی)

وفی الاختیار ثم اذاسعروخاف البائع ضرب الامام لونقص لایحل للمشتری وحیلته ان یقول له:بعنی بماتحب (قوله بماتحب)فعیننذبأی شیئ باعه یحل زیلعی:وظاهره انه لوباعه باکثریحل وینفذالبیع ولاینافی ذلک ماذکره الزیلعی وغیره انه لوتعدی رجل وباع باکثراجازه القاضی لان المراد ان القاضی یمضیه ولایفسخه ولذاقال القهستانی :جازوامضاه القاضی ،خلافالمافهمه ابو السعود من انه لاینفذمالم یجزه القاضی.

ولما فی تقریرات الرافعی:(۶/۲۱۰،طبع:سعید کراچی)

(قوله فعیننذبأی شیئ باعه یحل)لانه قداخذه بطیب نفسه ورضاه ثم ان ماذکره الزیلعی وغیره من انه لوتعدی رجل وباع باکثراجازه القاضی موضوعه فیمااذالم توجد هذه الحیلة فلاتتوهم المنافاة بینهمااصلا.

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عمران الحق غفرلہ ولوالدیہ

ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر :۴۰۴۷

﴿انتظامی امور کے ذمہ دار حضرات کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی مرکز رائیونڈ میں علماء کرام کے لیے ایک جگہ کھانے کے لیے متعین ہے، جہاں عام مہمانوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی، خدمت والوں کو بھی یہی ہدایات دی جاتی ہیں کہ عام مہمانوں کو یہاں نہ آنے دیں، یہاں علماء کو کم قیمت پر چائے بھی دی جاتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ عام مہمانوں کو یہاں چائے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر خرید کر پی لے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر خدمت والوں کو پتہ چل جائے پھر بھی چائے دے تو کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ تبلیغی مرکز ہو یا اس طرح کا دوسرا کوئی ادارہ انتظامی امور کے ذمہ دار حضرات کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنے میں امیر کی نافرمانی ہے جو کہ سخت گناہ ہے، اس لیے عام مہمانوں کے لیے یہاں کے مطبخ سے چائے وغیرہ لینا جائز نہیں ہے، خدمت والوں کو علم ہو کہ لینے والا غیر عالم ہے تو لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں، غلطی سے خرید کر پی لی ہے تو رعایتی قیمت کے علاوہ عام مارکیٹ کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لما فی الشامی:(۶/۱۳۱-۱۳۲، طبع سعید)

وهذا العقد فاسد لان من شروط الصحة الرضا وهو هنا مفقود.

ولما فی العناية مع فتح القدير:(۹/۲۲۲، طبع رشيديه)

(وان هلك المبيع فی يد المشتری وهو غير مكره والبائع مكره ضمن قيمته للبائع) لانه مضمون عليه بحكم عقد فاسد لعدم الرضا كما تقدم وما هو كذلك فهو مضمون بالقيمة

ولما فی الحموی علی الاشباه:(۲/۲۷۸-۲۷۹ طبع ادارة القرآن)

الاصل أن الموكل اذا قيد علی وكيله فان كان مفيدا اعتبر مطلقا قوله بعه من فلان فباعه من غيره كذلك ای لم ينفذ ۔ فانه قيد فيه فينبغی ان لا يجوز بيعه من غيره كما لو قال لا تبع الا من فلان فباعه من غير لا يجوز.

ولما فی محيط البرهانی:(۱۵/۹۷ طبع ادارة القرآن كراچی)

فاذا صار مخالفا لم يكن هذا البيع داخلا تحت التوكيل فصار الوكيل فی هذا البيع كما قبل الوكالة فلو مات فی يد المشتری كان للآمر الخيار ان شاء اخذ القيمة من المشتری

وان شاء من الوكيل فان أخذ القيمة من المشترى لم يرجع على غيره وان ضمن الوكيل رجع بما ضمن وهو القيمة على المشترى

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالرحمٰن کوہاٹی

۱۳ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۳۰۵۵

﴿مباح امور میں والدین کی اطاعت واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ مفتی صاحب میں نسوار کا عادی ہوں میرے والد صاحب مجھے اس کے چھوڑنے کا حکم کرتے ہیں اور نہ چھوڑنے کی صورت میں شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن میں چھوڑ نہیں سکتا، پوچھنا یہ ہے کہ نہ چھوڑنے کی صورت میں میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوں یا نہیں؟ نیز چھوڑنے کیلئے میں کیا تدبیر اختیار کروں؟ مستفتی: ادریس شاہ وزیرستانی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں آپ پر والد صاحب کی بات ماننا واجب اور ضروری ہے اور نہ ماننے کی صورت میں آپ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مباح امور میں والدین کے حکم کی اطاعت واجب ہے اور نسوار تو ویسے ہی ایک خلافِ اولیٰ امر ہے تو اس میں والدین کی نافرمانی اور بھی شدید اور گناہ کا باعث ہے، اگر والدین کے احسانات اور قرآنی آیات واحادیث سامنے رکھیں تو آپ کیلئے نسوار کا چھوڑنا انتہائی آسان ہو جائے گا اور دوسری تدبیر وہ ہے جس کو علامہ شامیؒ نے آفیون کے عادی شخص کیلئے تجویز فرمائی ہے کہ آپ نسوار کے استعمال میں تھوڑی تھوڑی کمی لانا شروع کریں یہاں تک کہ آپ کا شوق ختم ہو جائے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلے، نیز روزہ رکھنا اور دعا کرنا بھی اس کا بہترین علاج ہے۔

لما فى قوله تعالى: (بنى اسرائيل آيت ۲۳-۲۴)

وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا اما يبلغن عندك الكبر احدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربيني صغيرا الاية.

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی اف (ہوں) بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات

کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعاء کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیں جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔

لمافی روح المعانی:(۱۵-۱۶/۶۳،طبع رشیدیہ)

(فلاتقل لهما اف)ومحصل المعنى لاتتضجر ممايستقذر منهماوتستثقل من مؤنهما، والنهي عن ذلك يدل على المنع من سائر أنواع الايذاء قياساجليالانه يفهم بطريق الاولى.

لمافی روح المعانی:(۱۵-۱۶/۶۷،طبع رشیدیہ)

وصح عدالعقوق من أكبر الكبائر وكونه منهاهوماالتفقواعليه وظاهر كلام الاكثرين بل صريحه انه لافرق في ذلك بين أن يكون الوالدان كافرين وأن يكونامسلمين

ولمافی صحیح المسلم:(۱/۶۴،طبع قدیمی)

عن سعيدالجريري قال حدثناعبدالرحمن بن أبي بكرة عن أبيه قال كناعندرسول الله ﷺ فقال:ألاانبئكم باكبر الكبائر ثلاثاالاشراك باالله وعقوق الوالدين وشهادة الزور الخ.وشرح النووي لمسلم:(ص ٦٥)وفتح الملهم:(۲/۱۰۵،طبع دارالعلوم)

ولمافی الهندیة:(۵/۳۶۵،طبع رشدیه)

الابن البالغ يعمل عملا لاضرر فيه دينا ولادنيا بوالديه وهمايكرهانه فلابدمن الاستئذان فيه اذاكان له منه بدالخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال شاہ جنوبی وزیرستان

۴صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۸۳۵

﴿صلہ رحمی اور قطع رحمی کے درمیان حد فاصل﴾

﴿سوال﴾ صلہ رحمی اور قطع رحمی کی حد فاصل کیا ہے؟ بعض رشتہ داروں سے دور رہنے میں بچت ہوتی ہے، ورنہ انکی بدکلامی اور غیر محتاط رویہ سے اندیشہ ہوتا ہے کہ ہم سے بھی صبر کی حدود ٹوٹ جائیں گی اور "صل من قطعک" کیا یہ امر برائے وجوب ہے؟

﴿جواب﴾ صلہ رحمی کے بارے میں احادیث میں بہت زیادہ تاکید ہے اور قطع رحمی پر بہت سخت وعیدیں ہیں یہاں تک فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی کے درمیان حد فاصل سلام اور بوقت ضرورت کلام ہے یعنی صلہ رحمی کا

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سلام کے موقع پر سلام اور ضرورت کے موقع پر مختصر کلام پر اکتفاء کیا جائے اس طرح تعلق قائم رکھنے والا شخص قطع رحمی کے زمرہ میں نہیں آئیگا۔

والدین کے علاوہ اور کسی رشتہ دار سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے اگر کوئی دینی مضرت لاحق ہو رہی ہو یا کوئی دنیاوی نقصان ہو رہا ہو تو ان سے دور رہنے کی گنجائش ہے۔

"صل من قطعک" والی حدیث اعلیٰ اخلاق پر ابھارنے کیلئے ہے، یہ امر برائے وجوب نہیں ہے۔

لمافی مرقاة المفاتیح:(۱۴۱/۹،طبع رشیدیہ)

ولاخلاف ان صلة الرحم واجبة فی الجملة وقطعیتها معصیة کبیرة وللصلة درجات بعضها ارفع من بعضها وادناها ترک المهاجرة وصلتها بالکلام ولو بالسلام ویختلف ذلک باختلاف القدرة والحاجة فمنها واجب ومنها مستحب ولو وصل بعض الصلة ولم یصل غایتها لایسمی قاطعا ولو قصر عما یقدر علیه وینبغی له ان یفعله لایسمی واصلا.

ولمافی تکملة فتح الملهم:(۲۵۲/۵،طبع دار العلوم کراچی)

والذی یظهر لهذا العبد الضعیف عفا الله عنه،ان الهجران الممنوع هو ترک السلام والکلام جمیعا،فلو سلم ثم اهتم بترک الکلام معه حتی فی مواضع الضرورة اولم یجبه حینما خاطبه بشئ کان ذلک من الهجران الممنوع ومجرد الاکتفاء بالسلام لایخرجه من الهجران لان الاهتمام بترک الکلام بعد السلام مما یوذی صاحبه،ومقصود الحدیث التجنب عن ایذائه ... نعم لایلزم من ترک الهجران ان ینبسط له انبساطه للاصدقاء فان الانبساط من الامور التی هی خارجة عن اختیار الانسان ،فلو کلمه عند الحاجة ولو مع الانقباض خرج من اثم الهجران ان شاء الله تعالی.

ولماتکملة فتح الملهم:(۲۵۶/۵،طبع دار العلوم کراچی)

قال:واجمع العلماء علی ان من خاف من مکالمة احد وصلته ما یفسد علیه دینه او یدخل مضرة فی دنیاه یجوز له مجانبته وبعده ورب صرم جمیل خیر من مخالطة توذیه.

ولمافی مرقاة المفاتیح:(۱۴۲/۹-۱۴۳،طبع رشیدیہ)

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها(رواه البخاری)

قال العلامة القاریؒ:(وصلها)ای قرابته التی تقطع عنه،وهذا من باب الحث علی المکارم الاخلاق،کقوله تعالیٰ(ادفع بالتی هی احسن السیئة) ... ومنه قوله علیه

السلام مارواه البخاری عن علیؓ (صل من قطعک واحسن الی من اساء الیک وقل الحق ولو علی نفسک.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۶۲۷

﴿مزاح کرنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کے پیٹھ پیچھے مزاح کرنا بھی غیبت ہے؟ بینوا وتوجروا۔

﴿جواب﴾ مزاح اگر استہزاء وتمسخر کی صورت میں ہوتو ایسا مزاح سامنے اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں کرنا حرام ہے، البتہ ایسا مزاح جس سے کسی کی اہانت اور تمسخر مقصود نہ ہو اور اس شخص کی موجودگی میں اس کو ناگوار نہیں گزرتا تو وہ غیبت میں داخل نہیں، تاہم اس سے بھی احتراز اولیٰ ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الحجرات ،آیت ۱۱)یاایهاالذین آمنوالایسخرقوم من قوم ... الاية.

ولمافی أحكام القرآن للجصاص:(۱۰۲/۳،طبع قدیمی)

نهی الله بهذه الاية عن عيب من لايستحق أن يعاب على وجه الاحتقار له لان ذلک هو معنی السخرية ولخبرانه وان كان ارفع حالامنه فی الدنیافعسی ان یکون المسخور منه خیراعندالله.

ولمافی صحیح المسلم:(۳۲۲/۲،طبع قدیمی)

عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ قال اتدرون ماالغيبة قالواالله ورسوله اعلم قال ذكرك اخاك بمايكره قيل افرأيت ان كان في اخي مااقول قال ان كان فيه ماتقول فقداغتبته وان لم يكن فيه فقدبهته.

ولمافی التنویرمع الدر:(۵۸۷/۹،طبع امدادیه)

(وكماتكون الغيبة باللسان)صريحا(تكون)ايضابالفعل وبالتعريض وبالكتابة وبالحركة وبالرمز(وبغمزالعين والاشارةباليد)وكل مايفهم منه المقصود فهوداخل في الغيبة وهو حرام ومن ذلک ماقالت عائشةؓ دخلت عليناامرأة فلماولّت اومأت بيدى اى قصيرة فقال عليه الصلوة والسلام اغتبتيهاومن ذلک المحاكاة كان يمشى متعارجااوكما يمشى فهو غيبة بل أقبح لانه اعظم في التصويروالتفهيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ولی اللہ ڈیروی

۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۶۶۳

﴿بھائیوں کی مشترک کمائی سے طالب علم بیٹے پر باپ کا خرچ کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ہم چار بھائی ہیں تین شادی شدہ ہیں اور ایک غیر شادی شدہ ہے اور ان میں سے تین ملازم ہیں اور ایک طالب علم ہے اور سب اکھٹے رہتے ہیں اور والد صاحب کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں ملازم بھائی اپنی تنخواہ والد صاحب کے حوالے کردیتے ہیں اور والد صاحب اس مشترک پیسے سے گھر کا نظام چلاتے ہیں اور والد صاحب نے اس مشترک مال سے ہر بیٹے کا گھر بنایا ہے اور قبضہ بھی دیدیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ طالب علم بھائی کے لئے مکان کا مالک بننا اور مشترک پیسے سے اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا خرچ لینا جائز ہے جب کہ وہ کوئی کمائی بھی نہیں کرتا اور بھائیوں نے بھی کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا ہے اور والد صاحب کا اس پر اور اس کے بیوی بچوں پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ باپ اور بیٹے اگر ایک ہی قسم کا کام مل کر کرتے ہیں اور سب باپ کے عیال ہیں تو ساری کمائی باپ کی ہے اور بیٹے باپ کیساتھ معاون شمار ہوں گے اور اگر سب الگ الگ کام کرتے ہیں تو ہر ایک اپنی کمائی کا خود مالک ہوگا لیکن اگر سب اکھٹے رہتے ہیں اور پورے گھرانے کا نظام چلانے کیلئے اپنی اپنی کمائی والد صاحب کے حوالے کردیتے ہیں تاکہ پورے گھر کا نظام چلتا رہے تو اس صورت میں بھی والد صاحب اس رقم کے مالک بن جائینگے بشرطیکہ ہر ایک کی کمائی اور اس کے بچوں کا خرچہ ممتاز اور معلوم نہ ہو۔

مذکورہ صورت میں طالب علم بھائی پر اور اس کے اہل وعیال پر خرچ کرنا اور اس کیلئے الگ گھر بنانا یہ اس کے ساتھ احسان ہے اور اس کے دینی تعلیم جاری رکھنے میں ایک قسم کی معاونت ہے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی ہے، جو دنیا وآخرت میں بڑے نفع واجر وثواب کا باعث ہے، لہذا طالب علم بھائی کیلئے اگر آپ کے والد صاحب نے الگ گھر بنایا ہے اور اس پر قبضہ بھی دے دیا تو وہ اس کا مالک ہوگا دیگر بھائیوں کی طرف سے اعتراض نہ ہونا رضامندی کی دلیل ہے۔

لمافی شرح المجلة:(۳۱۹/۴،طبع رشیدیه)

(اذا عمل شخص فی صنعة هو وابنه الذی فی عیاله فجمیع الکسب لذلک الشخص

وولده يعد معيناله كما اذا اعان شخصا ولده الذى فى عياله حال غرسه شجرة فتلك الشجرة للشخص ولا يكون ولده مشاركاله فيها)

الجوب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۴۲۸ھ　　　　فتوی نمبر: ۸۹۷

﴿اشارۃً دوسرے پر طنز کرنا غیبت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) بعض لوگ دوسروں کی خامیوں کو صراحۃً ذکر نہیں کرتے بلکہ اشارۃً یا تعریض کے طور پر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجلس والوں کو پتا چل جاتا ہے کہ کس کے متعلق بات ہو رہی ہے اسی طرح بعض لوگ زبان سے تو کچھ نہیں کہتے لیکن دوسرے اعضاء سے اشارہ کر کے دوسرے کو نشانہ بناتے ہیں مثلاً لنگڑے یا اندھے شخص کی طرح چلنا وغیرہ، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا بھی غیبت میں شامل ہے یا نہیں؟

(۲) کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو غیبت سننے والا بھی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ نیز ایسے شخص کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے وہ گناہ سے بچ جائے۔　　　　مستفتی: محمد امتیاز خان

﴿جواب﴾ (۱) مخاطب کے سامنے دوسرے کی برائی اس طور پر کرنا کہ مخاطب اسے پہچان لے غیبت ہے چاہے اس کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، لہذا غیبت زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دیگر اعضاء مثلاً آنکھ، ہاتھ، پاؤں سے اشارہ کرنا جس سے دوسرے پر طنز مقصود ہو یا بول چال میں دوسرے کی نقالی کرنا بھی غیبت ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) غیبت کی بات کو خوشی سے سننا یا منع پر قدرت کے باوجود غیبت پر سکوت اختیار کرنا گناہ ہے، لہذا اگر کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو سننے والا اگر زبان سے منع کرنے پر قادر ہو تو اسے غیبت سے روک دے، یا اسکی بات کو دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کرے، اگر یہ نہ کر سکے تو خود مجلس سے اٹھ کر چلا جائے اس پر بھی قادر نہ ہو تو گناہ سے بچنے کا آخری درجہ یہ ہے کہ اسکی بات کو اپنے دل میں برا سمجھے۔

لما فى الدر المختار: (۲۱۰/۶، طبع سعيد)

وكما تكون الغيبة باللسان صريحا تكون ايضا بالفعل وبالتعريض وبالكتابة وبالحركة

وبالرمز وبغمز العين والاشارة باليد وكل مايفهم منه المقصود فهو داخل في الغيبة وهو حرام،ومن ذلك ماقالت عائشة رضي الله عنها دخلت امرأة فلما ولت أومأت بيدي اى قصيرة فقال عليه السلام اغتبتيها ومن ذلك المحاكاة كان يمشي متعارجا وكما يمشي فهو غيبة بل اقبح لانه اعظم في التصوير والتفهيم ومن الغيبة ان يقول بعض من مر بنا اليوم اوبعض من رأيناه اذاكان المخاطب يفهم شخصا معينا.....وفيها الغيبة ان تصف اخاك حال كونه غائبا بوصف يكرهه اذاسمعه.

وليمافي الشامي:(۲۱۰/۶،طبع سعيد)

وفيه ان المستمع لايخرج من اثم الغيبة الاان ينكر بلسانه فان خاف فبقلبه وان كان قادراعلى القيام اوقطع الكلام بكلام آخر فلم يفعله لزمه،كذافي الاحياء،وقدوردبان المستمع احدالمغتابين،وورد من ذب عن عرض اخيه بالغيبة كان حقا على الله تعالى ان يعتقه من النار(رواه احمدباسنادحسن)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :عبدالحکیم کشمیری عفااللہ عنہ

۵رجب ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۶۶۹

﴿برے القاب کے ساتھ کسی کو پکارنا بدترین گالی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے علماء کرام ومفتیان شرع دین متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جب ان کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہوتا ہے تو جھگڑے کے دوران وہ اپنے مدمقابل شخص کو کبھی خبیث،منافق ہندو،سکھ،فاجر فاسق،وغیرہ وغیرہ جیسے بدترین الفاظ کے ساتھ برا بھلا کہتا ہے جبکہ وہ دوسرا شخص ان صفات رذیلہ کے ساتھ متصف بھی نہیں ہوتا ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کی شریعت مطہرہ کی روشنی میں ایسے شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے جو بلاوجہ اپنے مدمقابل پر جھوٹے الزامات لگا کر اسکو شرمندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔برہ کرام جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی عبداللہ ضلع سوات

﴿جواب﴾ شریعت مقدسہ میں کسی کو برے القاب کے ساتھ پکارنا ایمان لانے کے بعد بدترین گالی ہے،لہذا اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو برے القاب کے ساتھ متصف کرتا ہے (خواہ یہ متصف کرنا غصہ وجھگڑے کی حالت میں ہو یا مزاق کی صورت میں ہو)بہت بری اور غلیظ ترین عادت ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کیلئے انتہائی ضروری ہے اور توبہ بھی،چونکہ اس

کا تعلق بندوں سے ہے اس لئے اس شخص سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔

(قال الله تعالى ولاتنابزوا بالالقاب) آية ۱۱/پاره ۲۶.

لمافي احكام القرآن للجصاص: ۴/۱۰۳ (قديمی)

(ولاتنابزو بالالقاب) وهذايدل على أن اللقب المكروه هو مايكره صاحبه ويفيد ذماللموصوف به، لأنه بمنزلة السباب والشتيمة.

ولمافي تفسير المظهرى: ۹/۸۲ (رشيديه)

(ولاتنابزوابالالقاب) وفي القاموس التنابز التعاير والتداعي باالالقاب يعني لاتدع بعضكم بلقب السوء، قال البغوى قال عكرمة هوقول الرجل للرجل يافاسق يامنافق يافاجر.

ولمافي البخارى: ۲/۸۹۳ (رحمانيه)

عن ابي ذر أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم: لايرمي رجل رجلابالفسوق ولايرميه بالكفر الاارتدت عليه ان لم يكن صاحبه كذالك ــ عن أنس بن مالك قال لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحشاولالعاناولاسباباكان يقول عندالمعتبة ماله ترب جبينه.

لمافي التنوير مع الدر: ج ۴/۶۹ (سعيد)

(ياخبيث. ياسارق، يافاجر، يامخنث، ياخائن) ياسفيه يابليد ياأحمق يامباحي ياعواني يالوطي، والصحيح تعزيره لوفي غضب أوهزل.

ولمافي البحر: ج ۵/۴۱ (سعيد)

وصرح السرخسي ليس في التعزير شئ مقدر بل هو مفوض الى رأى الامام لأن المقصود منه الزجر وأحوال الناس مختلفة فيه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فضل حق زیزاروی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۳۹۹۱

﴿صلہ رحمی جہاں تک ممکن ہو کرنی چاہیے﴾

﴿سوال﴾ قریب کے رشتہ دار ہیں طبیعت کے کچھ تلخ ہیں میرے ساتھ کبھی تو قطع تعلق کر دیتے ہیں، باتیں کرنا بند کر دیتے ہیں، منانے کی کوشش کروں تو بھی برا بھلا کہہ دیتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی میرے لئے رشتہ داری وتعلقات برقرار رکھنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کی انتہائی ترغیب وتاکید اور قطع

رحمی پر وعیدات وارد ہیں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسکو اپنی رحمت سے جوڑے رکھونگا اور تیرے قطع کرنے والے کو اپنی رحمت سے دور کر دونگا، چونکہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا اور قطع تعلقی کو جوڑنا صلہ رحمی کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لئے جہاں تک ہو سکے جوڑنے کی کوشش کرتے رہیں، نہیں تو کم از کم ملاقات کے وقت سلام وغیرہ یا صرف خوشی، غمی کے موقع پر حاضری پر اکتفاء کرلیا کریں تو اس طرح کرنے سے بھی صلہ رحمی سے متعلق حکم پر عمل ہو جاتا ہے آپ گنہگار نہیں ہونگے۔

لما في قوله تعالىٰ:(سورة حم السجدة، آيت ۳۴)

ولا تستوى الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي أحسن فاذا الذي بينك وبينه عداوة كانه ولي حميم..... الآية.

ولما في قوله تعالىٰ:(سورة حم السجدة، آيت ۳۵)

وما يلقها الا الذين صبروا وما يلقها الا ذو حظ عظيم.

ولما في مرقاة المصابيح:(۹/۱۲۰-۱۲۲ طبع رشيديه)

وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ "الرحم شجنة من الرحمن فقال الله: من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته (رواه البخاري)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رجلا قال: يا رسول الله ﷺ ان لي قرابة اصلهم ويقطعونني، واحسن اليهم ويسيئون الي، واحلم عنهم ويجهلون علي. فقال: "لان كنت كما قلت فكأنما تسفهم المل ولا يزال معك من الله ظهير عليهم مادمت على ذالك" رواه مسلم. وعن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله ﷺ "الرحم معلقة بالعرش تقول: من وصلني وصله الله، ومن قطعني قطعه الله" متفق عليه. وعن ابن عمرو رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ "ليس الواصل بالمكافي، ولكن الواصل الذي اذا قطعت وصلها" رواه البخاري.

ولما في الدر المختار:(۶/۴۱۱، طبع سعيد)

وصلة الرحم واجبة ولو "كانت" بسلام وتحية وهدية "ومعاونة ومجالسة..... الخ.

وفي الشامية: اعلم انه ليس المراد بصلة الرحم ان تصلهم اذا وصلوك لان هذا مكافأة بل أن تصلهم وان قطعوك فقد روى البخاري وغيره "ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل الذي اذا قطعت رحمه وصلها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۰۰

﴿غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ کریں قطع تعلق نہ کریں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے مفتیان عظام در پیش مسئلہ کے بارے کہ ایک حافظ صاحب اپنی زمین مسجد کیلئے وقف کردی، اہل محلہ نے باہمی تعاون سے وہاں ایک مسجد بنوائی، مگر چند سال بیت جانے کے بعد انہوں نے لوگوں کو مسجد سے روک دیا اور اس وقت سے اس مسجد کی جگہ کو اپنی ذاتی کاموں میں استعمال کر رہا ہے۔ اب پوچھنا یہ کہ اس رویہ کے بعد حافظ صاحب سے صلہ رحمی اور رشتہ داری کا تعلق برقرار رکھا جا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام میں ایسے آدمی کی خوشی و غمی میں شرکت کی اجازت ہے؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: عبد الصمد صاحب

﴿جواب﴾ حافظ صاحب اس مسجد کو اب بھی اپنی جائیداد کا حصہ جانتے ہیں، حالانکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، اگرچہ زمین کا یہ حصہ پہلے اسکی ملکیت تھا۔ بہرحال یہ حافظ صاحب کی غلطی ہے اور گناہ بھی، تاہم غلط فہمی کی بنیاد پر ایسی غلطی ہوئی ہے اس لئے بجائے قطع تعلق کے اس کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ البتہ مسئلہ پوری طرح واضح ہونے کے باوجود حافظ صاحب اگر بضد ہیں اور لوگوں کو مسجد میں آنے سے روک رہے ہیں یا مسجد کو نماز کے علاوہ دیگر کاموں کیلئے استعمال کر رہے ہیں تو اس سے قطع تعلق کرنا نہ صرف جائز، بلکہ بہتر ہے۔

لما فی فتح الباری: ۲۰۱/۱۰ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

"باب ما یجوز من الهجران لمن عصی" اراد بهذه الترجمة بیان الهجران الجائز، لان عموم النهی مخصوص بمن لم یکن لهجره سبب مشروع فتبین هنا السبب المسوغ للهجر وهو لمن صدرت منه معصیة، فیسوغ لمن اطلع علیها منه هجره لیکف عنها.

لما فی مرقاۃ المفاتیح: ۲۲۰/۹ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

فان هجرة اهل الاهواء والبدع راجبة علی مر الاوقات مالم یظهر منه التوبة والرجوع الی الحق.

لما فی تکملہ فتح الملهم: ۳۵۵/۵ (دار العلوم کراتشی)

ثم ان الهجران الممنوع انما هو ماکان لسبب دنیوی. أما اذاکان بسبب الشر أو عصیانه فاکثر العلماء علی جوازه...وحاصل ذالک أن الهجران انما یحرم اذاکان من جهة غضب نفسانی، اما اذاکان علی المعصیة والفسق، أو علی وجه التادیب کما وقع مع کعب بن مالک وصاحبیه أو کما وقع رسول الله ﷺ مع ازواجه أو لعائشةؓ مع ابن زبیر

فانه ليس من الهجران الممنوع .والله سبحانه اعلم .

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب :عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۱۴ربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　　فتویٰ نمبر :۴۰۱۰

﴿حكم عدم معاشرة تارك الصلوٰة﴾

﴿بے نمازی کے ساتھ قطع تعلق کرنا﴾

﴿سوال﴾ هل يجوز ترك تكلم تارك الصلوة وترك النزول في بيته؟

﴿جواب﴾ من ترك الصلوة متعمدا تكاسلا يحبس حتى يصلي او يموت وقيل يضرب شديدا هذا هو اصل المذهب ولا يرى العمل به من الحكام فيلزم المسلمين ان ينصحوه ويدعوه الى الصلوة فان راوا ان هجره زجراً له يتركوه ولا يبسطوا في الكلام معه كي يحزن ويتوب.

لمافي التنوير وشرحه :(۲۵۲/۱،طبع سعيد)

(وتاركها عمدا مجانة) اى تكاسلا فاسق (يحبس حتى يصلي) لانه يحبس لحق العبد فحق الحق أحق .وقيل يضرب حتى يسيل منه الدم.

ولمافي الاشباه والنظائر :(ص ۲۸۱،طبع قديمي)

يكره معاشرة من لايصلي ولو كانت زوجته الااذا كان الزوج لايصلي لم يكره للمرأة معاشرته.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب :محمد غفرلہ ولوالدیہ

۱۶صفر ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر :۱۹۸۰

﴿کسی سے دین کی بنیاد پر قطع تعلق کرنا گناہ نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوہ ہمشیرہ کی بیٹی ہماری نگرانی میں زندگی بسر کر رہی تھی کہ اس کے میرے بھانجے کیساتھ غلط تعلقات بن گئے جس کی وجہ سے میں نے مجبوراً ان کی آپس میں شادی کرائی لیکن اب میرا دل نہیں چاہتا کہ بھانجے اور بھانجی کیساتھ تعلق رکھوں اس بات کا اظہار میں نے اپنی بہن یعنی بھانجے کی والدہ سے بھی کر دیا ہے جسکی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہوگئی ہے اور ہمارے گھر آنا جانا چھوڑ دیا ہے اگر چہ میں ان کے دروازے

پر جا کر بہن سے ملتا ہوں لیکن بھانجے اور بھانجی کی وجہ سے ان کے گھر جانا پسند نہیں کرتا تو کیا یہ قطع رحمی میں آتا ہے یا نہیں؟ نیز ہمارے گھر میں شرعی پردہ ہے جسکی وجہ سے ویسے بھی بھانجہ ہمارے گھر نہیں آسکتا جبکہ انکی والدہ یہی کہتی ہے کہ میں تب راضی ہونگی اور آپ کے گھر آؤں گی جب میں انکے بیٹے کے ساتھ تعلق رکھوں تو کیا میرے لئے بھانجے کیساتھ تعلق رکھنا لازم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں جب آپ نے ان کا نکاح آپس میں کرالیا تو اب ان کے درمیان صحیح تعلق قائم ہوگیا، لہٰذا ماضی کی غلط کاریوں کی وجہ سے تلخی کو طول دینا مناسب نہیں ہے، البتہ انکے رویے سے اگر یہ ظاہر ہو کہ انہیں اپنی غلط کاریوں پر کوئی ندامت نہیں ہے اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنے کی نہی عن المنکر کے مقابلے میں زیادہ اہمیت جانتے ہوں جس کی وجہ سے آپکی ناراضگی کو الٹا آپ کا جرم قرار دیتے ہوں تو ایسی صورت میں آپ اپنے موقف پر قائم رہیں بہن کی ناراضگی بے جا ناراضگی ہوگی اور آپ سے جتنا ہو سکے بہن کے ساتھ تعلق کو بہتر رکھنے کی کوشش کریں بھانجے کی خوشامد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ولمافی قوله تعالیٰ:(سورۃ محمد،آیت ۲۲-۲۳)

فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوافی الارض وتقطعواارحامکم اولئک لعنہم اللہ فأصمہم واعمی ابصارہم ..... الایۃ.

ولمافی الصحیح لمسلم:(۳۱۵/۲،طبع قدیمی)

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ الرحم معلقۃ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ

ولمافی صحیح المسلم:(۵۱/۱،طبع قدیمی)

قال أبو سعید الخدری سمعت رسول اللہ ﷺ قال من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان.

ولمافی جامع الترمذی:لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق.

ولمافی الترغیب والترہیب:(۱۱/۴،رقم الحدیث:۳۶۰۲،طبع حقانیہ پشاور)

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سلمان احمد

۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۴۲

(الجواب)نعم واذابنى فى الارض المشتركة بغيراذن الشريك له ان ينقص بناء ه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد داؤد فاروقی نانکوی

۱۶ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

فتوی نمبر: ۳۹۹۳

﴿کتاب التصوف والسلوک﴾

﴿اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ اوران کا جوعرس منایا جاتا ہے، اس میں شرکت کرنا جائز ہے یانہیں؟ اگر والدین کہیں کہ فلاں ولی کے مزار پر چلو ان کا عرس ہے غریبوں میں کھانا تقسیم کرنا ہے کیا میرے لئے فقیروں میں کھانا تقسیم کرنے کی غرض سے وہاں جانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: مقبول احمد مہمند کھوہ

﴿جواب﴾ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کیلئے گزارتے ہیں اور فرائض وواجبات کے علاوہ سنن ونوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور خالص اللہ کیلئے آپس میں محبت کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ مزار والے اولیاء ہیں یانہیں؟ تو ان کو اس پر پرکھ لیا جائے کہ ان کی زندگی کس طرح گزری، نیز عرس ایک بدعت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ کھانا ان لوگوں میں تقسیم کریں جو دیندار ہوں یا کم از کم شریعت کے مخالف کاموں سے اجتناب کرتے ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تیرا کھانا نیک لوگ کھائیں'' اور عموماً مزارات پر وہ لوگ ہوتے ہیں جو نماز وغیرہ جیسے فرائض بھی ادا نہیں کرتے۔

البتہ اگر والدین کی ناراضگی کا اندیشہ ہو تو آپ مزار پر یہ نیت کرکے جاسکتے ہیں کہ میں والدین کے حکم پر فقیروں میں کھانا تقسیم کرونگا، عرس میں شرکت کیلئے نہیں جارہا۔

لمافی قوله تعالیٰ:(سورة یونس،آیت ۶۲)

ألاإن اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون......الاٰیة.

ولمافی المظهری:(۲/۶۵ طبع رشیدیه)

لایجوز مایفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد علیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرسا.

ولمالی جامع الترمذی:(۲/۶۲،طبع فاروقی ملتان)

عن سعیدؓ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتصاحب الامؤمنا ولایاکل طعامک الاتقی۔

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :محمد ضیاء الدین

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر:۱۰۱۰

﴿تصوف کے رائج چاروں سلسلے صحیح ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فی الوقت تصوف کے رائج چار سلسلوں کا ثبوت ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چاروں سلسلے صحابہ تک پہنچتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے؟   مستفتی: ولی محمد کوئٹہ

﴿جواب﴾ نفس کو رذائل سے پاک کرنے اور صفاتِ محمودہ سے آراستہ کرنے کے لئے مشائخ نے ذکر واذکار، عبادت ومجاہدوں اور مراقبوں ومحاسبوں کو مرتب کیا ہے، جس کو تصوف کہتے ہیں، یہ تمام اعمال بلاشبہ قرآن وحدیث سے ثابت اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے ماخوذ ہیں، مشائخ حضرات نے اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی ہے، البتہ ہر ایک نے اپنے اپنے تجربہ کی بنیاد پر مقصود تک جلدی اور آسانی سے رسائی کیلئے ثابت شدہ اعمال کو صرف ترتیب دی ہے چنانچہ حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ نے اپنے شاگردوں اور مریدین میں جو ترتیب رائج فرمائی اس کو ''سلسلہ نقشبندیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے طریقہ کو ''سلسلہ چشتیہ'' کہا جاتا ہے، ''سلسلہ قادریہ'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور ''سلسلہ سہروردیہ'' حضرت خواجہ شہاب الدین رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بلاشبہ دینِ اسلام پورا منقول ہے، ہر ہر عمل کیلئے اوپر تک نسبت اور سند حاصل ہے، ایسا کوئی عمل جس کیلئے خیر القرون میں کوئی اصل و بنیاد نہ ہو ہمیشہ کیلئے مردود ہے، لیکن افادیت کیلئے ترتیب وطریقہ ہر دور میں مختلف ہوتا ہے اور یہ شرعاً بلاشبہ پسندیدہ ہے، جس طرح دینی ظاہری علوم اور عصری تعلیمات کیلئے طریقے وضع کیے جاتے ہیں اس کو کوئی برا نہیں کہہ سکتا، تو تصوف کے مذکورہ چاروں سلسلے بھی بلاشبہ اس خاص ترتیب کے ساتھ بعد میں

وضع ہوئے ہیں اور مفید ثابت ہوئے ہیں ان کو کوئی صاحب علم غلط یا بُرا نہیں کہہ سکتا لہذا اس مرتب انداز کے ساتھ چاروں سلسلوں کی سند خلفاء راشدین تک اگر نہیں پہنچتی تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے ہاں ہر ایک شیخ کو حضور ﷺ سے فیض کی نسبت وسند صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، کے توسط سے ضرور حاصل ہے، اور یہ الگ بات ہے کہ ہمارے پاس ایسی کتب وشواہد نہیں ہیں جن سے اس نسبت وسند کا حوالہ دے سکیں، اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ کسی چیز کو صحیح ثابت قرار دینے کیلئے حوالہ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ یہ تمام طریقے جن جن اعمال پر مشتمل ہیں وہ تمام اعمال قرآن وسنت سے ثابت ہیں ترتیب وطریقہ تو صرف اس لئے ہے تاکہ مقصود تک پہنچنے میں اور ان اعمال کو اپنانے میں آسانی ہو۔

لما في قوله تعالى :سورة الممتحنة ،آيت ۱۲)

يا ايها النبي اذا جاءك المؤمنات يبايعنك على ان لا يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن اولادهن ـــ الخ

ولما في احكام القرآن للتهانوي :۵/۵۵ طبع:ادارة القرآن)

اعلم ان الله تعالى اجرى سنة ان يضبط الامور الخفية المضمرة في النفوس بافعال واقوال ظاهرة ينصبها مقامها ،كما ان التصديق بالله ورسوله واليوم الآخر خفي فاقيم الاقرار مقامه ،فكذالك التوبة والعزيمة على ترك المعاصي والتمسك بحبل التقوى خفي فاقيمت البيعة مقامها.

ولما فيه ايضاً ۵/۵۸ طبع:ادارة القرآن)

ولا بأس ان يلقنه فيقول :اخترت الطريقة النقشبنديه ،او القادريه او الجشتيه المنسوبة الى الشيخ الاعظم والقطب الافخم خواجه نقشبند،اوالشيخ محي الدين عبدالقادر الجيلاني ،اوالشيخ معين الدين السنجري.

ولما في انتباه في سلاسل اولياء الله :۹ ،طبع:دار العلوم كراچي)

طريقه قادريه مشهورترين طريق است درعرب وهندوستان ونقشبنديه درهندوستان وماوراء النهر شهرت تمام داردرحرمين نيز شائع شده وچشتيه درهندوستان بسيار مشهور است،ومسهروردیه نواحي خراسان وكشمير وسنده.

ولما في قطب الارشاد:۵۲۲)

قال العلامة الشكارپوري:قال الشيخ العارف بالله ابواسحق ابراهيم ان الطرق الى

﴿عورت کا اجنبی مرد کے کپڑے دھونا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تبلیغ جماعت میں جاتے ہیں تو مقامی لوگ اکرامًا ہمارے کپڑے اپنے گھر لے جانے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم گھر میں دھلوا دیں گے۔ تو کیا اجنبی شخص کے کپڑے کوئی عورت دھو سکتی ہے؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ تبلیغی جماعت کے لوگوں کی خدمت کرنا بڑی سعادت ہے اور دینِ اسلام کی نصرت کا حصہ ہے۔ مقامی لوگ اگر خود اس طرح کی خدمت کی پیشکش کریں تو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے مہمانوں کے اکرام کے جذبہ سے عورتیں بھی ایسی خدمت انجام دیں گی تو ان کا بھی اس کام میں عند اللہ حصہ شمار ہوگا۔

لقوله تعالىٰ:

وتعاونوا على البر والتقوى

ولما جاء في الصحيح لمسلم كتاب الحج:(۱/۴۳۴،طبع قديمي)

عن ابي معبد قال سمعت ابن عباس يقول قال سمعت رسول الله ﷺ يخطب يقول:لا يخلون رجل بامرأة الا و معها ذو محرم۔الخ

ولما في المحيط البرهاني كتاب الاجارة:(۱۱/۳۰۱،طبع ادارة القرآن كراتشي)

ويكره للرجل ان يستخدم امرأة حرة يستخدمها ويخلوبها لان الخلوة بالاجنبية قبل الاجارة مكروه كيلا تصير سبب الوقوع في الفتنة وهذا المعنى موجود بعد الاجارة لكن الاجارة جائزة لانها عقدت على الاستخدام وانه مباح

ولما في المحيط البرهاني كتاب الاجارة:(۱۱/۳۰۱،طبع ادارة القرآن كراتشي)

وفي النوازل:حرة اجرت نفسها من رجل ذي عيال فلا بأس به ولكن يكره ان يخلو بها لما فيه من احتمال الوقوع في الفساد

ولما في الهندية كتاب الاجارة:(۴/۴۴۴،طبع المكتبة الرشيدية كوئته)

حرة اجرت نفسها ذا عيال لا بأس به وكره ان يخلو بها

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ صفر الخیر ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر ۳۹۵۳

﴿مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کی مسمی خلیل بحیثیت ملازم ایک ہوٹل میں ماہانہ پندرہ ہزار روپیہ کے عوض ہوٹل کے کاؤنٹر پر ڈیوٹی انجام دیتا ہے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خلیل ملازم کے دوست یا جان پہچان والیں ہوٹل میں کھانا کھا کر جب کاؤنٹر پر روپیہ ادا کرنے کیلئے آتے ہیں تو خلیل نامی ملازم ان سے کھانے کا روپیہ وصول نہیں کرتا جبکہ ہوٹل کے مالک کو خلیل نامی ملازم کے اس حرکت کا علم نہیں ہے۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہوٹل کے ملازم کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو ہوٹل کے مالک کی اجازت کے بغیر مفت میں کھانا کھلا دیں؟ اور کیا خلیل نامی ملازم کے دوستوں کیلئے یہ کھانا حلال ہے کہ نہیں؟ مستفتی: ذاکر الرحمٰن ضلع شانگلہ

﴿جواب﴾ صورت مسئلہ میں ہوٹل کے ملازم کو قطعاً اس کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ ہوٹل کے مالک کی مرضی کے بغیر اپنے دوستوں یا جان پہچان والیں دوستوں کو بغیر بل ادا کئے کھانا کھلا دیں اور نہ ان کے دوستوں کیلئے جائز ہے وہ اس طرح کھانا کھائیں، ہوٹل کے ملازم اور اس کے دوست گناہ میں برابر کے شریک ہونگے البتہ خلیل نامی ملازم بعد میں دوستوں کے کھانے کا بل اپنی تنخواہ میں سے کاٹ لیں تو اس صورت میں وہ کھانا خلیل کے دوستوں کیلئے حلال ہوگا۔

لمافی المشکوۃ المصابیح :۱/۲۵۵(طبع :سعید)

وعن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا لاتظلموا ألا لایحل مال امرء ی الا بطیب نفس منہ .

ولما فی الدر :۶/۲۰۰طبع :سعید)

لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنہ ولا ولایتہ .

ولمافی الشامیۃ :۴/۶۱(طبع :سعید)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی.

ولمافی شرح المجلۃ:۲/۱۳۱(طبع :رشیدیہ)کل یتصرف فی ملکہ کیف یشاء.

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب :فضل حق زیزاروی

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر:۳۰۷۷

﴿مشترک رقم سے مشترک کھانا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی جماعت میں ساتھی خرچہ کے لیے رقم جمع کرتے ہیں لیکن چونکہ کھانے میں ساتھی مختلف ہوتے ہیں کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ لیکن تمام ساتھی یہ رقم دل کی خوشی سے جمع کرتے ہیں، تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ جب ساتھی اپنی خوشی اور رضامندی کے ساتھ رقم جمع کرتے ہیں تو اگرچہ کھانے میں کوئی ساتھی کم کھائے یا زیادہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ طریقہ درست اور باعث برکت ہے۔

لما فی مشکوۃ المصابیح:(۲۵۵/۱،باب الغصب والعاریۃ،طبع سعید)

عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله ﷺ الا لا تظلموا،لایحل مال امری الا بطیب نفسه منه،رواه البیهقی فی شعب الایمان.

ولما فی مرقاۃ المصابیح تحت هذا الحدیث:(۱۳۵/۶،طبع رشیدیه)

(لایحل مال امری)ای مسلم اوذمی(الا بطیب نفس)ای بامر أو رضا

ولما فی الهندیه:(۳۴۱/۵،الباب الحادی عشر فی الکراهة فی الأکل وما یتصل به)

المسافرون اذا خلطوا ازوادهم او اخرج کل واحد منهم درهما علی عدد الرفقة واشتروا به طعاما واکلوا فانه یجوز وان تفاوتوا فی الاکل کذا فی الوجیز للکردی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۷۶۱

﴿مشترک راستے میں تعمیر کرنا بڑا گناہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ آمنے سامنے دو پڑوسی ہیں درمیان میں کشادہ راستہ ہے ایک کا نام افضل ہے اور دوسرے کا نام محمود ہے راستے کے جس طرف افضل کا گھر ہے اس طرف ایک نالہ بھی ہے اور نالہ سے تقریبا آدھا گز دور اسکے گھر کی دیوار ہے لیکن اس نے آدھا گز دیوار آگے کر کے راستہ اپنے گھر میں شامل کرلیا اور دیوار بالکل نالہ کے کنارے تعمیر کی ہے۔

جبکہ دوسرے پڑوسی محمود نے اپنے گھر کی طرف سے راستے میں غسل خانے تعمیر کئے، یعنی

راستے کو گھر میں شامل کرلیا۔اب دونوں کا آپس میں تنازعہ چل رہا ہے افضل کہتا ہے کہ غسل خانوں کو پیچھے کرلو اور محمود کہتا ہے کہ آپ دیوار کو پیچھے کرلو۔واضح رہے کہ راستے میں اور پڑوسی بھی شریک ہیں اور وہ اس سے ناخوش ہیں۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا دونوں کا مطالبہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے۔تو افضل کو دیوار کہاں تک گرانا ہوگا پوری دیوار یا اسلم کے گھر کے بالمقابل اور کیا محمود دونوں غسل خانے گرائے گا؟

﴿جواب﴾ راستہ میں اور لوگ بھی اگر شریک ہیں تو افضل اور محمود دونوں نے مشترکہ راستے کے ایک حصہ پر ناجائز قبضہ کر کے غصب کیا ہے لھذا دونوں پر واجب ہے کہ دیوار اور غسل خانے گرا کر دوسروں کے حق پر ناجائز قبضہ ختم کردیں مشترکہ راستہ پر قبضہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

لمافی الشامی (۲۶۳/۶۔۲۶۴طبع ایچ ایم سعید)

(اختلفوافی مقدارعرض الطریق جعل)عرضها(قدر عرض باب الدار)واما فی الارض فبقدر ممر الثور زیلعی(بطوله)ای ارتفاعه حتی یخرج کل واحدمنهم جناحافی نصیبه ،ان فوق الباب لافیمادونه لان قدرطول الباب من الهواء مشترك والبناء علی الهواء المشترك لایجوزالابرضاالشرکاء جلالیة۔

(قوله ای ارتفاعه)افاد ان المرادهوالطول من حیث الاعلی لامن حیث المشی وهوضدالعرض ،لانه انمایکون الی حیث ینتهون بهاالی الطریق الاعظم،افاده فی الکفایة وغیرهامن شروح الهدایة ،وافادوانه یقسم بینهم مافوق الباب من الاعلی ویبقی قدرطول الباب من الهواء مشترك بینهم.(قوله ان فوق الباب)ای له ذالک ان کان فیمافوق طول الباب لانه مقسوم بینهم کماعلمت،فصاربانیاعلی خالص حقه لافیمادونه لبقاءه مشترکا،وماقررناه اندفع مابحثه الحموی۔

لمافی تنقیح الحامدیه(۲/۱۰۶طبع مکتبه حقانیه پشاور)

(سئل)فی حائط بین اثنین یریداحدهماان یزیدفی البناء علیه بدون اذن الآخرولارضاه فهل لیس له ذلک؟

(الجواب)نعم جداربین رجلین اراداحدهماان یزیدفی البناء علیه لایکون له ذالک الاباذن الشریک اضرالشریک بذالک اولم یضرخانیه۔

(سئل)فیمااذابنی قصربماله بنفسه فی دارمشترکة بینه وبین اخوته بدون اذنهم فهل یکون البناء ملکاله؟

﴿بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دعا بغیر ہاتھ اٹھائے مانگی جاسکتی ہے؟ اور اسی طرح دل میں بھی دعا مانگی جاسکتی ہے؟ جبکہ زبان کو حرکت نہ دی جائے۔

مستفتی: محمد دین وزیرستانی

﴿جواب﴾ دعا بڑی اہم عبادت ہے اور انسان جب کوئی عبادت کرتا ہے خواہ اجتماعی کرے یا انفرادی اسکے بعد دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے، البتہ بعض موقعوں پر دعا دل میں کرنے کی ترغیب دی گئی ہے مثلاً جماع کے وقت انزال کے بعد صرف دل دل میں مسنون دعا مانگنا۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح:(۲۲/۴، طبع رشیدیہ کوئٹہ)

الاکثرون علی استحباب الدعاء مطلقا وقیل السکوت عن الدعاء افضل رضاء بما سبق به القضاء وقیل یدعو بلسانه ویرضی بجنانه قال القشیری الاوقات مختلفة ففی بعض الدعاء افضل بان یجد فی قلبه اشارة الیه وهو الادب ایضا وفی بعض السکوت افضل بان یجد ذلک وهو الادب أیضا.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۱۷۳، طبع قدیمی)

من الادب فی الدعاء ان یدعو بخشوع وتذلل وخفض صوت ای بان یکون بین المخافتة والجهر کما فی الاذکار عن الاحیاء لیکون اقرب الی الاجابة.

لمافی البحر الرائق:(۲۰۷/۸، طبع ایچ ایم سعید کراچی)

قال السغناقی فی النهایة ان الدعاء اربعة دعاء رغبة ودعاء رهبة ودعاء تضرع ودعاء خفیة ففی دعاء الرغبة یجعل بطون کفیه الی السماء وفی دعاء الرهبة یجعل ظهورها الی وجهه کالمستغیث من الشیء وفی دعاء التضرع یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الابهام والوسطی ویشیر بالسبابة وفی دعاء الخفیة یفعل ما یفعل المرء فی نفسه.

الجواب صحیح: حمید الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

فتوی نمبر: ۶۸۰

﴿نماز کے بعد جہر اً ذکر کا کیا حکم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ پانچوں نمازوں کے بعد

ہمیشہ اجتماعی طور پر باآواز بلند تین دفعہ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ طریقہ سے ذکر کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث اس پر شاہد ہیں:

لما فی قوله تعالیٰ:(سورة الانعام،آیت۵۵)ادعوا ربکم تضرعا وخفية .....الأية.

ولما فی المظهری:(۲/۲۶۱،طبع رشیدیه کوئٹه)

ثم اجمع العلماء علی ان الذکر سرا هو الافضل والجهر بالذکر بدعة الا فی مواضع مخصوصة مست الحاجة فیها الی الجهر به کالاذان..... ویدل علی کون ذکر السر افضل ومجمعا علیه من الصحابةؓ من تبعهم قول الحسن ان بین دعوة السر ودعوة العلانیة سبعون ضعفا..... وایضا یدل علی فضل الذکر الخفی حدیث سعد بن أبی وقاص قال رسول الله ﷺ خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی رواه احمد وابن حبان فی صحیحه والبیهقی فی شعب الایمان.

ولما فی فتح القدیر:(۲/۲۱،طبع رشیدیه کوئٹه)

فقال ابو حنیفة رفع الصوت بالذکر بدعة یخالف الامر من قوله تعالی واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول.

ولما فی مجموعة الفتاوی:(۲/۳۲۲،طبع رشیدیه)

عن المدخل لیحذروا جمیعا من الجهر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلاة ان کان فی جماعة فانه ذلک من البدع .....

ذکر جہری بعد نماز سوائے ایام تشریق وغیرہ اگر احیانا باشد ہیچ مضائقہ نیست بشرطیکہ جہر مفرط نباشد و ہمچنیں اگر مقصود از جہر تعلیم باشد و بدون ایں غرض التزام اہتمام آں کردن۔ چنانکہ در سوال مذکور خلاف طریقہ نبویہ و طریقہ سلف است (مجموعہ برحاشیہ خلاصہ:۴/۳۳۳،طبع رشیدیہ)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۵۲

﴿آئینہ میں چہرہ دیکھنے کی دعا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ آئینہ میں چہرہ کو دیکھتے وقت

کون سی دعا پڑھی جاتی ہے؟ نیز وہ دعا چہرہ دیکھ کر پڑھنی چاہیئے یا دیکھنے سے پہلے پڑھنی چاہیئے؟

﴿جواب﴾ جب آئینے میں آپ اپنا چہرہ دیکھیں تو دیکھتے ہی یا دیکھنے کے بعد مذکورہ دعاؤں میں سے کوئی ایک یا سب دعائیں پڑھیں، جیسا کہ حصن حصین میں مذکور ہے:

واذانظر وجهه في المرأة:

(۱) اَللّٰهُمَّ أَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ. (بحواله ابن حبان والدارمی)

(۲) اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ وَحَرِّمْ وَجْهِيْ عَلَى النَّارِ. (بزار عن عائشه)

(۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ وَاَحْسَنَ صُوْرَتِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَاشَانَ مِنْ غَيْرِيْ.

(۴) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ فَعَدَّلَهُ وَصَوَّرَ صُوْرَةَ وَجْهِيْ فَاَحْسَنَهَا وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (بحواله طبرانی فی الصغیر)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۵۹

﴿ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کہ بارے میں کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے کا کیا حکم ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ وقت کا ضیاع ہے کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت کو اگر چہ تلاوت کا حکم حاصل نہیں ہے چنانچہ اس سے سجدۂ تلاوت کی آیت سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا تاہم سننا جائز ہے، البتہ ایسی مجلسوں میں جہاں لوگ اس کی طرف دھیان نہ دیں اس کا احترام نہ کریں، تلاوت کی کیسٹ لگانا مناسب نہیں ہے، رہا یہ کہنا کہ اس سے تلاوت کا سننا وقت کا ضیاع ہے سو یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اگر چہ تلاوت نہیں لیکن تلاوت کے مشابہ ضرور ہے اور ایک نسبت حاصل ہے۔

وما أحسن ما قال: أمر على الديار ديار ليلى ☆ أقبل ذاالجدار وذاالجدار

وما شغفنني حب الديار ☆ ولكن حب من سكن الديار

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

د ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۳۳

﴿عربی تحریر والی بوری اور بوسیدہ جائے نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل ہر پیکٹ پر اردو اور عربی لکھی ہوتی ہے تو کیا یہ پیکٹ گرا سکتے ہیں یا جمع کر کے جلا دیا کریں؟ اور اسی طرح پرانی جائے نماز کا کیا کیا جائے اور اسی طرح آٹے کی بوریاں بہت جمع ہو جاتی ہیں، اس پر بھی اردو بھی لکھی ہوتی ہے، اگر ہم وہ بیچ دیں اور خریدنے والا دکانداران کو نیچے گرائے یا بے ادبی کرے یا زمین پر رکھے تو ہمیں گناہ تو نہیں ملے گا؟ آپ سے راہنمائی مطلوب ہے اگر ان کو جلا دیں تو یہ اسراف تو نہیں ہے؟

مستفتی: فرید اللہ جان لکی مروت

﴿جواب﴾ ایسی بوری، پیکٹ وغیرہ جن پر عربی اردو کی کوئی تحریر ہو بیچنا منع نہیں ہے، ہاں تحریر میں اللہ تعالیٰ یا نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی بھی ہوں یا کوئی آیت وغیرہ اور بے حرمتی کا اندیشہ ہو تو خاص ان کو مٹا دینا چاہیے۔ اور جائے نماز کو احتراماً دفنایا جائے تو زیادہ بہتر ہے، تاہم جلانے میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار: (۴۲۲/۵، طبع: سعید کراچی)

الكتب الشتي لا ينتفع بها يمحي عنها اسم الله وملائكته ورسوله ويحرق الباقي.

ولما في الدر المختار: (۱۷۸/۱، طبع: سعید کراچی)

ولا يجوز لف شيء في كاغذ فيه فقه وفي كتب الطب يجوز، ولو فيه اسم الله او الرسول فيجوز محوه ليلف فيه شيء ومحو بعض الكتابة بالريق يجوز وقد ورد النهي في محو اسم الله بالبزاق.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفر لہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۴۰۵۹

﴿تلاوت ترتیب سے کرنی چاہیے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ قرآن کریم کو شروع سے آخر تک ترتیب سے پڑھنا افضل ہے یا درمیان درمیان سے بلا ترتیب؟ کیا ترتیب سے پڑھنے کا اجر بلا ترتیب پڑھنے سے افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ قرآن کریم ترتیب سے پڑھنا افضل ہے، بلا ترتیب پڑھنا بھی جائز ہے البتہ

الله كثيرة كالشاذلية والسهرورديه والقادريه الى غير ذالك .

ولمافی انتباه :۵ طبع دار العلوم)

فالسيد عبدالله عن الشيخ آدم البنورى عن الشيخ احمد السهرندى عن خواجه محمد باقى وخواجه خورد عن الشيخ احمد السهرندى وعن خواجه حسام الدين وشيخ الهداد كلهم عن خواجه محمد باقى بالسند المذكور فى سلسلة الصحبة ـــ عن مولانا نظام الدين خاموش عن خواجه علاؤ الدين العطار عن خواجه بهاؤ الدين نقشبند ـــ والامام جعفر الصادق اخذ من جهتين الاولى جهة آبائه رضى الله عنهم وقد ذكرنا والثانية انه اخذ الطريقة عن ابى امه القاسم بن محمد بن ابى بكر الصديقؓ والقاسم اخذها عن سلمان الفارسیؓ عن سيدنا ابى بكر الصديقؓ عن النبى ﷺ.

ولمافی انتباه :۱۵ طبع دار العلوم كراچى)

عن الشيخ آدم البنورى عن الشيخ احمد السهرندى عن ابيه الشيخ عبد الاحد عن شاه كمال ـــ عن ابيه امام الطريقة ابى محمد الشيخ عبد القادر جيلانى الى آخر السند المذكور فى سلسلة الصحبة الان الصوفية اتفقوا على ان الحسن البصرى اخذ عن سيدنا على رضى الله عنه .

ولمافی انتباه ـــ طبع دار العلوم كراچى)

پس ارتباط اين فقير با والد خود ست شيخ عبد الرحيم قدس سره عن الشيخ عظمة الله الاكبر آبادى عن ابيه عن جده عن الشيخ عبد العزيز ـــ عن الفرغانى شيخ الشيوخ شيخ شهاب الدين سهروردى نسبت خرقة را تا ابو القاسم جنيد پيش اثبات نكرده واز جنيد تا مصطفى ﷺ بصحبت نسبت داده است نه بخرقه اما شيخ مجد الدين بغدادى در كتاب تحفه البررة آورده است كه نسبت خرقة ها متصل است به پيغامبر ﷺ بحديث درست متصل منيض ،اقول والحق ماقاله السهروردى .

ولمافی انتباه :۵۸ طبع دار العلوم كراچى)

شيخ عبد الرحيم قدس سره وايشان را خرقة واجازت از شيخ عظمت الله اكبر آبادى ست عن ابيه عن جده عن الشيخ عبد العزيز وايضا صحبت واجازت اشغال از جد ابو الام خويش است شيخ رفيع الدين محمد ـــ عن الشيخ عبد الواحد بن زيد عن الحسن البصرى عن سيدنا على كرم الله وجهه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمر فاروق لاہوری

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۷۱

﴿ذکر، دعا، تعویذات اور آداب تلاوت کا بیان﴾

﴿نماز کے بعد سراً دعا افضل ہے یا جہراً؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے متعلق کہ امام صاحب کا فرض نماز کے بعد سراً دعا کرانا افضل ہے یا جہراً؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ دونوں جائز ہیں بشرطیکہ جہر میں ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ بعض حالات اخفاء کے مقتضی ہوتے ہیں اور بعض حالات جہر کے، لہٰذا بعض حالات میں اخفاء افضل ہے اور بعض میں جہر افضل ہے۔

لما فی مرقاة المفاتيح:(۳۱/۳،طبع رشيديه)

وعن عبدالله بن الزبير قال:كان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلوته يقول بصوته الاعلى "لااله الاالله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لاحول ولاقوة الابالله لااله الاالله ولانعبد الااياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لااله الاالله مخلصين له الدين ولوكره الكفرون" رواه مسلم قال العلامة ملاعلى قارى تحت هذا الحديث(كان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلاته يقول بصوته الاعلى)تعليما لمن حضر معه من الملا.

ولما فی الهندية:(۳۱۸/۵،طبع رشيديه)

اذادعا بالدعاء المأثور جهرا ومعه القوم ايضا ليتعلموا الدعاء فلابأس به واذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة.كذا فى الوجيز للكردى.

ولما فی ردالمحتار:(۵۷۰/۱،طبع امداديه)

مارفع الصوت بالذكر فجائز كمافى الاذان والخطبة والجمعة والحج..... وقال ان هناك احاديث اقتضت طلب الجهر واحاديث طلب الاسرار والجمع بينهما بان ذلك يختلف باختلاف الاشخاص والاحوال فالاسرار افضل حيث خيف الرياء وتاذى المسلمين اوالنيام والجهر افضل حيث خلامما ذكر لانه اكثر عملا ولتعدى فائدته الى السامعين ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه الى الفكر ويصرف سمعه اليه ويطرد النوم ويزيد النشاط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ولی اللہ ڈیروی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۱۷

﴿فرض نماز کے بعد پہلے سنت ادا کریں پھر اذکار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ فرض نمازوں کے بعد متصل مسنون اذکار کئے جائیں یا جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں ادا کرنے کے بعد اذکار کئے جائیں یعنی "اللھم انت السلام وغیرہ کے علاوہ۔

﴿جواب﴾ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں تو ان کے متصل بعد اذکار مسنونہ کا اہتمام کرنا چاہیئے اور جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں تو پہلے سنتیں ادا کرنا اولیٰ ہے بعد میں اذکار پڑھے جائیں۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص۱۱۶،طبع قدیمی)

وقال الكمال عن شمس الائمة الحلواني انه قال لاباس بقرائة الاورادبين الفريضة والسنة فالاولى تاخيرالاورادعن السنة.وكذافي الهندية:(۱/۷۷،طبع رشيديه)

ولمافي الدرالمختار:(۲/۲۴۶مطبع امداديه)

ويكره تاخيرالسنة الابقدراللهم انت السلام قال الحلوانيؒ لاباس باالفصل بالاوراد واختاره الكمال قال الحلبي ان اريدبالكراهة التنزهية ارتفع الخلاف.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ولی اللہ ڈیروی

۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۶۵۵

﴿ذکر اللہ کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ذکر میں کونسی چیز داخل ہے احادیث میں ذکر کے بہت زیادہ فضائل آئے ہیں نیز تلاوت بہتر ہے یا ذکر بہتر ہے، نفل نماز بہتر ہے یا تلاوت بہتر ہے، نیز جن اوقات میں نماز مکروہ ہے، ان اوقات میں تلاوت کرنا بہتر ہے یا ذکر کرنا؟

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہو اور جس سے اللہ کا دھیان نصیب ہو ذکر میں داخل ہے خواہ وہ تعلیم وتعلم کے ذریعے ہو یا وظائف اور دوسری عبادات کے ذریعے۔

لما فی قواعد الفقه:(ص۲۹۹،طبع میر محمد)

الذکر ضد النسیان وھو بالکسر اذا کان باللسان وبالضم مایکون بالجنان وایضا الذکر التلفظ بالشیء واحضاره فی الذھن بحیث لایغیب عنه ویطلق علی الصیت والثناء.

عام ذکر کرنے سے قرآن مجید کی تلاوت بہتر ہے۔

لما فی اعلاء السنن:(۲۹۵/۱۸،طبع بیروت)

ولا یخفی علی مسلم ان افضل الذکر تلاوة القرآن فانه ھو الضیاء والنور وبه النجاة من الغرور وفیه شفاء لما فی الصدور.

نماز ایسی جامع عبادت ہے کہ وہ تلاوت قرآن مجید وتسبیح وتکبیر کے علاوہ بھی عبادات پر مشتمل ہوتی ہے، اسلئے افضل ترین عبادت ہے اور تلاوت سے بھی افضل قرار دی گئی ہے۔

عن عائشة ان النبی ﷺ قال قراءة القرآن فی الصلاة افضل من قراءة القرآن فی غیر الصلاة وقراءة القرآن فی غیر الصلاة افضل من التسبیح والتکبیر والتسبیح افضل من الصدقة والصدقة افضل من الصوم والصوم جنة من النار رواه البیھقی فی شعب الایمان.(بحواله فضائل قرآن:(ص۲۵،طبع خلیل لاہور)

اوقات مکروہ میں تلاوت قرآن کرنے سے عام اذکار کرنا اولیٰ ہے، یہی اسلاف کا معمول ہے۔

لما فی الھندیة:(۳۱٦/۵،طبع رشیدیه)

سئل الفقیہ عن قراءة القرآن اھی افضل ام الصلاة علی النبی ﷺ فقال اما عند طلوع الشمس وفی الاوقات التی نھی عن الصلاة فیھا فالصلاة علی النبی ﷺ والدعاء والتسبیح اولی من قراءة القرآن وکان السلف یسبحون فی ھذه الاوقات ولا یقرءون القرآن کذا فی الغرائب.

لما فی الدر المختار:(٦٠٦/۹،طبع امدادیه ملتان)

ذکر الله من طلوع الفجر الی طلوع الشمس اولی من قراءة القرآن وتستحب القراءة عند الطلوع او الغروب.

ولما فی الشامی:(٦٠٦/۹،طبع امدادیه ملتان)

کذا ذکر فی المجتبی المسألة الاولی ثم ذکر ھذه رامزا لبعض المشایخ فالظاھر انھما قولان فان الأولی تفید استحباب الذکر دون القراءة وھو الذی تقدم فی کتاب الصلاة واقتصر علیه فی القنیة حیث قال الصلاة علی النبی ﷺ والدعاء والتسبیح افضل من قراءة القرآن فی الأوقات التی نھی عن الصلاة فیھا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۸۵۴

خلاف اولیٰ ہے یعنی ایک ہی مجلس میں اگر مختلف جگہوں سے خلاف ترتیب پڑھتا ہے تو خلاف اولیٰ ہے، ترتیب سے پڑھنے کا اجر وثواب بلاشبہ بلا ترتیب پڑھنے سے زیادہ ہے۔

لمافی علوم القرآن للسیوطی:(۲۲۱/۱،طبع قدیمی)

الاولیٰ ان یقرأعلی ترتیب المصحف قال فی شرح المهذب لان ترتیبه لحکمة. ..... فلوفرق السوراوعکسهاجازوترك الافضل.....واماخلط سورة بسورة:فعد الحلیمی ترکه من الآداب.....عن سعیدبن المسیب:ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر ببلال وهو یقرأمن هذه السوره ومن هذه السورة قال:اخلط الطیب بالطیب. فقال"اقرأالسورة علی وجهها"او قال "علی نحوها".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۵۷

﴿دوران تلاوت اذان کے جواب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے اذان شروع ہوجائے تو جواب دینا ضروری ہے یا تلاوت جاری رکھے؟

﴿جواب﴾ اگر تعلیم وتعلم کے لئے پڑھ رہے ہوں تو قرات جاری رکھیں اور اگر صرف تلاوت کررہے ہوں تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ تلاوت روک کر پہلے اذان کا جواب دے دیں اور فارغ ہونے کے بعد پھر تلاوت شروع کریں۔

لمافی بدائع الصنائع:(۱۵۵/۱،طبع سعید)

واما بیان مایجب علی السامعین عندالآذان فالواجب علیهم الاجابة.....ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی حال الآذان والاقامة ویشتغل بقراة القرآن ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابة ولوکان فی القراة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابة کذافی الفتاوی.

ولمافی الشامی:(۶۵/۲-۶۶،طبع امدادیه)

(ویجیب)وجوبا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابة بالقدم(من سمع الآذان)ولوجنبا لاحائضا ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع ومستراح واکل وتعلیم علم وتعلمه بخلاف قرآن(قوله:بخلاف قرآن)لانه لایفوت جوهرة.ولعله لان تکرار القراة انماهو للاجر فلایفوت بالاجابة بخلاف التعلم فعلی هذالویقرأ تعلیما اوتعلما لایقطع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۲۰

﴿قرآن مجید کو بوسہ دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ قرآن مجید کو کھولنے سے پہلے اس کو بوسہ دیتے ہیں اس کا کسی کتاب سے ثبوت ہے یا نہیں ہے؟ مستفتی: محمد عظیم لکی مروت

﴿جواب﴾ قرآن مجید کو بوسہ دینا جائز ہے خواہ کھولنے سے پہلے ہو یا بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ عمل ثابت ہے۔

لمافی الدر المختار:(۶/ ۳۸۴،طبع ایچ ایم سعید)

روی عن ابن عمرؓ انه كان ياخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول عهد ربي ومنشور ربي عزوجل وكان عثمانؓ يقبل المصحف ويمسحه على وجهه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: کتبہ خضر حیات کمالوی

۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۸۴۲

﴿دم، تعویذ لکھنے لکھوانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ دم، تعویذ لکھنا یا کسی پرہیزگار آدمی سے لکھوانے کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: محمد دین وزیرستان

﴿جواب﴾ جائز مقاصد کیلئے دم کرنا تعویذ لکھنا لکھوانا جائز ہے بشرطیکہ شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہو۔ قرآنی کلمات احادیث سے منقول ادعیہ یا صحیح مفہوم والے کلمات پر مشتمل ہو، تو جائز ہے، ہاں تعویذ کو موثر حقیقی سمجھنا غلط ہے، موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

لمافی احکام القرآن:(۵/ ۵۱،طبع ادارة المعارف)

الرقية اذا كانت لغرض مباح بادعية ماثورة او آيات قرآنية او بما يشبهها من الكلمات المنقولة من الصلحاء والمشائخ فهي مما لا باس بها بل يثاب عليها اذا كانت ب اورد عن النبي ﷺ انه كان يرقىٰ بها، وكان الغرض اتباع السنة ونفع اخوانه المسلمين لا غير.

ولمافی تکملہ فتح الملهم:(۴/ ۳۲۶،طبع دار العلوم کراچی)

عن عوف بن مالك الاشجعيؓ قال: كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يا رسول الله: كيف ترىٰ ذلك؟ فقال: اعرضوا على رقاكم لا بأس بالرقىٰ ما لم يكن فيه شرك (رواه مسلم) هذا هو الاصل في هذا الباب ومن هنا منع من الرقى التي لا يفهم معناها.

ولمافی ردالمحتار:(۲۶۳/۱،طبع سعید)

ولاباس بالمعاذات اذاکتب فیھاالقرآن اواسماء اللہ تعالیٰ وانماتکرہ العوذۃاذاکانت بغیرلسان العرب ولایدری ماھو.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:راحت اللہ عفی عنہ

۱۸ربیع الثانی۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۷۹۹

﴿اورادواذکارسنتوں کی ادائیگی کے بعد پڑھناچاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے بعد جومسنون اذکاروادورادمنقول ہیں کیاان کاپڑھنافرض نماز کے بعدثابت ہے یاسنتوں کی ادائیگی کے بعد؟

﴿جواب﴾ نماز کے بعدمسنون اذکارواوراد جواحادیث میں منقول ہیں انکوسنتوں کے بعد پڑھنامستحب ہے،فرض نماز کے بعدصرف اللھم انت السلام یااسکی مقدار سے زیادہ تاخیرنہیں کرنی چاہیئے احادیث میں ان اذکار وغیرہ کی فضیلت بیشک وارد ہوئی ہے لیکن کسی ایک حدیث میں بھی ایسا کوئی ذکرنہیں ہے کہ ان اذکارکافورامتصل اہتمام کرناچاہیئے جبکہ سنتوں کومتصل بلاتاخیراہتمام کرنے کاباقاعدہ ذکرآیاہے،چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم فرض اورسنتوں کے درمیان صرف اللھم انت السلام کی بقدرفصل فرماتے تھے اس سے زیادہ تاخیرنہیں فرماتے تھے،اسلئے فقہاء کرام نے امام کے حق میں تاخیرکومکروہ قراردیاہے اورمقتدی کیلئے بھی یہی حکم ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعدبلاتاخیرسنت ادا کرے بعدمیں اذکارکااہتمام کرے اوراس سے مذکورہ فضائل میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ اس فضیلت کوحاصل کرنے کیلئے اتصال کوضروری سمجھنافقہاء کرام کے فتویٰ کے مقابلہ میں متضاد سوچ ہے،اس سے احترازضروری ہے۔

لمافی شرح المنیۃ:(ص۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳،طبع سہیل اکیڈمی)

(فان کان بعدھا)ای بعدالمکتوبۃ(تطوع یقوم الی التطوع)بلافصل الامقدارمایقول اللھم انت السلام......(ویکرہ عن حال اداء الفریضۃ)باکثرمن نحوذلک القدر..... واماما وردمن الاحادیث فی الاذکارعقیب الصلوۃفلادلالۃفیھاعلی الاتیان بھاعقیب الفرض قبل السنۃبل تحمل علی الاتیان بھابعدالسنۃالی قولہ.....فالحاصل ان

المستحب في حق الكل وصل السنة بالمكتوبة من غير تاخير الا ان الاستحباب في حق الامام اشد حتى يودي تاخيره الى الكراهة لحديث عائشه بخلاف المقتدى والمنفرد..... فعلم به ان مراتب الاستحباب متفاوتة كمراتب السنة والواجب والفرض.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر: ۱۳۳۴

﴿تسبیح پر ذکر کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض عرب لوگ کہتے ہیں کہ تسبیح پر ذکر کرنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ثابت بھی نہیں انگلیوں پر شمار کرنا ثابت ہے نیز بعض لوگ باتیں بھی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ تسبیح بھی گھماتے ہیں تو کیا یہ ذکر ہے؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ ذکر دین اسلام میں اہم عبادت ہے انگلیوں پر کرے، تسبیح پر کرے، یا یوں ہی کرنے کی عادت بنائے، البتہ تسبیح کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہاتھ یا جیب میں رکھنے سے ذکر کی طرف دھیان ہو جاتا ہے اس لیئے اس کو "مذکرہ" یعنی یاد دلانے والی چیز بھی نام دیتے ہیں شریعت نے اس کو منع نہیں کیا ہے بلکہ امام ابوداؤدؒ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے جو "تسبیح بالحصاة" سے معنون ہے اور اس میں سعد ابن ابی وقاصؓ کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے کہ وہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک عورت کے پاس گئے جو گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی حضور ﷺ نے اس عورت پر نکیر نہیں فرمائی اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کنکریوں اور گٹھلیوں پر تسبیح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ورنہ حضور ﷺ اس عورت کو ضرور منع فرماتے تو آپ ﷺ کا سکوت کرنا اور نکیر نہ فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذکر کرتے وقت گٹھلیوں، کنکریوں اور تسبیح وغیرہ پر شمار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ بات کرتے ہوئے بھی کوئی اگر تسبیح گھماتا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اسکے اس عمل کو اسکی عادت پر محمول کریں یعنی چونکہ اسکی انگلیاں عادی ہوگئی ہیں، اس لیے بات کرتے دوران بھی اسکی انگلیوں کا عمل جاری ہے اور یہ ایسی بات نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے تسبیح یا تسبیح استعمال کرنے والے کو اچھا نہ سمجھا جائے۔

لما في الدر المختار: (۲/۲۲۱ مطبع امدادیه)

لا بأس باتخاذ السبحة لغير رياء كما بسط في البحر.

ولما فی الشامیة:

(لا بأس باتخاذ المسبحة بکسر المیم آلة التسبیح..... قال فی المصباح حزرات منظومة و هو یقتضی کونها عربیة و دلیل الجواز ما رواه ابو داود والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم وقال صحیح الاسناد (عن سعد بن ابی وقاص انه دخل مع رسول الله ﷺ علی امرأة وبین یدیها نوی او حصا تسبح به فقال اخبرك بما هو ایسر علیک من هذا او افضل؟ فقال سبحان الله عدد ما خلق فی السماء ..... ولا حول ولا قوة الا بالله) فلم ینهها وانما ارشدها الی ما هو ایسر وافضل ولو کان مکروها لبین لها ذلک ولا یزید السبحة علی مضمون هذا الحدیث الا بضم النوی فی خیط و مثل ذلک لا یظهر تاثیره فی المنع فلا جرم ان نقل اتخاذها والعمل بها عن جماعة من الصوفیة الأخیار وغیرهم، اللهم الا اذا ترتب علیه ریاء وسمعة فلا کلام لنا فیه وهذا الحدیث ایضا یشهد لأفضلیة هذا الذکر.....

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۶۶

﴿فرض نمازوں کے بعد رفع یدین کیساتھ دُعا کرنا درست ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی ہیئت میں رفع یدین کے ساتھ دعا کرنا کیسا ہے؟ آجکل اس مسئلہ میں لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں بعض لوگ سرے سے اس دعا کی نفی کرتے ہیں جبکہ دیگر بعض اس کے اہتمام کے قائل ہیں۔ ازراہ کرم مفصل جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ فرض نمازوں کے بعد نفس دعا نہ صرف ثابت ہے بلکہ باقاعدہ اسکی ترغیب دی گئی ہے اوراس کو قبولیت دعا کے مواقع میں سے قرار دیا گیا ہے۔

لما فی سنن ابی داود: (۱/۲۲۳، طبع رحمانیه)

عن معاذ بن جبلؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اخذ بیده وقال: یا معاذ والله انی لاحبک فقال اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوٰة تقول اللهم اعنی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک.

ولما فی اعلاء السنن: (۳/۱۹۵، طبع دار الکتب العلمیة)

عن ابی امامةؓ قال قیل یا رسول الله: ایّ الدعاء أسمع؟ قال جوف اللیل الأخیر ودبر

الصلوات المكتوبات(رواه الترمذی)

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ تحت هذا الحديث،قلت قد ثبت ذالک عنه ﷺ قولاً و فعلاً،فهذا حديث امامة فيه ارشاد الامة بالدعاء بعد الصلوٰت المكتوبات.

رہا فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا اور اس کا التزام کرنا یہ باتیں قابل تحقیق ہیں،سو ہاتھ اٹھانا تو دعا کے آداب میں سے ہے،لہذا ہر دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا جائز اور مستحسن ہے،البتہ جہاں صراحت کے ساتھ شریعت میں ممانعت ہو یا کسی خاص وجہ سے علماء منع کریں تو ایسی صورت بلا شبہ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

لما فی اعلاء السنن:(۲/۲۱۱،طبع دار الکتب العلمیة)

عن ابی بکرةؓ مرفوعاً "سلوا الله ببطون اکفکم ولا تسألوه بظهورها"(رواه الطبرانی)

قال العلامه ظفر احمد العثمانیؒ دلالته على اداب الدعاء ظاهرة،وقوله "ولا تسألوه بظهورها" قد خصصت منه الاستعاذه المذكوره فی حديث سائب بن الخلاد الاتی قريباً وبقية الاحاديث دلالة بعضها على الدعاء وبعضها على كيفية ظاهره واما ما رواه البخاری فی صحيحه عن أنس بن مالكؓ قال كان رسول الله ﷺ لا يرفع يديه فی شیء من دعائه الا فی الاستسقاء وأنه يرفع حتى يرى بياض أبطيه فأجاب عنه الحافظ فی الفتح بما لفظه ظاهره نفی الرفع فی كل دعاء غير الاستسقاء وهو معارض بالاحاديث الثابتة بالرفع .... اما الرفع البليغ فيدل عليه قوله حتى يرى بياض ابطيه ويؤيده أن الغالب الاحاديث التی وردت فی رفع اليدين فی الدعاء انما المراد به مد اليدين وبسطهما عند الدعاء(الخ)

نمازوں کے بعد دعا کے بارے میں اجتماعی طور پر مانگنے کی صراحت حدیث میں نہ ملنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اجتماعی طور پر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے،ظاہر ہے کہ سارے لوگ نماز سے ایک ساتھ فارغ ہو جاتے ہیں اور دعا مانگنے میں اجتماعی ہیئت خود بخود بن جاتی ہے لہذا یوں کہنا بے جا ہوگا کہ فرض نمازوں کے بعد دعا جو ثابت ہے وہ انفرادی ہے اجتماعی دعا کے ثبوت کیلئے الگ سے حوالہ کی ضرورت ہے،البتہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہوں تو دعا مختصر کرنی چاہیئے، اس طرح اس کا التزام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ عقیدۃً اس کو ضروری نہ سمجھا جائے۔

لہذا اس مسئلہ میں اعتدال کا پہلو یہ ہے کہ اس دعا کے اہتمام کرنے والوں پر نکیر نہ کی جائے اور اس کے چھوڑنے والوں پر بھی اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ عمل مستحب ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/ ۵۳۰،طبع سعید)

ویکره تاخیر السنة الابقدر اللهم أنت السلام (الخ)

وفی الشامیة:"الابقدر اللهم انت "لما رواه مسلم والترمذی عن عائشةؓ قالت کان رسول الله ﷺ لایقعد الا بمقدار مایقول اللهم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوٰة فلادلالة فیه علی الاتیان بها قبل السنة بل یحمل علی الاتیان بها بعدها،لان السنة من لواحق الفریضة وتوابعها ومکملاتها فلم تکن اجنبیة عنها وقول عائشةؓ بمقدار "لایفید انه کان یقول ذالک بعینه بل کان یقعد بقدر مایسعه ونحوه من القول تقریبا فلا ینافی مافی الصحیحین من انه ﷺ کان یقول فی دبر کل صلاة مکتوبة لااله الاالله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شئی قدیر.(الخ)

ولما فی اعلاء السنن:(۳/ ۱۹۹-۲۰۰،طبع دار الکتب العلمیة)

عن ابی ذرؓ أن رسول الله ﷺ قال:من قال فی دبر صلاة الفجر وهو ثان رجلیه قبل أن یتکلم:لااله الاالله وحده(الخ)عشر مرات کتب الله له عشر حسنات ومحی عنه عشر سیئات قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ:قلت والحاصل ان ماجری به العرف فی دیارنا من ان الامام یدعوا فی کل دبر بعض الصلوات مستقبلا للقبلة لیس ببدعة،بل له اصل فی السنة.

ولما فی اعلاء السنن:(۳/ ۲۰۳طبع دار الکتب العلمیة)

وفیه ایضا:عن الفضل بن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ الصلاة مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن ......وتقول یارب یارب:من لم یفعل ذلک فهی کذا

قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ:فثبت ان الدعاء مستحب بعد کل صلاة مکتوبة متصلا بها برفع الیدین،کما هو شائع فی دیارنا ودیار المسلمین.(۳/ ۲۰۵،طبع دار الکتب العلمیة

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر:۱۰۶۰

﴿قومہ اور جلسہ کا معیاری وقت اور اس میں ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کے اندر قومہ اور جلسہ وغیرہ کا معیاری وقت کیا ہے؟ اور ان اوقات میں اگر کوئی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ادعیہ ماثورہ کا بھی اہتمام کرتا ہے تو کیا حکم ہے؟ نیز ان موقعوں پر اگر تھوڑی سی تاخیر

ہو جائے تو اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ مستفتی: عبدالقادر کراچی

﴿جواب﴾ (۱) قومہ اور جلسہ کی حالت میں ایک تسبیح یعنی ایک بار "سبحان ربی الاعلی" پڑھنے کی بقدر رکنا واجب ہے جسمیں سارے اعضاء اپنی اپنی جگہ قرار پکڑیں (۲) ان اوقات میں امام کے علاوہ کے لئے ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا ہی بہتر ہے (۳) نیز ان مواقع میں تھوڑی سی تاخیر سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لما فی الدر المختار: (۱۵۷/۲، طبع امدادیہ)

وتعديل الاركان أى تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود وكذا فى الرفع منهما على ما اختاره الكمال.

ولما فی الهندية: (۷۱/۱، طبع رشیدیہ)

وتعديل الاركان هو تسكين الجوارح حتى يطمئن مفاصله وأدناه قدر تسبيحة.

ولما فی ردالمحتار: (۲۱۳/۲، طبع امدادیہ)

وصرّح به فى الحلية فى الوارد فى القومة والجلسة وقال على أنه ان ثبت فى المكتوبة فليكن حالة الانفراد او الجماعة والماموموں محصورون لا يتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية ولا ضرر فى التزامه وان لم يصرّح به مشائخنا فان القواعد الشرعية لا تنبو عنه، كيف و الصلاة والتسبيح والتكبير والقرأة كما ثبت بالسنة.

ولما فی مراقی الفلاح: (ص ۱۷۸، طبع قدیمی)

ولا يسجد فى العمد للسهو وقيل الا فى ثلاثة: ترك القعود الاول او تأخيره سجدة من الركعة الاولى الى اخر الصلاة وتفكره عمدا حتى شغله عن ركن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵

﴿فرائض ونوافل میں ادعیہ ماثورہ پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندے کا نوافل میں ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا معمول ہے، مثلاً دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کی حالت میں دعا "اللّٰهم اغفرلى وارحمنى واهدنى وارزقنى"، پوچھنا یہ ہے کہ بسا اوقات فرائض

میں بھی یہ دعائیں بلا اختیار زبان سے جاری ہو جاتی ہیں، کیا ایسی صورت میں نماز پر کوئی فرق تو نہیں پڑے گا؟ مستفتی حاجی ابراہیم ڈیرہ اسماعیل

﴿جواب﴾ فرض نمازوں میں بھی ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا کوئی منع نہیں ہے اکیلے نماز پڑھنے والے کو پڑھنا ہی چاہیئے اور مقتدی بھی امام کی اتباع کا لحاظ رکھتے ہوئے پڑھ سکے تو زیادہ بہتر ہے، البتہ امام کے لئے ان ادعیہ ماثورہ کا چھوڑنا ہی بہتر ہے تاکہ مقتدیوں کے لئے بوجھ کا باعث نہ ہوں۔

لمافی مرقاۃ المفاتیح:(۱۸۸/۳ طبع رشیدیہ)

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا صلّى أحدكم للناس فليخفف فأن فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلّى احدكم لنفسه فليطول ماشاء.

ولمافی التنویر:(۵۰۵/۱ طبع سعید)(وليس بينهما ذكر مسنون)

وفي الشامية:(وليس بينهما ذكر مسنون)قال ابو يوسفؒ سألت الامام أيقول الرجل اذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللّهم اغفرلی؟قال يقول: ربنالك الحمد ويسكت، وقد أحسن في الجواب اذلم ينه عن الاستغفار اقول فيه اشارة الى انه غير مكروه اذلو كان مكروها النهى عنه كما ينهى عن القرأة في الركوع والسجود وعدم كونه مسنونا لاينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة بل ينبغى ان يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجا من خلاف الامام احمد لابطاله الصلاة بتركه عامداولم أرمن صرح بذلك عندنا لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف .....وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة وقال على أنه ان ثبت في المكتوبة فليكن حالة الانفراد أو الجماعة والمامومون محصورون لايتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية ولاضرر في التزامه وان لم يصرح به مشائخنا فان القواعد الشرعية لاتنبوا عنه كيف والصلاة والتسبيح والتكبير والقراءة كماثبت في السنة.

والله اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

فتویٰ نمبر:۱۰۹۵ ۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

﴿دوران تلاوت کسی کے آنے پر کھڑے ہونیکا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ درسگاہ

میں بچوں کی تلاوت کے دوران استاد یا کوئی بزرگ آجائے تو کیا اس کی تعظیم کے لئے قرآن مجید کی تلاوت بند کر کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے؟

مستفتی: لطیف الرحمٰن

﴿جواب﴾ جی ہاں! دوران تلاوت کسی عالم یا استاذ یا والد کے تشریف لانے پر تلاوت بند کر کے کھڑے ہونے کی اجازت ہے، البتہ انکے علاوہ کسی اور کے آنے پر تلاوت بند کر کے کھڑا ہونا درست نہیں ہے۔

لمافی ردالمحتار: (۳۸۴/۶، طبع سعید)

(قوله يجوز بل يندب القيام تعظيما) أى ان كان ممن يستحق التعظيم.....وقيام قارى القران لمن يجىء تعظيما لايكره اذاكان ممن يستحق التعظيم.

ولمافی الهندية: (۳۱۶/۵، طبع رشيديه)

قوم يقرؤن القران من المصاحف أويقرء رجل واحدفدخل عليه واحدمن الاجلة أومن الاشراف فقام القارى لاجله قالوان دخل عالم أوأبوه أوأستاذه الذى علمه العلم جاز له أن يقوم لاجله وماسوى ذلك لايجوز كذافى فتاوى قاضيخان.

ولمافی حلبى كبير: (ص۴۹۷، طبع سهيل اكيڈمى)

ولايكره قيام القارى للقادم تعظيما اذاكان مستحقاللتعظيم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۸۱

﴿قرآن کریم کو بوسہ دینا اور چہرہ سے مس کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن کریم کو بوسہ دینے کے ساتھ ساتھ چہرہ سے بھی مَس کرتے ہیں اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز روٹی کا پڑا ہوا ٹکڑا اُٹھا کر چومنا اور پیشانی سے لگا کر محفوظ جگہ میں ڈالنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ قرآن کریم کیساتھ محبت وعقیدت ظاہر بات ہے ایمان کا حصہ ہے محبت و عقیدت دل کی پوشیدہ کیفیت کا نام ہے لیکن موقع اور محل کی مناسبت سے جذبات میں منتقل ہو کر

عملی ظاہری صورت اختیار کر لیتی ہے، جس کیلئے شرعی نہ کوئی خاص طریقہ ہے نہ معیار بلکہ مزاج اور علاقہ کے رواج پر منحصر ہوتا ہے، پاک وہند میں ایسے جذبات کا اظہار بوسہ اور آنکھوں سے لگانا عام ہے یہ شریعت کے کسی اصول کے منافی نہیں ہے بلا شبہ جائز ہے، روٹی بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس کا احترام کرنا اور مذکورہ انداز میں اس کی قدر کرنا کوئی منع نہیں ہے بلکہ کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں اسطرح کا عمل سنت سے بھی ثابت ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسم کے نئے پھل کو بوسہ دیتے اور آنکھوں سے لگاتے پھر یہ دعا "اللهم كما اطعمتنا اوّله فاطعمنا اخره" پڑھتے پھر کسی بچے کو عنایت فرماتے (شمائل کبریٰ ۱/۹۷)

لما فی الدر المختار:(۶/۳۸۴،طبع سعید)

وفی القنية فی باب مايتعلق بالمقابر تقبيل المصحف قيل بدعة لكن روى عن عمرؓ أنه كان ياخذ المصحف كل غداة ويقبله ويقول عهد ربى ومنشور ربى عزوجل وكان عثمانؓ يقبل المصحف ويمسحه على وجهه واما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة وقيل حسنة وقالوا يكره دوسه لا بوسه ذكر ابن قاسم فی حاشيته على شرح المنهاج لابن حجر فی بحث الوليمة وقواعدنا لا تاباه وجاء لا تقطعوا الخبز بالسكين وأكرموه فان الله أكرمه.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۱ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۲۸

﴿خارج صلوٰۃ تلاوت قرآن کریم سننے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تلاوت قرآن کریم کا سننا صرف نماز کی حالت میں واجب ہے یا خارج صلوۃ (نماز سے باہر) بھی؟ براہ کرم مدلل جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

﴿جواب﴾ قرآن کریم کی تلاوت کو ادب سے سننا نماز میں واجب ہے اور نماز سے باہر مطلقاً واجب اگر چہ نہیں ہے لیکن اسکی اہمیت ضرور ہے، فقہاء کرام نے حالات اور مواقع کے اعتبار سے تلاوت کرنے والے اور جن تک تلاوت کی آواز پہنچتی ہے دونوں کو الگ الگ اس حکم کی رعایت کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، قاری صاحب کو چاہیئے کہ جہاں لوگ دینی یا دنیاوی

کاموں میں مشغول ہوں تو وہاں تلاوت نہ کریں یا کم از کم بلند آواز سے نہ کریں خلاف کرنے کی صورت میں گناہ قاری صاحب پر ہوگا اور کہیں قاری صاحب تلاوت میں پہلے سے مشغول ہیں اور جگہ بھی تلاوت کے لئے موزوں ہے تو وہاں پر بعد میں آنے والوں پر لازم ہے کہ اس کا احترام کریں، بلاضرورت باتوں میں یا کسی کام میں مشغول ہونگے تو وہ گنہگار ہونگے اور بعض موقعوں پر کسی پر بھی گناہ نہ ہوگا مثلاً گھر میں حفظ کے لئے کوئی تکرار کرتا ہے جس کے بغیر یاد نہیں ہوتا اور گھر والے اپنے کاموں میں مصروف ہیں تو ایسی صورت میں کسی پر گناہ نہیں ہے، دونوں معذور ہیں، البتہ مستحب تو بہر حال ہے۔

لما فی روح المعانی:(۱۵۰/۹ طبع رشیدیہ)

واذاقرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون...... الآية.

قال العلامة الالوسیؒ:(لعلكم ترحمون) أی لكی تفوزوا بالرحمة الّتی هی اقصی ثمراته، والاية دليل لابی حنيفةؒ فی ان المأموم لايقرأ فی سرية ولا جهرية لانها تقتضی وجوب الاستماع عند قراءة القرآن فی الصلاة وغيرها وقد قام الدليل فی غيرها علی جواز الاستماع وتركه فبقی فيها علی حاله فی الانصات للجهر وكذا فی الاخفاء لعلمنا بانه يقرء.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۴۹۶-۴۹۷ طبع سہیل اکیڈمی)

رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرء القرآن ولايمكن الكاتب الاستماع فالاثم علی القاری لقراء ته جهرا فی موضع اشتغال الناس باعمالهم ولاشئی علی الكاتب وعلی هذا الوقرء علی السطح فی الليل جهرا والناس نيام ياثم كذا فی الخلاصة ولايخلو عن نظر صبی يقرء فی البيت واهله مشغولون بالعمل يعذرون فی ترك الاستماع ان افتتحوا العمل قبل القراءة والالا وكذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن...... وكذا الوقرء عند من يشتغل بالتدريس أو بتكرار الفقه لانه اذا ابيح ترك الاستماع لضرورة المعاش الدنيوی فلأن يباح لضرورة الامر الدينی اولٰی فيكون الاثم علی القاری هذا اذا سبق الدرس علی القراءة اما اذا كان قد ابتدأ القراءة قبل الدرس فالاثم علی المتاخر فرق بين هذا و بين مواضع الاشتغال حيث يكون الاثم علی القاری فان ابتدأ قبل الاخذ باعمالهم بان كانت تلك المواضع معدة لهم بان كانت الانتقال عنها بخلاف الدرس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۷ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۶۳۰

﴿تعویذ لکھنے کا شرعی حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعویذ لکھ کر کسی کو دینا کیسا ہے؟ اور بعض تعویذ میں "یابدوح" کا لفظ لکھا جاتا ہے، اس کی وضاحت مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

مستفتی: محمد صابر خان

﴿جواب﴾ تعویذ لکھ کر دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی مضمون خلاف شرع نہ ہو، ''بدوح'' عربی زبان کا لفظ نہیں ہے، بلکہ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اگر عربی قرار دیا جائے تو اس کے معنی عاجز کرنے والے کے ہیں، بہرحال خدا کا نام ہونا ثابت ہے تو ''یابدوح'' کا وظیفہ بلاتامل جائز ہے۔ (امداد المفتین: ۲/۲۱۵)

لمافی ردالمحتار:(۶ / ۳۶۳-۳۶۴،طبع ایچ،ایم،سعید)

ولاباس بالمعاذات اذاكتب فيها القران أو اسماء الله تعالى ... وانما تكره العوذة اذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحراوكفرأوغير ذلك، وأما كان من القرآن أوشئى من الدعوات فلاباس به. وفى المجتبى،اختلف فى الاستشفاء بالقران بان يقرء على المريض اوالملدوغ الفاتحة اويكتب فى ورق ويعلق عليه اوفى طست ويغسل ويسقى وعن النبى ﷺ انه كان يعوذ نفسه. قال رضى الله عنه وعلى الجواز عمل الناس اليوم وبه وردت الاثار ولاباس بان يشد الجنب والحائض التعاويذ على العضد اذاكانت ملفوفة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۶۹

﴿اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کسی دوسرے مقصد کیلئے آلہ بنانا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رائیونڈ مرکز میں آنے جانے کے راستے ہیں ان راستوں میں اکثر بھیڑ ہوتی ہے جس میں نکلنا کافی مشکل ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے لئے راستہ نکالنے کی غرض سے اللہ اکبر کہتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ اللہ اکبر کہنے والوں کا مقصد واقعی اگر اپنے لئے راستہ نکالنا ہی ہو تو یہ جائز نہیں ہے اللہ کے ذکر کو بطور آلہ استعمال کرنا بے ادبی ہے اس سے احتراز ضروری ہے۔

لمالی التنویر وشرحہ:(۱/۶۲۱،طبع سعید)

وقد کرھواوالله اعلم ونحوه لاعلام ختم الدرس ر.

وفی الشامية:قوله لاعلام ختم الدرس اماذالم یکن اعلامابانتهانه لایکره لانه ذکروتفویض بخلاف الاول فانه استعمله ألةللاعلام اذاقال الداخل ياالله مثلاًليعلم الجلاس بمجيئه ليهيؤاله محلاًويوقروه واذاقال الحارس لااله الاالله ونحوه ليعلم باستيقاظه فلم یکن المقصودالذکرأمااذااجتمع القصدان يعتبرالغالب كما اعتبر فی نظائره.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد حسن غفرلہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۳۸۸

﴿ذکر بالجہر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مفتیان شرح متین اس مسئلہ کے بارے میں مسجد میں اجتماعی طور پر بآواز بلند ذکر کیا جاتا ہے جسمیں امام بھی شریک ہوتے ہیں اورانہی کے توسط سے مسجد میں ذکر کی محفل کا اہتمام ہوتا ہےاور یہ محفل ہر شب جمعہ کو ہوتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اس طرح ذکر بالجہر کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ جہراً(بلند آواز سے)ذکر کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے کئی مواقع پرآپ ﷺ نے بلند آواز سے ذکر فرمایا ہے،لہٰذا اگر کسی پابند شریعت مجاز مرشد نے حالات کے پیش نظر محفل ذکر کا اہتمام کیا ہو تو جائز ہے امام صاحب کی اجازت اورانکی معیت میں یہ اجتماعی عمل چونکہ ہورہا ہے تو ظاہر ہے نمازیوں کی رعایت رکھتے ہوئے اس نیک عمل کا اہتمام ہوگا۔

البتہ مسجد میں ذکر بالجہر یا کوئی بھی دوسرا ایسا عمل جونمازیوں کی نماز میں یا تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل کا باعث ہو جائز نہیں ہے،لہٰذا ایسا عمل دیگر خاموش عبادت گزاروں سے کچھ دور ہٹ کر کرنا چاہیئے،ہاں ذکر یا تلاوت بالجہر کرنے والا پہلے سے اس قسم کی عبادت میں مشغول ہے یا اجتماعی عمل مثلاً تعلیم وغیرہ کا اہتمام ہورہا ہے تو منفرد نمازی وغیرہ کو چاہیئے کہ وہ دور جاکر نماز پڑھے تاکہ اسکی عبادت میں خلل نہ آئے اوراستماع تلاوت جوکہ واجب ہے کے خلاف کاارتکاب بھی لازم نہ آئے۔

لما فی الشامی:(۶/۳۹۸،طبع سعید کمپنی)

وأما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبة والجمعة والحج وقد حرر المسئلة فی الخیریة وحمل فی فتاوی القاضی علی الجهر المضر وقال:ان هناک احادیث اقتضت طلب الجهر واحادیث طلب الاسرار والجمع بینهما بأن ذلک یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال،فالاسرار أفضل حیث خیف الریاء أو تأذی المصلین أو النیام والجهر أفضل حیث خلا مما ذکر لأنه أکثر عملاً ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الی الفکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم ویزید النشاط.

وقال العلامة العمری:(۲/۱۹۱،القول فی احکام المسجد،طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة)

وقد ذکر الشیخ عبدالوهاب الشعرانیؒ فی کتابه المسمی "ب بیان ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور" مانصه واجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الله تعالی جماعة فی المساجد وغیرها من غیر نکیر الاأن یشوش جهرهم بالذکر علی نائم أو مصل أوقاری کما هو مقرر فی کتب الفقه

ولما فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص ۱۷۴،طبع قدیمی)

فروع:اختلف أهل الاسرار فی الذکر أفضل؟فقیل نعم لأحادیث کثیرة تدل علیه منها خیر الذکر الخفی ... وقیل الجهر أفضل لأحادیث کثیرة،منها مارواه ابن الزبیرؓ کان رسول الله ﷺ اذا سلم من صلوته قال بصوته الأعلی:لااله الاالله وحده لاشریک له، وتقدم وقد کان ﷺ یأمر من یقرأ القرآن فی المسجد أن یسمع قراءته وکان ابن عمرؓ یأمر من یقرأ علیه وعلی أصحابه وهم یستمعون ولانه أکثر عملاً وأبلغ فی التدبر ونفعه متعد لایقاظ قلوب الغافلین وجمع بین الاحادیث الواردة بأن ذلک یختلف بحسب الأشخاص والأحوال فمتی خاف الریاء أوتأذی به احد کان الاسرار أفضل ومتی فقد ماذکر کان الجهر أفضل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:علی خان

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۶۳۶

﴿تعویذ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا ایسے تعویذ جن میں قرآنی آیات کے علاوہ کوئی اور کلمات وغیرہ لکھے ہوں انکا استعمال شرعاً درست ہے؟

مستفتی:صغیر حسین

﴿جواب﴾ تعویذ میں صرف قرآنی آیات درج کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ اگر ایسے کلمات

درج ہوں جن کے معنی معلوم ہوں اور ان میں کوئی مشرکانہ اور خلاف شرع بات نہ ہو تو انکے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الشامی:(۳۶۳/۶،طبع ایچ ایم سعید)

ولا بأس بالمعاذات اذا كتب فيها القرآن،أو أسماء الله تعالىٰ...... وانما تكره العوذة اذا كانت بغير لسان العرب،ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شئی من الدعوات فلا بأس به.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۴۴۲

﴿کتاب الطہارت﴾

﴿فصل فی احکام المیاہ﴾

﴿پانی کے مسائل﴾

﴿بڑا تالاب وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے پورے محلے کیلئے ایک حوض نما تالاب بنایا جسکی لمبائی بیس ۲۰ گز اور چوڑائی پندرہ ۱۵ گز ہے، ایک دن اس تالاب میں بیل نے پیشاب کیا، اب محلے والوں کا آپس میں پاک اور ناپاک ہونے میں اختلاف ہوگیا برائے مہربانی شریعت میں اس تالاب کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: موسیٰ کلیم (کوئٹہ)

﴿جواب﴾ اس تالاب کی لمبائی بیس ۲۰ گز اور چوڑائی پندرہ ۱۵ گز ہے تو یہ بڑا تالاب ہے بیل کے پیشاب سے اس کا پانی ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اتنی نجاست اس میں گرے کہ اس کا اثر مثلاً رنگ، بو یا ذائقہ ظاہر ہو تو پانی اگرچہ زیادہ ہو ناپاک شمار ہوگا۔

لما فی کتاب التجنیس والمزید: (۱/۲۰۴)

الحوض اذاکان عشر أفی عشر فوقعت فیه النجاسة لاتجنس الاأن یتغیر طعمه أو ریحه أو لونه لأن العشرة أدنی ماینتهی الیه نوع عدد، هذابیان الطول والعرض، وأما العمق اذاکان الماء بحال لو رفع الانسان بکفه ..... لاینحسر ماتحته فلابأس بالوضوء منه .

ولما فی غنیة المستملی: (۱/۸۵تا۸۶،طبع:نعمانیه)

واذاکان الحوض عشرأفی عشر فهو کبیر لا یتنجس بوقوع النجاسة مطلقا لا موضع الوقوع ولا غیره اذالم یر لها أثر اذاکانت النجاسة مرئیة، والصواب أن لفظة "غیر" سقطت من قلم الکاتب وانماهو اذاکانت النجاسة غیر مرئیة قال فی الخلاصة فی المرئیة یتنجس موضع وقوع النجاسة بالاجماع، ویترك من موضع النجاسة قدرالحوض الصغیر .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا

۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿پتوں کے گرنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں اکثر حوض کی شکل میں پانی کھڑا ہوتا ہے جو کہ اگرچہ حوض کبیر کے حکم میں ہوتا ہے لیکن درختوں کے پتوں یا زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کیوجہ سے اس میں بد بو آ جاتی ہے تو کیا ایسے پانی سے وضوء یا غسل کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی: عبداللہ

﴿جواب﴾ جہاں پانی زیادہ مقدار میں کھڑا ہو اور زیادہ ٹھہرنے یا درخت کے پتے گرنے سے اس میں بد بو پیدا ہو جائے، ایسے پانی سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ بد بو کسی نجس چیز کے گرنے سے پیدا ہوئی ہے۔

لما فی الدر المختار :(۱۸۵/۱ طبع سعید)

(ویتغیر احد اوصافه)من لون او طعم او ریح (ینجس)الکثیر ولو جاریا اجماعا ،اما القلیل فینجس وان لم یتغیر خلافا لمالک (لا لو تغیر)بطول (مکث)فلو علم نتنه بنجاسة لم یجز ولو شک فالاصل الطهارة والتوضؤ من الحوض افضل من النهر رغما للمعتزلة وکذا یجوز بماء خالطه طاهر جامد مطلقا (کاشنان وزعفران)لکن فی البحر عن القنیة :ان امکن الصبغ به لم یجز کنبیذ تمر(وفاکهة وورق شجر) وان غیر کل اوصافه (الاصح ان بقیت رقته)ای واسمه.

ولما فی البحر الرائق :(۸۶/۱ طبع سعید)

فی الخلاصة معزیا الی الاصل:یتوضأ من الحوض الذی یخاف فیه ولا یتیقنه ولا یجب ان یسأل الی الحاجة الیه عند عدم الدلیل ـــ وکذا اذا وجده متغیر اللون والریح مالم یعلم انه من نجاسة لان التغیر قد یکون بطاهر وقد ینتن الماء للمکث.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتوی نمبر: ۳۰۶۹

﴿ماء مستعمل کی چھینٹوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ حالت جنابت میں غسل کرتے ہوئے استعمال شدہ پانی کی چھینٹیں برتن میں گرتی ہیں اس سے بچنا بھی مشکل ہے

کیا اس صورت میں پانی پاک ہے یا ناپاک؟ مستفتی: عبادالرحمٰن

﴿جواب﴾ غسل کرتے ہوئے استعمال شدہ پانی کی چھینٹیں برتن میں گرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، پانی پاک رہتا ہے۔

ولما فی الهندية:(۲۳/۱ طبع رشيديه)

جنب اغتسل فانتضح من غسله شئ فی انائه لم يفسد عليه الماء..

ولما فی الدر المختار:(۵۳۲/۱،طبع سعيد)

وانتضاح غسالة لاتظهر مواقع قطرها فی الاناء عفو.(ومثله فی البحر:(۲۰۰/۲ سعيد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ والله اعلم: صلاح الدین چترالی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر: ۱۹۵

﴿کلی کے پانی کو گرانا چاہئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا دوران وضوء کلی کے پانی کو گرانا ضروری ہے؟ اگر کوئی آدمی کلی کے پانی کو پی لے تو کیا اس کی کلی ہو جائیگی؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ مستفتی: ایک طالب علم

﴿جواب﴾ کلی کے پانی کو گرانا چاہئے، پینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ "ماء مستعمل" ہے، لیکن کوئی پی لے تو بھی کلی ہو جائیگی۔

لما فی الشامی:(۱۱۶/۱ طبع سعيد)

فان المضمضة ادارة الماء فی الفم ثم مجه والغسل لايدل على ذالک مواجاب فی النهر بأن كون المج شرطا فيها هو رواية عن الثانی والاصح انه ليس بشرط لما فی الفتح :لو شرب الماء عبا أجزاه عن المضمضة ،وقيل لا ،ومصا لايجزيه هذا.

ولما فی البحر:(۲۱/۱ طبع سعيد)

وفی الخلاصة هی فی المضمضة أن يصل الى رأس الحلق وقال شمس الائمة هی فی المضمضة أن يدير الماء فی فيه من جانب الی جانب والاولىٰ ما فی فتح القدير ذكره بعضهم ولو تمضمض وابتلع الماء ولم يمجه أجزاه لان المج ليس من حقيقتها والافضل ان يلقيه لانه ماء مستعمل .

ولما فی فتح القدیر:(۱/۲۲طبع رشیدیہ)

ولو شرب الماء عبأ اجزاه عن المضمضة وهو يفيدأن مجه ليس من حقيقتها وقيل لايجزيه، ومصالايجزيه.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

فتوی نمبر: ۴۰۸۶

﴿ٹینکی میں مرا ہوا چوہا گرے تو پانی ناپاک ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پائپ کے ذریعے ٹینکی میں پانی بھر رہا تھا پائپ میں مرا ہوا چوہا خشک ہوگیا تھا پھر پانی کے پریشر سے نکلا اور ٹینکی میں گرا تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟ اور اگر پائپ سے نہ نکلتا اور ٹینکی میں نہ گرتا اور پائپ کے پانی کا اس پر سے گزر ہوتا تو پھر پانی کا کیا حکم ہوتا؟

مستفتی: مولوی نور محمد عبدل خیل

﴿جواب﴾ دونوں صورتوں میں ٹینکی کا پانی نجس ہے۔ اس لئے کہ مرا ہوا چوہا مردار ہے اور مردار چیز ناپاک اور نجس ہوا کرتی ہے لہذا اس کے گرنے سے ٹینکی کا پانی نجس اور ناپاک ہوجائیگا۔ اور دوسری صورت میں جبکہ وہ پائپ میں رہتا اور ٹینکی میں نہ گرتا اور پانی کا اس پر سے گزر ہوتا تو بھی پانی نجس ہی ہوتا۔ کیونکہ پائپ میں مرا ہوا چوہا ہوتا تو پانی کا اکثر حصہ نجس کو لگتا ہوا گزرتا تو ایسی صورت میں پانی نجس ہی شمار ہوتا ہے۔

لما فی العالمگیریۃ(۱/۲۲/قدیمی کتب خانہ)

اذا ماتت فارة او عصفورةفاخرجت حين ماتت قبل ان تنتفخ فانه ينزح منها عشرون دلوا الى ثلاثين بعد اخراج الفارةولا فرق بين ان تموت الفارة فى البئر او خارجها و تلقى فيها وكذا سائر الحيوانات.

ولما فی التنویر مع الدر المختار (۱/۳۶۶/مکتبہ امدادیہ)

اذا وقعت نجاسته فى بئردون القدر الكثيراو مات فيها حيوان دموى (او مات فيها) او خارجها والقى فيها ولو فارة يابسة على المعتمد.

ولما فی الشامیہ (۱/۳۶۶/مکتبہ امدادیہ)

وعلى هذا ماء المطر اذا جرى فى الميزاب وعلى السطح عذرة فالماء طاهر وان كانت

العذرة عند الميزاب او كان الماء كله او نصفه او اكثره يلاقى العذرة فهو نجس والا فطاهر.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محتشم خان عبدل خیل

۴ صفر ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۱۴

﴿چوہا زندہ نکالنے کے بعد تالاب کے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک چھوٹے تالاب میں اگر چوہا گر جائے اور اس کو فوراً زندہ نکال لیا جائے تو اس سے تالاب کا پانی نجس ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ چوہا زندہ نکالنے کی صورت میں پانی مکروہ ہو جاتا ہے لھذا اس علاقے میں پانی کی تنگی نہ ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے بشرطیکہ چوہے کے جسم پر بظاہر کوئی نجاست نہ ہو، ظاہری نجاست ہو تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور پورا پانی نکالنا ضروری ہو جاتا ہے۔

(لمافی درالمختار ۱/۲۱۳، طبع: سعید)

لواخرج حيا وليس بنجس العين ولا به حدث لم ينزح شئى الا ان يدخل فمه الماء فيعتبر بسئوره، فان نجسا نزح الكل والالا هو الصحيح، نعم يندب عشرة فى المشكوك لاجل الطهورية كذا فى الخانية، زاد فى التاتارخانية: وعشرين فى الفأرة واربعين فى سنور.

(ولما فى قاضى خان ۱/۱۷، طبع: قديمى)

وكذلك سكان البيت كالفأرة والهرة والحية اذا وقعت وخرجت حية عند ابى حنيفة رحمه الله ينزح منها دلاء عشرة او اكثر لكراهة السئور وان لم ينزح و توضأ جاز.

(ولما فى الولوالجية ۱/۳۱، طبع: فاروقيه محله جنگى پشاور)

الحوض الصغير اذا صار نجسا فدخل الماء من جانب وخرج من جانب آخر يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه؛ لان الماء الجارى لما اتصل به وخرج صار فى حكم الماء الجارى والماء الجارى طاهر الا ان تتبين فيه النجاسة على ما يذكر.

(ولما فى التاتارخانية ۱/۱۴۲، طبع جديدى)

ولو وقع فى البئر او الجب سنور وفأرة ان اخرجا حيين ينزح منها دلاء احتياطا ويهراق ماء الجب. وهو احب الىّ وان توضؤا به اجزاهم وهو قول ابى حنيفة فان كانت بها جراحة او هربت الفأرة من الهرة او الهرة من الكلب ينزح جميع الماء سواء اخرجت من البئر حية او ميتة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر ۳۱۸۲

﴿کنویں سے مری ہوئی بلی کے اگر اجزاء کا نکالنا مشکل ہو؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے کنویں سے ایک بلی ملی جو بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی ہم نے اسکے سب اجزاء نکال دیئے یعنی گوشت، چمڑا اور بال وغیرہ اور ایک ہفتہ تک ہم مسلسل پانی نکالتے رہے لیکن ابھی تک کنویں کی تہہ میں کچھ ہڈیاں موجود ہیں جن کا نکالنا مشکل ہے، اب کنویں کو کس طرح پاک کیا جا سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ بلی کے تمام اجزاء نکالے بغیر کنواں پاک نہیں ہو سکتا، لہٰذا بلی کی ہڈیاں نکالنا بھی ضروری ہے، البتہ ہڈیاں نکالنا کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس کنویں کا پانی استعمال نہ کریں، اور جب یقین ہو جائے کہ ہڈیاں وغیرہ، اب مٹی میں تبدیل ہوگئی ہیں اور پانی میں کوئی اثر بو، ذائقہ، وغیرہ بھی محسوس نہ ہو تو استعمال کریں بعض علماء نے اس کیلئے چھ ماہ کی مدت بتائی ہے۔

لما في تنوير الابصار:(۱/۲۱۱،طبع سعيد)

اذا وقعت نجاسة في بئر..... أو مات فيها حيوان دموی وانتفخ أو تفسخ ينزح كل مائها بعد اخراجه.

ولما في الهداية:(۱/۲۲،طبع رحمانيه)

فان انتفخ الحيوان فيها او تفسخ نزح جميع ما فيها صغر الحيوان او كبر لانتشار البلة في اجزاء الماء.

ولما في تنوير الابصار:(۱/۲۱۹،طبع سعيد)

ومذ ثلاثة أيام قال علاؤ الدين الحصكفي" بلياليها ان انتفخ أو تفسخ.

ولما في الهداية:(۱/۲۱۹،طبع رحمانيه)

وان كانت قد انتفخت او تفسخت اعادوا صلوٰة ثلثة ايام ولياليها.

وكذا في المبسوط:(۱/۵۹،طبع بيروت)

ولما في الشامي:(۱/۲۱۲،طبع سعيد)

فلو تعذر أيضاً ففي القهستاني عن الجواهر: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم أنه استحال وصار حمأة، وقيل مدة ستة أشهر.

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتوی نمبر: ۲۰۱۲

﴿نجاست کو چھو کر گزرنے والے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مکان کی چھت پر نجاستیں پڑی تھیں اچانک بارش ہوگئی اور چھت کا پانی پرنالے کے ذریعے سے نیچے زمین پر گرنا شروع ہوگیا اب گزرنے والوں کے کپڑوں پر یہ چھینٹیں پڑتی ہیں تو کیا یہ نجس ہیں؟ کپڑے اس سے ناپاک ہونگے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ نجاستیں اگر پرنالے کے قریب ہوں اور گرنے والے پانی کا اکثر یا آدھا حصہ بھی نجاست سے لگتا ہوا اگر گرتا ہو تو اس صورت میں وہ پانی نجس ہے کپڑوں کو لگے تو کپڑے بھی ناپاک ہونگے لیکن گندگی اگر چھت کے پرنالے پر نہ ہو بلکہ چھت کے مختلف حصوں پر ہو تو گرنے والا پانی نجس نہ ہوگا بلکہ اس کا حکم ماء جاری کا ہوگا، اس کی چھینٹیں کپڑوں کو لگیں تو کپڑے ناپاک نہیں ہونگے، بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک بارش برس رہی ہے، اس وقت اس کا حکم ماء جاری کا ہے اگر بارش کا یہ پانی گندگی کو لگے پھر کپڑوں کو لگے تو بھی کپڑے ناپاک نہ ہونگے الا یہ کہ پانی اس گندگی کی وجہ سے متغیر ہو۔

لمافی الهندية:(۱/۱۷ طبع رشیدیه)

ولوكان على السطح عذرة فوقع عليه المطر فسال الميزاب ان كانت النجاسة عند الميزاب وكان الماء كله يلاقي العذرة أو أكثره أو نصفه فهو نجس والا فهو طاهر وان كانت العذرة على السطح في مواضع متفرقه. ولم تكن على رأس الميزاب لا يكون نجساً وحكمه حكم الماء الجارى كذافى سراج الوهاج. وفي بعض الفتاوى قال مشائخنا المطر مادام يمطر فله حكم الجريان حتى لو أصاب العذرات على السطح ثم أصاب ثوباً لا يتنجس الا أن يتغير.

(ومثله في البحر الرائق:(۲/۲۰۰ طبع ایچ ایم سعید)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد عزیز فیض آبادی

۲۴ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر: ۳۳۰

﴿اجتماع رائیونڈ میں نالی نما حوض ماء جاری کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رائیونڈ اجتماع گاہ میں ٹیوب ویل سے پانی نکل کر نالی نما حوض میں گرتا ہے جس سے لوگ وضوء بناتے ہیں اور اس نالی

سے بعض لوگ استنجاء خانوں والے لوٹوں میں استنجاء کیلئے پانی لیتے ہیں جن پر نجاست کا قوی امکان ہوتا ہے تو آیا ان لوٹوں کے ڈالنے سے پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: محمد عامر پنڈوی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں چونکہ لوگ ان نالی نما حوضوں سے وضوء کرتے رہتے ہیں تو پانی مسلسل لینے کی وجہ سے ماء جاری کے حکم میں ہے، لہٰذا ناپاک لوٹا یا ناپاک ہاتھ ڈالنے سے یہ پانی ناپاک نہیں ہوتا الا یہ کہ نجاست پانی میں نظر آئے یا اس کی وجہ سے پانی ذائقہ، بو وغیرہ بدل جائے۔

لمافی ردالمحتار: (۱/۱۹۵، طبع سعید)

قوله: (وألحقوا بالجاری حوض الحمام) أی فی انه لاینجس الابظهور اثر النجاسة أقول: وكذا حوض غير الحمام لانه فی الظهيرية ذكر هذا الحكم فی حوض اقل من عشر فی عشر ثم قال وكذالک حوض الحمام.

ولمافی فتح القدير: (۱/۶۹، طبع رشيديه)

وألحقوا بالجاری حوض الحمام اذا كان الماء ينزل من أعلاه حتى لو أدخلت القصعة النجسة واليد النجسة فيه لاينجس.

ولمافی الهندية: (۱/۱۷، طبع رشيديه)

وان دخل الماء ولم يخرج ولكن الناس يغترفون منه اغترافا متداركا طهر كذا فی الظهيرية وتفسير الغرف المتدارك أن لايسكن وجه الماء فيما بين الغرفتين.

ولمافی خلاصة الفتاوی: (۱/۵، طبع رشيديه)

حوض الماء اذا اغترف رجل منه وبيده نجاسة وكان الماء يدخل من انبوبه فی الحوض والناس يغترفون من الحوض غرفا متداركا لم يتنجس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴

﴿بارش کے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ سڑک پر بارش کے دوران گندے نالے اور بارش کا پانی ایک ساتھ بہتا ہے کیا اس سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں؟

﴿جواب﴾ سڑکوں پر بارش کا جو پانی بہتا ہے وہ پاک ہے کیونکہ وہ جاری پانی کے حکم میں

ہے، ہاں اگر یہ یقین ہو کہ اسکے ساتھ گندے نالے یا گٹر کا بد بودار اور نجس پانی شامل ہوا ہے اور اسکے تین اوصاف یعنی رنگ، بو اور مزہ اس میں سے کوئی وصف متغیر بھی ہے تو پھر بارش کا پانی بھی ناپاک ہے اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اسکا دھونا ضروری ہے اسکو دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی۔

لما في الهداية وحاشيتها:(۷۶/۱ طبع رحمانيه)

وعن محمد انه لما دخل الرى ورأى البلوى افتى ان الكثير الفاحش لايمنع ايضا وقاسوا عليها طين بخارا (يعني ان المشايخ قالوا لايكون الكثير الفاحش منه مانعا ان كان مختلطا بالعذرات)

ولما في الهندية:(۱۷/۱ طبع رشيديه)

وفي بعض الفتاوى قال مشايخنا المطر مادام يمطر فله حكم الجريان حتى لو اصاب العذرات على السطح ثم اصاب ثوبا لايتنجس الا ان يتغير.

ولما في الشامي:(۱۸۰/۱ طبع سعيد)

لان كمال الامتنان في العموم ويستدل بالآية ايضا على طهارته اذ لا منة بالنجس.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر: ۶۷۹

﴿سورج کی حرارت سے گرم شدہ پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دھوپ کی حرارت سے گرم ہونے والے پانی سے وضو کرنا کیسا ہے؟ اور اس سے کونسا پانی مراد ہے؟ کیا ٹینکی کا پانی بھی اسکے تحت داخل ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں!

﴿جواب﴾ دھوپ کی حرارت سے گرم ہونے والے پانی سے وضو کرنا مکروہ (تنزیہی) ہے، اور یہ کراہت تب ہے کہ گرم علاقہ میں اور گرم وقت میں ہو اور سونے چاندی کے سوا کسی دوسری دھات کے برتن میں ہو اور گرم ہونے کی حالت ہی میں استعمال کرے، ٹینکی اگر سیمنٹ وغیرہ کی بنی ہوئی ہے تو اسکا پانی اس حکم سے خارج ہے۔

لما في الشامية (۱۸۰/۱) سعيد

(قوله: وكراهته ......) أقول: المصرح به في شرحي ابن حجرؒ والرملي على المنهاج

أنهاشرعية تنزيهية لاطبيّة .ثم قال ابن حجرؒ:واستعماله يخشى منه البرص كماصح عن عمرؓ واعتمده بعض محققي الأطباء لقبض زهومته على مسامّ البدن فتحبس الدم، وذكرشروط كراهته عند هم ،وهي :أن يكون بقطر حاروقت الحرّفي اناء منطبع غيرنقد، وأن يستعمل وهوحار.

أقول :وقدمّنافي مندوبات الوضوء عن الامداد أن منهاأن لايكون بماء مشمّس ،وبه صرح في الحلية مستدلابماصح عن عمرؓ من النهي عنه ،ولذاصرح في الفتح بكراهته، ومثله في البحر:قال في المعراج الدراية وفي القنية :وتكره الطهارة المشمّس لقوله ﷺ لعائشةؓ حين سخنت الماء بالشمس :"لاتفعلي ياحميراء! فانه يورث البرص".وفي رواية لايكره ،وبه قال أحمدؒ ومالكؒ.والشافعيؒ :يكره ان قصد تشميسه .وفي الغاية :وكره بالمشمس في قطرحارفي أوان منطبعة ،واعتبارالقصدضعيف وعدمه غيرمؤثر مافي المعراج.

قدعلمت أن المعتمد الكراهة عندنالصحة الأثروأن عدمهارواية .والظاهرأنهاتنزيهية عندناأيضابدليل عدّه في المندوبات ،فلافرق حينئذ بين مذهبناومذهب الشافعيؒ فاغتنم هذاالتحرير.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :سیف اللہ بلگرامی

۴ربیع الاول ۱۴۳۲ھ   فتوی نمبر:

﴿پانی کی ٹینکی میں مردہ چھپکلی اگر ملے؟﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مسجد کی ٹینکی میں چھپکلی گرکرمرجائے ،اورلوگوں نے اس ٹینکی کے پانی سے وضوکر کے نماز بھی ادا کی تواب ٹینکی کے پانی اوروضوکی صورت میں اس سے اداشدہ نمازوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ چھپکلی اگرچھوٹی ہے جس میں بہنے والاخون نہیں ہوتاتواس سے پانی ناپاک نہیں ہوتااوراگر بڑی ہے اوراس میں بہنے والاخون ہے تواس طرح کی چھپکلی سے چھوٹی ٹینکی کا پانی ناپاک ہوجاتاہےاور پوری ٹینکی کوخالی کرناضروری ہوجاتاہےایسے پانی سے اداشدہ نمازاور دھلے ہوئے کپڑوں وغیرہ کے بارے میں دوقول ہیں ایک یہ کہ اگرچھپکلی پھولی یاپھٹی ہوئی پائی جائے تواسکوتین دن کاسمجھاجائے گااورتین دن کی نمازیں لوٹائی جائیں گی اس طرح اس دوران جوکپڑے وغیرہ دھوئے گئے ہوں ان کادوبارہ دھونالازم ہےاوراگرپھولی پھٹی نہیں توایک دن

ورات کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت علم ہوا اسی وقت سے نجاست کا حکم لگایا جائے گا، پہلے قول میں احتیاط ہے اور دوسرے میں آسانی۔

لمافی کبیری:(ص ۱۶۶،طبع سہیل اکیڈمی)

وکذالوذغةاذکانت کبیرةای بحیث یکون لهادم فانهاتفسدالماء.

ولمافی الهندیة:(۲۰/۱،طبع رشیدیه)

اذاوقع فی البیرسام أبرص ومات ینزح منهاعشرون دلوافی ظاهرالروایة......قال واذا وجدفی البیرفارةاوغیرهاولایدری متی وقعت ولم تنتفخ اعادواصلاةیوم ولیلةاذا کانواتوضوامنهاوغسلواکل شیء اصابه ماؤهاوان کانت قدانتفخت اوتفسخت اعادوا صلاة ثلاثةایام ولیالیهاوهذاعندابی حنیفةوقالالیس علیهم اعادةشئی حتی یتحققوا متی وقعت.

کذافی الهدایة:(۲۰/۱،طبع رحمانیه)

ولمافی الشامی:(۱۸۶،۱۸۵/۱،طبع سعید)الوزعةلوکبیرةلهادم سائل.

ولمافی الشامی:(۲۱۸/۱،طبع سعید)

ویحکم بنجاستهامغلظةمن وقت الوقوع ان علم والافمذیوم ولیلةان لم ینتفخ ولم ینفسخ وهذافی حق الوضوء والغسل ای من حیث اعادةالصلاةیعنی المکتوبة والمنذورةوالواجبةوسنةالفجر ..... ومنذثلاثةایام بلیالیهاان انتفخ اوتفسخ استحسانا وقالامن وقت العلم فلایلزمهم شئی قبله قیل وبه یفتی.

وفی الشامیة:قوله:(قیل وبه یفتی)قائله صاحب الجوهرة،وقال العلامةقاسم فی تصحیح القدوری:قال فی فتاوی العتابی قولهماهوالمختارقلت لم یرافق علی ذلک فتداعتمدقول الامام البرهانی والنسفی والموصلی وصدرالشریعةورجح دلیله فی جمیع المصنفات،وصرح فی البدائع بان قولهماقیاس وقوله استحسان وهوالاحوط فی العبادات.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ولی اللہ ڈیروی

۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۶۳۱

﴿پانی کی پاکی ناپاکی کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ اگر چھوٹا بچہ پانی میں ہاتھ ڈال دے تو کیا پانی ناپاک ہو جائے گا؟

﴿جواب﴾ بچے کے ہاتھ ڈالنے سے پانی نجس نہیں ہوتا، البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ اسکے

ہاتھ میں نجاست لگی تھی تو ناپاک ہوجائے گا، چونکہ چھوٹے بچوں کا اعتبار نہیں، اس لئے دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس پانی سے وضوء نہ کرنا بہتر ہے بشرطیکہ دوسرا پانی بآسانی میسر ہو۔

لمافی حلبی کبیر:(۹۰ مطبع نعمانیہ کوئٹہ)

(ولوادخل الکفار او الصبیان ایدیھم لایتنجس اذالم یکن علی ایدیھم نجاسۃ حقیقۃ) ......(ولوادخل الصبی یدہ فی الاناء)ان علم انھا طاھرۃ بان کان معہ من یراقبہ جاز الترضی بذلک الماء وان علم ان فیھا نجاسۃ لم یجزوان حصل الشک (لایتوضاء بہ استحسانا)ای لاجل التنزہ والاحتیاط(ولوتوضاء بہ جاز)لانہ لایتنجس بالشک لکن المستحب التوضوء بغیرہ للاحتمال کمافی سؤر الجلالۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۹ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۸

﴿مرغی کا جوٹھا پاک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک ٹب سے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر دو دن بعد ایک دوسرے آدمی نے اسکو بتایا کہ جس ٹب سے آپ نے وضو کیا تھا اس سے مرغی نے پانی پیا تھا، غرض سوال یہ ہے کہ مرغی کے پانی پینے سے اس ٹب کا پانی کیا ناپاک ہوگیا تھا؟

مستفتی: مہر الدین از تاجکستان

﴿جواب﴾ مرغی پاک ہے اور اس کا جوٹھا بھی پاک ہے البتہ اسکو گندگی اور نجاست کھانے کی عادت ہوتی ہے اس لئے فقہاء کرام نے گندے ماحول میں آزاد گھومنے والے مرغی کے جوٹھے کو مکروہ لکھا ہے لہذا ایسے ماحول میں رہنے والی مرغی نے ٹب سے اگر پانی پی لیا تھا اور اسکی چونچ پر نجاست لگنے کا بھی علم نہیں تھا تو نماز ہوگئی ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولما فی الفتاوی التاتارخانیۃ :(۱/۱۶۴-۱۶۵، کتاب الطھارۃ ، بیان حکم الآسار ، طبع قدیمی)

و أما الطاھر الذی ھو مکروہ فھو سور الدجاجۃ المخلاۃ لأنھا تفتش الجیف و الاقذار فمنقارھا لایخلو عن نجاسۃ، مع ھذا اذا توضأ بہ أجزاہ لأن منقارھا فی الاصل طاھر..... وذکر فی صلاۃ الأثر: المستحب أن لایتوضأ بسور الھرۃ وان توضأ بہ أجزاہ.

ولما فی الفتاوی القاضیخان:(۱/۲۵، کتاب الطھارۃ ، فصل فی الآسار ، طبع قدیمی)

فان استعمل الماء المکروہ مع القدرۃ علی الماء المطلق صحت طھارتہ و یکرہ.

وايضا فى التاتارخانية: (۱/۱۵۱، كتاب الطهارة، طبع قديمى)

و فى الأصل ايضا: اذا أدخل الصبى يده فى كوز ماء أو رجله فان علم أن يده طاهرة بيقين يجوز التوضو بهذا الماء، وان علم أن يده نجسة بيقين لايجوز التوضو به، وان كان لايعلم أنها طاهرة أو نجسة فالمستحب أن يتوضأ بغيره لأن الصبى لا يتوقى عن النجاسات عادة، و مع هذا لو توضأ به أجزاه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن حفظہ اللہ تعالی — واللہ اعلم بالصواب: جلال الدین خرسند تاجکی

۹ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر: ۳۸۴۳

﴿اس پانی کا حکم جس کو بکری منہ لگادے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! ہمارے گھر میں بہت ساری بکریاں ہیں، جو کبھی کبھار پانی کے برتن کو منہ لگالیتی ہے تو ہم اس پانی کو ناپاک سمجھ کر گرادیتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ بکری کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

مستفتی: شاہ نظر سواتی

﴿جواب﴾ بکری کا جھوٹا پاک ہے، لہٰذا بکری کے منہ لگانے سے پانی گرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولمافى القدورى: (ص ۲۴، طبع قديمى): وسؤر الادمى ومايؤكل لحمه طاهر.

ولمافى الهداية: (۱/۴۵، طبع رحمانيه)

(وسؤر الادمى ومايؤكل لحمه) لان المختلط به اللعاب وقدتولدمن لحم طاهر ويدخل فى هذا الجواب الجنب والحائض والكافر.

ولمافى حلبى كبير: (ص ۱۶۶، ۱۶۷، طبع سهيل اكيڈمى)

(وسؤر الآدمى طاهر) (سواء كان مسلما او كافرا او جنبا) (و) كذا (سؤر مايؤكل لحمه) من الحيوان (طاهر) بالاتفاق (كالابل والبقر والغنم) لتولد اللعاب من لحم طاهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۳۵۰

﴿کتے کا جھوٹا (پانی) حلال جانور کو پلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے کہ کتے کا جھوٹا (پانی) کسی حلال

جانور کو پلانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ایسا پانی کسی جانور کو پلایا جائے تو اسکے دودھ کا کیا حکم ہوگا؟ اور جس برتن میں کتا منہ ڈال کر پانی پئے اس سے دوسرے حلال جانور کو پانی پلانا کیسا ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: رضوان اللہ بونیری

﴿جواب﴾ پانی میں نجاست کا اثر اگر ظاہر نہ ہو تو جانوروں کو پلانے کی گنجائش ہے، البتہ کتے کا جھوٹا نہ صرف نجس ہے بلکہ اس کا زہریلا ہونا بھی مسلم ہے، اس لئے جانوروں کو پلانے میں اگرچہ گنجائش ہے تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پلایا جائے رہا یہ کہ کتے کا جھوٹا اگر دودھ والا جانور پی لے تو اس کے دودھ کا کیا حکم ہے؟ سو دودھ بلاشبہ پاک ہے، نجس چیز کھانے پینے سے حلال جانور کے دودھ میں فرق نہیں آتا۔

لما في الهنديه(۵/ ۲۲۳ قديمي)

واذا تنجس الخبز أو الطعام لا يجوز ان يطعم الصغير أو المعتوه أو الحيوان الماكول اللحم ،وقال اصحابنا :لا يجوز الانتفاع بالميتة على اى وجه ولا يطعمها الكلاب والجورح.

ولما في منية المصلي(۱۳۲ طبع نعمانيه)

ويكره شرب الماء المستعمل ويجوز الانتفاع وبالماء النجس في تحويل الطين وسقى الدواب.

ولمافي الشامية(۱/ ۲۰۱)سعيد

[فرع]الماء اذاوقعت فيه نجاسةفان تغيروصفه لم يجزالانتفاع به بحال ،والاجاز كبلّ الطين وسقي الدواب ،بحرعن الخلاصة.

ولما في الدر المختار ۶/ ۳۴۰-۳۴۱سعيد

(وكره)اى لحم الجلالة والرمكة......وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها ..... ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدى غذّى بلبن خنزير.لأن اللحم لا يتغير ،وما غذّى به يصير مستهلكا لا يبقىٰ له أثر.

ولمافي فتح الملهم ۲/ ۵۰تحت باب حكم ولوغ الكلب

وقالت الحنفية :يغسل ثلاثا ، ولهم قوله ﷺ :"يغسل الاناء من ولوغ الكلب "روى عن أبي هريرةؓ فعلا ،وقولا ،و مرفوعا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: سیف اللہ

۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۰۷

﴿مٹی کے تیل سے نجاست حقیقی دور ہوسکتی ہے نجاست حکمی نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر مٹی کے تیل سے ناپاک کپڑا دھولیا جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ مٹی کے تیل سے وضو کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ مٹی کے تیل اور تمام وہ سیال اشیاء جن میں صفائی کی صلاحیت ہے مثلاً سرکہ، پیٹرول، تارپین وغیرہ سے اگر ناپاک کپڑا دھولیا جائے تو پاک ہوجاتا ہے، البتہ نجاست حکمیہ زائل کرنے کے لئے یعنی وضو اور غسل کرنے کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہے، مذکورہ اشیاء سے وضو وغیرہ نہیں ہوسکتا۔

لمافی ردالمحتار:(۱/۳۰۹،طبع سعید)

(ویجوز رفع نجاسة حقيقة عن محلها) ولواناء اوماكولا علم محلها اولا (بماء ولو مستعملا) به يفتى (وبكل ماء طاهر قالع للنجاسة ينعصر بالعصر (كخل وماء ورد)

ولمافی مختصر القدوری:(ص:۲۲،طبع قدیمی)

يجوز تطهير النجاسة بالماء، وبكل مائع طاهر يمكن ازالتها به كالخل وماء الورد.

ولمافی کنز الدقائق:(ص:۱۵)

يطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزيل كالخل وماء الورد.

ولمافی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۹،طبع رشیدیہ)

ولا يجوز التوضي بماء الفواكه ولا بما اعتصر من الشجر.

ولمافی ردالمحتار:(۱/۱۸۰،طبع سعید)

ولا (بعصير نبات) اى معتصر من شجر اوثمر لانه مقيد.

ولمافی البحر الرائق:(۱/۶۹،طبع سعید)

قوله (او اعتصر من شجر اوثمر) عطف على قوله تغير اى لا يتوضأ بما اعتصر من شجر كالريباس اوثمر كالعنب لان هذا ماء مقيد وليس بمطلق فلا يجوز الوضوء به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن کوہاٹی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵

﴿پیشاب کے ایک قطرے سے پانی کا پورا ڈرم ناپاک ہو جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر پانی کے ایک ڈرم میں پیشاب کا قطرہ گر جائے تو اس پانی کا کیا حکم ہے۔

مستفتی محمد تواب سواتی

﴿جواب﴾ زیادہ پانی یعنی کم از کم دہ دردہ ہو یا جاری ہو، تو وہ پانی تھوڑی سی نجاست کی وجہ سے نجس نہیں ہوتا، لیکن ڈرم کا پانی زیادہ نہیں ہے اور نہ وہ جاری ہے، اس لئے معمولی سی نجاست گرنے سے بھی وہ نجس ہو جائے گا۔

لمافی القدوری:(ص ۲۱ طبع قدیمی)

وکل ماء اذا وقعت فیه النجاسة لم یجز به قلیلا کان او کثیرا لان النبی ﷺ امر بحفظ الماء من النجاسة.

ولمافی الجوهرة النیرة:(ص۱۲ طبع میر محمد)

(وقوله وکل ماء وقعت فیه النجاسة لم یجز الوضوء به وکذا اذا غلب علی ظنه ذلک واراد به غیر الجاری او ما فی معناه کالغدیر العظم.

ولمافی حلبی کبیری:(ص۹۸-۹۹ طبع سهیل اکیڈمی)

لکثرة وقوع مثله وایضا هو مغلوب باول الملاقات والحکم للغالب ولیس کالنجاسة اذ لم تعتبر فیها الغلبة بل قطرة تنجس دنا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۷۲

﴿بیت الخلاء کے گڑھے سے کنواں کتنے فاصلے پر کھودا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بیت الخلاء کی گندگی کیلئے ایک گہرا گڑھا کھودا جاتا ہے اور پاخانہ وغیرہ پائپ کے ذریعہ وہاں جاتا ہے تو اگر وہاں آس پاس کنواں کھودنے کا ارادہ ہو تو کنویں اور اس بیت الخلاء کے گڑھے کے درمیان شرعاً کتنا فاصلہ ضروری ہے؟ تاکہ آمیزش نہ ہو۔

حبیب الرحمٰن سواتی

﴿جواب﴾ شرعاً اس کیلئے کوئی حد مقرر نہیں ہے اگرچہ بعض نے پانچ ہاتھ اور بعض نے

سات ہاتھ فاصلے کا ذکر کیا ہے مگر راجح یہ ہے کہ اتنا فاصلہ ہو کہ رنگ، بو، مزہ پہنچنے سے مانع ہو اور یہ زمین کے سختی اور نرم ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہوتا ہے، لہٰذا اہل تجربہ اپنی اپنی زمین کے اعتبار سے اندازہ کر کے فاصلہ چھوڑیں۔

لمافی ردالمحتار:(۲۲۱/۱،طبع سعید)

اختلف فی مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة الی البئر ،ففی روایة خمسة اذرع وفی روایة سبعة وقال الحلوانی المعتبر الطعم أو اللون أو الریح فان لم یتغیر جاز والا لا ولو کان عشرة اذرع وفی الخلاصة والخانیة والتعویل علیه وصححه فی المحیط بحر والحاصل انه یختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال أرضه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۲۵

﴿باب السواک﴾

﴿مسواک کا بیان﴾

﴿مسواک کے بغیر وضو مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو آدمی وضو میں بغیر کسی عذر کے نہ مسواک استعمال کرے اور نہ انگلی، تو شریعت کی رو سے اس آدمی کے وضو کا کیا حکم ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

مستفتی: حاجی نصیر احمد

﴿جواب﴾ وضو میں مسواک استعمال کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس کا قائم مقام انگلی ہے اور کسی بھی عمل کی سنت مؤکدہ کو بلا عذر چھوڑنے سے وہ عمل مکروہ ہو جاتا ہے لہٰذا وضو میں بغیر کسی خاص وجہ کے مسواک چھوڑنا اور اسکا قائم مقام انگلی بھی استعمال نہ کرنا باعث اسائۃ (برائی) وکراہت ہے، بلاشبہ اس سے وضو مکروہ ہو جاتا ہے۔

ولمافی الشامی:(۱۰۵/۱، طبع: سعید)

قال فی البحر :والذی ظهر للعبدالضعیف ان السنة ما واظب علیه النبی صلی الله علیه وسلم لکن ان کانت لا مع الترک فهی دلیل السنة المؤکدة،وان کانت مع الترک أحیانافهی دلیل غیر المؤکدة،وان اقترنت بالانکار علی من لا یفعله فهی دلیل الوجوب.

ولما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۱۲، طبع: سعید)

والسواك سنة مؤكدة كما فی الجوهرة عند المضمضة،وفی الشامی تحت(قوله سنة مؤكدة)وق عده القدوری والاكثرون من السنن وهو الاصح قلت:وعليه المتون.

ولما فی الشامی:(۱/۱۰۳، طبع: سعید)

والسنة نوعان :سنة الهدی وتركها يوجب اساءة وكراهية كالجماعة والاذان والاقامة ونحوها.

وفيه أيضا:(۱/۱۰۳، طبع: سعید)

لكن فی التلويح ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام ويستحق حرمان الشفاعة ،لقوله عليه السلام من ترك سنتی لم ينل شفاعتی.

وفيه أيضا:(۱/۶۵۳، طبع: سعید)

ألحاصل ان السنة ان كانت مؤكدة قوية لا يبعد كون تركها مكروها تحريما وان كانت غير مؤكدة فتركها مكروه تنزيها.

الجواب صحیح :عبدالرحمن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد زبیر غفرلہ ولوالدیہ

۲۳محرم الحرام ۱۴۳۴ھ فتوی نمبر:۳۵۱۱

﴿مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسواک کی لمبائی اور موٹائی کتنی ہونی چاہیئے ، نیز یہ کہ مسواک کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور اسکے کیا فوائد ہیں؟

﴿جواب﴾ مسواک نرم ہونا چاہیے لمبائی میں ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، موٹائی میں ہاتھ کی چھنگلی کی مقدار ہونا چاہیئے گرہ دار نہ ہو بلکہ سیدھی اور صاف ہو۔

مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسواک عرضاً (چوڑائی میں) کرنا چاہیئے نہ کہ طولاً (لمبائی میں)مسواک کرنے کے بہت فوائد ہیں فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے اور موت کے وقت کلمہ نصیب ہونے کا بھی سبب ہے بعض نے لکھا ہے کہ مسواک کے تمیں سے زیادہ فائدے ہیں سب سے چھوٹا یہ کہ اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے۔

نسئل الله أن يرزقنا المواظبة على الاستياك وأن لا يحرمنا فوائده الدينية والدنيوية.

لما في الدر المختار:(۱/۱۱۴-۱۱۵ طبع سعيد)

(وندب)امساكه(بيمناه)وكونه لينا مستويا بلا عقد،في غلظ الخنصر وطول شبر ويستاك عرضا لا طولا وبعد سطر لا يزاد على الشبر والا فالشيطان يركب عليه ومن منافعه أنه شفاء لما دون الموت وتذكير الشهادة عنده.وفي الشامية:قال في النهر ومنافعه وصلت الى نيف وثلثين منفعة أدناها اماطة الاذى واعلاها تذكير الشهادة عند الموت رزقنا الله ذلك بمنه وكرمه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد کشمیری

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر ۲۳۰۳

﴿ایک بالشت سے کم مسواک کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بالشت سے کم مسواک استعمال کرنا کیسا ہے اور اگر استعمال کرتے ہوئے کم رہ جائے تو کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ایک بالشت سے کم نئی مسواک استعمال کرنا خلاف اولیٰ ہے، استعمال کرتے ہوئے ایک بالشت سے کم رہ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لما في التنوير وشرحه:(۱/۱۱۴ طبع سعيد)

وندب امساكه بيمناه وكونه لينا مستويا بلا عقد في غلظ الخنصر وطول شبر.وفي الشامية:(وطول شبر)الظاهر أنه في ابتداء استعماله فلا يضر نقصه بعد ذالك بالقطع منه لتسويته.

ولما في فتح القدير:(۱/۲۲ طبع رشيديه)

ويستحب فيه ثلاث بثلاث مياه وأن يكون السواك لينا في غلظ الاصبع وطول شبر من الاشجار المرة ويستاك عرضاً لا طولاً.

ولما في حاشية الطحطاوي:(۱/۳۷،طبع قديمي)

وينبغي أن يكون لينا في غلظ الأصبع طول شبر مستويا.

ولما في مراقي الفلاح:(ص۳۷،طبع قديمي)

والمستحب بله ان كان يابساً وغسله بعد الاستياك لئلا يستاك به الشيطان وان يكون

من شجر مر ليكون اقطع للبلغم وأنقىٰ للصدر ..... وأن يكون طول شبر مستعمله لأن الزائد يركب عليه الشيطان.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۱۰ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۲۸۳

﴿ٹوتھ پیسٹ اور منجن کا مسواک جیسا حکم نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسواک سے منہ کی صفائی مطلوب ہوتی ہے کیا ٹوتھ پیسٹ یا منجن کا بھی مسواک جیسا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مسواک سے صرف منہ کی صفائی مطلوب نہیں ہوتی، یہ تو ایک سنت عمل ہے، بہت بڑی عبادت ہے. جس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے اور یہی اس عمل سے اصل مقصود ومطلوب ہے، ہاں منہ کی صفائی بھی اسکا ایک فائدہ ہے، البتہ ٹوتھ پیسٹ یا منجن سے بھی چونکہ منہ کی صفائی ہوجاتی ہے، اس لئے مسواک کی غیر موجودگی کی صورت میں ٹوتھ پیسٹ یا منجن بھی کسی نہ کسی درجہ میں مسواک کے قائم مقام ہوجائیگا لیکن جو ثواب اور فوائد اصل مسواک میں ہیں ٹوتھ پیسٹ یا منجن میں وہ کہاں؟

ٹوتھ پیسٹ صرف دانتوں کی صفائی کیلئے ہے. جبکہ مسواک سے نہ صرف دانتوں کی بلکہ زبان اور پورے حلق کی بھی صفائی حاصل ہوتی ہے، مسواک سے زبان وحلق کا ریشہ ختم ہوجاتا ہے اور ٹوتھ پیسٹ سے مسوڑھوں اور دانتوں کی صفائی اگر چہ ہوجاتی ہے لیکن زبان وحلق سے اس کی وجہ سے ریشہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ بڑھ جاتا ہے مسواک کی رگڑ سے نہ صرف صفائی بلکہ مسوڑھوں اور دانتوں میں مضبوطی بھی آتی ہے. ٹوتھ پیسٹ سے یہ فائدہ بھی حاصل نہیں ہوتا مسواک سے آواز صاف ہوجاتی ہے، نزلہ، زکام کیلئے بھی مفید ہے ٹوتھ پیسٹ میں ایسا کوئی فائدہ نہیں ہے مسواک میں کوئی مصنوعی ذائقہ نہیں ہے. ٹوتھ پیسٹ کا مصنوعی ذائقہ بعض طبیعتوں کیلئے الرجی کا باعث ہوتا ہے، نیز مسواک دانتوں اور بغیر دانتوں والے دونوں کرسکتے ہیں جبکہ ٹوتھ پیسٹ صرف دانتوں والے کرسکتے ہیں۔

مذکورہ فائدوں کے علاوہ بھی مسواک کے فوائد ہیں جو کہ ٹوتھ پیسٹ میں نہیں ہیں اسلئے ٹوتھ

پیسٹ یا منجن کو مسواک کے برابر سمجھنا ہرگز درست نہیں ہے۔

لما فی الكفاية مع فتح القدير:(۲۱/۱، طبع رشيديه)

"والسواك" أى استعماله لان السواك والمسواك اسم للخشبة المعينة للاستياك وذكر فى المحيط انه ينبغى ان يكون السواك من اشجار مرة".

ولما فى الهندية:(۷/۱، طبع رشيديه)

"ومنها السواك وينبغى ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوى المعدة".

ولما فى فتح الملهم:(۱۸۷/۲، طبع دار العلوم كراچى)

"بالسواك الخ، قال ابن الملك السواك يطلق على الفعل وعلى العود الذى يستاك به وقال فى النهاية" السواك بالكسر والمسواك مايدلك به الاسنان من العيدان ـــ وقال بعضهم السواك بالكسر اسم للاستياك وللعود الذى يستاك به"

ولما فى حلبى كبير:(ص۲۹، طبع نعمانيه)

"ثم المستحب ان يكون السواك من شجرة مرة لزيادة ازالة تغير الفم قالوا ويستاك بكل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراك ثم الزيتون".

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۵ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۸۵

﴿عورت کے لئے مسواک کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ بوقت وضو عورت کے لئے مسواک سنت ہے یا نہیں ہے عورتوں کے لئے ایک خاص مسواک ہوتی ہے جس کو دنداسہ کہتے ہیں اس سے سنت ادا ہو جائے گی؟

﴿جواب﴾ عورتوں کے لئے بھی مسواک سنت ہے اگر سخت لکڑی سے تکلیف ہو تو دنداسہ سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔

ولما فى الهندية:(۷/۱، طبع رشيديه)

وينبغى ان يكون السواك من اشجار مرة لأنه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوى المعدة وليكن رطبا فى غلظ الخنصر وطول الشبر ولا يقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد الخشبة فحينئذ يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة كذا فى المحيط والظهيرية

والعلک یقوم مقامه للمراة کذا فی البحر الرائق:(۲۱/۱،طبع سعید)

ولما فی الدرمع الرد:(۱۱۵/۱،طبع سعید)

وعند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة او الاصبع مقامه کما یقوم العلک مقامه للمراة مع القدرة علیه (قوله: کما یقوم العلک) ای فی الثواب اذا وجدت النیة وذلک ان المواظبة علیه تضعف اسنانها فیستحب لها فعله ،بحر.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب :خضر حیات کماوی

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　　　فتویٰ نمبر:۷۰۷

﴿مسواک کو پھینکنا صحیح نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں: کہ مسواک استعمال کرنے کے بعد کسی جگہ پھینکی جا سکتی ہے؟ میرے ایک دوست نے مجھے مسواک پھینکنے سے منع کیا،اور کہا کہ مسواک کو استعمال کر کے پاک جگہ کھڑی کرنا چاہئے! پوچھنا یہ ہے کہ کیا انکا یہ کہنا درست ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ آپ کے دوست کا کہنا درست صحیح ہے کہ مسواک پھینکنا نہیں چاہئے بلکہ پاک جگہ کھڑی کرنا چاہئے،مسواک کو لٹا کر رکھنا صحیح نہیں ہے،حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔

لما فی الدر المختار مع رد المحتار(۱۱۵/۱)طبع رشیدیة

فلا یضعه بل ینصبه والا فخطر الجنون(قهستانی).(قوله والا فخطر الجنون)فانه یروی عن سعید بن جبیر قال :من وضع سواکه بالأرض فجنّ فلک فلا یلومنّ الا نفسه

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ أعلم بالصواب :سیف اللہ

۲ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۱۴۷

﴿باب الوضوء﴾

﴿وضوء کے مسائل﴾

﴿فرائض وضو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو میں کتنے فرض

ہیں؟ اور کون کونسے ہیں؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں!

﴿جواب﴾ وضو میں چار فرض ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا:

(۱) چہرے کا دھونا، (پیشانی کے بالوں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک)، (۲) دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا، (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا، (۴) دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔

لمافی قوله تعالیٰ:

(یاأیها الذین أمنوا اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم وأیدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وأرجلکم الی الکعبین).

ولمافی التنویر مع الدر (ج ۱ ص ۹۳ تا ۱۰۰) ط س

أرکان الوضوء أربعة: (غسل الوجه) أی اسالة الماء مع التقاطر، ولو قطرة (وهو من مبدأ أسفل ذقنه) أی منبت أسنانه (طولاً ومابین العذار والأذن).

وغسل الیدین والرجلین) البادیتین السلیمتین (مرة) لما مر (مع المرفقین والکعبین ومسح ربع الرأس مرة فوق الأذنین) ولو باصابة مطر أو بلل.

ولمافی الهندية (ج ۱ ص ۳) رشیدیه

(الفصل الأول فی فرض الوضوء) قال تعالیٰ: (یاأیها الذین أمنوا اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم وأیدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وأرجلکم الی الکعبین).

(وهی أربع) الأول الوجه، والثانی غسل الیدین، والثالث غسل الرجلین، والرابع مسح الرأس) والمفروض فی مسح الرأس مقدار الناصية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۳ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۹۹

﴿وضو کی سنتیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضو میں کتنی سنتیں ہیں اور کون کونسی ہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

﴿جواب﴾ وضو میں مندرجہ ذیل امور سنت ہیں: وضو شروع کرنے سے پہلے وضو کی نیت

کرنا یعنی دل میں وضو کا ارادہ کرنا، پھر بسم اللہ پڑھنا، دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا، مسواک کرنا، اگر مسواک نہ ہو تو انگلی یا کسی دوسری چیز مثلاً برش وغیرہ سے دانتوں کی صفائی کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی چھڑا کر صاف کرنا، داڑھی کا خلال کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا، مسح کے علاوہ دھونے والے تمام اعضاء کو تین بار دھونا، ایک بار تمام سر کا مسح کرنا، کانوں کا مسح کرنا، ترتیب سے وضو کرنا، پے در پے وضو کرنا، (یعنی ایک عضو کے خشک ہونے سے قبل دوسرے عضو کا دھونا)۔

لما فی التنویر مع الدر (ج ۱/۱۰۵،۱۲۲) طبع سعید

أو سننه (البداءة بالنية) (و) البداءة (بالتسمية) قولاً (و) البداءة (بغسل اليدين) الطاهرتين قبل الاستنجاء وبعده، (والسواك) سنة مؤكدة كما في الجوهرة عند المضمضة (وغسل الفم بمياه والأنف بمياه وتخليل اللحية) وتخليل (الأصابع) اليدين والرجلين (وتثليث الغسل، ومسح كل رأسه مرة، وأذنيه) بمائه (والترتيب والولاء)

ولما فی النهر الفائق (ج ۱/ص ۳۵) طبع قدیمی

وسننه: غسل يديه الى رسغيه ابتداء كالتسمية (أي: كما أن التسمية سنة في الابتداء مطلقا) والسواك وغسل فمه (ثلثا بمياه) وأذنيه (كذلك) وتخليل لحيته (وهو تفريق شعرها من أسفل الى فوق وهو سنة لغير المحرم) وأصابعه (أي: كلها ادخال بعضها في بعض بماء متقاطر) وتثليث الغسل (أي جعله ثلاثا قيد به لأنه في المسح غير مسنون بل هو مكروه كما في المحيط والتحفة) ونيته...... (أي نية المتوضئ رفعَ الحدث أو اقامة الصلاة) ومسح كل رأسه مرةً (مستوعبة لرواية الترمذي: أن عليا توضأ فغسل أعضائه ثلاثا ثم قال: هذا وضوء رسول الله ﷺ) والتثليث بدعة وقيل ...... لا بأس به) والترتيب (بين الفرائض وهو أن يبدأ بما بدأ الله به) والوَلاء (بكسر الواو...... وعرّفه الشارح بغسل العضو الثاني قبل جفاف الأول.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ
۲ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ

واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ
فتوی نمبر: ۳۱۶۳

﴿مستحبات وضو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مستحبات وضو کونسے ہیں؟

﴿جواب﴾ وضوء میں مندرجہ ذیل امور مستحب ہیں:

۱: نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا ۲: مٹی کے لوٹے سے وضو کرنا ۳: وضو کا کام خود کرنا،

دوسروں کی مدد نہ لینا۔۴: قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھنا۔۵ پاک وصاف اور اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا۔۶: دائیں طرف سے شروع کرنا۔۷: ہر عضو کے دھوتے وقت کلمہ شہادت، درود شریف یا وضو کی دعا پڑھنا۔۸: ہر عضو کے دھونے سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا۔۹: ہر عضو کے دھوتے یا مسح کرتے وقت وضو کی نیت کا حاضر رکھنا۔۱۰: اعضاء وضو کو دھوتے وقت انکو ہاتھ سے ملنا۔ ۱۱: اطمینان سے وضو کرنا۔۱۲: بدن، کپڑوں اور مسجد کو ٹپکتے قطروں سے محفوظ رکھنا۔۱۳: وضو کا برتن اگر لوٹے کی قسم کا ہو تو اس کو بائیں طرف رکھنا۔۱۴: وضو کا برتن اگر طشت کی قسم کا ہو تو اسکو دائیں جانب رکھنا۔۱۵: بائیں ہاتھ کی انگلی ناک میں ڈال کر بائیں ہاتھ سے صاف کرنا۔۱۶: انگوٹھی یا چھلا یا تنھ پہنے ہوئے ہو تو اسکو ہلانا۔۱۷: دونوں کانوں کا ایک ساتھ مسح کرنا۔۱۸: گردن کا مسح کرنا۔۱۹ دونوں ہاتوں کی چھوٹی انگلیوں کو بھگو کر دونوں کانوں کے سراخوں میں داخل کرنا۔۲۰: پاؤں دھونے میں انگلیوں سے شروع کرنا۔۲۱ پاؤں کو بائیں ہاتھ سے مل کر دھونا۔۲۲: چہرے اور ہاتھ پاؤں کی روشنی وسیع کرنا، یعنی جتنی جگہوں پر پانی بہانا فرض ہے اس کے اطراف میں کچھ بڑھا کر دھونا مثلاً نصف بازوں اور نصف پنڈلی تک پانی بہانا۔۲۳: وضو کے بعد کلمہ شہادت مع دعا اور درود کا پڑھنا۔۲۴: وضو کرنے کے بعد جو پانی بچا ہے اسے کھڑے ہو کر پینا۔۲۵: اعضاء وضو کو پونچھتے وقت بالکل خشک نہ کرنا بلکہ کچھ نمی باقی رکھنا۔۲۶: دوسرے وضو کیلئے پانی رکھ چھوڑنا۔۲۷: وضو پر وضو کرنا۔۲۸: وضو کے بعد تحیۃ الوضوء کی نیت سے دو رکعت نفل نماز پڑھنا، بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو۔۲۹: آنکھوں کے گوشوں کو مل کر پانی پہنچانا۔۳۰: لوٹے وغیرہ کی ٹونٹی کو تین بار دھونا۔۳۱: وضو کرتے وقت ہاتھ برتن کے اوپر نہ رکھنا بلکہ دستے وغیرہ پر رکھنا۔۳۲ وضو کا پانی ایک مُدّ (۷۹۶۰۶۸ گرام) سے کم نہ ہونا۔۳۳: منہ اور ناک میں دائیں ہاتھ سے پانی ڈالنا۔۳۴: مکروہات وضو کے ضمن میں جو امور ذکر کیے گئے ہیں ان سب سے اجتناب کرنا۔

لما فی غنیۃ المستملی ۲۵ نعمانیہ

باب فی آداب وضوء: أما آدابه فهو أن يتأهب للصلوٰة قبل دخول الوقت ومن الأداب أن يتولى أی يباشر أمر الوضوء بنفسه ....ومن الآداب أن يجلس المتوضیء مستقبل القبلة عند سائر الأعضاء......ومن الآداب أن يكون جلوسه علی مكان مرتفع وأن يغسل عروة الابريق ثلثاً وأن يضعه علی يساره، وان كان انا، يغترف عنه فعن

يمينه ، وأن يضع يده حالة الغسل على عروته لا رأسه ...... ومن الآداب أن يشهد أي يأتي بالشهادتين عند غسل كل عضو ،وأن يدعو بدعوات بماجاء في الآثار ..... ومن الآداب أن يمضمض ويستنشق بيده اليمنى ..... وأن يتمخط ويستنثر بيده اليسرى لما ورد في الحديث ..... ومن الآداب أن يبالغ في المضمضة والاستنشاق ..... ومن الآداب أن يدخل اصبعيه الخنصرين في صماخ أذنيه عند المسح ..... ومن الآداب أن يحرك خاتمه ان كان واسعاً وان كان ضيقاً لابد من تحريكه أو نزعه ..... ومن الآداب أن لا يسرف في الماء ..... ومن الآداب أن لا يقتر في الماء بأن يقرب الى حد الدهن ويكون التقاطر غير ظاهر ..... ومن الآداب أن يقول عند تمامه أو في خلاله : اللهم اجعلني من التوابين ..... الخ ومن الآداب ان يملأ اناء ه بعد الوضوء ثانياً تهيئاً للعبادة ..... ومن الآداب أن يشرب فضل وضوء ه قائماً ..... ومن الآداب أن يصله أي الوضوء بسبحة أي نافلة أي يصلي عقيبه نافلة ولو ركعتين ..... ومن الآداب أن يتوضأ على الوضوء ..... ومن الآداب أيضاً استصحاب النية الى آخر الوضوء وتعاهد ماق العين.

ولما في التنوير مع الدر المختار (۱/۱۲۲،۱۳۱) سعيد

(ومستحبه التيامن ومسح الرقبة) بظهر يديه (لا الحلقوم) لأنه بدعة (ومن آدابه) استقبال القبلة وذلك أعضائه وادخال خنصره) المبلولة (صماخ أذنيه) عند مسحهما (وتقديمه على الوقت لغير المعذور) (وتحريك خاتمه الواسع) ومثله القرط وكذا الضيق ان علم وصول الماء ،والا فرض (وعدم الاستعانة بغيره) (وعدم التكلم بكلام الناس ،والجلوس في مكان مرتفع ،والجمع بين القلب وفعل اللسان (والتسمية عند غسل كل عضو) وكذا الممسوح (والدعاء بالوارد عنده) أي عند كل عضو ،والصلاة والسلام على النبي بعده) أي بعد الوضوء، وأن يقول بعده: اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين وأن يشرب بعد ه من فضل وضوئه مستقبل القبلة قائماً) أو قاعداً.

ومن الآداب تعاهد موقيه، وكعبيه، وعرقوبيه، وأخمصيه ،واطالة غرته، وتحجيله، وغسل رجليه بيساره، وبلهما عند ابتداء الوضوء في الشتاء ،والتمسح بمنديل ، وعدم نفض يده و قرائة سورة القدر وصلاة ركعتين في غير وقت كراهة .

قال ابن عابدين : واعلم أن المذكور منها هنا متناً وشرحاً نيف وعشرون ،ومنها كذا في الفتح ترك الاسراف والتقتير وترك التمسح بخرقة يمسح بها واستقائه الماء بنفسه والمبادرة الى ستر العورة ،وكون آنيته من خزف، وأن يغسل عروة الابريق ثلاثاً، ووضعه على يساره وان كان اناء يغترف منه فعن يمينه ووضع يده حالة الغسل على عروته وذكر شهادتين عند كل عضو واستصحاب النية في جميع أفعاله ومل آنية . استعداداً ،والامتخاط باليسرى ،والتأني، وامرار اليد على الاعضاء المغسولة والدلك

زادفی البحر : وغسل ما تحت الحاجب الشارب ،والتوضوء فی مکان طاهر والبدء بأعلى الوجه وأطراف الأصابع ومقدم الرأس ،والفراغ الماء بيمينه ،وقدمنا أن ترك المندوب مكروه تنزيهاً فيزاد ترك مايكره فعله .وأن لا يتقصى أى الماء عن مُدّ ،وغسل الفم والأنف باليمنى وزاد فى المنية : الوضوء على الوضوء وعدم نضحه فى الماء حال غسل ، والتشهد عند غسل كل عضو.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سیف اللہ

۸ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿وضو کے پانی میں اسراف کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ وضو کے پانی میں اسراف کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص وضو کے پانی میں اسراف کرے تو اسکا وضو صحیح ہوگا یا نہیں؟ نیز اس وضو سے پڑھی جانے والی نماز کا کیا حکم ہے؟　　　　مستفتی: محمد عبیداللہ

﴿جواب﴾ اسراف کو نہ صرف وضو کے پانی میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی بھی نعمت میں گناہ قرار دیا گیا ہے وضو کے پانی میں اس سے بچنے کی خاص تاکید آئی ہے، اس لئے وقف کے پانی سے وضو کرتے ہوئے تو اسراف حرام ہے جیسا کہ آجکل مساجد اور مدارس کے پانی میں اسراف سے کام لیا جاتا ہے، اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

لمافی المشکوۃ (۴۷/۱، طبع سعید)

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال:جاء أعرابى الى النبى ﷺ يسئله عن الوضوء، فأراه ثلاثاثلاثاثم قال هكذاالوضوء فمن زادعلى هذافقدأساء وتعدى وظلم.

ولمافی الدرالمختار:(۱۳۲/۱، طبع سعید)

(والاسراف)ومنه الزيادة على الثلاث فيه تحريما لوبماء النهر والمملوك له اماالموقوف على من يتطهربه ومنه ماء المدارس فحرام.

اسی طرح عام پانی سے وضوء کرتے ہوئے اسراف سے بچنا سنت موکدہ کے حکم میں ہے، لہٰذا خلاف ورزی کرنے کی صورت میں وضوء مکروہ تحریمی ہوگا اور نماز پر بھی بلاشبہ اثر انداز ہوگا بلکہ بعض احادیث میں ایسے وضو کا پوری جماعت پر اثر انداز ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔

لما في الشامي:(۱/۱۲۲-۱۲۳،طبع سعيد)

(قوله والاسراف)أى بأن يستعمل منه فوق الحاجة الشرعية..... فحينئذيكون منهياعنه ويكون تركه سنة موكدة.

ولما في المشكوة:(۱/۳۱،طبع سعيد)

عن شبيب بن أبى روح عن رجل من اصحاب النبى ﷺ أن رسول الله ﷺ صلى صلوة الصبح فقرأ الروم فالتبس عليه فلماصلى قال:ما بال اقوام يصلون معنا لايحسنون الطهور،وانما يلبس علينا القرآن اولئك.

ولما في الدرمع الرد:(۱/۱۲۳،طبع سعيد)

ومن السنن الدلك وترك الاسراف.(قوله وترك الاسراف) عده في الفتح من المندوبات ولم يتابع ايضابل صرح في النهربضعفه وقال:انه سنة موكدة لاطلاق النهى عن الاسراف.

ولما في بدائع الصنائع:(۱/۳۵،طبع سعيد)

والدليل عليه ماروى......ان رسول الله ﷺمرعلى سعدبن ابى وقاص وهو يتوضا ويصب صبافاحشاوقال:اياك والسرف،فقال:اوفي الوضوء سرف؟قال نعم ،ولوكنت على ضفةنهرجاروفي روايةولوكنت على شط بحر.

البتہ اگر کوئی اسراف نہیں کرتا،لیکن مطلوبہ مقدار پانی پر کفایت کرنے سے اسے اطمینان نہیں ہوتا تو اس کے لیے سخت وعید نہیں ہے اگر چہ کھلی اجازت اس کو بھی نہیں ہے۔

لما في الدرالمختار:(۱/۱۱۸-۱۲۰،طبع سعيد)

ولورادلطمانينة القلب اولقصدالوضوء على الوضوء لاباس به......ويمكن التوفيق بما قدمنا من انه اذافعل ذلك مرةلايكره مالم يعتقدسنة،وان اعتاده واصرّعليه يكره،وان اعتقدسنيةالثلاث الااذاكان لغرض صحيح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب:عبدالحکیم کشمیری

۷محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر:۱۰۸۷

﴿پیپسی (Pepsi) سیون اپ (7up) وغیرہ سے وضوء کرنا درست نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

پیپسی (pepsi) یا سیون اپ (7up) سے وضوء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: عابد اللہ

﴿جواب﴾ وضوء اور غسل جیسی چیزوں میں طہارت حاصل کرنے کے لئے خالص پانی کا استعمال ضروری ہے، پیپسی (pepsi) سیون اپ (7up) وغیرہ خالص پانی نہیں ہے اسلئے ایسے مشروبات سے وضوء و غسل نہیں ہو سکتا۔

لما فی الهداية: (۱/۳۲-۳۲، طبع رحمانيه)

الطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء والأودية والعيون والابار والبحار ولايجوز بما اعتصر من الشجر والثمر ولايجوز بماء غلب عليه فاخرجه عن طبع الماء كالاشربة والخل وماء الورد وماء الباقلى والمرق وماء الزردج.

ولما فی الکفاية: (۱/۲۲ طبع رشيديه)

فيه اشارة الى انه اذا غير الاثنين أو الثلاثة من الاوصاف لايجوز التوضوء به...... ولكن يجوز شربه وغسل الاشياء به...... فلانه طاهر واما عدم جواز التوضى به لانه لما غلب عليه لون الأوراق صار ماء مقيدا كماء الباقلى.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی

۲۵ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۰۴۷

﴿تیل لگے اعضاء پر وضو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھ پاؤں پر تیل لگانے کے بعد وضو کا پانی اعضاء تک اچھی طرح نہیں پہنچتا، کیا اس طرح وضو ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا تو ابھی تک جو نمازیں اس طرح کے وضو سے پڑھیں ہیں اسکا کیا حکم ہے؟ مستفتی: عبد المالک

﴿جواب﴾ تیل لگے اعضاء پر پانی ڈالنے سے پانی اعضاء تک پہنچ جاتا ہے، البتہ خشک جلد میں جسطرح پانی جذب ہوتا ہے، تیل لگے اعضاء میں ایسا جذب نہیں ہوتا لیکن اس سے وضو میں کوئی فرق نہیں آتا، وضو ایسی صورت میں بھی درست ہو جاتا ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۱۵۴، طبع ایچ ایم سعید)

قال فی الشرنبلالية قال المقدسی: وفی الفتاوى دهن رجليه ثم توضأ وأمر الماء على

رجليه، ولم يقبل الماء للدسومة جاز لوجود غسل الرجلين.

ولما في التاتارخانية:(۱/۷۰،طبع قديمی)

"الذخيرة" "واذا ادهن رجله وتوضأ وأمر الماء على رجله فلم يقبل الماء لمكان الدسومة جاز الوضوء.

ولما في الهندية:(۱/۵،طبع رشيديه)

واذا ادهن رجليه ثم توضأ وأمر الماء على رجليه فلم يقبل الماء لمكان الدسومة جاز الوضوء، كذا في "الذخيرة".

ولما في الهندية :(۱/۱۴،رشيديه)

واذا ادهن فأمر الماء فلم يصل يجزىء، كذا في شرح الوقاية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　فتویٰ نمبر: ۲۸۹۰

﴿جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو تو وضو میں سنتیں چھوڑنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر جماعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو وضو میں سنتیں چھوڑ کر فرائض پر اکتفاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟　　　محمد امین

﴿جواب﴾ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے اور کامل نماز وہی ہے جو با جماعت ادا کی جائے انفرادی نماز ناقص ادا شمار ہوتی ہے تو جماعت کی اہمیت کی خاطر ایسی صورت میں صرف فرائض وضو پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

لما في الشامي:(۱/۴۵۷،طبع سعيد)

وهو أن صلاة الجماعة واجبة على الراجح في المذهب أو سنة مؤكدة في حكم الواجب كما في البحر۔۔۔۔الخ

ولما في الشامي:(۲/۱۵،طبع سعيد)

أنه ليس له ترك الجماعة لأنها من الشعائر.

ولما في الشامي:(۲/۵۶،طبع سعيد)

لكون الجماعة أكمل لأنها تفضل الفرد منفرداً بسبع وعشرين ضعفاً لا تبلغ ركعتا الفجر

ضعفا واحامنها..... والوعيد على الترك للجماعة الزم منه على ركعتى الفجر.

ولما في فتح القدير:(۱/۴۹۳،طبع رشيديه)

والحاصل أنه اذالم يمكن الجمع بين الفضيلتين ارتكب الأرجح وفضيلة الفرض بجماعة اعظم من فضيلة ركعتى الفجر.

ولما في الكبيرى :(ص۲۳،طبع نعمانيه)

وهو يفيد أن تجديد الوضوء على أثر الوضوء من غير أن يؤدى بالأول عبادة غير مكروه وفيه اشكال لاطباقهم على أن الوضوء عبادة غير متصودة لذاتها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب :عبدالرحمٰن کوہائی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ | فتوی نمبر:۳۰۵۴

﴿دوران وضوء بے خبری میں پاؤں پر اسٹیکر لگے رہ جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاؤں پر بے خبری میں اسٹیکر لگا رہ گیا اور اس شخص نے اسی حالت میں وضوء کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں اسے بتلایا گیا کہ آپ کے پاؤں پر اسٹیکر لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے وضوء اور نماز نہیں ہوئی، لہٰذا دوبارہ وضوء کر کے نماز دہرالیں ان صاحب نے فرمایا کہ ''بے خبری میں ایسی غلطی ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں وہ معاف ہے، لہٰذا مجھے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں''۔

(۱) کیا ان کا وضوء ہوگیا؟ (۲) نماز دہرانی ہوگی یا نہیں؟ (۳) ان صاحب کا یہ فرمانا کہ ''بے خبری میں ایسی غلطی ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں'' درست ہے؟ (۴) ان کو بتلانا چاہئے تھا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ (۱) اسٹیکر کی وجہ سے اگر پانی عضو تک نہیں پہنچا تو وضوء نہیں ہوا، البتہ اسی جگہ پانی بہادینا کافی ہے، وضوء دہرانے کی ضرورت نہیں ہے (۲) اس جگہ پر پانی ڈالے بغیر اگر اسی وضوء سے نماز پڑھی ہے تو ایسی نماز کا دہرانا ضروری ہے (۳) ''بے خبری میں ایسی غلطی ہوجائے تو کوئی مواخذہ نہیں'' اس سے مراد یہ نہیں کہ فرض بھی ادا ہوجائیگا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس غلطی کا گناہ اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا لیکن فرض کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا (۴) بتلانا چاہئے تھا لیکن حکمت اور بصیرت کے ساتھ تاکہ بتانے کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو بتانے کا انداز حکمت اور

بصیرت سے اگر خالی ہوگا تو ضد پر اتر آنے میں شیطان کو موقع ملیگا۔

لمافی سنن ابی داؤد:(۲۰/۱،طبع رحمانیه)

قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم......الخ.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص۲۵،طبع قدیمی)

(وشرط صحته)ای الوضوء (ثلاثة)الاول(عموم البشرة بالماء الطهور)حتی لوبقی مقدار مغرز ابرة لم يصبه الماء من المفروض غسله لم يصح الوضوء......الخ.

ولمافی البحر:(۱۳/۱،طبع سعید)

ولولصق باصل ظفره طين يابس وبقى قدر رأس ابرة من موضع الغسل لم يجز......الخ.

ولمافی التنویرمع الدر:(۱۵۹/۱،طبع سعید)

(صح نقل بلة عضوالی)عضو(آخرفيه)بشرط التقاطر(لافی الوضوء)لمامران البدن كله كعضوواحد......الخ.

ولمافی المرقاة:(۲۹۲/۶،طبع رشیدیه)

"رفع أمتي الخطاوالنسيان وما استكرهوا عليه"......والاجماع على ان حكم الآخرة وهو المواخذة مرادفلايردالآخرمعه والاعم......الخ.

ولمافی الشامی:(۴۱۵/۲،طبع سعید)

(قوله ويذكره)أى لزوماكما الولوالجيه فيكره تركه تحريمابحر......ثم هذا التفصيل جرى عليه غيرواحد،وفى السراج عن الواقعات المختارانه يذكره مطلقانهر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:انیس طالب کان اللہ لہ

۱۴جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۷۲۱

﴿بارش میں بھیگنے والے شخص کے کپڑے اور پاکی بدن کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی بازار سے گھر جا رہا تھا اتنے میں زبردست موسلا دھار بارش شروع ہوگئی وہ شخص گھر پہنچتے پہنچتے سرتاپا پانی میں بالکل بھیگ گیا کیا اس کا وضو ہوگیا؟ کیا انہی کپڑوں میں وہ نماز ادا کرسکتا ہے؟

﴿جواب﴾ اس شخص کا وضو ہوگیا، اگر وضو کی نیت بھی اس نے کی تھی تو وضو کا ثواب بھی اس

کو مل گیا اگر نیت نہیں کی تھی تو وضو کا ثواب اسے نہیں ملے گا، البتہ اس وضو سے نماز ادا کر سکتا ہے
رہے، اس کے کپڑے اگر وہ پہلے سے پاک تھے تو بیشک ان میں نماز ادا کر سکتا ہے اگر ناپاک تھے
تو دیکھا جائے گا کہ اگر بارش خوب موسلا دھار تھی اور مذکورہ شخص اس میں بالکل نہا گیا اور اس کو
یقین یا غالب گمان بھی ہو گیا کہ اس کے کپڑوں سے نجاست نکل گئی ہے تو وہ پاک شمار ہوں گے اور
ان میں نماز ادا کر سکتا ہے لیکن اگر بارش تیز نہ تھی بلکہ دھیمی دھیمی تھی جس میں وہ محض بھیگ گیا تو
اس کے کپڑے پاک نہیں قرار پائیں گے، لہٰذا ان میں نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔

لما فی الشامی:(۱/۵۲۳،طبع امدادیہ)

ولا شک ان الغسل بالماء الجاری اوما فی حکمه من الغدیر اوالصب الکثیر الذی یذهب بالنجاسة اصلا ویخلفه غیره مرارا بالجریات اقوی من الغسل..... (اوصب علیه ماء کثیر)ای بحیث یخرج الماء ویخلفه غیره ثلاثاالخ.....اقول لکن قد علمت ان المعتبر فی تطهیر النجاسة المرئیة زوال عینها ولو بغسله واحدة.....فلا یشترط فیها تثلیث غسل لا عصر،وان المعتبر غلبة الظن۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد شریف حسین

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۲

﴿نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے لیے وضو کیا تو فرض بھی پڑھ سکتے ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے لیے جو وضو کیا گیا ہو اس سے پانچ وقتی فرائض ادا کیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ وضو کسی عمل کے لیے کیا ہو یا ویسے ہی بنایا ہو پانچ وقتی فرائض بھی اس سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

لما فی العالمگیریة:(۱/۲۶،الفصل الأول فی امور لا بدمنها فی التیمم طبع رشیدیه)

لو تیمم لصلاة الجنازة أو لسجدة التلاوة أجزاه ان یصلی به المکتوبة بلاخلاف.

ولما فی ردالمحتار:(۱/۲۴۵،طبع سعید)

(قوله بخلاف صلاة جنازة)أی فان تیممها تجوز به سائر الصلوات لکن عند فقد الماء،واما عند وجوده اذا خاف فوتها فانما تجوز به الصلوة علی جنازة أخری اذا لم یکن بینهما فاصل.

ولما في ردالمختار:(۱/۲۴۵،طبع سعيد)

(قوله أوسجدة تلاوة)أي فتصح الصلاة بالتيمم لها عند عدم الماء،واما عند وجوده فلا يصح التيمم لها لما علمت من انها تفوت الى بدل.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شعیب پشاوری

یکم ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۵۲

﴿وضو کے بعد تھوڑی سی جگہ خشک رہ جانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ میں وضو کر کے جماعت میں شامل ہونے کے لئے صف میں پہنچا تو مجھے یاد آیا کے میں نے جو انگوٹھی پہنی ہے وہ خاصی تنگ ہے اور دوران وضو میں نے اسکو ہلا کر پانی نہیں پہنچایا تو میں نے انگلی کے ارد گرد لگی ہوئی تری اس پر مل دی اور جماعت میں شریک ہو گیا،سوال یہ ہے کہ اسطرح کرنے سے میرا وضو ہو گیا؟اوراس وضو سے پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی:محمد نبیل

﴿جواب﴾ وضو میں اعضاء وضو پر اسطرح پانی بہانا کہ بال برابر جگہ خشک نہ رہے یہ ضروری ہے،آپ نے اسی عضو کی تری کو باقی ماندہ خشک جگہ پر مل دیا تو وضو کی کمی پوری ہو گئی بشرطیکہ تری پانی کی صورت میں تھی صرف گیلا پن کافی نہیں ہے اس وضو سے پڑھی ہوئی نماز بھی درست ہے۔

لما في الشامي:(۱/۱۵۱ طبع سعيد)

(صح نقل بلة عضو الى)عضو(آخر فيه)بشرط التقاطر(لافي الوضوء)ان البدن كله كعضو واحد.

وفي الشامية:(قوله الى عضو آخر)مفاده انه لو اتحد العضو صح في الوضوء ايضا كما صرح به القهستاني.

ولما في القهستانيج:(۱/۴۰،طبع سعيد)

واعلم ان نقل البلل من عضو الى عضو عند ارسال الماء يجوز في الغسل لافي الوضوء، ويجوز نقله من عضو اليه في كليهما.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۵۴۱

﴿گردن سمیت گلے پر مسح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ وضو کرتے ہوئے گردن پر مسح کرنے کے ساتھ گلے پر بھی مسح کر جاتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ گلے پر مسح کرنے کو فقہاء کرام نے بدعت لکھا ہے، لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲۲۸/۱،طبع امدادیه)

ومسح رقبة بظهر يديه لاالحلقوم لانه بدعة.وفي الشامية:(قوله لانه بدعة)اذلم يرد في السنة.

ولمافي الهندية:(۸/۱،طبع رشيديه)

(والثاني مسح الرقبة)وهوبظهر اليدين وأمامسح الحلقوم فبدعة كذافي البحرالرائق)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم:صلاح الدین چترالی

۹ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۲۷۸

﴿پاؤں کی پھٹن میں دوا بھرنے کے بعد وضو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سردی یا بیماری کی وجہ سے پاؤں کی پھٹن میں دوائی بھر دی ہے وضو کرتے ہوئے پانی پاؤں کی پھٹن میں نہیں پہنچتا اب وضو کا کیا حکم ہے؟ دوائی ہٹا کر وضو کرے یا بغیر ہٹائے؟ مستفتی:عبدالعزیز

﴿جواب﴾ پھٹن میں دوا بھرنے کے بعد وضو کرتے ہوئے اس پر پانی بہانا کافی ہے دوا ہٹا کر وضو کرنے کی ضرورت نہیں البتہ بہتر یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد دوا لگائی جائے۔

لمافي الدرالمختار مع رد المحتار:(۲۱۷/۱طبع امدادیه)

في أعضائه شقاق غسله ان قدر والا مسحه والا تركه ولوبيده.وفي الشامية:ولوكان في رجله شقاق فجعل فيه الدواء يكفيه امرارالماء فوقه ولا يكفيه المسح.

ولمافي خلاصة الفتاوى:(۲۳/۱طبع رشيديه)

لوجعل الشحم في شقاق الرجل وغسل رجله ولم يصل الماء اليه جازان كان يضره ايصال الماء اليه وان خرزه جاربكل حال.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ والله اعلم:صلاح الدین چترالی

۱۵ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۳۱۶

﴿آنکھوں کے اندر لینسز وضو اور غسل کیلئے مانع نہیں﴾

﴿سوال﴾ لینسز (نظر وغیرہ کے شیشے جو بجائے عینک کے آنکھوں کے اندر ڈالے جاتے ہیں) کے ہوتے ہوئے وضوء غسل وغیرہ درست ہے؟

﴿جواب﴾ ضرورت کی وجہ سے اگر جسم میں کوئی چیز لگائی ہے اور اسکے اتارنے میں حرج ہو (مثلاً مصنوعی دانت یا دانت پر چاندی کا خول وغیرہ لگایا ہو) تو اس جگہ پانی پہنچانا وضوء، غسل وغیرہ میں ضروری نہیں ہوتا جبکہ آنکھوں میں تو ویسے بھی غسل اور وضوء میں پانی پہنچانا ضروری نہیں، لہٰذا لینسز کی وجہ سے وضوء اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لمافی الجوهرة النيرة:(۱۰/۱، طبع میر محمد)

(قوله يلحقه حكم التطهير) يعني يجب تطهيره في الحدث أو الجنابة حتى لو سال الدم الى ما لان من الانف نقض الوضوء، بخلاف ما اذا نزل البول الى قصبة الذكر لانه لا يلحقه حكم التطهير واحترز بقوله حكم التطهير عن داخل العينين وباطن الجرح و قصبة الانف وانما لم يقل يلحقه التطهير لانه لو قال ذلك دخل تحته باطن العين و باطن الجرح لانه لا يستحيل تطهيره لان حقيقة التطهير فيه ممكنة واما حكمه فقد رفعه الشارع للضرورة.

ولمافی التنوير مع الدر:(۱۵۲/۱، طبع سعید)(لا) يجب (غسل ما فيه حرج كعين)

وفي الشامي:(قوله كعين) لان في غسلها من الحرج ما لا يخفى لانها شحم لا تقبل الماء. الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۵۷

﴿وضوء کی تری کو خشک کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ وضوء کے بعد وضو کی تری کو رومال وغیرہ سے صاف کرنے کو مکروہ کہتے ہیں کیا انکا یہ کہنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ وضوء کے بعد وضوء کی تری کو رومال وغیرہ سے صاف کرنا جائز ہے ان لوگوں کا یہ کہنا کہ "رومال وغیرہ سے صاف کرنا مکروہ ہے" درست نہیں۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲۶۳/۶،طبع سعید)

(لا)یکرہ(خرقة لوضوء)بالفتح بقیة بلله.

وفی الشامیة :(قوله لا یکره خرقة الخ)هذا هو ما صححه المتأخرون لتعامل المسلمین،وذکر فی غایة البیان عن أبی عیسی الترمذی أنه لم یصح فی هذا الباب شئی أی من کراهة أو غیرها وقد رخص قوم من الصحابة ومن بعدهم التمندل بعد الوضوء،وتمامه فیه ثم هذا فی خارج الصلاة لما فی البزازیة،وتکره الصلاة مع الخرقة التی یمسح بها العرق، ویؤخذ بها المخاط لا لأنها نجسة،بل لأن المصلی معظم والصلاة علیها لا تعظیم فیها.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۳۱۴

﴿وضوء پر وضوء کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی باوضو ہے دوبارہ وضو کرنا چاہتا ہے تو یہ عمل اسراف تو نہ ہوگا؟

﴿جواب﴾ باوضو آدمی کے لئے دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایسے شخص کو دس نیکیاں ملتی ہیں لیکن اگر دوسری مرتبہ کے بعد تیسری مرتبہ پھر وضو کرتا ہے تو یہ عمل اسراف ہوگا، ہاں اگر دوسرے وضو سے کوئی عبادت مقصود دکیا ہو تو پھر تیسری بار وضو کرنا بھی مستحب ہوگا۔

لمافی ردالمحتار:(۲۲۱/۱،طبع امدادیه)

لکن یرد مافی شرح المنیة الکبیر حیث قال ... لکن ذکر سیدی عبدالغنی النابلسی ان المفهوم من اطلاق الحدیث مشروعیته، ولو بلا فصل بصلاة او مجلس آخر ولا اسراف فیما هو مشروع، اما لو کرره ثالثا او رابعا فیشترط لمشروعیته الفصل بما ذکر، والا کان اسرافا محضا.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :محمد قذافی

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۵۶

﴿وضوء کے بچے ہوئے پانی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ کیا وضوء کے آداب میں سے یہ آتا ہے کہ وضوء کا بچا

ہوا پانی پیا جائے اسی طرح کیا ٹونٹی سے وضوء کرتے ہوئے بھی باقی پانی پینا وضوء کے آداب کو شامل ہے؟

مستفتی: محمد اسحاق صاحب نارتھ کراچی

﴿جواب﴾ وضوء کے بعد کھڑے ہوکر پانی پینا سنت سے ثابت ہے لہٰذا یہ مستحب عمل ہے، وضوء لوٹے سے ہو، ٹونٹی سے یا حوض وغیرہ سے اسکے بعد اتباع سنت کے ارادہ سے جو شخص پانی پئے گا بلاشبہ، اسکی فضیلت بھی پائیگا۔

لما فی سنن النسائی: (۱/۳۳، طبع قدیمی)

عن ابی حیة قال رایت علیاً توضأ ثلاثاثلاثاثم قام فشرب فضل وضوئه وقال صنع رسول الله ﷺ کما صنعت.

ولما فی الشامی: (۱/۱۲۹، طبع سعید)

(قوله وان یشرب بعده من فضل وضوئه) بقی شئ وهو أن الشرب من فضل الوضوء فیما لوتوضامن اناء کابریق مثلاً، امالوتوضامن نحوحوض فهل یسمی مافیه فضل الوضوء فیشرب منه اولا؟ فلیحرر هذا وفی الذخیرة عن فتاوی أبی اللیث الماء الموضوع للشرب لا یتوضابه مالم یکن کثیراً، والموضوع للوضوء یجوز الشرب منه ثم نقل عن ابن الفضل انه کان یقول با لعکس، فعلی هذا هل له الشرب من فضل الوضوء لا نه من توابعه ام لا؟ والظاهر الأول. تأمل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　والله اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زئی

۱۱ جمادالثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۲۷۶

﴿حضور ﷺ ایک مُد "۷۹۶.۰۶۸ گرام" پانی سے وضوفرماتے تھے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حضور ﷺ عام طور پر وضو میں کتنا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے؟

مستفتی حاجی ابراہیم صاحب شاہ حسن خیل

﴿جواب﴾ حضور ﷺ عام طور پر وضو میں ایک مد پانی استعمال فرماتے تھے، جوکہ (۲۶۰ درھم) کے برابر ہے، جس کا وزن بحساب تولہ (۶۸ تولہ اور ۳ ماشہ) ہے اور رائج الوقت اوزان کے مطابق (۷۹۶.۰۶۸ گرام) بنتا ہے۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۳۳،طبع قدیمی)

حد ثنا ابونعیم قال حد ثنا مسعر قال حد ثنی ابن جبیر قال سمعت انسا یقول کان النبی صلی الله علیه وسلم یغسل اوکان یغتسل بالصاع الی خمسة امداد ویتوضا بالمد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۲۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

واللہ اعلم بالصواب: نثارمحمود کوہاٹی فتویٰ نمبر:۲۰۷۹

﴿دورانِ وضو گفتگو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران وضو بات چیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی:شیراحمد

﴿جواب﴾ دوران وضو بلا ضرورت کے گفتگو کرنا مکروہ ہے البتہ کوئی ضروری بات ہوتو اسکی گنجائش ہے۔

لمافی حاشیة الطحطاوی:(۱/۳۵،طبع قدیمی)

ویکره التکلم بکلام الناس مالم یکن لحاجة تفوته بترکه قاله ابن امیرحاج لانه یشغله عن الادعیة ولاجل تخلیص الوضوء من شوائب الدنیالانه مقدمة العبادة وذکر بعض العارفین أن الاستحضارفی الصلاة یتبع الاستحضارفی الوضوروعدمه فی عدمه.

ولمافی التنویرمع الدر:(۱/۲۵۰،طبع امدادیه)

وعدم التکلم بکلام الناس الالحاجة تفوته.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ ۲ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی فتویٰ نمبر:۳۶۲

﴿کانوں کے مسح کا مسنون طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کانوں کا مسح شہادت کی انگلیوں سے کرنا چاہیئے یا چھنگلیوں سے کرنا چاہیئے؟

مستفتی:شہروز صاحب

﴿جواب﴾ ابن ماجہ نے حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے کانوں کا مسح فرمایا اس طور

پر کہ شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے اندر کا مسح فرمایا اور انگوٹھوں سے کانوں کے باہر کا مسح فرمایا اسی طرح حلوانیؒ اور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ چھنگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں داخل کرے اور حرکت دے اور فرمایا کہ اسی طرح حضور پاک ﷺ نے کیا ہے فقہاء نے پہلی حدیث کو سنت پر محمول کیا ہے اور دوسری کو استحباب پر۔

لمافی فتح القدیر:(۱/۲۷،طبع رشیدیہ)

(قوله ومسح الاذنين)عن الحلواني وشيخ الاسلام يدخل الخنصر في اذنيه ويحركهما كذا فعل رسول الله ﷺ انتهى والذى فى ابن ماجه باسناد صحيح عن ابن عباسؓ انه ﷺ مسح اذنيه فادخلهما السباحتين وخالف ابهاميه الى ظاهر اذنيه فمسح ظاهرهما وباطنهما.

ولمافی ردالمحتار:(۱/۲۲۳-۲۲۹،طبع امدادیہ)

قوله(واذنيه)اى باطنهما بباطن السبابتين وظاهرهما بباطن الابهامين قهستاني...... ومن آدابه ادخال خنصره المبلولة صماخ اذنيه عند مسحهما.

ولمافی الهندية:(۱/۷،طبع رشیدیہ)

ويمسح ظاهرالاذنين بباطن الابهامين وباطن الاذنين بباطن السباحتين كذافي السراج الوهاج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد عبداللہ چارسدوی

۱۶محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۳۲

﴿پلاسٹک سرجری کروانے سے وضوء اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بعض عورتیں چہرے کی پلاسٹک سرجری کرواتی ہیں، بتاتے ہیں کہ چہرہ پر ایک زائد چیز جلد نما جیلی لگاتے ہیں تو ایسی صورت میں وضوء اور غسل کا کیا حکم ہے؟

مستفتیہ: متعلمہ جامعہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ پلاسٹک سرجری میں ہماری معلومات کے مطابق کوئی زائد چیز نہیں لگائی جاتی، اور اگر لگائی بھی جاتی ہے جیسا کہ آپکے علم میں ہے تو بھی غسل اور وضوء کیلئے مانع نہیں ہے، اسلئے کہ جو چیز جسم کیساتھ پوری طرح پیوست ہو کر اس کا حصہ بن جائے اور اسکا دور کرنا مشکل ہو جیسے دانت کا خول وغیرہ تو وضوء اور غسل میں اسی کے اوپر پانی بہانا کافی ہوتا ہے دور کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

لما في الشامي:(۱/۱۵۲،طبع سعيد)

ويجب أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة كاذن وسرة وشارب وحاجب واثناء لحية وشعر رأس ..... لا يجب غسل ما فيه حرج كعين وان اكتحل بكحل نجس وثقب انضم (وان انضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال ان أمر عليه الماء يدخله وان غفل لا ،فلا بد من امراره ولا يتكلف لغير الامرار من ادخال عود ونحوه فان الحرج مدفوع)

ولما في حلبي كبير:(ص۴۸،طبع سهيل اكيڈمی)

امرأة اغتسلت هل تتكلف في ايصال الماء الى ثقب القراط ام لا،قال تتكلف فيه كما تتكلف في تحريك الخاتم،ان كان ضيقا،والمعتبر فيه غلبة الظن بالوصول ان غلب على ظنها ان الماء لا يدخله الا بتكلف تتكلف وان غلب انه وصله لا تتكلف سواء كان القرط فيه ام لا ..... الخ.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :محمد ادریس چارسدوی

۲۷ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر: ۱۵۰۰

﴿بیسن سے وضو کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں آج کل گھروں میں بیسن لگے ہوئے ہیں اور لوگ کھڑے ہو کر بیسن سے وضو کر لیتے ہیں کیا اس طرح وضو ہو جاتا ہے، نیز اس وضو کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ بیسن سے کھڑے ہو کر وضو کیا جاتا ہے اور کھڑے ہو کر وضو کرنا آداب وضو کے خلاف ہے، اس لئے کہ آداب وضو میں سے ہے کہ کسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرے اور وضو میں آداب کی رعایت نہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، پس بیسن سے وضو ہو جاتا ہے لیکن ادب کی رعایت نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اس کا معمول نہیں بنانا چاہیئے، ہاں بعض لوگوں کیلئے بیٹھ کر وضو کرنا دشوار ہوتا ہے ایسے لوگ معذور کے حکم میں ہیں ان کا وضو مکروہ نہیں ہے۔

لما في الدر المختار:(۱/۲۵۰،طبع امدادیه)

ومن آدابه ..... الجلوس في مكان مرتفع تحرزا عن الماء المستعمل وعبارة الكمال وحفظ ثيابه من المتقاطر وهي اشمل.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص ۳۱،طبع قدیمی)

من آداب الوضوء......الجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الغسالة.

ولما فی الشامی:(۱/۲۴۶-۲۴۸،طبع امدادیہ)

وهو المختار من عدم الفرق بين المستحب والمندوب والادب كما فی حاشية نوح أفندی علی الدر......وقدمنا ان ترك المندوب مكروه تنزيها.

وكذا فی النهر الفائق: (۱/۵۰،طبع قدیمی)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق غفرلہ

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:

﴿کیا وضوء اور غسل میں مصنوعی دانتوں کے نیچے پانی پہنچانا ضروری ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مصنوعی دانت لگوائے تو وضو اور غسل کے دوران انکے نیچے پانی پہنچانا ضروری ہے؟ مستفتی: رشید صاحب

﴿جواب﴾ مصنوعی دانت اگر مستقل طور پر لگوائے جائے اور انکا ہٹانا متعذر ہو یا آسانی نہ ہٹائے جا سکتے ہوں تو وضو اور غسل کے دوران انکے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۴،طبع سعید)

(ولا يمنع) الطهارة (ونيم) ای خرء ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه (به يفتی)

وفی الشامية:(قوله به يفتی) صرح به فی المنية عن الذخيرة فی مسئلة الحناء والطين والدرن معللا بالضرورة والظاهر ان هذه الاشياء تمنع الاسالة فالاظهر التعليل بالضرورة.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۴۶،طبع سہیل اکیڈمی)

واما فرائض الغسل فالمضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن الی ان قال الا ما تعذر ايصال الماء اليه حقيقة او حكما للحرج.

ولما فی الهندية:(۱/۱۳،طبع رشیدیہ)

ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع كذا فی الظهيرية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ریاض الرحمٰن

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۰۶۱

﴿جس کے ہاتھ، پاؤں کٹے ہوئے ہوں وہ وضوء کیسے کرے؟﴾

﴿سوال﴾ اگر کسی شخص کا ہاتھ سرے سے کٹا ہوا ہو یا پاؤں کٹا ہوا ہو تو وہ وضوء کیسے کرے؟

﴿جواب﴾ ہاتھ یا پاؤں سرے سے کٹا ہوا ہے تو اس کے دھونے کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے، باقی اعضاء دھونے سے اس کا وضو مکمل ہو جائے گا، البتہ اگر ہاتھ کہنی تک، پاؤں ٹخنے تک کٹ گیا ہو تو اس کٹی ہوئی جگہ کا دھونا بھی ضروری ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۱۰۲،طبع سعید)

(ولو قطع الخ)قال فی البحر:ولوقطعت یده اورجله فلم یبق من المرفق والکعب شئ سقط الغسل،ولوبقی وجب.اھ.وھکذافی الفتح:(۱/۱۳،طبع رشیدیه)

ولمافی البحر:(۱/۱۳،طبع سعید)

ولوقطعت یده اورجله فلم یبق من المرفق والکعب شئ سقط الغسل ولوبقی وجب ملخصاوھکذافی الهندیة:(۱/۵،طبع رشیدیه)

ولمافی التاترخانیة:(۱/۷۰،طبع قدیمی)

ولوقطعت رجله من الکعب وبقی النصف من الکعب یفترض علیه غسل مابقی من الکعب اوموضع القطع ،وان کان القطع فوق الکعب اوفوق المرفق لم یجب غسل موضع القطع.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد شمس

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۶۵

﴿وضوء میں اعضاء کو تین مرتبہ سے زائد دھونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت وضوء کرتے وقت اپنے اعضاء کو آٹھ آٹھ مرتبہ دھوتی ہے، عورتوں نے انکو منع کیا کہ وضو میں اعضاء کو تین مرتبہ سے زائد دھونا جائز نہیں ہے لیکن وہ کہتی ہے کہ میں زیادہ اس لئے دھوتی ہوں تا کہ مجھے زیادہ ثواب مل جائے آپ سے درخواست ہے کہ اس عورت کا یہ نظریہ کس حد تک درست ہے؟

﴿جواب﴾ وضو میں صرف تین مرتبہ اعضاء کو دھونا سنت ہے، مذکورہ نظریہ کہ زیادہ دھونے

میں ثواب ہے خلاف سنت اور گناہ ہے، البتہ اگر اس نظریہ سے نہ ہو صرف اطمینان کیلئے تین مرتبہ سے زیادہ دھولیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لما فی الهداية:(۱/ ۲۱،طبع رحمانيه)

وتكرار الغسل الى الثلث لان النبى ﷺ توضأمرة مرة وقال هذا وضوء لايقبل الله تعالى الصلاة الا به وتوضاء مرتين مرتين وقال هذا وضوء من يضاعف الله له الاجر مرتين وتوضاء ثلاثا ثلاثا وقال هذا وضوئى ووضوء الانبياء من قبلى فمن زاد على هذا أونقص فقد تعدى وظلم والوعيد لعدم رويته سنة.وفتح القدير:(۱/ ۲۷،طبع رشيديه)

ولما فى حلبى كبير:(ص ۲٦،طبع سهيل اكيڈمى)

ثم غسل رجليه ثلاثا ثلاثا ثم قال هكذا الوضوء فمن زاد على هذا او نقص فقد اساء وظلم وفى لفظ لابن ماجة تعدى وظلم وللنسائى اساء وتعدى وظلم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ | فتویٰ نمبر: ۱۳۴۹

﴿وضوء کے لئے واٹر پروف میک اپ کا اتارنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسا میک اپ جو پانی کا اعضائے وضو تک پہنچنے میں مانع نہ ہو تو کیا ایسا میک اپ اتارے بغیر وضو کرنے سے وضو ہو جائے گا؟

مستفتیہ: معلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ جو میک اپ وضو کے اعضاء تک پانی پہنچنے میں مانع نہ ہو تو اسے اتارے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے۔

لما فى التاتارخانية ۱/ ۶۷،طبع: قديمى

"وهل يجب ايصال الماء الى ماتحت الاظافير؟ قال الفقيه ابوبكر: يجب ايصال الماء الى ماتحته حتى ان الخباز اذا توضأ وفى اظفاره عجين".

ولما فى الهندية ۱/ ۴،طبع: رشيديه

"وماتحت الاظافير من اعضاء الوضوء حتى لو كان فيه عجين يجب ايصال الماء الى ماتحته كذا فى الخلاصة والخضاب اذا تجسد ويبس يمنع تمام الوضوء.

والغسل كذافي السراج الوهاج ناقلا عن الوجيز".

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین فلکتی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ فتوی نمبر: ۳۶۳۹

﴿ناخن پالش کے ساتھ وضوء اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے ملک میں اکثر مستورات ناخن پالش استعمال کرتی ہیں ناخنوں پر پالش ہوتے ہوئے وضوء اور غسل ہوجائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ہماری معلومات کے مطابق ناخن پالش دو طرح کی استعمال ہوتی ہے ایک تو صرف رنگ چھوڑنے والی پالش ہے اس کا کوئی استر نہیں ہوتا چونکہ صرف رنگ پانی کی سرایت کیلئے مانع نہیں ہے، اس لیے ایسی پالش کے ساتھ وضوء اور غسل ہوجائے گا جبکہ دوسری قسم وہ ہے، جسکا باقاعدہ استر ہوتا ہے اور وہ پانی کی سرایت کیلئے مانع ہوتا ہے، ظاہر بات ہے جب پانی نہیں پہنچے گا تو وضوء اور غسل درست نہیں ہوگا، لہٰذا ایسی پالش استعمال نہ کریں یا وضوء اور غسل سے پہلے اس کے استر کو دور کرنے کا بندوبست کریں، رنگ خواہ باقی رہے لیکن استر دور کرنا ضروری ہے۔

لما في الهندية:(۱/۴،طبع رشيديه)

في فتاوى ماوراء النهران بقي من موضع الوضوء قدر رأس ابرة اولزق بأصل ظفره طين يابس اورطب لم يجز.

ولما في الفتاوى التاتارخانية:(۱/۱۶،طبع قديمی)

وهل يجب ، ايصال الماء الى ماتحت الأظافير؟قال الفقيه ابوبكر:يجب ، ايصال الماء الى ماتحته حتى ان الخباز اذاتوضأوفي اظفاره عجين اوالطيان اذاتوضأوفي اظفاره طين يجب ، ايصال الماء الى ماتحته.

ولما في نور الايضاح:(ص ۲۱،طبع قديمی)

ولو انضمت الاصابع اوطال الظفر فغطى الأنملة او كان فيه مايمنع الماء كعجين وجب غسل ماتحته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث وادی سواتی

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر ۱۰۶۷

﴿پٹی پر مسح کرنے کیلئے جراب اتارنا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاؤں کے تلوے میں زخم تھا جس پر اس نے پٹی باندھی اور اس پر جراب پہنا اب چونکہ جراب نکالنے میں اسکو بہت تکلیف ہوتی ہے تو اس صورت میں یہ شخص کیا کرے جراب پر مسح کرے یا مسح ہی چھوڑ دے؟ جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

مستفتی: مولانا صابر صاحب

﴿جواب﴾ زخم کیوجہ سے پانی ڈالنا اگر منع ہے تو مسح کرنے کا حکم ہے اور مسح کرنے میں بھی زخم کو نقصان پہنچنے کا اگر اندیشہ ہو تو زخم پر پٹی باندھکر پٹی کے اوپر مسح کرنے کا حکم ہے۔ پٹی کے اوپر جراب پہننے کی ضرورت نہیں ہوتی اگر پہن لیا ہے تو مسح کیلئے جراب نکالنا ضروری ہے۔ البتہ جراب پہننا بھی اگر ضروری ہو اور نکالنے میں سخت دشواری ہو تو ایسی صورت میں جراب بھی پٹی کا حصہ شمار ہوگا اس لئے جراب کے اوپر مسح کرنا کافی ہوگا۔

لما فی التنویر مع الدر والرد(۱/۲۸۰،۲۸۱ سعید)

(ویمسح)نحو(مفتصد وجریح علی کل عصابة)مع فرجتها فی الاصح(ان ضره)الماء (اوحلها)ومنه ان لایمکنه ربطها بنفسه ولایجد من یربطها(قوله ان ضره الماء)ای الغسل به او المسح علی المحل (قوله اوحلها)ای ولوکان بعد البرء بأن التصقت بالمحل بحيث يعسر نزعها،لكن حينئذ على الملتصق ويغسل ماقدر على غسله من الجوانب كمامر، ثم المسألة رباعية كما اشار اليه فی الخزائن،لانه ان ضره الحل يمسح ،سواء ضره ايضا المسح على ماتحتها اولا ،وان لم يضره الحل،فاماأن لايضره المسح ايضا فيحلها ويغسل مالايضره ويمسح مايضره ،واماأن يضره المسح فيحلها ويغسل كذلك ثم يمسح الجرح على العصابة ،اذالثابت بالضرورة يتقدر بقدرها.

ولمافی فتح القدیر(۱/۱۲۱ مطبع رشیدیة)

واذا زادت الجبيرة على نفس الجراحة فان ضره الحل والمسح مسح على الكل تبعا مع القرحة وان لم يضراه غسل ماحولها ومسحها نفسها ،وان ضره المسح لاالحل يمسح على الخرقة التی على رأس الجرح ويغسل ما حوله تحت الخرقة الزائدة اذالثابت بالضرورة يتقدر بقدرها ،ولم ارلهم ما اذاضره الحل لاالمسح لظهورانه حينئذيمسح على الكل.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

فتویٰ نمبر ۳۹۵۸

﴿انگلیوں میں خلال کب کرنا چاہیے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وضوء کے دوران انگلیوں میں خلال کب کرنا چاہیے؟ مستفتی: فاروق شاہ سواتی

﴿جواب﴾ ہاتھ کی انگلیوں کا خلال ہاتھ دھوتے وقت اور پیر کی انگلیوں کا خلال پیر دھوتے وقت کرنا چاہیے۔

لمافی التاتار خانية:(۱/۸۱،طبع قدیمی)

والتخليل انمايكون بعدالتثليث وتخليل الاصابع بعدايصال الماء اليهاسنة......الخ.

ولمافی التنویرمع الدر:(۱/۱۱۷،طبع سعید)

(و)تخليل (الاصابع)اليدين بالتشبيك والرجلين بخنصريده اليسرى بادئا بخنصررجله اليمنى الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۵۱

﴿باب المسح على الخفين﴾

﴿موزوں پر مسح کے احکام﴾

﴿موزوں کی تعریف اور حکم﴾

﴿سوال﴾ موزے اور جراب کی کیا تعریف ہے؟ کیا ہر قسم جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے جیسا کہ مغیرہؓ ابن شعبہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے خواہ وہ سوتی ہوں، اونی یا نائیلون کے بنے ہوئے ہوں جو آجکل رائج ہیں، اور چونکہ حدیث کے اندر کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے تو فقہاء نے جو قیدیں لگائی ہیں ان کا کوئی ثبوت ہے؟

﴿جواب﴾ جراب سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، ایسے موزوں پر دونوں طرف چمڑا بھی چڑھا ہوا ہو تو اس کو "مجلد" کہتے ہیں اور اگر صرف نچلے حصے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو "منعل" کہتے ہیں اور اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں تو ایسے موزوں کو

"خفین" کہتے ہیں۔

ان تینوں قسموں پر مسح بالاتفاق جائز ہے اور اگر جرابیں مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہوں یعنی سوتی، اونی یا نائیلون کی جرابیں ہوں جو آج کل رائج ہیں تو ان پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔

البتہ عام رائج جرابوں کے علاوہ کوئی خاص جراب ہو جس کو فقہاء کرام نے "ثخینین" سے تعبیر کیا ہے تو ایسی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے لیکن "ثخینین" میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) شفاف نہ ہوں یعنی اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچے (۲) اتنی گاڑھی اور موٹی ہوں کہ بغیر جوتے ان کو پہن کر تین میل چلے تو نہ پھٹیں (۳) ایسی موٹی اور سخت ہوں کہ بغیر باندھے پہنا جائے تو نہ گرے۔

باقی رہی یہ بات کہ فقہاء نے جو کپڑے وغیرہ کی جرابوں میں قیدیں لگائی ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں لگائی بلکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے سورۃ مائدہ میں وضوء کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں پاؤں کو دھونے کا حکم دیا ہے نہ کہ ان پر مسح کرنے کا، لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وضو میں پاؤں ہمیشہ دھوئے جائیں اور ان پر مسح کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو لیکن چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں متواتر صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں بعض حضرات نے اس حدیث کے روایت کرنے والے صحابہ کو شمار کیا تو (۸۰) اسی سے متجاوز تھے جن میں عشرہ مبشرہؓ بھی شامل ہیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: بدائع الصنائع: (۱/ ۷، طبع سعید)

ادركت سبعين بدريا من الصحابة كلهم كانوا يرون المسح على الخفين.

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے اور اس قسم کی احادیث سے قرآن کریم کی کسی حکم کی تخصیص کی جا سکتی ہے چونکہ عربی زبان میں "خف" چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں کپڑے کے موزوں کو "خف" نہیں کہا جاتا، اس لئے یہ اجازت صرف چمڑے کے موزوں کے ساتھ خاص رہے گی، جرابوں کو یہ حکم شامل نہیں ہے۔

البتہ جراب اتنی ثخین (موٹی) ہوں کہ وہ اپنی خصوصیات اور اوصاف میں چمڑے کے ہم پایا ہوگئی ہوں یعنی نہ تو ان میں پانی چھنتا ہو نہ انہیں کھڑا رکھنے کے لئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہو اور ان کو پہن کر میل دو میل چل سکتے ہوں تو جرابوں کو موزوں پر قیاس کرتے ہوئے ائمہ حضرات نے ان کو بھی موزوں کا حکم دیا ہے اور ان پر مسح کو جائز قرار دیا ہے، باقی جن روایات سے عام جرابوں پر مسح کرنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے وہ سب ضعیف ہیں یا خبر واحد ہیں جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی ہے، چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت جس کو امام ترمذی نے ذکر کیا ہے محدثین کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے امام ابوداؤد، یحیٰی ابن معین، علی بن المدینی اور عبد الرحمٰن مہدی جیسے ائمہ حدیث سے اس کی تضعیف منقول ہے اور ضعف کی وجہ ابوقیس اور ہزیل بن شرحبیل ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں اور ضعیف حدیث کے ذریعہ فرض حکم میں تغیر و تبدل جائز نہیں ہے۔

لما في اعلاء السنن: (۱-۲/۲۲۳، طبع دار الكتب العلمية)

قال النسائي في سننه الكبرى لانعلم احدا تابع اباقيس على هذه الرواية، والصحيح عن المغيرة ان النبي ﷺ مسح على الخفين وذكر البيهقي حديث المغيرة هذا وقال انه حديث منكر ضعفه السفيان الثوري وعبد الرحمن بن مهدي واحمد ابن حنبل ويحيى ابن معين وعلي ابن المديني ومسلم ابن الحجاج والمعروف عن المغيرة حديث المسح على الخفين وقال النووي كل واحد من هؤلاء لوانفرد قدم على الترمذي مع ان الجرح مقدم على التعديل، قال واتفق الحفاظ على تضعيفه ولايقبل قول الترمذي انه حسن صحيح وذكر البيهقي في سننه ان ابامحمد يحيى ابن منصور قال رأيت مسلم بن حجاج ضعف هذا الحديث.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۵۶

﴿جرابوں پر موزے پہن کر مسح کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے متعلق کہ اگر جرابوں کے اوپر موزے پہن لیے جائیں تو ان موزوں پر مسح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح اگر جرابوں کے اوپر جوتے نما

موزے جن سے مکمل پاؤں نہیں چھپتے پہن کر مسح کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔
مستفتی. حاجی محمد ادریس باقر صاحب

﴿جواب﴾ ٹخنوں سمیت پیر کو چھپانے والے موزے ہوں نیچے جرابیں ہوں یا نہ ہوں ہر دونوں صورتوں میں ان پر مسح جائز ہے رائج جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے اگر چہ ان کے اوپر جوتے نما چمڑے کے موزے بھی پہن لیے ہوں اس لیے کہ ایسے موزوں میں قدم کا کچھ حصہ بغیر موزے کے رہتا ہے حالانکہ پیر کا وہ حصہ جس کا دھونا فرض ہے موزے کے نیچے چھپا ہوا ہونا ضروری ہے جرابوں سے چھپا ہوا ہونا کافی نہیں ہے جراب کے اوپر سے پانی باسانی پیر تک پہنچ جاتا ہے. البتہ جراب خوب سخت اور موٹے ہوتے اور جوتا نما موزے جرابوں کے ساتھ سلے ہوئے ہوتے یا بذریعہ گوند وغیرہ چپٹے ہوئے ہوتے یہاں تک کہ موزے جراب کا حصہ بن جاتے تو ایسی جراب منعل کہلاتی ہیں اوران پر بھی مسح جائز ہوتا ہے. لیکن رائج جرابوں پر جوتا نما نصف موزہ پہننا مسح کے جواز کے لیے کافی نہیں ہے اس طرح کے موزوں پر مسح کر کے کسی نے نماز پڑھی ہو تو نماز کا لوٹانا ضروری ہے۔

لما ں الرد المختار ۲۶۹/۱ طبع سعید)

(قوله أو لفافة)ای كانت ملفوفة على الرجل تحت الخف أو كانت مخيطة ملبوسة تحته كما أفاده فى شرح المنية (قوله ولا اعتبار بما فى فتاوى الشاذى)بالذال المعجمه على ما رأيته فى النسخ لكن الذى رأيته بخط الشارح فى خزائن الاسرار بالدال المهمله ثم الذى فى هذه الفتاوى هو ما نقله عنها فى شرح المجمع من التفصيل وهو ان ما يلبس من الكرباس المجرد تحت الخف يمنع المسح على الخف لكونه فاصلا وقطعة كرباس تلف على الرجل لا تمنع لانه غير متصود باللبس وقد اطال فى رده فى شرح المنية والدرر والبحر لتمسك جماعة به من فقهاء الروم قال ح وقد اعتنى يعقوب باشا بتحقيق هذه المسئله فى كراسة مبنيا للجواز لما سأله السلطان سليم خان

ولما فى البحر الرائق ۱۸۲،۱۸۱/۱ طبع سعید)

ونقل من فتاوى الشاذى ان ما يلبس من الكرباس المجرد تحت الخف يمنع المسح على الخف لكونه فاصلا وقطعة كرباس تلف على الرجل لا يمنع لانه غير متصود باللبس لكن يفهم مما ذكر فى الكافى انه يجوز المسح عليه لان الخف الغير الصالح للمسح اذا لم يكن فاصلا فلأن لايكون الكرباس فاصلا اولى .وقد وقع فى عصرنا

بين فقهاء الروم بالروم كلام كثير في هذه المسئله فمنهم من تمسک بما في فتاوى الشاذي وافتى بمنع المسح على الخف الذي تحته الكرباس ورد على ابن الملك في عزوه للكافي اذالظاهر انه المراد به كافي النسفي ولم يوجد فيه ، ومنهم من افتى بالجواز وهو الحق لما قدمناه عن غاية البيان

وفي حاشية البحر .(قوله ونقل من فتاوى الشاذي الخ)قال العلامه ابراهيم الحلبي شارح المنية ثم تعليل أئمتنا ههنا بان الجرموق بدل عن الرجل الخ يعلم منه جواز المسح على خف لبس فوق مخيط من كرباس أو جوخ أو نحوهما مما لا يجوز المسح عليه لان الجرموق اذا كان بدلا عن الرجل وجعل الخف مع جواز المسح عليه في حكم العدم فلان يكون الخف بدلا عن الرجل وجعل ما لا يجوز عليه المسح في حكم العدم أولى كما في اللفافة .

ولما في تنوير الابصار ۲۶۱/۱ طبع سعيد)

(شرط مسحه ثلاثة امور)الاول. (كونه ساترا)محل فرض الغسل (القدم مع الكعب) أو يكون نقصانه اقل من الخرق المانع.

ولمافي البحر الرائق ۱۸۰/۱ طبع سعيد)

ذكر قاضيخان في فتاواه ثم الخف الذي يجوزالمسح عليه ما يكون صالحاً لقطع المسافةوالمشي المتتابع عادةويستر الكعبين وما تحتها وما لبس كذلک لا يجوز المسح عليه .

ولما في الفقه الاسلامي ۳۸۱/۱ طبع سعيد)

ان يكون الخف طاهرا ساترا لمحل المفروض غسله في الوضوء وهو القدم بكعبيه من سائر الجوانب لا من الاعلى فلا يجوز المسح على خف غير ساترا لكعبين مع القدم كما لا يجاز المسح على خف نجس .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی غفرلہ ولوالدیہ

۱۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ   فتوی نمبر: ۳۲۲۹

﴿مقیم کے لئے مدتِ مسح کا حکم﴾

﴿سوال﴾ مقیم کے لئے مدت مسح کتنی ہے اوراس کا اعتبار کب سے کیا جائے گا؟ نیز اگر موزوں کا زیب کھل جائے تو کیا حکم ہے؟ مدلل بیان کریں۔

﴿جواب﴾ مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اورایک رات ہے اوراس کا اعتبار

موزوں کے پہننے کے بعد پیش آنے والے حدث سے ہوگا مثلاً اس نے نماز فجر کے لئے وضوء کیا اور موزے پہن لئے پھر طلوع شمس کے بعد اس کو حدث لاحق ہوگیا تو اس حدث کے وقت سے مدت مسح کا اعتبار کیا جائے گا۔

لما فی البدائع:(۸/۱ ،طبع سعید)

قال عامتهم أنه مقدر بمدتفی حق المقيم يوماوليلة.....والصحيح اعتبار وقت الحدث بعداللبس.

زیب سے اگر وہ زیب مراد ہے جو پنڈلی سے ٹخنوں تک لگی ہوتی ہے تو اس کے کھل جانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

لما فی البدائع: (۱۰/۱ ،طبع سعید)

فمنهاأن يكون خفايسترالكعبين لان الشرع وردبالمسح على الخفين ومايستر الكعبين ينطلق عليه اسم الخف.وفی الهندية: ولو كان الخرق فی ساق الخف لايمنع جواز المسح.

اور اگر زیب قدم پر لگی ہوئی ہے تو اکثر قدم نکل جانے سے مسح ختم ہو جائے گا دوبارہ دونوں پاؤں کو دھونا ضروری ہوگا۔

لما فی الهندية:(۳۳/۱ ،طبع رشيديه)

وخروج اكثرالقدم الی الساق نزع وهو الصحيح.وهكذ افی البدائع (۱۳/۱ ،طبع سعيد) ولو أخرج بعض قدمه أو خرج بغير صنعه روی الحسن عن أبی حنيفةأنه ان أخرج اكثر العقب من الخف انتقض مسحه.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم :عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۸۹

﴿باب التيمم﴾

﴿تیمم کی سنتیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم میں کون کون سی سنتیں ہیں وضاحت کیساتھ بیان کریں۔ مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ تیمم کی مندرجہ ذیل سنتیں ہیں شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا ،ترتیب کا لحاظ

رکھنا، پے در پے تیمم کرنا، ہاتھوں کو مٹی پر رکھ کر آگے کو لانا، پھر ان کو جھاڑنا، انگلیوں کو کشادہ رکھنا تا کہ ان کے درمیان تک غبار آلود ہاتھ پہنچ جائے۔

لما فی الشامی:(۱/۲۳۱طبع: سعید)

وسنة ثمانية: الضرب بباطن كفيه، واقبالهما، وادبارهما، ونفضهما، وتفريج اصابعه، وتسمية، وترتيب وولاء، وزاد ابن وهبان في الشروط الاسلام.

ولما فی الهندیه:(۱/۳۰ طبع: رشیدیه)

سنن التيمم سبع اقبال اليدين بعد وضعهما على التراب وادبارهما ونفضهما وتفريج الاصابع والتسمية في اوله والترتيب والموالاة كذا في البحر الرائق.

ولما فی فقه الاسلامی:(۱/۲۰۱طبع:رشیدیه)

أما سننه عند الحنفية فهي ما يأتي: التسمية في اوله .... الضرب بباطن الكفين. واقبال اليدين بعد وضعهما في التراب، وادبارهما مبالغة في الاستيعاب، ثم نفضهما .... تفريج الاصابع ليصل التراب الى ما بينهما، الترتيب والموالاة (الولاء) اي مسح المتأخر عقيب المتقدم، بحيث لو كان الاستعمال بالماء، لا يجف المتقدم، كما فعل النبي ﷺ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿ تیمم کن کن چیزوں سے کیا جاتا ہے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم کن کن چیزوں سے کرنا جائز ہے؟

مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو پاک بھی ہو اور زمین کی جنس میں سے بھی ہو، یعنی وہ جلنے سے راکھ نہ ہوتی ہو اور پگھلانے سے پگھلتی نہ ہو تو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، مثلاً مٹی، پتھر، چونا، گچ وغیرہ وغیرہ۔

لما فی الشامی:(۱/۲۳۹، مکتبه: سعید)

(قوله من جنس الارض) الفارق بين جنس الارض وغيره ان كل ما يحترق بالنار فيصير رمادا كالشجر والحشيش او ينطبع ويلين كالحديد والصفر والذهب والزجاج ونحوها فليس من جنس الارض.

ولما في الهنديه:(۱/ ۲۶، مكتبه: رشيديه)

كل ما يحترق فيصير رمادا كالحطب والحشيش ونحوها او ما ينطبع ويلين كالحديد والصفر والنحاس والزجاج وعين الذهب والفضة ونحوها فليس من جنس الارض ....فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسبخة المنعقدة من الارض دون الماء والجص والنورة والكحل والزرنيخ والمغرة والكبريت والفيروزج والعقيق والبلخش والزمرد والزبرجد

الجواب صحيح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۶۳

﴿تیمم کن کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم کن کن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو وضوء کو توڑتی ہے وہ وضوء کے تیمم کو بھی توڑتی ہے اور ہر وہ چیز جو غسل کو واجب کرتی ہے وہ غسل کے تیمم کو بھی توڑتی ہے، اور اس کے علاوہ تیمم جس عذر کیوجہ سے جائز ہوا تھا وہ زائل ہو جائے تو بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

لما في الهنديه:(۱/ ۲۹، طبع: رشيديه)

ينقض التيمم كل شئى ينقض الوضوء كذا في الهدايه، وينقضه القدرة على استعمال الماء الكافي الفاضل عن حاجته كذا في البحر الرائق.

ولما في التنوير مع الدر:(۱/ ۲۵۴، طبع: سعيد)

(ناقضه ناقض الاصل) ولو غسلا ......(وقدرة ماء) اى ما جعل التيمم بدلا عنه من وضوء او غسل واعلم ان كل ما نقض الغسل مثل المنى نقض الوضوء ويزيد الوضوء بانه ينتقض بمثل البول فالتعبير بناقض الوضوء كما في الكنز يشمل ناقض الغسل، فيساوى التعبير بناقض الاصل كما في البحر.

ولما في بدائع الصنائع: (۱/ ۵۶، طبع: سعيد)

وأما بيان ما ينقض التيمم فالذى ينقضه نوعان عام وخاص وأما العام فكل ما ينقض الوضوء من الحديث الحقيقى والحكمى ينقض التيمم وقد مر بيان ذلك كله في موضعه وأما الخاص وهو ما ينقض التيمم على الخصوص فوجود الماء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿تہمت کا غالب گمان ہو تو تیمم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی کے ہاں مہمان ہوا اور رات وہیں ٹھہرا (اور اسکے گھر میں صرف خواتین اور بچے ہیں کوئی مرد نہیں) سونے کی حالت میں اسکو احتلام ہو گیا اب اگر یہ شخص غسل کرنا چاہے تو اس پر تہمت لگنے کا یقین یا کم از کم غالب گمان ہو اور تہمت لگنے کی صورت میں بسا اوقات جان جانے کا خطرہ بھی ہو تو کیا یہ شخص اس حالت میں تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: امان الحق حقانی چارسدہ

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر اس شخص پر تہمت لگنے کا یقین یا کم از کم غالب گمان ہو اور ایسے علاقہ میں ہو کہ جہاں اس طرح کی بدگمانی پر جان جانے کا خطرہ ہو اور تہمت سے بچنے کی کوئی ممکنہ صورتیں موجود نہ ہوں تو فقہاء کرام نے دشمن یا سانپ وغیرہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے تیمم کرنے کی جو اجازت دی ہے وہ اسکو بھی شامل ہے پھر جیسے اسکو غسل کرنے کا موقع ملے تو غسل کر لے اور اگر اس تیمم سے نماز پڑھ لی ہو تو اس نماز کا اعادہ بھی بعد میں کر لے۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص۴۷،۴۸،طبع قدیمی کراچی)

(ویصح)التیمم (بشروط ثمانیة)..... ومنه(خوف عدو)آدمی اوغیره سواء خاف علی نفسه اوماله اوامانته،وقال صاحب حاشیة الطحطاوی تحت قوله خوف عدوای من العذرلکن ان نشأمن وعیدالعباد وجبت الاعادة،وان نشألاعن شئ فلا کذا وفق صاحب البحر وابن امیر حاج بین قولی وجوب الاعادة ،وبعد اسطر قوله سواء خاف علی نفسه لان صیانة النفس اوجب من صیانة الطهارة بالماء فان لها بدلا ولا بدل للنفس.

ولمافی الفتاوی الهندیة:(۱/۲۷-۲۸،طبع رشیدیه کوئٹه)

ویتیمم لخوف سبع او عدو سواء کان خائفاعلی نفسه اوعلی ماله هکذافی العنایة.والاصل انه متی امکنه استعمال الماء من غیر لحوق ضررفی نفسه اوماله وجب استعماله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۵۹

﴿انڈے پر نجاست لگی نظر نہ آئے تو پاک ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب

مرغی انڈا دیدے اور بظاہر اس پر کوئی گندگی نہ ہو تو آیا وہ پاک ہے یا ناپاک. اور پانی میں ابالنے سے پانی پاک رہے گا یا نہیں؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ مرغی کے انڈے پر لگی کوئی نجاست اگر ظاہر نہ ہو تو ایسا انڈا پاک ہے۔ پانی میں ابالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا البتہ اس پانی سے وضوء کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

لمافی التنویر مع ردالمختار (۳۴۹/۱ طبع ایچ ایم سعید)

(قوله رطوبة الفرج طاهرة) ولذانقل فی التاترخانیه ان رطوبة الولدعندالولادة طاهرة وكذاالسخلة اذاخرجت من امها، وكذاالبيضة فلايتنجس بهاالثوب ولاالماء اذاوقعت فيه، لكن يكره التوضئ به للاختلاف.

ولما فی التجنيس والمزيد (۲۳۵/۱ ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه كراچی

البيضة اذاخرجت من الدجاجة فوقعت فی الماء وهی رطبة، اويبست ثم وقعت فی الماء، (لاتفسد، وكذاالسخلة اذاسقطت من امها وهی رطبة اويبست ثم وقعت فی الماء).

ولمافی حلبی الكبيری (۱۳۱، باب الانجاس، طبع نعمانيه كوئٹه)

البيضة اذاوقعت من الدجاجة فی الماء اوالمرقه لاتفسده وكذا السخلة اذا وقعت من امهارطبة فی الماء لاتفسده كذافی كتب الفتاوی وهذالان الرطوبة التی عليهاليست بنجسة لكونهافی محلها.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد داؤد فاروقی ٹانکوی

۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۶۶

﴿حكم التيمم لمن لم يكن معه الماء الكافی لطهارته﴾

﴿ایسے شخص کا تیمم کرنا جسکے پاس اتنا پانی نہ ہو جو طہارت کیلئے کافی ہو﴾

﴿سوال﴾ ماقولكم (رحمكم الله) فی من لا يكون معه الماء على قدر الكفايةهل يجوزله التيمم او يستعمل الماء على مابلغ لم يتيمم؟

﴿جواب﴾ اقول (وبالله التوفيق) فی الصورة المسؤلةيتجه اليه التيمم ولا يلزمه غسل بعض الاعضاء قبل التيمم بل يتيمم عندنا لان الماء غير الكافی بمنزلةالمعدوم هذا اذا وجد من الماء قدرا لايكفی لغسل اعضائه

الفرضية مرة مرة ولو كان معه الماء يغسل بها كل العضو مرتين او ثلاثا وينقص عن احدى رجليه لا يجوز له التيمم وان ثبت انه ناقص بعد الاستعمال على وجه السنة يعيد التيمم اذا كان متيمما لانه لو اقتصر على مرة لكفاه.

لما في شرح المنية:(ص ۸۴،طبع سہیل اکیڈمی)

وانما قيدنا بالكافي لطهارته لان من عليه الغسل اذا تيمم ثم وجد ماء لايكفي لغسله او المحدث اذا تيمم ثم وجد ماء غير كاف لوضوئه لاينتقض تيممه ولو كان معه ذالك قبل التيمم جاز له التيمم بدون الاستعمال..

ولما في التنوير مع الدر:(۲۵۵/۱،طبع سعید)

(لو قدرة ماء)ولو اباحة في صلاة (كاف لطهره) ولو مرة مرة.

وفي الشامية:واحترز به عما اذا كان يكفي لبعض اعضائه اويكفي للوضوء وهو الجنب فلا يلزم استعماله عندنا ابتداء كما مر فلا ينتقض كما في الحلية (قوله ولو مرة مرة) فلو غسل به كل عضو مرتين اوثلاثا فنقص عن احدى رجليه انتقض تيممه وهو المختار لانه لو اقتصر على مرة كفاه.

ولما في التاتارخانية:(۱۹۵/۱،طبع قدیمی)

كذلك على هذا الخلاف المحدث اذا كان معه من الماء مايكفيه لغسل بعض الاعضاء يتمم عندنا وعند الشافعيؒ يستعمل الماء فيمايكفيه ثم يتيمم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:معراج الدین غفر اللہ لہ

۳۰ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ — فتوی نمبر:۱۰۷۲

﴿ایسے شخص کا تیمم کرنا جس کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو وضو کے لیے کافی ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس اتنا پانی نہ ہو جو وضو کے لیے کافی ہو بلکہ بعض اعضاء کے لیے کافی ہو تو کیا اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے؟ یا بعض اعضاء کو دھولے اور پھر تیمم کرے؟

مستفتی:ایک معلم

﴿جواب﴾ صورت مسؤلہ میں اس شخص کے پاس واقعی اتنا کم پانی اگر ہے کہ وہ صرف فرائض وضو پر اکتفاء کرتے ہوئے یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ کہنیوں تک، سر کا مسح، اور دونوں پیر ٹخنوں تک کم از کم ایک بار دھونے کے لیے بھی اگر کافی نہیں ہے تو اس کے لیے تیمم جائز

ہے، بعض اعضاء کو دھونا اس کے لیے کوئی ضروری نہیں ہے یہ ناکافی پانی بمنزلہ معدوم یعنی شرعاً نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

لما في التاتارخانية:(۱/ ۱۹۵، طبع قديمي)

المحدث اذا كان معه من الماء ما يكفيه لغسل بعض الاعضاء يتمم عندنا وعند الشافعي يستعمل الماء فيما يكفيه ثم يتيمم.

ولما في التنوير الابصار مع الدر:(۱/ ۲۵۵،طبع سعيد)

(وقدرة ماء) ولو اباحة في صلاة (كان لطهره) ولو مرّة مرّة وفي الشامية: واحترز به عما اذا كان يكفي لبعض اعضاء ه او يكفي للوضوء وهو الجنب فلا يلزم استعماله عندنا ابتداء كما مرّ فلاينتقض كما في الحلية (قوله ولو مرّة مرّة) فلو غسل به كل عضو مرتين او ثلاثاً فنقص عن احدى رجليه انتقض تيممه وهو المختار لانه لو اقتصر على مرّة كفاه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفااللہ عنہ

۶ رجب ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۸۳۱

﴿تیمم کی ایک خاص صورت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک آدمی جنگل میں سفر کر رہا ہے دوران سفر نماز کا وقت ہو گیا اور مسافر کے کپڑے ناپاک ہیں اور پانی بھی کم ہے صرف وضوء کے لیے کافی ہو سکتا ہے یا صرف ناپاکی دور کر سکتا ہے تو اس صورت میں مسافر کے لیے کیا حکم ہے وضوء کر کے ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھے یا ناپاک کپڑے دھو کر تیمم سے نماز پڑھے؟

﴿جواب﴾ عموماً زیر استعمال پورے لباس کو یعنی شلوار قمیص دونوں کو نجاست نہیں لگتی، بلکہ صرف شلوار یا قمیص کے ایک حصے کو نجاست لگتی ہے، ایسی صورت میں صرف ناپاک کپڑے سے ستر عورت کرنا ضروری ہے قمیص سے ہو خواہ شلوار سے۔

البتہ ممکن ہے کہ دونوں کو نجاست لگی ہو اور ستر چھپانے کے لیے پاک کپڑوں کا بقدر کفایت کوئی بھی انتظام نہ ہو سکے اور پانی بھی صرف اتنا ہو کہ بقدر ضرورت کپڑے کو پاک کرنے کی صورت میں وضوء کے لیے نہیں بچتا تو ایسی صورت میں پہلے ظاہری نجاست دور کرنا ضروری ہے،

پانی نہ رہے تو تیمم سے وضوء کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔اور اگر اس نے پہلے وضوء بنالیا اور کپڑا پاک کرنے کے لیے پانی باقی نہ رہا اور نجس کپڑوں میں نماز پڑھ لی تب بھی نماز ہو جائیگی لیکن گناہ ہوگا۔

لما فی العالمگیریة: (۱/۳۲ قدیمی کتب خانہ)

مسافر محدث نجس الثوب معه ماء يكفي لاحدهما يغسل به النجاسة ويتيمم للحدث ولو تيمم اولاً ثم غسل النجاسة يعيد التيمم لانه تيمم وهو قادر على ما يتوضا به كذا في محيط السرخسي ،وان توضا بالماء وصلى في الثوب النجس جاز ويكون مسيئاً فيما فعل كذا في قاضي خان

ولما فی المحیط البرھانی: (۱/۲۹ طبع بیروت)

استشهد محمدؒ في "الكتاب" لايضاح مذهبه بمسألة فقال الا ترى ان الرجل ان كان بثوبه او بجسده اكثر من قدر الدرهم و احدث ،فلم يجد ماء ويتيمم ،ثم وجد ماء يكفي احدهما فانه ينصرف الى غسل النجاسة ،لانها اغلظ من الحدث ،لانه يتوهم ان يعم البدن وليس للماء بدل في تطهيرها ،والحدث لا يعم البدن وللماء بدل في رفعه ،فعلم انها اغلظ فلهذا يصرف الماء اليها ،ثم يعيد تيممه للحدث ،مع ان هذا الماء مستحق الصرف الى النجاسة .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۷۴

﴿سنگ مرمر اور ٹائیل پر تیمم کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسی ٹائیل پر جس پر بالکل گرد وغبار نہ ہو اسی طرح وہ سنگ مرمر جو کہ بالکل ملائم ہو ان پر تیمم کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور تیمم کن کن چیزوں پر کیا جا سکتا ہے؟

مستفتی: محمد ارسلان ڈیفنس کراچی

﴿جواب﴾ سنگ مرمر اور ٹائیلو وغیرہ پر تیمم کرنا جائز ہے چاہے اس پر گرد وغبار ہو یا نہ ہو، تیمم کرنا ہر اس چیز پر جائز ہے جو کہ زمین کی جنس میں سے ہو اور جلنے سے نہ جلے اور نہ پگھلنے سے پگھلے۔

لما فی فتح القدیر: (۱/۱۳۱ ،طبع رشیدیه)

ويجوز التيمم عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله بكل ما كان من جنس الارض كالتراب

• والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ وقال ابويوسف لايجوز الابالتراب والرمل.

قال صاحب فتح القدير: قيل ماكان بحيث اذاحرق لاينطبع ولايترمداى لايصير رمادا فهومن أجزاء الارض فخرجت الاشجار والزجاج المتخذمن الرمل وغيره والماء المنجمدوالمعادن الاان تكون في محالها فيجوزللتراب الذى عليهاالابهانفسها،ودخل الحجروالجصووالنورةوالكحل والزرنيخ والمغرةوالكبريت.

ولما في العناية:(۱/۱۳۲،طبع رشيديه)

قيل كل مايحترق بالنارفيصيررماداكالشجراوينطبع اويلين كالحديدفليس من جنس الارض.

ولمافي الدرالمختار:(۱/۲۲۹،طبع سعيد)

(بمطهرمن جنس الارض وان لم يكن عليه نقع)اى غبار... (فلايجوز) بلؤلؤولومسحوقا لتولده من حيوان البحر... ولا(بمنطبع)كفضةوزجاج و(مترمد)بالاحتراق الارمادالحجر فيجوزكحجرمدقوق أومغسول وحائط مطين أومجصص.

ولمافيه ايضا:(۱/۲۲۹،طبع سعيد)

(هوقصدصعيدمطهرواستعماله)حقيقةاوحكمالهعم التيمم بالحجرالاملس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۰۴۵

﴿جواز التيمم للبرد الشديد﴾

﴿سخت سردی کی وجہ سے تیمم کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ربمانخرج الى الجبال في الشتاء والماء باردجدافهل يجوز لناالتيمم مكان الوضوء؟ مستفتية: ام محمد علی

﴿جواب﴾ ان غلب على ظنه الهلاك اوالمرض ان استعمل الماء ولا يجدمايسخن به جازله التيمم. والوضوء بالماء الباردلايضرعموما.

لمافي ردالمحتار:(۱/۲۳۲،طبع سعيد)

نعم مفادالتعليل بعدم تحقق الضررفي الوضوء،عادةانه لوتحقق جازفيه أيضااتفاقا بالنص وهوظاهراطلاق المتون.

ولما فی فقه السنة:(۱/۷۱،طبع دار الکتب پشاور)

(ذکر ما یبیح التیمم وقال)ان کان الماء شدید البرودة وغلب علی ظنه حصول ضرر باستعماله بشرط ان یعجز عن تسخینه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد سلمہ

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۸۰۸

﴿زخم پر مسح کر سکے تو تیمم کی گنجائش نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے آنکھ کا آپریشن کروایا ہے ڈاکٹر نے منہ دھونے سے منع کیا ہے اب اس حالت میں اس کیلئے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟اور جو نمازیں تیمم کرکے پڑھی ہیں وہ ادا ہوئیں یا ان کی قضاء لازمی ہے؟

﴿جواب﴾ آنکھ کا آپریشن کیا ہے تو آنکھ میں پانی پہنچانا منع ہوگا باقی چہرہ اور وضوء کے دیگر اعضاء دھونے سے کیا نقصان ہوگا لہذا آنکھ میں پانی پہنچانا اگر منع ہے تو آنکھ بیشک نہ دھوئیں باقی چہرہ احتیاط سے دھولیا کریں آنکھ پر مسح کیا کریں اور باقی اعضاء کا دھونا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔لہذا بلاضرورت جو نمازیں تیمم سے پڑھی گئی ہیں ان کا لوٹانا ضروری ہیں۔

لما فی الدر المختار مع رد المحتار:(۱/۲۵۷طبع سعید)

واقره المصنف(تیمم لو)کان (اکثر مجروحا)اوبه جدری اعتبارا للاکثر(وبعکسه یغسل)الصحیح ویمسح الجریح(و)لا(ان استویا غسل الصحیح)من اعضاء الوضوء ولا روایة فی الغسل(ومسح الباقی) منها(وهو)الاصح لانه(الاحوط)الخ(قوله ای اکثر اعضاء الوضوء الخ)الاولی ان یقول اکثر اعضائه فی الوضوء......وقد اختلفوا فی حدالکثرة فمنهم من اعتبرها فی نفس العضو،حتی لو کان اکثر کل عضو من الاعضاء الواجب غسلها جریحا تیمم وان کان صحیحا یغسل، وقیل فی عدد الاعضاء، حتی لو کان راسه ووجهه ویداه مجروحة دون رجلیه مثلا تیمم و فی العکس لا درر البحار وقال فی البحر وفی الحقائق المختار الثانی الخ

ولما فی المحیط البرهانی ۱/۱۴۲ طبع ادارۃ القرآن

ثم اختلف مشائخنا رحمهم الله تعالی فی حد الکثرة. فمنهم من اعتبر الکثرة من حیث عدد الاعضاء، لا الکثرة فی نفس العضو بهانه.اذا کان فی راسه و وجهه ویدیه جراحة والرجل صحیح، فانه تیمم،سواء کان الاکثر من اعضاء المجروحة جریحا او

اقل، ومنهم من اعتبر الكثرة في نفس العضو، فقال ان كان الاكثر من كل عضو من الاعضاء الوضوء جريحا، كان كثيرا فيجزئه تيمم، والا فلا.

ولما في بدائع الصنائع ۳۲۸/۱ طبع دار الكتب العلمية

ولو كان ببعض اعضاء الجنب جراحة او جدري، فان كان الغالب هو الصحيح، غسل الصحيح، وربط على السقيم الجبائر ومسح عليها، وان كان الغالب هو السقيم تيمم لان العبرة للغالب..... وعلى هذا لو كان محدثا وببعض اعضاء وضوئه جراحة او جدري لما قلنا، وان استوى الصحيح والسقيم، لم يذكر في ظاهر الرواية وذكر في النوادر انه يغسل الصحيح ويربط الجبائر على السقيم ويمسح عليها..... الخ

ولما في قاضي خان ۵۷/۱ طبع قديمي

وكذا لو كان محدثا به جراحات فان كان اكثر اعضاء الوضوء جريحا تيمم ولم يستعمل الماء، وان كان اكثر اعضائه صحيحا غسل الصحيح ويمسح الجراحة ان امكن مسحه من غير ضرر حتى لو كانت الجراحة على راسه ووجهه ويده وليس على رجليه جراحة يباح له تيمم وعلى عكسه لايباح، وقيل يعتبر الكثرة في الأعضاء حتى لو كان على راسه ووجهه ويديه جراحة وليس على رجليه جراحة لايباح له التيمم اذالم يكن الأكثر من كل عضو جريحا، وان استوى الجريح والصحيح تكلموا فيه قال بعضهم لا يستط غسل الصحيح وهوا لصحيح الأنه أحوط الخ

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شفقت اللہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۳۹۵۵

﴿فالج والا شخص تیمم کس طرح کریگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جس پر فالج ہو گیا ہو اس کا ایک یا دونوں ہاتھ شل ہو جائیں تو وہ تیمم کس طرح کریگا؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ ایسا شخص جس کا ایک یا دونوں ہاتھ شل ہوں تو وہ اگر چہرے کو دیوار اور ہاتھوں کو زمین سے مل لے تو اس کا تیمم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اس کو تیمم کروائے تب بھی تیمم درست ہوگا۔ البتہ نیت خود کرنا ضروری ہے۔

لما في الهندية: (۲۶/۱، طبع رشيديه)

ولو شلت يداه يمسح يده على الارض ووجهه على الحائط ويجزيه.

ولما فی الشامی:(۲۳۷/۱،طبع سعید،کراچی)

(قوله ولو من غيره)فلو امر غيره بان ييممه جاز بشرط ان ينوى الآمر قال ط:وظاهره أنه يكفي من الغير ضربتان.

ولما فی النہر الفائق:(۱۰۲/۱،طبع قدیمی)

لو أمر غيره فيممه ونوى هو جائز

ولما فی الهندية:(۲۶/۱،طبع رشیدیة)

مريض ييممه غيره فالنية على المريض دون الميمم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:تنویر الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ

۱۹صفر الخیر ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر:۳۵۳۳

﴿لايجوز التيمم لمن يقدر على الوضوء ولو باستعانة الغير﴾

﴿جو شخص دوسرے کی مدد سے وضو پر قادر ہو وہ تیمم نہیں کرسکتا﴾

﴿سوال﴾: رجل اعمى يريد ان يصلي بالليل أيجب عليه أن يوقظ اهله ليوضؤه ام جازله التيمم؟ مستفتية:ام عبد الرزاق

﴿جواب﴾ لايجوز التيمم لمن يقدر على الوضوء بنفسه اووجد غيره ممن لو استعان به اعانه ولو زوجته اوباجرة المثل.

لما فی ردالمحتار:(۲۳۲/۱،طبع سعید)

فتحصل ان ظاهر المذهب انه لايجوزله التيمم ان كان لو استعان بالزوجة تعينه وان لم يكن ذلك واجبا عليه.

ولما فی الهندية:(۲۸/۱،طبع رشیدیه)

أو كان لايجد من يوضئه ولايقدر بنفسه فان وجد خادما او مايستأجر به أجيرا أو عنده من لو استعان به أعانه فعلى ظاهر المذهب انه لايتيمم لأنه قادر كذا في فتح القدير.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد غفرلہ ولوالدیہ

۹ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۱۰

﴿ایک تیمم سے جتنی نمازیں پڑھنا چاہو پڑھ سکتے ہو﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم سے ایک نماز یا اس

سے زائد نمازیں بھی پڑھ سکتے ہیں؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ ایک تیمم سے جتنی نمازیں چاہو پڑھو، خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا نوافل ہوں، جس طرح ایک وضو سے جتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں تیمم سے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لما فی سنن النسائی:(ص:۱۱،طبع: قدیمی کتب خانہ)

عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ الصعید الطیب وضوء المسلم وان لم یجد الماء عشر سنین.

ولما فی الفقہ الاسلامی:(۱/۵۶۷طبع:رشیدیہ)

قال الحنفیة :یصلی بتیممہ ما شآء من الفرائض والنوافل لانہ طھور حال عدم الماء، فیعمل عملہ مابقی شرطہ فلہ ان یصلی بتیمم واحد فرضین فأکثر،وما شآء من نافلة .

ولما فی البدائع:(۱/۲۶،طبع: سعید)

وقول النبی ﷺ التیمم وضوء المسلم ولو الی عشر حجج مالم یجد الماء أو یحدث جعلہ وضوء المسلم الی غایة وجود الماء والحدث والممدود الی غایة ینتھی عند وجود الغایة ولا وجود للشئی مع وجود ماینتھی وجودہ عند وجودہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿عید کی نماز فوت ہونے کی صورت میں تیمم کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر عید نماز کھڑی ہونے والی ہو اس وقت عیدگاہ میں پانی کا انتظام بھی نہ ہو اور اگر انتظام کرنے لگ جائے تو عید کی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت تیمم کر کے عید نماز پڑھ سکتا ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ پانی سے وضو کرنے کی صورت میں نماز عید فوت ہونے کا قوی اندیشہ اگر ہے تو تیمم کرنے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

لما فی البحر الرائق:(۱/۱۵۸طبع: سعید)

(قولہ اوعید ولو بناءً)ای یجوز التیمم لخوف فوت صلاۃ عید ولو کان الخوف بناء لما بینا انھا تفوت لا الی بدل فان کان اماما ففی روایة الحسن لا یتم وفی ظاھر الروایة

یجزنہ لانہ یخاف الفوت بزوال الشمس حتی لم تخف لا یجزنہ.

ولما فی الھندیہ:(۱/۳۱،طبع:رشیدیہ)

ولا یجوز للمقتدی ان لم یخف فوت الصلاۃ لوتوضؤوا لا یجوز.

ولما فی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۴۰،طبع:رشیدیہ)

واما صلاۃ العید اذا سبقہ الحدث فی الجبانۃان کان قبل الشروع فی الصلاۃ ان کان یرجو ادراک شئی من الصلاۃ لا یباح التیمم وان کان لا یرجو یباح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ فتوی نمبر:

﴿نماز جنازہ فوت ہونے کا خدشہ ہوتو تیمم کرسکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ تیار ہو اور اگر وضو کرے تو نماز جنازہ فوت ہونے کا خدشہ ہے تو اس وقت تیمم کرسکتا ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ نماز جنازہ فوت ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے لیکن یہ حکم غیر ولی کے لئے ہے اس لئے کہ ولی کے حق میں نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے وہ روک سکتا ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۲۴۱،مکتبہ: سعید)

(قولہ وجاز لخوف فوت صلاۃ الجنازۃ)ای ولو کان الماء قریبا ثم اعلم انہ اختلف فیمن لہ حق التقدم فیھا،فروی الحسن عن ابی حنیفۃؒ انہ لا یجوز للولی لانہ ینتظر ولو صلوا لہ حق الاعادۃ.

ولما فی البحر الرائق:(۱/۱۵۷،طبع: سعید)

(قولہ وخوف فوت صلاۃ الجنازۃ)ای یجوز التیمم لخوف فوت صلاۃ الجنازۃ .

ولما فی الھندیہ(۱/۳۱،طبع:رشیدیہ)

ویجوز التیمم اذا حضرتہ جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطھارۃ ان تفوتہ الصلاۃ ولایجوز للولی وھو الصحیح ھکذا فی الھدایہ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ فتوی نمبر:

﴿هل يجوز التيمم لمن خاف خروج الوقت؟﴾

﴿وقت نکلنے کا خوف ہو تو کیا تیمم کر سکتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾من قام الى الصلاة فى آخر وقتها بحيث لو توضأ يخرج وقت الصلاة فهل يتوضأ ولو خرج الوقت أو يتيمم ويؤدى الصلاة فى وقتها ثم يعيدها بالوضوء؟ مستفتی: شاکر اللہ سواتی

﴿جواب﴾وقع الاختلاف فى هذه المسئلة والاحوط ان يصلى الصلاة بالتيمم فى وقتها ثم اعادها بالوضوء.

لما فى ردالمحتار:(۱/۲۴۲،طبع سعيد)

فينبغي أن يقال يتيمم ويصلي ثم يعيد بالوضوء، كمن عجز بعذر من قبل العباد......قلت وهذا القول متوسط بين القولين وفيه الخروج عن العهدة بيقين فلذا أقره الشارح ثم رأيته منقولا فى التاتارخانية عن ابى نصر بن سلام وهو من كبار الأئمة الحنفية قطعا فينبغي العمل به احتياطا ولاسيما وكلام ابن الهمامؒ يميل الى ترجيح قول زفر كما علمته بل قد علمت من كلام القنية أنه رواية عن مشائخنا الثلاثة ونظير هذا مسئلة الضيف الذى خاف ريبة فانهم قالوا يصلى ثم يعيد.

ولما فى شرح المنية:(ص ۷۲،طبع نعمانيه كوئته)

وحينئذ فالاحتياط ان يصلى بالتيمم فى الوقت ثم يتوضأ ويعيد ليخرج عن العهدتين بيقين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: معراج الدین غفر اللہ لہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:

﴿مسجد کے فرش یا دیوار سے تیمم کرنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد کے فرش یا دیوار کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا مستفتی: عبدالواجد صاحب رائیونڈ

﴿جواب﴾ تیمم ہر اس چیز کے ساتھ کرنا جائز ہے جو زمین کی جنس میں سے ہو اور پاک ہو، البتہ وہ مٹی جو مسجد کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ہو یا فرش پر ہو تو اس سے بھی تیمم ہو جاتا ہے لیکن

مکروہ ہے کیونکہ تیمم نجاست حکمی کے زائل کرنے کا سبب ہے اور مسجد کی مٹی کی طرف ازالۂ حدث کی نسبت کرنا مسجد کے آداب کے خلاف ہے، اسلئے مسجد کے فرش یا دیوار سے تیمم کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ لکھا ہے لیکن اگر مسجد کی مٹی کسی کونے میں جمع کردی گئی ہو تو اس سے تیمم کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

لمافی قاضیخان:(۶۳/۱،طبع قدیمی)

ویکرہ مسح الرجل من طین والردغۃ باسطوانۃ المسجد او بحائطہ..... وان مسح بتراب فی المسجد ان کان ذلک التراب مجموعا فی ناحیۃ غیر منبسط لاباس بہ وان کان منبسطا مفروشا یکرہ لانہ بمنزلۃ ارض المسجد.

ولمافی خلاصۃ الفتاوی:(۲۲۹/۱،طبع رشیدیہ)

ویکرہ مسح الرجل من الطین باسطوانۃ او حائط المسجد فان مسح ببردی المسجد او قطعۃ حصیر ملقاۃ فی المسجد فلاباس بہ والاولی ان لایفعل وبتراب المسجد ان کان مجموعا فلاباس بہ وان کان منبسطا یکرہ وبخشبۃ موضوعۃ فی المسجد لاباس بہ.

ولمافی فتاوی الولوالجیۃ:(۵۳/۱،طبع فاروقیہ پشاور)

ویکرہ مسح الرجل من الطین والردغۃ باسطوانۃ المسجد وحائط من حیطانہ لان حکمہ حکم المسجد وان مسح ببردی المسجد او بقطعۃ حصیر ملقاۃ فیہ لاباس بہ لان حکمہ لیس حکم المسجد لانہ حکم حرمۃ المسجد کذا قالوا والاولی ان لایفعل وان مسح بتراب فی المسجد فان کان مجموعا لاباس بہ وان کان منبسطا یکرہ ھو المختار والیہ ذھب ابو القاسم الصفارؒ لان لہ حکم الارض فکان من المسجد وان مسح بخشبۃ موضوعۃ فی المسجد لاباس بہ لانہ لیس لہذا الخشبۃ حکم المسجد فلا یکون لہا حرمۃ المسجد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد

۱۴۲۹/۱۲/۱۹ھ | فتوی نمبر:۱۷۹۳

﴿ہاتھوں پر پانی کا استعمال اگر مضر ہو تو تیمم جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دونوں ہاتھوں پر ایسی بیماری ہے جسکی وجہ سے پانی کا استعمال ڈاکٹر نے ہاتھوں کے لئے مضر قرار دیا، شرعاً میرے

لئے کیا حکم ہے کہ کوئی دوسرا مجھے وضوء کرائے جو ہر وقت میسر بھی نہیں ہوتا یا میں تیمم کر کے نماز ادا کروں وضاحت فرمائیں مستفتی: محمد فیصل صاحب نارتھ کراچی

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں تیمم کی گنجائش ہے، دوسرے کسی شخص سے وضوء کرانا کوئی ضروری نہیں ہے۔

لمافی البحر: (۱۶۳/۱ طبع سعید)

وفی القنية والمبتغی بالغين المعجمة بهده قروح يضره الماء دون سائر جسده يتيمم اذالم يجدمن يغسل وجهه وقيل يتيمم مطلقا فهذايفيدان قولهم اذاكان الاكثر صحيحا يغسل الصحيح محمول على مااذالم يكن باليدين جراحة

ولمافی الدرالمختار: (۲۵۸/۱ طبع سعید)

فكان اولیٰ وصحح فی الفيض وغيره التيمم كمايتيمم لوالجرح بيديه وان وجدمن يوضيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد طیب حسن زکی

۱۴ جمادالاولیٰ ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر: ۲۱۶۵

﴿تنگی وقت کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاؤں میں کبھی شدید درد ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ چارپائی پر لیٹا رہتا ہوں اور چارپائی پر لیٹ کر ہی نماز پڑھتا ہوں جبکہ چارپائی، بستر وغیرہ کبھی ناپاک بھی ہوتے ہیں۔

کیا ایسی صورت میں میری نماز صحیح ہوگی یا نہیں نیز کبھی تکلیف کم ہوتی ہے تھوڑا بہت چل سکتا ہوں لیکن کبھی فجر میں تاخیر سے اٹھنے کی وجہ سے اگر وضوء کر کے نماز پڑھوں (کیونکہ میرے وضوء پر پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے وقت زیادہ لگتا ہے) تو نماز کے قضاء ہونے کا خطرہ ہوتا ہے تو کیا ایسی صورت میں میرے لئے تیمم کر کے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ مستفتی داؤد شاہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر آپ کو چارپائی سے اٹھنے میں شدید تکلیف ہوتی ہو یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اسی چارپائی و بستر پر ہی نماز پڑھیں نماز ہو جائیگی اگر اٹھنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو کسی پاک بستر کو بچھا کر نماز پڑھ لیا کریں۔

نماز کیلئے تیمم کرنا تب جائز ہے جب پانی موجود نہ ہو یا کسی بھی عذر کی وجہ سے پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو جبکہ آپ کی بیان کردہ صورت میں آپ پانی کے استعمال پر قادر ہیں اور پانی موجود ہے۔

لہٰذا صرف وقت کی تنگی کی وجہ سے تیمم کرنے کی گنجائش نہیں ہے نماز قضاء ہوگئی تو گناہ ہوگا، نماز کیلئے تیاری پہلے سے ہونی چاہیئے تاخیر کرنا آپ کی سستی ہے، تاہم احتیاطاً تیمم کر کے نماز پڑھ لیں اور بعد میں قضاء بھی کر لیں تو زیادہ بہتر ہے اور استغفار بھی کرتا رہے۔

لما فی ردالمحتار:(۱/۲۴۳، طبع سعید)

كالخلاف في مريض لايقدر على الاستقبال اوالتحول من الفراش النجس ووجد من يوجهه اويحوله لان عنده لايعتبر المكلف قادرأبقدرة الغير والفرق على ظاهر المذهب ان المريض يخاف عليه زيادة الوجع في قيامه وتحوله لافي الوضوء.

ولما فی ردالمحتار:(۱/۲۴۲، طبع سعید)

(قوله تفوت الى خلف) كالصلوات الخمس فان خلفها قضاؤها......(قوله لبعده) وقيد بالبعد لانه عند عدمه لايتيمم وان خاف خروج الوقت في صلوة لها خلف خلافاً لزفر وسيذكر الشارح ان الاحوط ان يتيمم ويصلي ثم يعيد ويتفرع على هذا الاختلاف ما لوازدحم جمع على بئر لايمكن الاستقاء منها الا بالمناوبة......وعلم ان النوبة لاتصل اليه الا بعد الوقت فانه لايتيمم ولا يصلي عاريا بل يصبر عندنا.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۸۳ طبع سہیل اکیڈمی)

ولو خاف خروج الوقت لو اشتغل بالوضوء في سائر الصلوت ماعدا صلوة الجنازة والعيد لايتيمم عندنا بل يتوضأ ويقضي الصلوة ان خرج الوقت وقال زفر يتيمم ولا يتوضا ــــ فالاحتياط ان يصلي بالتيمم في الوقت ثم يتوضأ ويعيد ليخرج عن العهدتين بيقين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ	فتویٰ نمبر: ۲۰۹۰

﴿حالت سفر میں تیمم کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی گاڑی میں سفر پر جا رہا تھا راستے میں نماز کا وقت ہوگیا ڈرائیور نے بالکل آخری وقت میں جا کر گاڑی نماز کیلئے

روکی اب وہاں وضوء کیلئے پانی بالکل نہیں تھا سوائے ایک گھڑے کے جس میں پینے کیلئے پانی رکھا ہوا تھا تو اس صورت میں کیا اس آدمی کیلئے وضوء کرنا ضروری ہے یا تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ لوگوں کے پینے کیلئے جو پانی راستوں میں گھڑوں وغیرہ میں رکھا ہوتا ہے اس سے وضوء غسل وغیرہ کرنا درست نہیں بلکہ تیمم کر کے نماز پڑھنی چاہیئے، ہاں اگر پانی کثیر ہے یا عرف ایسا ہے کہ لوگ اس پانی سے وضوء وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو وضوء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما فی شرح التنویر:(۲۵۲/۱،طبع سعید)

الماء المسبل فی الفلاة لایمنع مالم یکن کثیراً.وفی الشامیة:(لایمنع التیمم)لأنه لم یوضع للوضوء، بل للشرب،فلایجوز الوضوء به وان صح.قوله:(مالم یکن کثیراً)قال فی شرح المنیة:الاولی الاعتبار بالعرف لابالکثرة، الااذااشتبه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:شاہداسحاق عفااللہ عنہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۴۶۳

﴿پانی کے عدم موجودگی میں جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ جہاز میں نماز کس طرح ادا کی جائے کیونکہ بسا اوقات جہاز میں پانی کم ہوتا ہے یا اگر پانی ہوتا ہے تو جہاز کا عملہ وضوء کی اجازت نہیں دیتا کیا ایسی صورت میں ہم نماز چھوڑ دے یا تیمم کر کے نماز ادا کریں، نیز یہ بھی بتا دے کہ ایسی صورت میں ٹیشو پیپر سے استنجاء کر سکتے ہیں یا نہیں اگر قدر درہم سے زیادہ نجاست لگی ہو تو پھر بھی ٹیشو پیپر سے استنجاء کافی ہے؟

﴿جواب﴾ (۱) نماز تو کسی بھی حالت میں چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے جہاز میں اس طرح کی صورت پیش آئے کہ پانی موجود نہ ہو یا پانی ہو لیکن جہاز کا عملہ وضوء کی اجازت نہیں دیتا ایسی صورت میں اگر یقین ہے کہ وقت نکلنے سے پہلے پہلے جہاز اپنی منزل تک پہنچ جائیگا تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرے اگر اس بات کا یقین نہ ہو تو تیمم کر کے وقت کے اندر نماز ادا کرے اگر تیمم کی بھی کوئی صورت نہ ہو تو پھر کرے یعنی نمازیوں کی طرح ہیئت بنا کر رکوع سجدہ وغیرہ کرے لیکن اس میں قراءت نہ کرے اور بعد میں اسی نماز کا اعادہ بھی کرے یہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول

ہے اسی قول کی طرف امام ابوحنیفہؒ کا رجوع ثابت ہے اور علماء کرام اسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

(۲) جہاز میں پانی موجود نہیں ہے یا اس کے استعمال کی اجازت نہیں تو ایسی صورت میں ٹیشو پیپر سے استنجاء کافی ہوگا خواہ قدر درہم سے نجاست تجاوز کرچکی ہو۔

لمافی الهداية:(۱/۵۲،طبع رحمانيه)

ويستحب لعادم الماء وهو يرجوه ان يؤخر الصلاة الى اخر الوقت فان وجد الماء يتوضاء والاتيمم وصلى.

ولمافيها ايضا:(۱/۹۳،طبع رحمانيه)

ولولم يجد مايزيل به النجاسة صلى معها ولم يعد.

ولمافی الدر المختار:(۱/۲۵۲طبع سعيد)

(يؤخرها عنده وقالا يتشبه)(قوله يوخرها عنده)لقوله عليه السلام لاصلاة الابطهور سراج)قوله وقالا يتشبه بالمصلين) اى احتراما للوقت ولايقرأ كمافى ابى السعود ، سواء كان حدثه اصغر او اكبر.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۱۸

﴿دوسرے شخص سے تیمّم کرانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شدید بیماری یا دونوں ہاتھ شل ہوجانے کی وجہ سے خود تیمم نہ کرسکتا ہو تو دوسرا شخص اگر تیمم کرادے تو درست ہے یا نہیں؟ اور نیت کون کرے گا؟

مستفتی: سعید اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دوسرا شخص تیمم کرادے تو تیمم ہوجائے گا، البتہ نیت خود معذور ہی کریگا، تیمم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہیں ہے۔

لمافی الهندية:(۱/۲۶،طبع رشيديه)مريض ييممه غيره فالنية على المريض دون الميمم.

ولمافی الدر المختار:(۱/۲۲۹،طبع سعيد)وهو قصد صعيد شرط القصد لأنه (النية)مطهر.

ولمافی الهندية:(۱/۲۶،طبع قديمی)

منها النية وكيفيتها أن ينوى عبادة مقصودة لاتصح الابالطهارة.

ولما فی قاضی خان:(۱/۵۳،طبع قدیمی)

قال العلامة فخر الدین حسن بن منصورؒ:وشرطه الشيئان النية والعجز عن استعمال الماء،أما النية اذا نوى به التطهير جاز.

ولما فی خلاصة الفتاوى:(۱/۳۵،طبع رشیدیه)

قال العلامة طاهر بن عبدالرشيد البخاريؒ:ولابد من النية فی التیمم فلونوی التطهير جاز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:رضوان اللہ حقانی

۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ فتویٰ نمبر:۲۱۰۶

﴿سخت سردی کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری تشکیل کشمیر کے سرد علاقے ''باغ'' کے ایک گاؤں میں ہوئی،گاؤں کی مسجد کا صرف ایک ہال تھا ساتھ میں کوئی غسل خانہ وغیرہ نہیں تھا اور موسم بھی سخت سردی کا تھا،ہمارے ایک ساتھی کو رات کے وقت غسل کی حاجت ہوئی وہاں گرم پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا،اگر وہ ٹھنڈے پانی سے کھلی فضا میں غسل کرتا تو بیمار ہونے کا قوی اندیشہ تھا کیا ایسی صورت میں تیمم کر کے مسجد میں رات گذارنا اور صبح کی نماز کیلئے بھی تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ مستفتی:محمد شعیب صاحب

﴿جواب﴾ تیمم کی مشروعیت پانی نہ ملنے یا پانی پر قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ہے،اسی شرعی عذر کے بغیر تیمم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی،سخت سردی بھی تیمم کیلئے عذر ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو،لہٰذا ایسی صورت میں تیمم کر کے مسجد میں رات گذاری جاسکتی ہے اور نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

لما فی الدر المختار:(۱/۲۳۲،طبع سعید)

(او برد) يهلك الجنب او يمرضه ولو فی المصر اذا لم تكن له اجرة حمام ولا مايدفئه.

ولما فی الهداية:(۱/۴۸،طبع رحمانيه)

ولو خاف الجنب ان اغتسل ان يقتله البرد او يمرضه يتيمم بالصعيد.

ولما فی فتح القدیر:(۱/۱۲۸،طبع رشیدیہ)

(ولو خاف الجنب ان اغتسل ان یقتله البرد او یمرضه یتیمم بالصعید) وھذا اذا کان خارج المصر لما بینا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد ضیاء الدین

۱۷جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۷۴

﴿تیمم میں مبالغہ ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تیمم میں ہاتھوں کو اس قدر ملنا کہ تمام جگہ کو گھیر لیں جیسے وضو میں مبالغہ ضروری ہے ایسا مبالغہ تیمم میں بھی ضروری ہے یا صرف ہاتھ پھیر لینا کافی ہے؟ مستفتی:عبداللہ پنڈوی

﴿جواب﴾ تیمم میں اعضائے تیمم پر ہر ہر جگہ ہاتھ سے مسح کرنا ضروری ہے،البتہ اگر باوجود کوشش کے تھوڑی سی جگہ رہ جائے تب بھی تیمم ہو جاتا ہے،اس لئے کہ مسح دھونے کی طرح نہیں ہوسکتا اور نہ ممکن ہے۔

لما فی رد المحتار:(۱/۴۱۲،طبع سعید)

(والاستیعاب)الذی یظہر لی ان الرکن ھو المسح لانه حقیقة التیمم کما مر، والاستیعاب شرط لانه مکمل له.

ولما فی الھندیة:(۱/۲۶،طبع رشیدیه)

(ومنہا الاستیعاب)استیعاب العضوین فی التیمم واجب فی الظاھر الروایة کذا فی محیط السرخسی— ولابد من نزع الخاتم والسوار کذا فی الخلاصة،ویمسح الوترة التی بین المنخرین ویجب تخلیل الاصابع ان لم یدخل بینہا غبار کذا فی التبیین.

ولما فی التاتارخانیة:(۱/۱۷۲،طبع قدیمی)

وفی الخلاصة وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان الاکثر یکفی،وھو الاصح،وفی الحاوی وکذالک کل ما یرجع الی باب المسح فاصاب الاکثر من ذالک الموضع جاز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:شاہد محمود عفی عنہ

۳محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۸۸

﴿پینٹ شدہ دیوار پر گرد وغبار نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آئل پینٹ کی ہوئی دیوار پر تیمم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اس پر گرد وغبار بھی نہ ہو۔ مستفتی: انعام اللہ امیر آباد چارسدہ

﴿جواب﴾ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس میں سے ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے خواہ اس پر گرد ہو یا نہ ہو زمین کی جنس میں سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پگھلانے سے پگھلے نہیں اور جلانے سے جلے نہیں مثلاً پتھر، ڈھیلا وغیرہ، البتہ جو چیزیں اس صفت پر نہیں مثلاً تانبا، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی وغیرہ تو تیمم کیلئے ان پر غبار کا ہونا ضروری ہے۔

سوآپکی صورت مسئولہ میں پینٹ شدہ دیوار پر تیمم کرنا درست نہیں کیونکہ پینٹ کیمیکل، زنک اور چاک وغیرہ سے بنایا جاتا ہے جن میں اکثر چیزیں مذکورہ بالا صفت کی نہیں ہیں، چنانچہ جلانے سے جل جاتا ہے، لہٰذا پینٹ شدہ دیوار پر گرد نہ ہونیکی صورت میں تیمم کرنا درست نہیں۔

لما فی الشامی: (۱/۲۴۰، طبع سعید)

وأوان من طين (قوله غير مدهونة) او مدهونة بصبغ هو من جنس الارض كما يستفاد من البحر كالمدهونة بالطفل والمغرة.

ولما فی البحر: (۱/۱۴۸، طبع سعید)

ويجوز بالآجر المشوى الى قوله۔۔۔ وكذا بالخزف الخالص الا اذا كان مخلوطا بما ليس من جنس الارض او كان عليه صبغ ليس من جنس الارض.

ولما فی شرح الوقاية: (۱/۹۸، طبع امدادیه)

(من جنس الارض كالتراب والرمل والحجر)۔۔۔۔ واما الذهب والفضة فلا يجوز بهما۔۔۔۔ والحنطة والشعير ان كان عليهما غبار.

ولما فی التنویر وشرحه: (۱/۲۳۹-۲۴۰، طبع سعید)

(فلا يجوز بمنطبع ومترمد ومعادن) (معادن) فى محالها فيجوز التراب عليها وقيده الاسبيجابى بان يستبين اثر التراب بمديده عليه۔۔۔۔ وكذا كل ما لا يجوز التيمم عليه كحنطة وجوخة فليحفظ.

ولما فی الشامی: (۱/۲۴۰، طبع سعید)

(وقيده الاسبيجابى) وكذا فى النهر۔۔۔ ولو ان الحنطة او الشىء الذى لا يجوز عليه التيمم اذا كان

عليه التراب فضرب يده عليه وتيمم ينظر ان كان يستبين اثره بمده عليه جاز والافلا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۰۶۶

﴿جنبی آدمی کے غسل کا تیمم وضو کیلئے بھی کافی ہوگا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنبی آدمی کو حالت سفر میں سردی کے موسم میں غسل کیلئے گرم پانی نہ مل رہا ہو اور ٹھنڈے پانی سے اگر غسل کرے تو بیمار ہو جانے کا خوف ہو، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں کسی قسم کی بیماری کا خوف نہ ہو تو اس صورت میں اس کیلئے تیمم جائز ہوگا؟ اگر تیمم جائز ہو تو وضو کیلئے بھی وہی تیمم کافی ہوگا؟ اگر وہی تیمم کافی ہے تو اس تیمم میں وضو کیلئے بھی نیت کرے گا یا صرف طہارت کی نیت کافی ہوگی؟

﴿جواب﴾ (۱) اگر جنبی کو حالت سفر میں سردی کے موسم میں غسل کیلئے گرم پانی نہ مل رہا ہو ٹھنڈے پانی سے اگر غسل کرے تو بیمار ہو جانے کا خوف ہو تو اس صورت میں اس کیلئے تیمم جائز ہوگا، نیز یہ تیمم وضو کیلئے بھی کافی ہوگا، اب پانی کے استعمال پر قدرت ہوتے ہوئے بھی وضو کی ضرورت نہیں ہے، ہاں تیمم کے بعد اس کا وضو ٹوٹ جائے تو وضو کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی ردالمحتار: (۱/۲۵۴، طبع سعید)

اذاتيمم عن جنابةثم بال مثلافهذاناقض للوضوء لاينتقض به تيمم الغسل بل تنتقض طهارة الوضوء التي في ضمنه فتثبت له احكام الحدث لااحكام الجنابةفقدوجدناقض الوضوء ولم ينتقض تيممالجنابة.

(۲) غسل سے تیمم کرتے وقت وضو کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو وضو کیلئے الگ نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

لمافی التنويروشرحه: (۱/۲۲۷، طبع سعيد)

(وشرط له) أي للتيمم في حق جواز الصلوٰة به (نية عبادة)......(مقصودة) ولاتشترط نية التمييزبين الحدث والجنابة. كذافي الهداية: (۱/۵۱، رحمانيه) وفي التجنيس:

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۵۸۸

﴿جنبی کے مسئلہ کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! جنبی کے مسئلہ کے متعلق جواب کا دوسرا جز جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ غسل سے تیمم کے بعد اگر اسکا وضو ٹوٹ جائے اور وضو پر قدرت ہو تو وضو کرنا ضروری ہے تیمم جائز نہیں ہے۔

اشکال یہ ہے کہ اس وضو ٹوٹ جانے سے پہلے ایک ناقض موجود ہے اور وہ وضو کے بقدر پانی کے استعمال پر قدرت ہے کیونکہ فقہ کی عبارات سے صراحۃ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب متیمم پانی کے پاس سے گزرے اور استعمال پر قدرت ہو تو اسکا تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور یہاں بھی اسکو پانی پر قدرت موجود ہے تو اس کیلئے وضو کرنا ضروری ہونا چاہیئے۔

بیشک غسل سے تیمم کے وقت اگر وضو بھی کرے تو بدل اور مبدل منہ کا جمع ہونا لازم آتا ہے لیکن اس تیمم کے تھوڑی دیر بعد جب نماز کا وقت آجائے تو اس کیلئے وضو کرنا ضروری ہونا سمجھ میں آرہا ہے، اسلئے کہ وضو کے بقدر پانی استعمال کرنے پر قدرت موجود ہے یہی تو ناقض ہے؟ برائے کرم اگر اس اشکال کو رفع کرنے کی کوئی واضح فقہی عبارت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

﴿جواب﴾ جس آدمی پر غسل فرض ہو جائے اور اسکو غسل پر قدرت نہ ہو، البتہ اس پانی سے وضو پر قدرت ہو تو اس کیلئے وضو کے بقدر پانی استعمال کرنے پر قدرت کا اعتبار نہیں ہے، ایسی صورت میں اس موجود قدرت کو معدوم شمار کرلیا ہے، اس لئے کہ جنابت سے پاکی حاصل کرنے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، لہٰذا اسکو ناقض نہیں کہا جاسکتا، چنانچہ محیط برہانی میں صریح جزئیہ موجود ہے:

لمافی المحیط البرھانی: (۱/۳۳۰-۳۳۲، طبع ادارۃ القرآن)

جنب وجد من الماء قدر مایکفی للوضوء دون الاغتسال فانه یتیمم ولایلزمه استعمال ذالک الماء عندنالان هذالقدر من الماء لایفید القدرة علی الطهارة عن الجنابة فیجعل وجوده والعدم بمنزلة واحدة..... اذاجنب المسافر ووجد من الماء قدر مایتوضأبه لاغیر فانه یتیمم ولایتوضأبه عندنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۹۰

﴿فصل فی نواقض الوضوء﴾

﴿خون، الٹی اور دوران نماز ہنسنے سے متعلق وضوء نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ خون، الٹی اور نماز کے دوران ہنسنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم ان سب کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مذکورہ تینوں چیزوں سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن ہر ایک میں قدرے تفصیل ہے، چنانچہ خون جسم کے کسی بھی حصے سے خود نکلے یا نکالا جائے اور اپنی جگہ سے تجاوز کرلے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے، زخم وغیرہ کے منہ پر ٹھہرا تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، منہ اور ناک کے اندرونی حصہ میں خون آئے تو اس میں تفصیل ہے کہ بہنے والا خون لعاب اور ناک کے نزلہ کیساتھ شامل ہو اور غالب خون ہو تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے خون مغلوب ہو تو وضوء نہیں ٹوٹتا، ناک میں خالص خون وہاں تک بہہ کر آ جائے جہاں تک دوران وضوء و غسل پانی پہنچایا جاتا ہے تو وضوء ٹوٹ جائیگا جما ہوا خون منہ یا ناک سے خارج ہو جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اور الٹی منہ بھر کر ایک دفعہ میں آجائے یا ایک ہی کیفیت میں تھوڑا تھوڑا کئی بار اتنی ہوئی کہ اندازے سے منہ بھرتے کے برابر تھی تب وضوء ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں، دوران نماز بالغ مرد اتنے زور سے اگر ہنسے کہ دیگر نمازیوں تک بھی آواز پہنچ گئی تو وضوء ٹوٹ جائیگا.

لما فی الهندية ج ۱/ ۱۰، ۱۱، ۱۲ رشيدية

ما يخرج من غير السبيلين و يسيل الى ما يظهر من الدم والقيح والصديد والماء لعلة وحد السيلان أن يعلو فينحدر عن رأس الجرح كذا فى محيط السرخسى ....خرج دم من القرحة بالعصر ولو لاه ما خرج تنقض فى المختار كذافى الوجيز للكردرى وان خرج من نفس الفم تعتبر الغلبة بينه و بين الريق فان تساويا انتقض الوضوء ويعتبر ذالك من حيث اللون فان كان أحمر انتقض وان كان أصفر لاينتقض كذا فى التبيين ...... الموضع الذى يلحقه حكم التطهير من الانف ما لان منه كذافى الملتقط ..... لو قلس ملا فيه مرة أو طعاما أو ماء تنقض كذا فى المحيط .... وان قاء دما ان كان سائلا نازلا من الرأس ينتقض اتفاقا وان كان علقا لا ينتقض اتفاقا......ان قاء قليلا قليلا لو جمع يبلغ ملء الفم قال محمد ان اتحد السبب جمع والا فلا وهذا أصح كذا فى

المصريات ابا قال: ثم لو سال سائل من نفسه من الهيجان والغثيان كان السبب متحدا وان كان بعده كان السبب مختلفا كذا في الكافي   المنفية في كل صلاة فيما يركع ويسجد ينتقض الصلاة والوضوء عندنا كذا في المحيط

ولما في الفقه الاسلامي ج ۱/۲۲۱ رشيدية.

ويتميز الحنفية قوله عليه السلام الوضوء من كل دم سائل، وقوله عليه السلام ليس في القطرة والقطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دما سائلا

لما في التنوير مع الدر ج ۱/۱۳۸ طبع سعيد

(و) ينقضه (قيء ملأ فاه) بأن يضبط بتكلف (من مرة) أي صفراء (أو علق) أي سوداء قال الشامي (قوله بأن يضبط) أي يمسك بتكلف

ولما في التنوير مع الدر (۱/۱۴۲ طبع سعيد)

(و) القهقهة) هي ما يسمع جيرانه (بالغ) ولو امرأة سهوا (يقظان) فلا يبطل وضوء صبي ونائم بل صلاتهما به يفتى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر پو رسدوی

۲ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر:

﴿مسواک یا کھانے کے دوران دانتوں سے خون نکلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کھانے کے دوران یا مسواک کرتے ہوئے دانتوں سے جو خون نکلتا ہے کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ اور اس خون لگے ہوئے کھانے کو کھانا جائز ہے؟ اس طرح اس خون کو روزے کی حالت میں نکلنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟   مستفتی: صابر خان کراچی

﴿جواب﴾ دانتوں سے جو خون نکلتا ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ تھوک پر غالب یا مساوی ہو یعنی تھوک زیادہ سرخی مائل ہو یا اسکا ذائقہ محسوس ہو رہا ہو تو اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے تھوک کے نگلنے سے روزہ بھی فاسد ہوتا ہے اور اتنا خون اگر کھانے کیساتھ شامل ہو جائے کہ اسکا ذائقہ محسوس ہونے لگے تو اسکا کھانا بھی جائز نہیں اور اگر خون مغلوب اور تھوک غالب ہو تو اس سے نہ وضو ٹوٹے گا اور نہ ہی روزہ فاسد ہوگا اور مسواک کرتے ہوئے خون آنے

سے وضو خراب نہیں ہوتا، اس لئے کہ مسواک پہلے اور وضو بعد میں ہوتا ہے، ہاں مسواک کرنے سے خون جاری ہو جائے اور چہرہ دھونے کے دوران بھی خون آتا رہے تو ایسی صورت میں مندرجہ بالا تفصیل ہے۔

لمافی التنویر مع الدر (۱/۱۳۸-۱۳۹، طبع ایچ ایم سعید)

وينقضه (دم) مائع من جوف أو فم (غلب على بزاق) حكماً للغالب (أو ساواه) احتياطاً، (لا) ينقضه (المغلوب بالبزاق).

ولمافی الخانیہ: (۱/۲۱، طبع قدیمی)

ولو بزق الرجل وفيه دم فان كان الدم غالباً انتقض الوضوء وان كان على السواء فكذلك استحساناً وان عض شيئاً فرأى عليه دماً من أسنانه لا وضوء عليه وكذا الخلال لأنه ليس بسائل.

ولمافی الھندیۃ: (۱/۲۰۳، طبع رشیدیۃ)

الدم اذا خرج من الأسنان ودخل حلقه ان كانت الغلبة للبزاق لا يضره وان كانت الغلبة للدم يفسد صومه وان كانا سواء افسد أيضاً استحساناً.

ولمافی الدر المختار: (۲/۳۹۶، طبع ایچ ایم سعید)

أو خرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه يعني ولم يصل الى جوفه، أما اذا وصل فان غلب الدم أو تساويا فسد والا لا، الا اذا وجد طعمه بزازية.

ولمافی الخانیۃ: (۱/۱۸۴، طبع قدیمی)

وكذا اذا خرج الدم من بين أسنانه والبزاق غالب فابتلعه ولم يجد طعمه لا يفسد صومه وان كانت الغلبة للدم فسد صومه، وان استويا فسد احتياطاً.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عباد اللہ غفر لہ ولوالدیہ

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۸۷۷

﴿کان یا زخم سے کیڑے کے نکلنے پر وضوء کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کان یا زخم سے کیڑا نکل جائے تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟　　مستفتی: محمد صابر صوابی

﴿جواب﴾ اگر کان یا زخم سے کیڑا نکل جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

لما فی حلبی کبیر:(ص۱۲۶ طبع سہیل اکیڈمی)

(وان خرج الدودمن الفم اوالاذن اومن الجراحة لا ينقض) امامن الجراحةفلان الدودةطاهرةوكذاماعليهامن البلةلانهاليست حدثالقلتهاوعدم قوةالسيلان.

ولمافی حاشیةالطحطاوی:(ص۵۱ طبع قدیمی)

(لاتنقض الوضوء)(و)منها(خروج الدودةمن جرح اواذن وانف لعدم نجاستها ولقلةالرطوبةالتي معها.

ولمافی الشامی:(۱۳۶/۱ طبع سعید)

(ولا)خروج (دودةمن جرح اواذن اوانف)اوفم(وكذالحم سقط منه)لطهارتهما وعدم السيلان فيها عليهما وهو مناط النقض.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۴۲۹

﴿بال بنوانے یا ناخن کٹوانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ باوضوء شخص اگر بال بنوائے یا داڑھی کا خط بنوائے یا ناخن ترشوائے یا مونچھیں کٹوائے تو اسے دوبارہ وضوء کرنا پڑے گا؟

﴿جواب﴾ بال، ناخن کٹوانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، نیز وضوء کی حالت میں بال یا ناخن اگر کوئی کٹوائے تو دوبارہ وضوء کی ضرورت نہیں ہے۔

لما فی الفتاوی الولو الجیۃ:(۱/۲۷ طبع فاروقیہ پشاور)

اذاتوضأالرجل وغسل وجهه امرالماء على لحيته ثم(حلق) لحيته لم يجب عليه غسل موضعها،لانه حين امرالماء على الشعركان بمنزلةالبشرة.

ولمافی الخلاصۃ:(۱/۱۷-۱۸ طبع رشیدیہ)

لاوضوء عليه رجل توضأ وغسل وجهه وامرالماء على لحيته ثم حلق لحيته لم يجب عليه غسل موضعهاوكذالحاجب اصله رجل توضأثم جزشعره اوقلم اظفاره اونتف ابطه اواخذ شيئامن شاربه اواخذ قشرةمن مواضع الوضوء،لم يكن عليه امساس الماء ولا تجديد الوضوء،اوعكسه وغسل الشارب فرض ولايجب ايصال الماء تحت الشارب وان كان الشارب طويلا.

ولما فی الخانیۃ:(۱/۳۷،طبع قدیمی)

فان امر الماء علی شعر الذقن ثم حلقه لایجب علیه غسل الذقن وکذالو حلق لحاجب والشارب اومسح رأسه ثم حلق اوقلم اظافیره لایلزمه الاعادة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۵رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۷۴۳

﴿کان میں جانے والا پانی کان سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں تالاب میں نہایا جسکی وجہ سے میرے کان میں پانی چلا گیا، بعد میں دوران نماز وہ پانی کان سے نکلا اس صورت میں میری نماز میں یا وضو میں کوئی خرابی تو نہیں آئی؟　　　مستفتی: محمد طلحہ

﴿جواب﴾ صرف پانی یا کان کا میل کان سے نکلے تو اس سے وضو، نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ کان میں درد ہو یا واضح زخم ہو تو ایسی صورت میں نکلنے والا پانی نہیں ہوگا بلکہ زخم سے آنے والا مواد ہوگا جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہذا آپ کے کان سے نکلنے والا اگر پانی ہی تھا تو آپکا وضو قائم تھا اس لئے نماز درست ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۴۷،طبع سعید)

(کما)لاینقض(لو خرج من اذنه)ونحوها کعینه وثدیه (قیح)ونحوه کصدید وماء سرة وعین (لا بوجع)وان خرج (به)ای بوجع (نقض)لانه دلیل الجراح.

وفی الشامیة:(قوله لا بوجع)تقیید لعدم النقض بخروج ذلک ،وعدم النقض هو ما مشی علیه الدرر والجوهرة والزیلعی معزیا للحلوانی.

قال فی البحر ،وفیه نظر ،بل الظاهر اذا کان الخارج قیحا او صدیدا لنقض ،سواء کان مع وجع اوبدونه لانهما لایخرجان الا عن علة،نعم هذاالتفصیل حسن فیما اذاکان الخارج ماء لیس غیرالخ.

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص۸۷،طبع قدیمی)

وقوله (کدم وقیح)اشارة الی ان ماء الصدید ناقض کماء الثدی والسرة والاذن اذا کان لمرض علی الصحیح (قوله کماء الثدی والسرة الخ) قال فی البحر :الجرح والنفطة، وماء السرة ،والثدی ،والاذن ،والعین اذا کان لعلة سواء فی الاصح ای فی النقض.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: نعمان اقبال عفا اللہ عنہ

۲۶ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتویٰ نمبر:۲۶۶۳

﴿خون کا بدن پر ظاہر ہونے کی حالت میں وضوء کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خون اگر بدن پر ظاہر ہوجائے اور اپنی جگہ پر برقرار رہے تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ مستفتی: جہاں ملوک

﴿جواب﴾ خون اگر بدن پر ظاہر ہوجائے اور اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے یعنی زخم وغیرہ کے منہ سے تجاوز کرکے بہہ نہ جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔

لمافی حاشیۃ الطحطاوی:(ص ۱۵ مطبع قدیمی)

(لاتنتقض الوضوء) منها (ظهور الدم لم يسل عن محله) ولا مانعا على الصحيح فلا يكون ناقضا.

ولمافی نور الایضاح:(ص ۳۶ مطبع قدیمی): ظهور دم لم يسل عن محله.

ولمافی مراقی الفلاح:(ص ۳۸ مطبع قدیمی)

(لاتنتقض الوضوء) منها ظهور دم لم يسل عن محله) لانه لاينجس جامدا ولا مانعا على الصحيح فلا يكون ناقضا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۴۲۷

﴿شراب پینے کے بعد وضوء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میرے دوست کا وضو تھا حالت وضو اس نے شراب پی لی اب معلوم یہ کرنا ہے کہ شراب کی وجہ سے وضوء ٹوٹ گیا یا نہیں اور ایسے وضوء سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ وہ ایسا عادی ہوگیا ہے کہ نشہ وغیرہ نہیں آتا۔ مستفتی: محمد رضوان کورنگی

﴿جواب﴾ مسئولہ صورت میں اس کا وضو برقرار ہے البتہ حرام کام کے ارتکاب کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ دوبارہ وضو کرے۔

لمافی القدوری:(ص ۱۹-۲۰ مطبع قدیمی)

كل ما خرج من السبيلين والدم والقيح والصديد اذا خرج من البدن فتجاوز الى موضع

یلحقہ حکم التطھیر والثانی: اذا کان ملأ الفم والنوم مضطجعا او متکئا او مستندا الی شئی لو أزیل لسقط عنہ والغلبۃ علی العقل بالاغماء والجنون

ولما فی تنویر الابصار (۱/۸۹،۱۰۰طبع سعید کمپنی)

ومندوب فی نیف وثلاثین موضعا ذکرتھا فی الخزائن منھا بعد کذب وغیبۃ وقہقہۃ وشعر واکل جزور وبعد کل خطیئۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد زبیر اکرام

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۷۳

﴿انجکشن کے ذریعے نکالے گئے خون سے وضوٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حالت وضو میں ہو اور اس دوران انجکشن کے ذریعے بدن کے کسی حصہ سے خون نکال لے تو اس کی وجہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ خون بدن کے ظاہری حصہ پر نہیں لگتا۔ مستفتی: محمد طیب اورنگی ٹاؤن

﴿جواب﴾ انجکشن کے ذریعے نکالے گئے خون سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے اگر چہ نکالا گیا خون بدن کے کسی حصہ پر نہ لگے بشرطیکہ خون اتنی مقدار میں ہو کہ اس میں بہنے کی صلاحیت ہو۔

لما فی التنویر و شرحہ: (۱/۱۳۴-۱۳۵، طبع سعید)

(وینقضہ خروج نجس) بالفتح ویکسر (منہ) ای من المتوضی الحی— (الی مایطھر) ای یلحقہ حکم التطھیر ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظھور وفی غیرھما عین السیلان ولو بالقوۃ لماقالوا لو مسح الدم کلما خرج ولو ترکہ لسال نقض والالا. فالاحسن مافی النھر عن بعض المتأخرین من ان المراد السیلان ولو بالقوۃ: ای فان دم الفصد ونحوہ سائل الی مایلحقہ حکم التطھیر.

ولما فی التنویر والدر: (۱/۱۳۶ طبع سعید)

(والمخرج) بعصر (والخارج) بنفسہ (سیان) فی حکم النقض علی المختار.

ولما فی التنویر والدر: (۱/۱۳۹ طبع سعید)

(وکذا ینقضہ علقۃ مصت عضوا وامتلأت من الدم مثلھا القراد ان کان کبیرا لانہ حینئذ (یخرج منہ دم مسفوح) سائل (والا) ای وان لم تکن العلقۃ والقراد کذالک (لا) ینقض (کبعوض وذباب) کما فی الخانیۃ لعدم الدم المسفوح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اقبال عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۱۳

﴿مہندی کی وجہ سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے ہاں شادی کے دن دولہا کے ہاتھوں پر مہندی لگواتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مہندی لگانے سے جنابت کا غسل ادا نہیں ہوتا، اسلئے مہندی لگوانا جائز نہیں کیا یہ بات درست ہے؟ مستفتی: طلحہ محمد

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ شریعت نے عورت کو مہندی لگانے کی مطلقاً اجازت دی ہے بلکہ ترغیب دی ہے اور مرد کیلئے سر اور داڑھی کے علاوہ ہاتھوں اور پاؤں پر بلا ضرورت مہندی لگانے کو مکروہ قرار دیا ہے، لہٰذا دولہا کے ہاتھوں پر مہندی لگانا صحیح نہیں ہے لیکن غسل اور وضو سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے غسل اور وضوء بلاشبہ ہو جاتے ہیں۔

لما فی سنن ابی داؤد:(۲/۲۲۰،طبع رحمانیه)

عن عائشة رضی الله عنها ان هند بنت عتبة قالت یا نبی الله بایعنی فقال لا ابایعک حتی تغیری کفیک فکانهما کفا سبع.

ولما فی المرقاة:(۸/۲۶۹،طبع رشیدیه)

الحناء سنة للنساء ویکره لغیرهن من الرجال الا ان یکون لعذر لانه تشبه بهن ومفهومه ان تخلیة النساء عن الحناء مطلقا مکروه ایضاً تشبهن بالرجال وهو مکروه.

ولما فی الدر المختار:(۱/۱۵۴،طبع سعید)

(ولا یمنع)الطهارة(ونیم)ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته(وحناء)ولو جرمه به یفتی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۳۶۱

﴿سوئمنگ پول میں نہانے سے وضوء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہم تمام ساتھی سیر و تفریح کے لئے پارک گئے، وہاں سوئمنگ پول (تیرنے کا حوض) میں تیرنا شروع کیا اس وقت میں باوضوء تھا، تیرتے تیرتے میرا وضوء ٹوٹ گیا پھر بھی میں مسلسل تیرتا رہا، وہاں سے نکل کر میں نے نماز پڑھی معلوم یہ کرنا ہے کہ میری نماز ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ میں نے سوئمنگ پول

(تیرنے کا حوض) میں نہانے کے دوران وضوء کی نیت نہیں کی تھی۔ مستفتی: محمد عمیر دین محمد کورنگی

﴿جواب﴾ وضوء کے صحیح ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے، نیت کے بغیر بھی وضوء ہو جاتا ہے لیکن نیت کے بغیر وضوء کرنے سے ثواب نہیں ملتا، اگر حوض دہ دردہ (بڑا حوض) ہو تو اس کا پانی ماء جاری کے حکم میں ہے۔

مذکورہ صورت میں اگر سوئمنگ پول (تیرنے کا حوض) دہ دردہ (بڑا حوض) تھا تو اسکا پانی ماء جاری کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اس میں تیرنے کی وجہ سے آپ کا وضوء ہوگیا اور اس وضوء سے پڑھی گئی نماز بھی ہوگئی ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۱۰۷، طبع ایچ ایم سعید)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله وصرحوا انها بدونها ليس بعبادة:قال ابن العابدين قوله صرحوا انه بدونها اى الوضوء بدون النية ليس عبادة وذلك كان دخل الماء مدفوعاً او مختاراً لقصد التبرد او لمجرد ازالة الوسخ كما في الفتح،قال في النهر:لانزاع لاصحابنا اى مع الشافعي في ان الوضوء المامور به لا يصح بدون النية.....الخ،وفي مبسوط شيخ الاسلام لاكلام في ان الوضوء المامور به لا يحصل بدون النية لكن صحة الصلاة لاتتوقف عليه لان الوضوء المامور به غير مقصود وانما المقصود الطهارة وهي تحصل بالمامور به وغيره لان الماء مطهر بالطبع.....الخ وفي البحر:وليست النية بشرط في كون الوضوء مفتاحاً للصلاة انماهي شرط في كونه سبباً للثواب على الاصح

ولمافي الهندية:(۱/۱۸، طبع رشيديه)

الماء الراكد اذا كان كثيراً فهو بمنزلة الجاري..... والفاصل بين الكثير والقليل انه اذا كان الماء بحيث يخلص بعضه الى بعض بان تصل النجاسة من الجزء المستعمل الى جانب الآخر فهو قليل والا فكثير،قال ابو سليمان الجوزجاني ان كان عشراً في عشر فهو مما لا يخلص وبه اخذ عامة المشائخ رحمهم الله.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عدنان خدا بخش

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۲۲

﴿گرمی دانے پھٹ جانے سے وضو کے ٹوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ موسم گرما میں اکثر لوگوں کے بدن پر گرمی دانے نکلتے ہیں ان کے پھٹ جانے

سے جو پانی نکلتا ہے اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کہ نہیں؟

﴿جواب﴾ اگر دانہ پھوٹنے سے پانی ازخود نہیں بہا بلکہ ہاتھ یا کپڑا لگنے سے پھیل گیا تو وضوء نہیں ٹوٹا اور اگر پانی زخم سے ابھر کر اوپر آگیا اور دانہ کے سوراخ سے زائد جگہ میں پھیل گیا مگر اوپر ابھرنے کے بعد نیچے نہیں اترا تو اس کے ناقض ہونے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ ناقض نہیں۔

لما فی الشامی:(۱/۱۳۵ طبع سعید)لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض والا لا.

وفی الشامية:(عين السيلان)اختلف فی تفسيره،ففی المحيط عن أبی يوسف: أن يعلو وينحدر وعن محمد اذاانتفخ علی رأس الجرح وصار اكثرمن رأسه نقض،والصحيح لاينقض .ه قال فی الفتح بعد نقله ذالک:وفی الدراية جعل قول محمد أصح،ومختار السرخسی الاول وهوالأولی.ه أقول:وكذاصححه قاضی خان وغيره وفی البحرتحريف تبعه عليه.ط فاجتنبه : (احسن الفتاوی بحواله ردالمحتار:(۱/۲۶۲)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر: ۳۷۴

﴿بے ہوشی نشہ اور جنون سے وضوء ٹوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ مباشرت فاحشہ، بیہوشی نشہ اور جنون سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن صحیح نہیں سمجھ سکا براہ کرم مباشرت فاحشہ اور جنون سے کیا مراد ہے؟ نیز یہ بھی بتائیے کہ اگر وضوء کے دوران کوئی جگہ دھونے سے رہ جائے یا اس طرح کا شک آجائے تو پورا وضوء لوٹانا چاہئے یا صرف وہی جگہ دھونا کافی ہے۔ مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ مباشرت فاحشہ کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی کی شرمگاہ آپس میں ملیں اور باقاعدہ دخول نہ ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور دخول کی صورت میں غسل بھی واجب ہو جاتا ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۴۶ طبع سعید)

(و مباشرة فاحشة)بتماس الفرجين ولوبين المرأتين والرجلين مع الانتشار (للجانبين) المباشِروالمباشَر ولو بلا بلل علی المعتمد،قال الشامیؒ تحتها قوله (بتماس الفرجين)ای من غيرحائل من جهة القبل أوالدبر 'شرح المنية'

ولما فی الھندیۃ:(۱۳،۱۲/۱،طبع: رشیدیۃ)

اذا باشر امرأته مباشرة فاحشة بتجرد وانتشار وملاقاة الفرج بالفرج ففيه الوضوء، في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى استحسانا وقال محمدؒ لا وضوء عليه وهو القياس كذا في المحيط وفي النصاب هو الصحيح وفي الينابيع وعليه الفتوى كذا في التاتارخانية في الملامسة الفاحشة۔

عقل کا زائل ہونا جنون کہلاتا ہے نشہ سے عقل مغلوب ہوجاتی ہے اور بیہوشی میں بھی عارضی طور پر عقل کام نہیں کرتی ایسی کوئی بھی کیفیت ہوجائے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۴۲/۱،طبع: سعید)

(و)ينقضه (اغماء)و منه الغشي(وجنون وسكر)بان يدخل في مشيه تمائل ولو باكل الحشيشة ،قال الشاميؒ

(قوله وينقضه اغماء)......... آفة في القلب أو الدماغ تعطل القوى المدركة والمحركة عن أفعالها مع بقاء العقل مغلوبا (قوله ومنه الغشي)تعطل القوى المحركة والحساسة لضعف القلب من الجوع..... (قوله والجنون)صاحبه مسلوب العقل بخلاف الاغماء فانه مغلوب والاطلاق دال على أن القليل من كل منهما ناقض لأنه فوق النوم مضطجعا (قوله سكر)هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فيتعطل معه العقل المميز بين الامور الحسنة والقبيحة.

دوران وضوء کوئی جگہ خشک رہ جائے یا پورا اندام دھونا واقعی بھول جائے تو بعد میں دھونا کافی ہے پورا وضوء دوبارہ کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر کسی جگہ کے بارے میں دوران وضوء شک آجائے کہ دھویا ہے یا نہیں اور اب پہلی مرتبہ ہوا تو احتیاطا دھولے بار بار ایسا شک آتا رہتا ہے تو توجہ نہ دے اسی طرح وضوء سے فارغ ہونے کے بعد اگر شک آجائے تب بھی توجہ نہ دے

لما فی الھندیۃ:(۱۳/۱،طبع:رشیدیۃ)

في الأصل من شك في بعض وضوئه وهو أول ما شك غسل الموضع الذي شك فيه فان وقع ذالك كثيرا لم يلتفت اليه، هذا اذا كان الشك في خلال الوضوء فان كان بعد الفراغ من الوضوء لم يلتفت الى ذالك

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۱۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

فتویٰ نمبر: ۳۱۸۹

﴿خارج عن السبیلین سے وضوٹوٹنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب! کیا سبیلین سے نکلنے والی ہر چیز سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ اور کیا خروج ریح میں کوئی تفصیل ہے؟ کہ اگر آواز سے ہو تو وضوء ٹوٹتا ہے اور اگر بغیر آواز سے ہلکی سی ریح نکل جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا، براہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مرد وعورت کے سبیلین یعنی قبل ودبر دونوں سے جو چیزیں عادۃً خارج ہوتی ہیں مثلاً پیشاب، پاخانہ، ریح، منی، مذی اور ودی یا خلاف عادت کبھی کبھی خارج ہوتی ہیں بمثلاً کیڑا چھوٹی کنکری اور خون وغیرہ ہر دونوں قسم کے چیزوں سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کم مقدار میں خارج ہوجائے یازیادہ اور یہی حکم اُس ریح کا بھی ہے جو بغیر آواز کے اور ہلکی ہو البتہ مرد کے ذکر اور عورت کے قبل سے کبھی کبھی ریح خارج ہوتی ہے اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ وہ دبر سے خارج شدہ ریح کے حکم میں نہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۱۳۴ طبع:سعید)

(وينقضه خروج) كل خارج (نجس) بالفتح ويكسر (منه) أى من المتوضئ الحي معتادا أو لا من السبيلين أو لا (إلى ما يطهر) بالبناء للمفعول، أى يلحقه حكم التطهير.

ولما فی الفقه الاسلامی:(۱/۲۱۸ طبع:رشیدیة)

كل خارج من أحد السبيلين معتاد كبول أوريح أو مذى أوودى أو منى أوغير معتاد كدودة و حصاة ودم قليلاكان الخارج أو كثيرا

لقوله تعالى (أو جاء أحد منكم من الغائط (المائدة:٥/٦) كناية عن الحدث من بول وغائط ولقوله عليه السلام لا يقبل الله صلوة أحدكم اذاأحدث حتى يتوضا فقال رجل من أهل حضر موت ما الحدث يا أباهريرة؟ قال فساء أو ضراط (متفق عليه من حديث أبى هريرة نيل الاوطار ١/١٨٥) وقوله عليه السلام "لا وضوء الا من صوت أو ريح (الترمذيوابن ماجه) ولأنّ الخارج غير المعتاد خارج من السبيل فأشبه المذى ولانه لا يخلو من بلة تتعلق به فينتقض الوضوء بها وقد أمر النبى ﷺ المستحاضة بالوضوء لكل صلاة و دمها خارج غير معتاد واستثنى الحنفية فى الأصح ريح القبل فهو غير ناقض لأنه اختلاج لا ريح و لن كان ريحا فهو لا نجاسة فيه.

وكذا في فتح القدير:(١/١٤، ضبع: رشيديه)

والريح من الذكر فهو اختلاج لا ريح فلا ينتقض كالريح الخارجة من جراحة في البطن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۷۵

﴿نیند کی وہ حالتیں جن سے وضوٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب، نیند کی وہ کون کونسی حالتیں ہیں جن سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اور اسی طرح وہ کون کونسی حالتیں ہیں جن سے وضوء نہیں ٹوٹتا براہ کرم مدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

﴿جواب﴾ نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اونگ سے نہیں ٹوٹتا چونکہ نیند میں انسان کے اعضاء ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور اپنے سے بے خبر ہوجاتا ہے اس لیے غالب یہی ہے کہ ریح خارج ہوگئی ہوگی، تو گہری نیند بشرطیکہ اسکی جسمانی ہیئت وکیفیت بھی ایسی ہو کہ جس میں ریح خارج ہونا غالب ہو، وضوء کیلئے ناقض قرار دے دیا گیا ہے لہذا نماز میں سنت ہیئت بدلے بغیر کوئی سوجائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا، خارج نماز سیدھا بیٹھا ہوتب بھی نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا، ٹیک لگا کر سوجائے اور نچلا حصہ زمین سے اٹھا ہوا ہو اور نیند اتنی گہری ہو کہ بالفرض سہارا دور کیا جائے تو وہ گر پڑے تو اتنی گہری نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

كذا في الهندية:(١/١٢، ضبع: رشيديه)

ينقضه النوم مضطجعا في الصلاة وفي غيرها بلا خلاف بين الفقهاء وكذا النوم متوركا بأن نام على أحد وركيه، هكذا في البدائع ولو كان النوم مستلقيا على قفاه هكذا في شرح الزاهدي ولو نام مستندا الى ما لو أزيل عنه لسقط إن كان مقعدته زائلة عن الأرض نقض بالاجماع، وإن كان غير زائلة فالصحيح أن لا ينقض هكذا في التبيين ولو نام قاعدا ووضع أليتيه على عقبيه شبه المنكب لا وضوء عليه ولا ينقض نوم القائم والقاعد ولو في السرج أو المحمل ولا الراكع ولا الساجد مطلقا إن كان في الصلاة وإن كان خارجها فكذلك الا في السجود فانه يشترط أن يكون على الهيئة المسنونة بأن يكون رافعا بطنه عن فخذيه مجافيا عضديه عن جنبيه وإن سجد على غير هذه الهيئة انتقض وضوءه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ — فتویٰ نمبر: ۳۶۷۴

﴿خروج ریح اور نیند کے بعد وضو کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضوء کیلئے استنجاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو ملامت بھی کرتے ہیں، اسی طرح اگر خروج ریح وغیرہ ہو جائے یا جب بھی وضوء کا ارادہ ہو اس سے پہلے استنجاء کو ضروری سمجھتے ہیں اگر چہ اسکی کوئی حاجت نہ ہو، کیا انکا یہ فعل درست ہے؟

﴿جواب﴾ خروج ریح کی صورت میں یا نیند سے بیدار ہونے کے بعد یا ہر وقت وضوء سے قبل استنجاء کو ضروری سمجھنے کو علماء نے بدعت لکھا ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۳۳۵،طبع سعید)

لا لمتنجس عن سبيل ، فلايسن من ريح وحصاة ونوم وفصد.قوله:(فلا يسن من ريح) لأن عينها طاهرة وانما نقضت لانبعاثها عن موضع النجاسة.ه ولأن بخروج الريح لايكون على السبيل شئ فلايسن منه بل هو بدعة كما في المجتبى بحر.....(ونوم لأنه ليس بنجس أيضا.

ولما في الهندية:(۱/ ۵۰،طبع رشيديه)

(الاستنجاء على خمسة أوجه)....والخامس بدعة وهو الاستنجاء من الريح كذا في الاختيار شرح المختار.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ ‏ ‏ ‏ ‏ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ ‏ ‏ ‏ ‏ فتویٰ نمبر:۱۵۱

﴿وضو اور نماز میں منہ سے خون آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں (۱) کہ میں وضو کرتے ہوئے جب مسواک کرتا ہوں یا صرف انگلی سے دانت صاف کرتا ہوں تو ایک مسوڑے سے خون آنا شروع ہو جاتا ہے کبھی دوران وضو پتہ چلتا ہے کہ خون آرہا ہے اس وقت از سر نو وضو کروں یا وہی کافی ہے؟ اگر از سر نو وضو کا حکم ہے تو کیا اس میں خون رکنے کا انتظار کروں یا نہیں اور دوبارہ وضو میں مسواک یا انگلی کا استعمال کروں یا نہیں؟

(۲) کبھی نماز میں اس مسوڑے کو زبان لگنے سے خون آتا ہے ذائقہ سے پتہ چلتا ہے کہ خون آ گیا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ خون غالب ہے یا تھوک تو کیا جب ذائقہ محسوس ہو تو نماز چھوڑ کر وضو کروں یا نماز کے بعد تھوکنے سے معلوم کروں کہ خون زیادہ ہے یا تھوک؟ اس صورت میں اگر خون زیادہ ہو تو اعادہ صلوٰۃ کروں؟ یاد رہے کہ یہ خون کبھی کبھی آتا ہے ہر وضو میں نہیں۔

﴿جواب﴾ دوران وضو یا وضو کے بعد مسوڑے سے خون نکل آئے اور تھوک خون پر غالب ہے تو وضو نہیں ٹوٹا اسی طرح تھوک خون برابر ہیں تب بھی وضو نہیں ٹوٹا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ وضو کر لیں اور اگر خون تھوک پر غالب ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی البخاری: (۲۵/۱، طبع قدیمی)

قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلاة من احدث حتى يتوضا.

ولمافی التنویر وشرحہ: (۱۳۹/۱، طبع ایچ ایم سعید)

وينقضه دم مائع من جوف او فم غلب على البزاق حكما للغالب او ساواه احتياطا لا ينقضه المغلوب بالبزاق.

ولمافی الدر المختار: (۸۵/۱، طبع ایچ ایم سعید)

وسببها الحدث فى الحكمية وهو وصف شرعي يحل فى الاعضاء يزيل الطهارة.

مسواک اور انگلی کے استعمال سے اگر آپ کو بار بار وضو ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے تو آپ صرف کلی پر اکتفاء کر سکتے ہیں عذر کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑنے کی گنجائش ہے۔

لمافی الشامی: (۱۰۲/۱، طبع ایچ ایم سعید)

وفى التحرير ان تاركها يستوجب التضليل واللوم والمراد الترك بلا عذر على سبيل الاصرار كما فى شرح التحرير لابن امير حاج.

(۲) اگر نماز کے دوران مسوڑے سے خون نکلے تو غالب گمان پر عمل کیا جائے گا اگر غالب گمان خون کے تھوک پر غلبہ کا ہے تو نماز فاسد ہو گی اور اگر صرف شک ہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی نماز سے فارغ ہونے کے بعد تھوکنے سے خون غالب نظر آیا اس سے بھی اگر غالب گمان ہو جائے کہ دوران نماز خون تھوک پر غالب تھا تو نماز واجب الاعادہ ہے ورنہ نہیں۔

لما في الدر المختار: (۱/۲۸۲، طبع امدادیہ)

ولو ایقن بالطهارة وشک بالحدث او بالعکس اخذ بالیقین۔

ولما في الهندية: (۱/۱۳، طبع رشیدیہ)

من شک في الحدث فهو علی وضوئه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حسین عفی عنہ

۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۴۸

﴿نسوار اور سگریٹ سے وضوء نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نسوار اور سگریٹ سے وضو ٹوٹتا ہے؟ نیز جب نسوار منہ میں ہو تو ہم ذکر کر سکتے ہیں؟ — مستفتی: محمد دین وزیرستانی

﴿جواب﴾ نسوار اور سگریٹ سے وضو نہیں ٹوٹتا البتہ دونوں سے منہ بدبودار ہو جاتا ہے ایسی صورت میں وضو مستحب ہے ذکر کیلئے بھی منہ کا صاف ہونا مستحب ہے ضروری نہیں ہے

لما في الشامي: (۱۰/۴۲، طبع امدادیہ ملتان)

فانه لم يثبت اسكاره ولا تفتيره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل في الاشياء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لايلزم منه تحريمه على كل احد

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر ۱۷۷

﴿بچے کو دودھ پلانے سے عورت کا وضوء نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ اگر عورت بحالت وضوء اپنے بچہ کو دودھ پلائے یا خود بخود اس کا دودھ نکل آئے تو کیا ان دونوں صورتوں میں عورت کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ — مستفتیہ: ام عکاشہ

﴿جواب﴾ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اس کا وضوء نہیں ٹوٹتا، وضوء ٹوٹنے کا مدار نجس چیز کے نکلنے پر ہوتا ہے جبکہ عورت کا دودھ نجس نہیں ہے۔

لما في البحر الرائق (۱/۲۹ طبع سعید)

(قوله وينقضه خروج نجس منه) اى وينقض الوضوء خروج نجس من المتوضيء الخ

ولما فی الدر المختار: (۲۶۱/۱، طبع امدادیه)

(وینقضه خروج) کل خارج (نجس) بالفتح وبکسر (منه) ای من المتوضی، الخ.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: محمد حسین

۶ رجب ۱۴۲۸ھ
فتویٰ نمبر: ۱۰۴۹

﴿فلم و ڈیو دیکھنے سے وضوء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علما کرام کہ فلم و ڈیو دیکھنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فلم و ڈیو دیکھنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا لیکن گناہ ہے اور گناہ کے بعد وضوء کرنا مستحب ہے۔

لما فی قاضی خان: (۳۲/۱، طبع قدیمی)

ومندوب وذالک غیر معدود، فمنها الوضوء للنوم اذا اراد النوم یستحب له ان یتوضأ ومنها المحافظة علی الوضوء وتفسیره ان یتوضأ فی الاوقات کلها ومنها الوضوء بعد الغیبة وبعد انشاد الشعر.

ولما فی نور الایضاح: (ص ۲۴، طبع قدیمی)

ومندوب للنوم علی طهارة۔۔۔۔وبعد کلام غیبة وکذب وبعد کل خطیئة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن ندیم سواتی

۶ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ
فتویٰ نمبر: ۲۳۲۶

﴿گھٹنے کھلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا﴾

﴿سوال﴾ اگر گھٹنے کھل جائیں تو کیا اس سے وضو ٹوٹتا ہے؟

﴿جواب﴾ گھٹنے کھلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ لوگوں کے سامنے گھٹنوں کا کھولنا گناہ ہے اور ہر گناہ کے بعد وضو کا اعادہ مستحب ہے، لہٰذا ایسی صورت میں وضوء کا اعادہ کرنا بہتر ہے۔

لما فی الدر المختار: (۱۹۷/۱-۱۹۸، طبع امدادیه)

ومندوب فی نیف وثلاثین موضعا ذکرتها فی الخزائن ومنها بعد کذب وغیبة وقهقهة وشعر واکل جزور وبعد کل خطیئة.

ولما فی الشامی:(۲۰۲/۱،طبع سعید)

فالرکبۃ من العورۃ لروایۃ الدار قطنی : ماتحت السرۃ" الی الرکبۃ من العورۃ".

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عبدالستار

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر:۷۸۳

﴿دکھتی آنکھ بہنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آنکھ سے بہنے والا پانی ناقض وضو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا مستفتی: داؤد جان چارسدوی

﴿جواب﴾ آنسو آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا دکھتی آنکھوں سے آنے والے پانی میں اگر یقینی طور پر خون یا پیپ شامل نہیں ہے تو اس سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا، احتیاط کرے تو زیادہ بہتر ہے، ہاں خون یا پیپ آنا ظاہر ہو یا معالج اسکو پیپ قرار دے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے ایسی صورت میں نماز کا وقت داخل ہونے سے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔

لما فی الشامی:(۲۸۰/۱،طبع امدادیہ)

(ناقض)قال فی المنیۃ:وعن محمد اذا کان فی عینیہ رمد وتسیل الدموع منھا آمرہ بالوضوء لوقت کل صلوۃ لانی اخاف ان یکون ما یسیل۔۔۔نعم اذا علم با خبار الاطباء او بعلامات تغلب ظن المبتلی یجب اھ۔۔۔لکن صرح فی المعراج بانہ صاحب عذر فکان الامر للایجاب ویشھد لہ قول المجتبی ینتقض وضوء ہ.

لما فی البحر:(۳۲/۱-۳۳،طبع سعید)

ولو کان فی عینیہ رمد او عمش یسیل منھا الدموع قالوا یؤمر بالوضوء لوقت کل صلوۃ لاحتمال ان یکون صدیدا او قیحا اھ وھذا التعلیل یقتضی انہ امر استحباب فان الشک۔۔۔۔علی ظن المبتلی یجب.

ولما فی فتح القدیر:(۱۸۷/۱،طبع رشیدیہ)

فی عینیہ رمد یسیل دمعھا یؤمر بالوضوء لکل وقت صلوۃ لاحتمال کونہ صدیدا، واقول ھذا التعلیل یقتضی انہ امر استحباب فان الشک والاحتمال فی کونہ ناقضا لا یوجب الحکم بالنقض ۔۔۔۔او علامات تغلب ظن المبتلی یجب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۵ محرم ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر ۱۰۸۳

﴿انجکشن سے وضوء ٹوٹنے کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں ،علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل انجکشن کے ذریعے بیشار لوگوں کے جسم میں دوا داخل کی جاتی ہے،اور انجکشن لگانے کے بعد اس جگہ سے خون نکل آتا ہے،سوال یہ ہے کہ یہ خون ناقض وضو ہے یا نہیں؟ نیز آجکل ہاسپٹل میں خون ٹیسٹ کے لئے انجکشن کے ذریعے خون نکالا جاتا ہے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ مستفتی: عبدالشکور

﴿جواب﴾ (۱) انجکشن گوشت میں لگا کر جو خون جسم سے نکلتا ہے وہ عموما بہت کم مقدار میں ہوتا ہے، اس لئے وہ ناقض وضو نہیں ،ہاں اگر کبھی زیادہ مقدار میں خون نکلے اور اپنی جگہ سے بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا ،البتہ وریدی انجکشن میں چونکہ پہلے پچکاری میں خون نکالا جاتا ہے، تاکہ سوئی کا ورید میں پہنچنے کا یقین حاصل ہوجائے اور یہ خون عموما کافی مقدار میں ہوتا ہے، لہٰذا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۲) اور اگر انجکشن کا منشاء خون نکالنا ہی ہو، جیسا کہ خون ٹیسٹ وغیرہ میں ہوتا ہے تو یہ مطلقا ناقض وضو ہے، اسلئے کہ یہ خون زیادہ مقدار میں ہوتا ہے، لہٰذا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی الدرمع الرد:(۱/۲۶۲،طبع امدادیہ)

لومسح الدم کلماخرج ولوترکہ لسال نقض والالا وفی الشامیۃ:کذالو وضع علیہ قطنا او شیئا اٰخر حتی نشف ثم وضعہ ثانیا وثالثا فانہ یجمع جمیع ما نشف فان کان بحیث لوترکہ سال نقض

ولما فی التاتارخانیۃ:(۱/ ۹۲ طبع قدیمی)

ولوغرزرجل ابرۃ فی یدہ وخرج منہ الدم وظھر اکثر من راس الابرۃ لم ینتقض وضوءہ — اذا غرز فی عضوہ شوکا او ابرۃ فأخرج ذلک وظھر منہ الدم ولم یسل ظاھرا لاینتقض وضوءہ

ولمافی تنویر الابصار وشرحہ:(۱/ ۲۶۸،طبع امدادیہ)

(وکذاینقضہ علقۃ مصت عضوا وامتلأت من الدم ومثلھا القرادان)کان (کبیرا)لأنہ حینئذ (یخرج منہ دم مسفوح)سائل.

ولما فی التاتارخانیۃ:(۱/ ۹۲،طبع قدیمی)

القراد اذا مص من عضو انسان وامتلأ دما ان کان صغیرا لاینتقض وضوءہ وان کان کبیرا ینقض العلقۃ اذا اخذت بعض جلد الانسان ومصت حتی امتلأت من دمہ بحیث

لو سلطت لسال انتقض الوضوء لان الدم سائل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفی عنہ

۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر ۱۰۸۶

﴿آبلے یا زخم سے خون وغیرہ نکلے یا کوئی نکالے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی اپنا آبلہ (دانہ) پھوڑے اور اس سے خون یا پیپ وغیرہ نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ آبلے یا زخم سے خون یا پیپ وغیرہ خود نکلے یا دبا کر کوئی نکالے، ہر دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

لما فی التنویر وشرحه:(۱/۱۳۶ طبع سعید)

(والمخرج) بعصر (والخارج) بنفسه (سيان) في حكم النقض على المختار كما في البزازية قال لان في الاخراج خروجا صار كالفصد وفي الفتح عن الكافي انه الاصح واعتمده القهستاني وفي القنية وجامع الفتاوى انه الاشبه ومعناه انه الاشبه بالمنصوص رواية والراجح دراية فيكون الفتوى عليه. وفي الهندية:(۱/۱۱ رشيديه)

ولما في حلبي كبير:(ص ۱۱۵ طبع نعمانيه)

وذكر في المحيط "عصرت القرحة فخرج منها شئي كثير وكانت بحال لو لم تعصر لا يخرج شئي ينتقض الوضوء ...... وما في المحيط لوجه قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام لا يظهر تاثير الاخراج وعدمه في هذا الحكم لكونه خارجا نجسا وذلك يتحقق مع الاخراج كما مع عدمه فصار كالفصد وقشر النقطة فلذا اختار السرخسي في جامعه النقض فكيف وجميع الادلة الموردة من السنة والقياس تفيد تعليق النقض بالخارج النجس وهو ثابت في المخرج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر ۱۹۱۷

﴿فصل في الحيض والنفاس والجنابة﴾

﴿حیض ونفاس اور جنابت کے مسائل﴾

﴿مدت نفاس میں چار دن کے بعد خون بند ہونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے گھر ایک بچے

کی ولادت ہوئی ماں کو چار دن خون آیا اور پھر خون آنا بند ہوا، رمضان کا مہینہ تھا ماں نے نہ روزے رکھے اور نہ نماز پڑھی، بعد میں پتہ چلا کہ نفاس کی کوئی اقل مدت متعین نہیں ہے، پوچھنا یہ ہے کہ موصوفہ پر نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟ مستفتی: بشیر احمد نوشہرہ

﴿جواب﴾ چونکہ چار دن کے بعد خون آنا بند ہوا، لہذا اس وقت غسل کر کے نماز اور روزہ کا اہتمام کرنا چاہیے تھا لیکن جہل کی وجہ سے روزے نہیں رکھے اور نماز بھی نہیں پڑھی، اس لئے توبہ واستغفار کرے اور روزوں ونماز کا اعادہ کرے۔

لما فی العالمگیریة: (۱/۳۸-۳۹، طبع رشیدیه)

(الاحکام التی یشترك فیها الحیض والنفاس ثمانیة)...ولو انقطع دمها دون عادتها یکره قربانها وان اغتسلت حتی تمضی عادتها وعلیها ان تصلی وتصوم للاحتیاط.

ولما فی التاتارخانیة: (۱/۲۹۲ طبع قدیمی)

امراة ولدت وانقطع دمها بعد یوم او یومین انتظرت الی اخر الوقت، واغتسلت وصلت.

ولما فی البحر الرائق: (۱/۲۱۹ طبع سعید)

(ولا حد لاقله) ای النفاس...وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطه اتفق اصحابنا علی ان اقل النفاس مایوجد، فانها کما ولدت اذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فانها تصوم و تصلی وکان مارأت نفاسا، لاخلاف فی هذا بین اصحابنا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد فاروق چارسدوی

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۲۵

﴿نفاس کا خون کچھ بھی نہ آئے تب بھی غسل واجب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کا بچہ پیدا ہو گیا، لیکن ولادت کے بعد کوئی خون نہیں آیا، پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت پر نفاس کے احکام جاری ہونگے یا نہیں، اگر نفاس کے احکام جاری نہیں ہوتے تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بچے کی ولادت کے بعد کوئی خون ظاہر نہ ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک واجب ہے اور امام صاحبؒ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا

ہے، لہذا ایسی عورت غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھا کرے۔

لما فی الشامی: (۱/۱۶۸ طبع سعید کراچی)

(قوله اوولدت ولم تر دما) هذا قول الامام، وبه اخذ اکثر المشایخ وعند ابی یوسف، وهو روایة عن محمدؒ لا غسل علیها لعدم الدم وصححه فی التبیین والبرهان کما بسطه فی الشرنبلالیه ومشی فی نور الایضاح. لکن فی السراج ان المختار الوجوب احتیاطا وهو الاصح انتهی

ولما فی الهندیه: (۱/۱۷ طبع رشیدیه)

ولو ولدت ولم تر دما لا یجب الغسل عند ابی یوسف وهو روایة عن محمدؒ قال فی المفید هو الصحیح لکن یجب علیها الوضوء بخروج النجاسة مع الولد هکذا فی التبیین وعند ابی حنیفة رحمه الله یجب الغسل واکثر المشایخ اخذو بقوله وبه کان یفتی الصدر الشهید هکذا فی المحیط وقال ابو علی الدقاق وبه ناخذ کذا فی المضمرات. وفی الفتاوی هو الصحیح

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی غفر لہ ولوالدیہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۷۴

﴿ناتمام بچے کی ولادت کے بعد نفاس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی عورت کا ایسا بچہ پیدا ہو جائے جسکے بعض اعضاء بنے ہوں اور بعض نہیں یا بالکل اعضاء نہ بنے ہوں گوشت کا ایک لوتھڑا ہو تو اسکے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ حمل ضائع ہونے کی صورت میں بچے کے اعضاء کچھ کچھ اگر ظاہر ہوں تو بعد میں آنے والا خون نفاس شمار ہوگا۔ اور اعضاء کچھ بھی اگر ظاہر نہ ہوں تو بعد میں آنے والا خون حیض شمار ہوگا بشرطیکہ تین دن سے کم نہ ہو اور اس سے پہلے ماہواری کے بعد کم از کم پندرہ دن گزرے ہوں بصورت دیگر استحاضہ شمار ہوگا حیض و نفاس نہیں۔

لما فی الهندیه ۱/۳۷ طبع سعید کراچی

والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع اوظفر اوشعر ولد فتصیر به نفساء هذا فی التبیین وان لم یظهر شیئ من خلقه فلا نفاس لها فان امکن جعل مرئی حیضا یجعل

حیضاوالا استحاضة.

ولما فی البحر الرائق ۱/۲۱۸،۲۱۹طبع سعید کراچی

(قوله والسقط ان ظهر بعض خلقه ولد)وهوالولدالساقط قبل تمامه وهو كالساقط بعد تمامه فی احكام فتصیر المرأة به نفساء ...قید بقوله ان ظهر لانه لو لم یظهر من خلقته شیئفلا یكون ولدا ولاتثبت هذه الاحكام فلانفاس لها لكن ان امكن جعل المرئی من الدم حیضا وان لم یمكن كا ن استحاضة كذا فی العنایه .

ولما فی لتنویرمع الدر ۱/۳۰۲،۳۰۳طبع سعید کراچی۔

(وسقط بعض خلقه كید ورجل)او اصبع اوظفراوشعر ــــ(ولد) حكما(فتاسیر) المراة(به نفساء ولامة ام ولد ویحنث به)ــــ فان لم یظهر له شئی والمرئی حیض ان دام ثلاثا وتقدمه تام والاالاستحاضة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۶ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۷۷

﴿عورت کا بچہ پیدا ہونے کے بعد خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کا پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد پندرہ دن تک خون جاری رہا، اس کے بعد اس سے مٹیالے رنگ کا پانی آنا شروع ہوگیا، تو اب پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت کا غسل کر کے نماز، روزہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسؤلہ میں عورت کا چالیس دن کے اندر جب تک خون مکمل بند نہ ہو جائے، یا خالص سفید پانی نہ دیکھے، تب تک وہ نفاس میں رہے گی، اس لئے کہ خالص سفید رنگ کے علاوہ مثلاً مٹیالہ، سبز، سیاہ وغیرہ کے رنگ کا پانی سب دم نفاس کے حکم میں ہے لہذا ایسی عورت کیلئے غسل کر کے نماز، روزہ، ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔

لمافی مجموعة رسائل ابن عابدین: (۱/۸۴مکتبہ: عثمانیه)

(وفی غیر الأیستماعدا البیاض الخالص)قیل هو شیء یشبه الخیط الابیضا (من الا لوان)كالحضرة وغیرها من الخمسة السابقة(فی حكم الدم)ای فی مدة الحیض والنفاس

ولما فی حا شیة الطحطاوی: (۱/۲۲۸طبع رشیدیه)

(قوله وماتراه من لون)كحمرة وسواد اجماعاًوصفرة ضعیفة خضرة..........(قوله فی

منته) ـــــ قوله سوى بياض خالص) ـــــ (قوله فيها حيض) اى مدة ومثل الحيض النفاس

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ ٹانکوی

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۷۹

﴿جنابت کی صورت میں حیض لاحق ہو جائے تو کیا کرے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اُس عورت کے بارے میں کہ جس کو جنابت لاحق ہونے کے بعد ماہواری بھی شروع ہوگئی، تو کیا یہ عورت جنابت سے غسل کریگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں عورت غسل کر بھی لے تو پاک نہ ہوگی، ماہواری ختم ہونے پر صرف ایک غسل کافی ہوگا، طبعی کدورت دور کرنے کے لئے غسل کرنا چاہے تو کرلے کوئی منع بھی نہیں ہے۔

لما فی حلبی کبیر (ص ۶۱ مطبع سہیل اکیڈمی)

ان اجنبت المرأة ثم ادركها الحيض فان شاءت اغتسلت وان شاءت اخرت حتى تطهر.

ولما فی الفتاوى الهندية (۱/۱۶ مطبع رشیدیہ)

فقد نقل الشيخ سراج الدين الهندي الاجماع على انه لا يجب الوضوء على المحدث والغسل على الجنب والحائض والنفساء قبل وجوب الصلاة أو إرادة ما لا يحل الا به كذا في البحر الرائق. وان أرادت ان تأكل أو تشرب ان تتمضمض وتغسل يديها

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب [illegible]

۹ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۶

﴿حائضہ عورت دینی کتب کو چھو سکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ حائضہ عورت دینی کتب کا مطالعہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ حائضہ عورت دینی کتب کا مطالعہ کر سکتی ہے، البتہ زیادہ احتیاط اور ادب اس میں ہے کہ پاک کپڑے یا غلاف سے اس کو پکڑے کیونکہ اکثر دینی کتب قرآنی آیات پر مشتمل ہوتی ہیں، جب کہ ایسی حالت میں آیات والے حصہ کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، باقی کتاب کو ہاتھ لگا سکتی ہے۔

لما في البحر الرائق:(۲۰۲/۱،طبع سعيد)

وفي شرح الدرر والغرر ورخص المس باليد في الكتب الشرعية الا التفسير.

ولما في تنوير الابصار:(۲۹۲/۱،طبع سعيد)

(ويمنع صلاة وصوما وتقضيه ودخول مسجد والطواف وقربان ماتحت ازار وقراءة قرآن ومسه الابغلافه)

ولما في الدرالمختار:(۱۷٦/۱،طبع سعيد)

(والتفسير كمصحف لاالكتب الشرعية)فانه رخص مسها باليد لاالتفسير كما في الدرعن مجمع الفتاوى.

وفي الشامية:أقول:الاظهر:والاحوط القول الثالث اى كراهته في التفسير دون غيره لظهور الفرق ،فان القرآن في التفسيراكثرمنه في غيره ،وذكره فيه مقصود استقلالا، لاتبعا،فشبهه بالمصحف اقرب من شبهه ببقية الكتب ،والظاهر ان الخلاف في التفسيرالذى كتب فيه القرآن بخلاف غيره كبعض نسخ الكشاف.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:سعیداحمد

۱۸ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر:۷۸۸

﴿بیماری کے ایام میں وظیفہ وغیرہ پڑھنے کاحکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرکسی کامنزل اورآیت کرسی پڑھنے کاروزانہ معمول ہوتو کیاوہ شرعی عذر کے دنوں میں پڑھ سکتی ہے یانہیں براہ کرم وضاحت کیجئے؟

﴿جواب﴾ حالت حیض میں قرآن مقدس کی ایک آیت بھی تلاوت کی نیت سے پڑھنا جائزنہیں،البتہ وہ آیات جن میں دعاکامعنی ہو(مثلاً ربنا آتنا في الدنيا حسنة......الخ، سورۃ فاتحہ،معوذتین،وغیرہ)انکودعاکی غرض سے پڑھناجائزہےاوراسی طرح علماءکرام کے جمع کردہ ادعیہ مأثورہ کےاورادکوبھی پڑھ سکتی ہے جیسے مناجات مقبول وغیرہ کامنزل،لہٰذابطوروظیفہ کے وہی آیات پڑھنے کی گنجائش ہے،جن میں دعائیہ کلمات موجودہوں،جیسے سورۃ فاتحہ، معوذتین وغیرہ اوروہ آیات جن میں دعاکامعنی بالکل موجودنہ ہوجیسےایت الکرسی وغیرہ توبطور

وظیفہ ان آیات کا پڑھنا جائز نہیں لہٰذا مذکورہ صورت میں حیض اور نفاس کی حالت میں آیت الکرسی کا پڑھنا جائز نہیں اگرچہ بطور وظیفہ کیوں نہ ہو۔

لما فی الدر مع الرد:(۱/۲۹۲،طبع: سعید)

(لاباس)لحائض وجنب(بقرأۃ أدعیة)وفی الشامیة:فلو قرأت الفاتحة علیٰ وجه الدعاء أوشیئاًمن الآیات التی فیهامعنی الدعاء ولم ترد القرأۃ لاباس به.

ولمافی حلبی کبیری:(ص۵۰،طبع: نعمانیه)

ولو قرأمادون الآیة بقصد القرآن أوقرأالفاتحة لابقصدالقرآن بل علیٰ قصدالدعاء أو قرأالآیات التی تشبه الدعاء مثل ربناآتنافی الدنیاحسنةوفی الآخرة حسنة وقناعذاب النارونحوهاعلیٰ نیة الدعاء وکذالوسمع خبرأسارأفقال الحمدلله أوخبرسوء فقال انا لله وانااليه راجعون وکذالقرأۃ بسم الله الرحمٰن الرحیم علیٰ وجه الثناء لاعلیٰ قصدالقرآن یجوز… ولماعلیٰ وجه الدعاء والثناء فلانه لیس بقرآن لأن الأعمال بالنیات والالفاظ محتملة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۲۳ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿دوران حیض حاجت روائی کے لئے وظیفہ پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یہ آیت "أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ" روزانہ عشاء کے بعد ۵۰۰ مرتبہ اول اور آخر میں درود شریف کیساتھ بطور وظیفہ لگاتار چالیس دن بلاناغہ پڑھے، تو جو حاجت ہوگی وہ انشاءاللہ پوری ہو جائے گی، یہ بات ہم نے کسی کتاب میں پڑھی ہے اب آیا یہ وظیفہ پڑھنا درست ہے یا نہیں، اگر درست ہے تو عورت تو شرعی عذر میں لگاتار چالیس دن نہیں پڑھ سکتی، تو بعد میں ان کو پورا کریں یا شرعی عذر کے دنوں ہی میں پڑھ لے؟ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت کیجئے۔ مستفتیہ: بتوسط جواد

﴿جواب﴾ اس آیت کو بطور وظیفہ حاجت روائی کیلئے پڑھنا جائز ہے اور سلف وصالحین کا معمول رہا ہے اور عورت شرعی عذر کے ایام میں (یعنی ماہواری کے دنوں میں) بھی پڑھ سکتی ہے اس لئے کہ یہ آیت کے مذکورہ چند کلمات دعاوالتجاء پر مشتمل ہیں اور قرآن کریم کی کوئی بھی آیت اگر دعاوالتجاء پر مشتمل ہو تو ایسی آیات بطور دعا ماہواری کے دنوں میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

لمافی تفسیر ابن کثیر تحت هذه الاية:(۲/۱۷۷،طبع: رشیدیه)

وذكر حافظ ابن عساكر في ترجمة رجل حكى عنه ابو بكر ابن دود ....قال هذا الرجل كنت اكارى على بغل لى الى بلد الزبداني فركب معى ذات مرة رجل فمررنا على بعض الطريق على طريق غير مسلوكة ....فانتهينا الى مكان وعر وواد عميق وفيه قتلى كثير ......ونزل سكينا معه وقصد نى ففرت من بديه وتبعنى فناشدته الله فقلت خذ البغل بما عليه فقا ل هو لى انما اريد قتلك ....وقلت ان رأيت ان تتركنى حتى اصلى ركعتين فقال لى عجل فقمت اصلى فارتج على القرآن فلم يحضرنى منه حرف واحد فبقيت واقفا متحيرا و هو يقول هيه افرع فاجر الله على لسانى قوله تعالى (أمن يجيب المضطر اذا دعاه ويكشف السوء)فاذا انابفارس قد اقبل من فم الوادى وبيده ضربة فرمى بها الرجل فما اخطأت فؤاده فخر صريعافتعلقت بالفارس فقلت بالله من انت ؟فقال انا رسو ل الذى يجيب المضطر اذا دعاه وكشف السوء .قال فأخذت البغل والحمل ورجعت سالما .

ولمافى الدر مع الرد :(۱/۲۹۳،طبع: سعيد)

لابأس لحائض وجنب (بقراءة ادعية)قوله فلو قرأت الفاتحة او شيئا من الايات التى فيها معنى الدعاء ولم ترد القرءة لابأس به

ولمافى حلبى كبيرى:(ص:۵۰،طبع:نعمانيه)

وان قرء مادون الاية بقصد القرآن او قرء الفاتحة لا بقصد القرآن بل على قصد الدعاء اوقرء الايات التى تشبه الدعاء مثل ربنا أتنا ......على نية الدعاء..........واما على وجه الدعاء والثناء فلانه ليس بقرآن لان لاعمال بالنيات ولالفاظ محتملة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ
واللہ اعلم بالصواب: سمیع الرحمٰن دیروی

۲۵رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
فتویٰ نمبر:

﴿حالت حیض میں قرآنی وظائف پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی لڑکی پر جنات کے اثرات ہوں اور اس کو دور کرنے کے لیے قرآنی وظیفہ (سورۃ فاتحہ، معوذتین، آیت الکرسی وغیرہ) بلاناغہ پڑھنے کو کہا گیا ہو تو ایام حیض میں اسکا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ سائلہ: متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ حالت حیض میں قرآن مقدس کی ایک آیت بھی تلاوت کی نیت سے پڑھنا جائز نہیں، البتہ وہ آیات جن میں دعا کا معنیٰ ہو (مثلاً ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ......الخ، سورۃ فاتحہ،

معوذتین، وغیرہ) انکو دعا کی غرض سے پڑھنا جائز ہے لیکن صورت مسئولہ میں سائلہ چونکہ آیات قرآنیہ کو بطور وظیفہ پڑھنا چاہتی ہے جو کہ دعا کے زمرے میں آتا ہے اور دعا کی نیت سے پڑھنے کے لیے شرط یہ ہے کہ ان آیات میں دعا کا معنیٰ بھی پایا جائے۔

لہٰذا بطور وظیفہ کے وہی آیات پڑھنے کی گنجائش ہے، جن میں دعائیہ کلمات موجود ہوں، جیسے سورۃ فاتحہ، معوذتین وغیرہ اور وہ آیات جن میں دعا کا معنیٰ بالکل موجود نہ ہو جیسے ایت الکرسی وغیرہ تو بطور وظیفہ ان آیات کا پڑھنا جائز نہیں۔

لما فی الدر مع الرد: (۱/۲۹۳ طبع سعید) (لا بأس) لحائض وجنب (بقراءۃ أدعیۃ)

وفی الشامیۃ: فلو قرأت الفاتحۃ علیٰ وجہ الدعاء أوشیئاً من الآیات التی فیہا معنی الدعاء ولم ترد القراءۃ لا بأس بہ.

ولما فی حلبی کبیری: (ص/۵۰، طبع نعمانیہ)

وان قرأ ما دون الآیۃ بقصد القرآن أو قرأ الفاتحۃ لا بقصد القرآن بل علیٰ قصد الدعاء أو قرأ الآیات التی تشبہ الدعاء مثل ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ونحوہا علیٰ نیۃ الدعاء وکذا لو سمع خبراً سارا فقال الحمدللہ أو خبر سوء فقال انا للہ وانا الیہ راجعون وکذا قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم علیٰ وجہ الثناء لا علیٰ قصد القرآن یجوز..... واما علیٰ وجہ الدعاء والثناء فلانہ لیس بقرآن لأن الأعمال بالنیات والالفاظ محتملۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد کفایت اللہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۲۰۴۹

﴿حائضہ کے لیے آیات پر مشتمل کتب کا پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کیلئے حالت حیض میں ایسی کتابوں کو چھونا یا پڑھنا جائز ہے کہ جن میں چند قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں؟ نیز کیا حائضہ عورت زبانی تلاوت، کلمہ اور دیگر وظائف پڑھ سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ اگر کتاب کا اکثر حصہ یا آدھا حصہ آیات قرآنی پر مشتمل ہے تو حالت حیض ونفاس اور جنابت میں اس کا چھونا جائز نہیں، البتہ اگر کتاب کا

اکثر حصہ قرآنی آیات پر مشتمل نہیں ہے تو اس مقام سے چھونا جائز ہے، جہاں آیات قرآنی لکھی ہوئی نہ ہوں، نیز حائضہ عورت کیلئے تلاوت قرآن کریم بالکل جائز نہیں نہ دیکھ کر نہ زبانی، البتہ کلمہ دعائیں اور دیگر اذکار وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

لما فی جامع الترمذی:(۱/۱۹،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن

ولما فی فتاویٰ شامی:(۱/۱۷۷،طبع سعید)

ان کان التفسیر اکثر لایکرہ، وان کان القرآن اکثر یکرہ والاولیٰ الحاق المساواۃ بالثانی وھذا التفصیل ربما یشیر الیہ ماذکرناہ عن النھر.

ولما فیھا ایضا:(۱/۲۹۳،طبع سعید)

ویمنع قرأۃ قرآن .....(ولا باس)لحائض وجنب بقرأۃ ادعیۃ ومسھا وحملھا وذکر اللہ تعالیٰ، وتسبیح)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۵ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۰۳۹

﴿عورت حالت حیض ونفاس میں اذان کا جواب دے سکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ عورت حالت حیض ونفاس میں اذان کا جواب دے سکتی ہے؟　　　مستفتیہ: طالبہ جامعہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ حیض ونفاس والی عورت، جنبی آدمی ماثور دعائیں، دعاء قنوت، وہ آیات قرآنیہ جو دعاء پر مشتمل ہوں دعا کی نیت سے پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح اذان واقامت کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔

لما فی الدر مع الرد:(۱/۲۹۳،طبع سعید)

(ولا بأس)لحائض، وجنب(بقراء ۃ أدعیۃ ومسھا وحملھا وذکر اللہ تعالیٰ وتسبیح)

وفی الشامیۃ:(قولہ بقراء ۃ أدعیۃ الخ)شمل دعاء القنوت، وھو ظاھر المذھب کما قدمناہ.

ولما فی الھندیۃ:(۱/۳۸،طبع رشیدیہ)

ولایکرہ قراء ۃ القنوت فی ظاھر الروایۃ کذا فی التبیین وعلیہ الفتوی کذا فی

التجنيس والظهيرية، ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان ونحو ذالك كذا في السراجية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد قس

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۴۵۹

﴿ماہواری میں تفاسیر کو بلا حائل چھونے اور ترجمہ کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالت حیض میں تفسیر عثمانی اور معارف القرآن اسی طرح ترجمہ والا قرآن اٹھانا اور آیت کو توڑ کر ترجمہ کیساتھ پڑھنا کیسا ہے؟ وظیفہ کی غرض سے سورۃ اخلاص دوسو مرتبہ پڑھنا اور ایسی حالت میں حزب الاعظم پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی حالت میں اذان کا جواب دے سکتی ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ ایسی حالت میں تفاسیر کو بغیر حائل کے ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے، الگ کپڑے کے ساتھ ہاتھ میں لینے کا اہتمام کرنا اگرچہ دشوار ہے لیکن متعذر نہیں ہے، البتہ بعض خواتین کیلئے پڑھنا ناگزیر ہوتا ہے جن کیلئے شریعت نے اتنی گنجائش دی ہے کہ آیت کو توڑ توڑ کر پڑھیں، سورۃ اخلاص دعا پر مشتمل نہیں ہے، اس لئے ایسی حالت میں اس کا وظیفہ روک لیا کریں، البتہ حزب الاعظم میں اگرچہ بعض جگہ آیات بھی ہیں لیکن وہ آیات بھی دعاؤں پر مشتمل ہیں، اس لئے پڑھنے کی گنجائش ہے اور ایسی حالت میں اذان کا جواب بھی دے سکتی ہے۔

لما في الشامي: (۱/۱۷۶-۱۷۷ طبع سعید)

والحاصل انه لا فرق بين التفسير وغيره من الكتب الشرعية على القول بالكراهة وعدمه — أقول الاظهر والاحوط القول الثالث اى كراهته في التفسير دون غيره لظهور الفرق فان القرآن في التفسير اكثر منه في غيره وذكره فيه مقصود استقلالا لا تبعا فشبهه بالمصحف اقرب من شبهه ببقية الكتب — كبعض نسخ الكشاف.

ولما في التنوير مع الدر: (۱/۱۷۲ طبع سعید)

ويحرم به (تلاوة قرآن) ولو دون آية على المختار (بقصده) فلو قصد الدعاء..... او التعليم ولقن كلمة كلمة حل في الاصح.

وفي الشامية: ولو دون آية اى من المركبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة يعقوب شاه. (على المختار) اى من قولين مصححين..... أقول: ومحله

اذالم تكن طويلة كان بعضها كآية لا نها تعدل ثلاث آيات ذكره في الحلية عن شرح الجامع لفخر الاسلام.

ولما في التنوير مع الدر:(۱/۲۹۳،طبع سعيد)

(قوله بقصده)فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء اوشيئامن الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم ترد القراءة لا باس به كماقدمناه عن العيون لابي الليث وأن مفهومه ان ماليس فيه معنى الدعاء كسورة ابي لهب لا يوثر فيه قصدغير القرآنية. (لا باس) لحائض وجنب(بقراءة ادعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى وتسبيح)

وفي الشامية:شمل دعاء القنوت وهو ظاهر المذهب كما قدمناه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عزیزالرحمٰن چارسدوی

۸جمادی الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۴۱۰

﴿مدتِ نفاس میں خون کے وقفے کا اعتبار نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے نفاس کا خون پچیس (25) دن پر رکنے کی عادت تھی، جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو پچیس (25) دن پر خون رک گیا لیکن تین دن بعد پھر خون جاری ہوگیا، پوچھنا یہ ہے کہ پچیس (25) دن بعد یہ تین دن طہر میں سے شمار ہونگے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ان تین دن میں نماز اور روزہ کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ نفاس کی اکثر مدت چالیس (40) روز تک ہے،اس دوران کبھی خون آئے اور کبھی نہیں تو درمیان کے دنوں میں اس وقفہ کا اعتبار نہیں ہے، یہ تمام نفاس کا خون شمار ہوتا ہے، لہٰذا ان تین دن میں اگر نماز یا رمضان المبارک کے روزے یا قضاء وغیرہ اگر رکھے ہوں تو یہ نماز اور روزے ادا شمار نہ ہوں گے۔

لما في ردالمحتار:(۱/۲۹۷،كتاب الطهارة،باب الحيض،طبع امداديه)

لأن من أصل الامام أن الدم اذاكان في الأربعين فالطهر المتخلل لا يفصل طال أوقصر حتى لو رأت ساعة دما وأربعين الا ساعتين طهرا ثم ساعة دما كان الأربعون كلها نفاسا وعليه الفتوى كذافي الخلاصة.

ولما في الهندية:(۱/۳۷،كتاب الطهارة،ألفصل الثاني في النفاس،طبع رشيديه)

ألطهر المتخلل في الأربعين بين الدمين نفاس عندأبي حنيفة رحمه الله تعالى وان كان خمسة عشر يوما فصاعدا وعليه الفتوى.

ولما في خلاصة الفتاوى:(۱/۲۲۲،کتاب الحيض،الفصل الخامس في النفاس رشيديه)

الطهر المتخلل في الأربعين بين الدمين ان كان أقل من خمسة عشر يوماً لا يكون فاصلاً وهو كالدم المتوالي بالاتفاق وان كان خمسة عشر يوماً فصاعداً فكذلك عند أبي حنيفة وعليه الفتوى......وكذا لو بلغت بالحمل فولدت فرأت الدم يوماً ثم طهرت ثمانية وثلاثين ثم رأت الدم يوماً ثم انقطع أو استمر بها الدم فكذلك عند أبي حنيفة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۸صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتوی نمبر:۲۹۲۷

﴿حیض کا حکم ''جب عادت سے کم خون آئے''﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو دوران حیض ایک مقدار سے خون آتا ہے لیکن ایک مرتبہ اس معمول کی مقدار سے بہت کم خون آیا اور اس خون کا آنا بھی حیض کے دنوں میں ہوا یہ خون پانچ دن تک آتا رہا مسئلہ یہ ہے کہ یہ خون حیض شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی:ندیم

﴿جواب﴾ حیض کے دنوں میں جو بھی خون عورت دیکھے مقدار چاہے کم ہو یا زیادہ وہ حیض ہی کہلائے گا،ہاں کم از کم تین دن تک آئے۔

لما في الهداية:(۱/۶۲،طبع رحمانيه)

وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والكدرة حيض حتى ترى البياض خالصا.

ولما في الهندية:(۱/۶۲،طبع رشيديه)

طاهرة رأت على الكرسف اثر الدم يحكم بحيضها من حين الرفع ـــ ولا يشترط فيه السيلان هكذا في الخلاصة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۱۲/۳/۱۴۲۷ھ — فتوی نمبر:۱۲۲

﴿طہر متخلل اور اس دوران نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ماہواری خون میں میری عادت سات دن کی تھی،لیکن کبھی عادت والے دنوں کے شروع میں ایک دن خون آتا ہے،پھر

چھ دن کے بعد دو یا تین دن خون آتا ہے. تو اس صورت میں میری نمازوں اور حیض کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں آپ تمام دنوں کو حیض شمار کریں نماز وغیرہ چھوڑ دیا کریں اسلئے کہ ماہواری کی اکثر مدت یعنی دس ایام کے اندر، اندر یا دس ایام تک خون کے وقفہ کا اعتبار نہیں ہے، ہاں دس دنوں کے بعد بھی خون اور وقفہ کا سلسلہ جاری رہے تو آپ اپنی عادت کے دنوں کو حیض شمار کریں یعنی شروع کے صرف سات دن اور باقی کو بیماری سمجھیں اور دس دن کے بعد غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھنا شروع کردیں اور عادت کے دنوں کے علاوہ اور دنوں کی نمازیں قضاء پڑھیں یہ تو اس صورت میں کہ خون کا وقفہ پندرہ روز سے کم ہو۔

ہاں اگر خون کا وقفہ پندرہ روز سے زیادہ ہو تو یہ مستقل پاکی شمار کی جائیگی اور اس پاکی سے پہلے کا اور بعد کا خون اگر تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو تو حیض تصور ہوگا ورنہ عام بیماری تصور کریں اور ایسے دنوں کی نمازیں بھی لوٹائیں۔

لمافی التنویروشرحہ:(۱/۲۸۹-۲۹۰،طبع سعید)

وماتراہ من لون ککدرۃ وترابیۃ فی مدتہ المعتادۃ ----(ولوالمرئی طہرا متخللا)بین الدمین فیہا حیض لان العبرۃ لاولہ وآخرہ علیہ المتون فلیحفظ.

وفی الشامیۃ:"واختلفوا فیما بین ذلک علیٰ ستۃ اقوال کلہا رویت عن الامام،اشہرہا ثلاثۃ الاولی قول ابویوسف:ان الطہر المتخلل بین الدمین لاینفصل بل یکون کالدم المتوالی بشرط احاطۃ الدم لطرفی الطہر المتخلل فیجوز بدایۃ الحیض بالطہر وختمہ بہ ایضا--- وفی الہدایۃ الاخذ بقول ابی یوسف ایسر ہو کثیر من المتأخرین أفتوا بہ: لانہ اسہل علی المفتی والمستفتی سراج. وہو الأولیٰ،فتح وہو قول ابی حنیفۃ الآخر، نہایۃ" ملخصاً وتمامہ فیہ"

ولمافی الہندیۃ:(۱/۳۷،طبع رشیدیہ)

"وروی ابویوسف عن ابی حنیفۃ ان الطہر المتخلل بین الدمین اذاکان اقل من خمسۃ عشر یوما لم یفصل وکثیر من المتأخرین أفتوا.....سواء کانت مبتدأۃ أو معتادۃ وان جاوز العشرۃ ففی المبتدأۃ حیضہا عشرۃ أیام وفی المعتادۃ معروفتہا فی الحیض حیض والطہر طہر ہکذا فی السراج الوہاج.

ولمافی فتح القدیر:(۱/۱۷۵،طبع رشیدیہ)

"وروی أبویوسف عنہ وبہ أخذ أن الطہر اذا کان أقل من خمسۃ عشر لا یفصل و قیل

هو آخر أقوال أبي حنيفة وعليه الفتوىٰ".

ولما في النهاية على فتح القدير:(۱/۱۶۹،طبع رشيديه)

واما اذا زاد على عادتها المعروفة دون العشرة...... لا تؤمر بالاغتسال والصلاة — فان جاوز العشرة امرت بقضاء ماتركت من الصلاة بعد أيام عادتها كذا في المجتبىٰ وهو الاصح.

ولما في الشامي:(۱/۲۸۴،طبع سعيد)

"ثم اعلم أنه لا يشترط استمرار الدم فيها بحيث لا ينقطع ساعة، لان ذالك لا يكون الا نادرا بل انقطاعه ساعة أو ساعتين فصاعدا غير مبطل كذا في المستصفىٰ بحر: أي لأن العبرة لأوله وآخره كما سيأتي.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد شاکراللہ

۵محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۸۴

﴿عادت سے زائد حیض آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو چھ دن حیض آنے کی عادت تھی اب دس دن سے زیادہ کبھی گیارہ دن کبھی بارہ دن وغیرہ خون آنے لگا ہے،سوال یہ ہے کہ چھ دن سے زیادہ آنے والا خون حیض شمار ہوگا یا استحاضہ؟ اگر استحاضہ ہے تو کیا چھ دن کے بعد عورت نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ — مستفتی:خلیل الرحمٰن

﴿جواب﴾ اگر خون دس دن تک آیا دس دن سے اوپر نہیں آیا تو دس دن پورے حیض شمار ہونگے لیکن اگر دس دن سے تجاوز کر گیا تو اس وقت چھ دن سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ ہوگا،صرف چھ دن حیض کے شمار ہونگے ،اس صورت میں چھ دن کے بعد عورت نماز پڑھنا شروع نہیں کر سکتی یہاں تک کہ دس دن پورے ہو جائیں،دس دن سے خون تجاوز کرنے کی صورت میں عورت چھ دن کے بعد والی نمازوں کو قضا کرے گی اور اگر دس دن کے بعد خون نہیں آیا تو یہ دس دن حیض شمار ہونگے۔

لما في الشامي:(۱/۲۹۹،طبع امداديه)

تتمة: اختلفوا في المعتادة هل تترك الصلاة والصوم بمجرد رؤيتها الزيادة على العادة قيل لا لاحتمال الزيادة على العشرة وقيل نعم. استصحابا للأصل وصححه في النهاية والفتح وغيرهما.

ولما فی الهداية:(١/٦٥،طبع رحمانيه)

ولو زاد الدم على عشرة ايام ولها عادة معروفة دونها ردت الى ايام عادتها والذى زاد استحاضة.وفي حاشية الهداية:ولو زاد الدم على العشرة واما اذا زاد على عادتها المعروفة دون العشرة فقد اختلاف المشائخ فذهب أئمة بلخ الى انها تؤمر بالاغتسال والصلوٰة لأن حال الزيادة مترددة بين الحيض والاستحاضة لأنه ان انقطع الدم قبل ان يجاوز العشرة كان حيضاً وان جاوز العشرة كان استحاضة فلا يترك الصلاة مع التردد وقال مشائخ بخارا لاتؤمر بالاغتسال والصلوٰة لانا عرفناها حائضاً بيقين ودليل بقاء الحيض وهو رؤية الدم قائم ولا تكون استحاضة حتى تستمر فتتجاوز العشرة ولا دليل على ذالک فلا تؤمر حتى يتبين أمرهما فان جاوزت العشرة أمرت بقضاء ماتركت من الصلوٰة بعد ايام عادتها فى المجتبى هو الأصح.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۳۰/۵/۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۳۵۳

﴿حیض کی ایک خاص صورت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ ایک عورت کو پانچ دن حیض آیا کرتا تھا چند سال کے بعد حسب معمول ایک دفعہ پانچ دن حیض آنے کے بعد وہ پاک ہو گئی،ایک دن گزرا پھر دوسرے یعنی ساتویں دن دوبارہ خون آ گیا تو اب اس عورت کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں یہ کہا جائیگا کہ عورت کی عادت بدل گئی ہے اور اب اس کی عادت سات دن ہو گئی ہے لہذا یہ سات دن حیض کے شمار ہونگے اور اس پر حائضہ کے احکام مرتب ہونگے۔

(لما فى الرد المحتار ١/٢٨٥طبع سعيد)

أما المعتاده فمازاد على عادتها ويجاوز العشرة فى الحيض والاربعين فى النفاس يكون استحاضه كما اشار بقوله أو على العادة الخ اما اذا لم يتجاوز الأكثر فيهما فهو انتقال العادة فيهما فيكون حيضا ونفاسا رحمتى

(ولما فى بدائع الصنائع ١/٤٢طبع سعيد)

(واما)صاحبة العادة فى الحيض اذا كانت عادتها عشرة فزاد الدم على عليها فالزيادة استحاضة وان كانت عادتها خمسة فالزيادة عليها حيض معها الى تمام العشرة لما ذكرنا فى المبتدئة بالحيض

(ولما فی البحر الرائق ۲۱۲/۱ طبع سعید)

(قوله ولو زاد الدم علی أکثر الحیض والنفاس فما زاد علی عادتها استحاضة) لان ما رأته فی ایامها حیض بیقین وما زاد علی العشرة استحاضة بیقین وما بین ذلک متردد بین ان یلحق بما قبله فیکون حیضا وبین ان یلحق بما بعده فیکون استحاضة .....وقید بکونه زاد علی الأکثر لانه لو زاد علی العادة ولم یزد علی الاکثر فالکل حیض اتفاقا بشرط ان یکون بعده طهر صحیح۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:

﴿معلّمہ کیلئے حالت حیض میں قرآن پڑھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معلّمہ کے لئے ایام حیض میں حفظ وناظرہ قرآن پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

مستفتیہ: معلّمہ جامعہ فاطمۃ الزہرٰی للبنات اسماعیلہ

﴿جواب﴾ حالت حیض میں قرآن کریم کی تلاوت دیکھے اور بغیر دیکھے دونوں طرح ناجائز اور حرام ہے، البتہ صرف معلّمہ کے لئے اتنی رعایت بتائی گئی ہے کہ ایک ایک لفظ کر کے پڑھائے رواں نہ پڑھائے، مثلاً الحمد......للہ......رب ال...... علمین تو اسکی گنجائش ہے۔

لمافی التنویر مع الدر والرد: (۱۷۲/۱ طبع ایچ ایم سعید)

(و) یحرم به (تلاوة قرآن) ولو دون (آیة علی المختار (بقصده) فلو قصد الدعاء أو الثناء أو افتتاح أمر أو التعلیم ولقن کلمة کلمة حل فی الاصح (قوله کلمة کلمة) هو المراد بقول المنیة حرفا حرفا کما فسره به شرحها ،والمراد مع القطع بین کل کلمتین ،وهذا علی قول الکرخی ،وعلی قول الطحاوی تعلم نصف آیة ،نهایة وغیرها ،ونظر فیه فی البحر بان الکرخی قائل باستواء الآیة وما دونها فی المنع ،واجاب فی النهر بان مراده بمادونها مابه یسمی قارئا ،وبالتعلیم کلمة کلمة لایعد قارئا.

ولمافی حلبی کبیری: (ص ۵۰ طبع نعمانیة)

ولایکره التهجی للجنب والحائض والنفساء بالقرآن ،وکذا لایکره التعلیم من هؤلاء الصبیان وغیرهم حرفا حرفا ای کلمة کلمة مع القطع بین کل کلمتین وعلی قول الطحاوی لایکره اذا علم نصف آیة نصف آیة مع القطع بینهما ،والمصنف اختار قوله

فی الاول ومعناه مشی علی قول الکرخی ولایظهر له وجه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: عباداللہ غفرلہ ولوالدیہ

ا ربیع الاول ۱۴۳۲ھ　　　فتوی نمبر: ۲۹۴۴

﴿حیض کو دوائی کے ذریعہ بند کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ ایک طالبعلم یا کوئی ملازم شخص جو شادی شدہ ہے پردیس سے عرصہ دراز کے بعد جب دس دن کی چھٹی پر گھر جاتا ہے اور گھر میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں پاتا ہے، اس مجبوری کے پیش نظر کیا وہ اپنی بیوی سے حیض کے روک تھام کی دوائیاں استعمال کرا کر استمتاع کر سکتا ہے؟ نیز بتائیں کہ اس کی بیوی مذکورہ ادویہ استعمال کرنے کے بعد نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ عبادات انجام دینے کے قابل ہے؟ نیز ان ادویہ کے استعمال سے صحت پر برے اثرات تو مرتب نہیں ہوں گے؟　　　مستفتی: خوش محمد

﴿جواب﴾ (۱) حیض کا تعلق اس خون سے ہے جو بلا سبب بالغ عورت کے رحم سے آئے گویا حیض نام ہے خون کے آنے کا انجکشن یا ادویات کے ذریعے خون کو بالکل بند کر دیا جائے تو ایسی صورت میں حیض متحقق نہیں ہوتا، لہٰذا حیض کے احکامات اس پر جاری نہ ہونگے۔

(۲) خون بند ہونے کی صورت میں ایسی عورت پاک شمار ہوگی، نماز وغیرہ کا اہتمام اس پر لازم ہوگا اور شوہر بھی اس سے مل سکتا ہے۔

لمافی الهندية:(۱/ ۳۸،طبع رشيديه)

لایثبت حکم کل منهاالابخروج الدم وظهوره وهٰذاهوظاهرمذهب اصحابنا وعليه عامة مشائخنا وعليه الفتوىٰ هکذافی المحيط...... اذارات المراة الدم تترک الصلوٰة من اول مارات قال الفقيه وبه ناخذ کذافی التتارخانية ناقلاً عن النوازل.

(۳) چونکہ عورت کے لئے حیض کا آنا ایک فطری اور طبعی امر ہے اور فطری عمل کو دوا وغیرہ سے روکنا عموماً نقصان سے خالی نہیں ہوتا، لہٰذا بلا ضرورت شدیدہ کے اس سے بچنا بہتر ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۵/۴/ ۱۴۲۷ھ　　　فتوی نمبر: ۱۴۲۷

﴿حائضہ عورت کے ہاتھ سے پکے ہوئے کھانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ کسی کے گھر کھانا وغیرہ کھانے کے بعد جب کبھی طبیعت خراب ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ کھانا کسی حیض والی عورت نے پکایا ہے، اسلئے طبیعت خراب ہوگئی ان لوگوں کی یہ بات کہاں تک درست ہے حیض والی عورت کے ہاتھ کا کھانا کھانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

﴿جواب﴾ ان لوگوں کی بات میں کوئی صداقت نہیں حیض والی عورت کے ہاتھ سے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما فی مراقی الفلاح :(۱/ ۷۸ طبع قدیمی)

ولا یکرہ طبخھا ولا استعمال مامسته من عجین أو ماء أو غیرھما الا اذا توضأت بقصد القربة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد صلاح الدین چترالی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:

﴿آپریشن کے ذریعہ پیدائش کے بعد نفاس کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل بعض اوقات بچے کی پیدائش آپریشن کے ذریعے ہوتی ہے اب اس کے بعد جو خون آتا ہے یہ خون نفاس میں شامل ہے یا نہیں؟ مستفتی: فخرالدین

﴿جواب﴾ نفاس اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے آئے چاہے بچہ فطری طریقے سے پیدا ہو یا آپریشن کے ذریعے سے لیکن آپریشن کے بعد اگر خون آپریشن کی جگہ سے آئے تو یہ نفاس نہیں ہے اگر رحم سے آئے تو نفاس شمار ہوگا۔

لما فی الھندیة:(۱/ ۳۷ طبع رشیدیه)

ولو ولدت من قبل سرتها بأن كان ببطنها جرح فانشقت وخرج الولد منها تكون صاحبة جرح سائل لا نفساء، هكذا في الظهيرية والتبيين الا اذا خرج من الفرج دم عقيب خروج الولد من السرة فانه حينئذ يكون نفاساً هكذا في التبيين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: صلاح الدین چترالی

۳۰ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۳۵۲

﴿طہر متخلل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ ایک خاتون کو دو دن حیض آیا پھر نو دن طہر رہا پھر دسویں دن دوبارہ خون آ گیا اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے، اس سے کم کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا حیض و نفاس کے دنوں میں ایسی صورت پیش آ جائے تو مسلسل خون شمار ہوگا۔

چونکہ مذکورہ صورت میں دو دن خون آیا پھر نو دن تک طہر رہا پھر دسویں دن دوبارہ خون آ گیا تو اب اگر یہ خاتون مبتدأۃ (جسکو پہلی مرتبہ حیض آئے) ہے تو شروع کے دس دن حیض کے شمار ہونگے اور باقی استحاضہ کے، مبتدأۃ نہیں ہے اور اس کی خاص عادت معلوم ہو تو ایام عادت حیض شمار ہونگے اور باقی استحاضہ، لہٰذا باقی ایام میں وہ نماز پڑھنے کا اہتمام کرینگی۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۲۸۹-۲۹۰،طبع سعید)

(طهر امتخللا) بين الدمين (فيهاحيض) لان العبرة لاوله وأخره وعليه المتون.

ولمافی الهداية:(۱/۶۴،طبع رحمانيه)

والطهر اذاتخلل بين الدمين في مدة الحيض فهو كالدم المتوالي.

ولمافی العناية على هامش فتح القدير:(۱/۱۷۵،طبع رشيديه)

(ان الطهر اذاكان أقل من خمسة عشر يوما) لايفصل بين الدمين وهو كله كالدم المتوالي.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین
۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ	فتویٰ نمبر: ۷۱۵

﴿استحاضہ کا مسئلہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو چالیس دن نفاس کا خون آیا پھر چالیس دن کے بعد دو دن پاک رہی اور پھر خون آیا اب یہ خون حیض شمار ہوگا یا استحاضہ؟ مستفتی: خضر حیات صاحب

﴿جواب﴾ اگر عورت مبتدأۃ ہے یعنی اسکو پہلی مرتبہ نفاس کا خون آیا تو چالیس دن کے بعد اقل مدت طہر یعنی پندرہ دن گذرنے سے پہلے پہلے جو خون آئے وہ استحاضہ میں شمار ہوگا اسی

طرح اگر عورت معتادہ ہے یعنی اسکی عادت نفاس چالیس دن یا چالیس دن سے کم کم ہے تو عادت کے بعد اقل مدت طہر یعنی پندرہ دن گذرنے سے پہلے پہلے جو خون آئے وہ استحاضہ ہوگا استحاضہ کا حکم یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ نماز وغیرہ پڑھیگی۔

لما فی الهندية:(۱/۳۷،طبع رشيديه)

لورات الدم أكثر الحيض والنفاس فی اقل مدت الطهر فمارات بعدالاكثران كانت مبتدئة وبعدالعادةان كانت معتادةاستحاضة.

ولما فی البحر الرائق:(۱/۲۱۲،طبع سعيد)

ولوزادالدم على أكثرالحيض والنفاس فمازادعلى عادتهااستحاضة.

ولما فی الشامی:(۱/۲۸۵،طبع سعيد)

(والزوائد) على أكثره لوأكثرالنفاس اوعلى العادةوجاوزأكثرهما(قوله والزوائدعلى أكثره)اى فی حق المبتدأة؛ لماالمعتادةفمازادعلى عادتهاويجاوزالعشرةفی الحيض والاربعين فی النفاس يكون استحاضة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: اسرار عزیز دیروی

۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۱۳

﴿حیض ختم ہونے کے کتنی دیر بعد ہمبستری جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیض بند ہونے کے کتنی دیر بعد بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنا جائز ہے؟ مستفتی: حبیب الرحمٰن صاحب

﴿جواب﴾ اگر حیض پورے دس دن کے بعد بند ہو تو اسی وقت ہمبستری کرنا جائز ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ عورت پہلے غسل کرلے لیکن اگر دس دن سے پہلے حیض بند ہو تو دو شرطوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو ہمبستری کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں وہ یہ کہ یا تو عورت پہلے غسل کرے یا پھر پاک ہونے کے بعد اس کو اتنا وقت مل جائے کہ وہ غسل کرکے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی ہو اتنا بھی وقت نہ ملے تو غسل کے بغیر ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے۔

لما فی تنوير الابصار مع الدر المختار:(۱/۲۹۴-۲۹۵،طبع سعيد)

(ويحل وطؤهااذاانقطع حيضهالأكثره) بلا غسل وجوبابل ندبا(وان لاقله) (لا) يحل(حتى تغتسل)أوتيمم بشرطه(اويمضى عليهازمن يسع الغسل)ولبس الثياب

(والتحريمة) يعني من آخر وقت الصلوة.

ولما في رد المحتار: (۲۹۵/۱ طبع سعيد)

(قوله يعني من آخر وقت الصلوة) اعلم انه اذا انقطع دم الحيض لاقل من عشر و كان لتمام عادتها فانه لا يحل وطؤها الا بعد الاغتسال أو التيمم بشرطه كمامر لانها صارت طهارة حقيقة أو بعد ان تصير الصلاة دينا في ذمتها وذلك بان ينقطع ويمضي عليها أدنى وقت صلوة من آخره، وهو قدر مايسع الغسل واللبس والتحريمة فسواء كان الانقطاع قبل الوقت أو في اوله أو قبيل آخره بهذا القدر فاذا انقطع قبل الظهر مثلا أو في اول وقته لا يحل وطؤها حتى يدخل وقت العصر لانها لما مضى عليها من آخر الوقت ذلك القدر صارت الصلوة دينا في ذمتها، لان المعتبر في الوجوب آخر الوقت واذا صارت الصلاة دينا في ذمتها صارت طاهرة حكما لانها لا تجب في الذمة الا بعد الحكم عليها بالطهارة و كذا لو انقطع في آخره كان بين الانقطاع وبين وقت العصر ذلك القدر فله وطؤها بعد دخول وقت العصر لما قلنا اما اذا كان بينهما دون ذلك فلا يحل الا بعد الغروب لصيرورة صلوة العصر دينا في ذمتها دون صلاة الظهر، لانها لم تدرك من وقتها ما يمكنها الشروع فيه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد سجاد کشمیری

۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:

﴿اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں بعض عورتوں کا حمل وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے تو اسقاط کے بعد جو خون آئے وہ نفاس شمار ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: فرمان اللہ

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں اگر حمل کے بعض اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، انگلی، ناخن وغیرہ بن چکے تھے تو اسقاط کے بعد آنے والا خون نفاس کا ہوگا اور اگر کوئی عضو نہیں بنا تھا اور اسقاط کے بعد تین دن تک خون جاری رہا اور اس سے پہلے مکمل طہر بھی گزر چکا تھا تو حیض کا خون ہوگا ورنہ استحاضہ ہوگا لہٰذا جو بھی تعریف اس خون پر صادق آئے وہی مراد ہوگا۔

لما في العالمكيرية: (۳۷/۱ طبع رشيديه)

والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع او ظفر او شعر ولد فتصير به نفساء هكذا في التبيين وان لم يظهر شئ من خلقه فلا نفاس لها فان امكن جعل المرئي حيضا يجعل حيضا والا فهو استحاضة.

ولما فی الدر المختار:(۱/۳۰۲،طبع سعید)

وسقط مثلث السین ای مسقوط ظهر بعض خلقه کید اور جل او اصبع او ظفر او شعر......
ولدحکما فتصیر المرأة نفساء ...... فان لم یظهر له شی فلیس بشی والمرئی (الدم
المرئی)حیض ان دام ثلاثا وتقدم طهر تام والا استحاضة.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: رشید عالم مروت

۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ فتوی نمبر: ۹۹۰

﴿خاص ایام میں قرآن پاک اور کتب فقہ کو پڑھنے اور چھونے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں بنات کا ایک مدرسہ ہے، حفظ وناظرہ کے علاوہ شعبہ کتب بھی قائم ہے، خاص ایام میں عورتیں ہاتھوں پر دستانے پہن کر قرآن پاک اور دینی کتب کو چھوتی ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ ان ایام میں قرآن پاک اور دینی کتب کو پڑھنا اور چھونا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ نیز قرآن پاک اور احادیث یا فقہ کی کتابوں کے درمیان حکم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾(۱) خاص ایام میں عورتوں کا قرآن پاک کی تلاوت کرنا ناجائز اور حرام ہے، البتہ قرآن پاک کی وہ آیات جنہیں بطور دعا کے پڑھا جاسکتا ہو دعا کی نیت سے پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح معلّمہ کیلئے ایک ایک کلمہ کرکے بچیوں کو سبق پڑھانے کی اجازت ہے۔

جیسے الحمد......للہ......رب العلمین، ان ایام میں دینی کتب کا مطالعہ عورتوں کیلئے جائز ہے لیکن مطالعہ کے دوران قرآنی آیات کا تلفظ زبان سے ادا نہ کریں اور خاص آیات کو ہاتھ لگانے سے بھی گریز کریں۔

لما جامع الترمذی:(۱/۱۹،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن.

ولما فی الهندیة:(۱/۳۸،طبع رشیدیه)

ومنها حرمة قراءة القرآن، لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شیئا من القرآن والآیة وما

دونها سواء في التحريم على الاصح الا ان لا يقصد بما دون الآية القراءة مثل ان يقول الحمد يريد الشكر او بسم الله عند الاكل او غيره فانه لا باس به.

ولما في الدر المختار:(۱/۲۹۳،طبع سعيد)

وقراءة القرآن بقصده ومسه ولو مكتوبا بالفارسية في الاصح الا بغلاف المتصل كما مر.
وفي الشامية:(قوله وقراءة القرآن) ولو دون آية من المركبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعليمه كلمة كلمة.

(۲) مخصوص ایام میں عورتوں کا دستانے پہن کر قرآن مجید کو چھونا ناجائز ہے، البتہ ایسے کپڑے سے چھونے کی گنجائش ہے جو جسم سے علیحدہ ہو، عام کتب احادیث اور فقہ کو ضرورۃ چھونے کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ صرف اوراق پلٹنے پر اکتفا کریں یا کم از کم قرآنی آیات اور احادیث کو ہاتھ لگانے سے گریز رہے۔

لما في الهندية:(۱/۳۸،طبع رشيديه)

ومنها حرمة مس المصحف لا يجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنه كالخريطة والجلد الغير المشرز لا بما هو متصل به هو الصحيح — ولا يجوز لهم مس المصحف بالثياب التي هم لابسوها ويكره لهم مس كتب التفسير والفقه والسنن.

ولما في البحر:(۱/۲۰،طبع سعيد)

ومسه الا بغلافه اي تمنع الحائض مس القرآن لما روى الحاكم في المستدرك وقال: صحيح الاسناد عن حكيم بن حزام قال لما بعثني رسول الله ﷺ الى اليمن قال: لا تمس القرآن الا وانت طاهر.

ولما في فقه الاسلامي:(۱/۲۲٦،طبع رشيديه)

واستثنى الحنفية حالة مس القرآن بغلاف متجاف عن القرآن ويكره مسه بالكم تحريما لتبعيته للابس ويرخص لاهل كتب الشريعة من حديث وفقه وتفسير اخذ الورقة بالكم وباليد ضرورة ويكره مسها لانها لا تخلو عن آيات القرآن.

(۳) گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، اور حق تعالیٰ کی چھوٹی سی نافرمانی حقیقت میں بڑے نقصان کا باعث ہے، لہٰذا شریعت نے جس کام سے روکا ہو فوراً رک جانا چاہیے، صغیرہ کبیرہ کی بحث میں الجھنا نہیں چاہیے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ	واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ	فتویٰ نمبر: ۱۳٦۰

﴿چالیس دن سے پہلے بھی نفاس والی پاک ہوسکتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اب تک ہماری اور ہمارے گاؤں کی تمام عورتوں کی یہ ترتیب ہے کہ ولادت کے بعد ہماری عورتیں چالیس دن تک غسل ،نماز اور روزہ وغیرہ کچھ بھی نہیں کرتی ہیں اگر چہ ولادت کا خون وغیرہ بند ہوگیا ہولیکن اب کسی سے سنا ہے کہ چالیس دن تک انتظار کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب بھی ولادت کا خون بند ہوجائے تو غسل کر کے نماز ،روزہ ،تلاوت وغیرہ کا اہتمام کرلیا کریں ،پوچھنا یہ ہے کہ ان میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿جواب﴾ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن تک ہے لیکن اسکی اقل مدت متعین نہیں ہے، لہٰذا چالیس روز تک یا اس سے بھی زیادہ دنوں تک ولادت کا خون جاری رہے تو چالیس روز تک نفاس سمجھا جائیگا ،نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں ہوگا چالیس دنوں کے بعد نفاس شمار نہ ہوگا نماز پڑھنا ضروری ہوگا اور کم سے کم مدت چونکہ متعین نہیں ہے۔

اس لئے پہلے ہفتہ میں بھی خون آنا رُک جائے تو عورت غسل کر کے نماز پڑھے خون رکنے کے باوجود چالیس دنوں تک نفاس سمجھنا غلط ہے کسی عورت نے اس غلط فہمی کیوجہ سے نمازوں کو چھوڑا ہو تو قضاء لازم ہے اور استغفار بھی۔

لما فی البحر الرائق:(۱/ ۲۱۹،طبع سعید)

وذكر شيخ الاسلام في مبسوطه اتفق أصحابنا على ان اقل النفاس ما يوجد فانها كما ولدت اذا رأت الدم ساعةثم انقطع الدم عنها فانها تصوم وتصلى وكان مارأت نفاسا لا خلاف في هذا بين اصحابنا.

ولما في بدائع الصنائع:(۱/ ۴۱،طبع سعید)

فاذا طهرت قبل الاربعين اغتسلت وصلت بناء على الظاهر لان معاودةالدم موهوم فلا يترك المعلوم بالموهوم

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہائی

۱۴ رجب ۱۴۳۰ھ

فتویٰ نمبر: ۲۲۷۳

﴿حالت حیض میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرنے کی کوشش کرے بیوی اس کو بہت روکے لیکن وہ روکنے پر شدید جھگڑا کرے تو اس صورت میں اگر بیوی اپنے اوپر اس کو قدرت دے شدید جھگڑے سے بچنے کیلئے تو کیا وہ بھی گناہ گار ہوگی ؟ مستفتی: عبدالرحمٰن ملتان

﴿جواب﴾ حیض کے دوران بیوی سے جماع کرنا بنص قرآن وحدیث حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے مذکورہ صورت میں بیوی سے جتنا ہو سکے تو اپنے اوپر شوہر کو قدرت نہ دے اور اس معاملہ میں اس کی اطاعت نہ کرے، تاہم اگر اس کے باوجود بھی شوہر نہ مانے اور جھگڑے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بیوی گنہگار نہ ہوگی، سارا گناہ شوہر پر ہوگا۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص۱۴۵،طبع قدیمی)

ويحرم بالحيض والنفاس الجماع والاستمتاع بما تحت السرة الى تحت الركبة لقوله تعالى ولا تقربوهن حتى يطهرن وقوله عليه السلام لك ما فوق الازار فان وطئها غير مستحل له يستحب ان يتصدق بدينار او نصفه ويتوب وجزم فى المبسوط بكفر مستحله وصحح فى الخلاصة عدم كفره لانه حرام لغيره.

ولمافی الشامی:(۲۹۲/۱،طبع سعید)

ويمنع الحيض قربان زوجها ماتحت ازارها قوله بمعنى مابين سرة وركبة فيجوز الاستمتاع بالسرة ومافوقها والركبة وماتحتها ولو بلا حائل وكذا بمابينهما بحائل بغير الوطء.

ولمافی المرقاة:(۲۲۶/۷،طبع رشیدیه)

عن على رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا طاعة فى معصية انما الطاعة فى المعروف ،متفق عليه قال على القارى لا طاعة اى لاحد كما فى رواية الجامع اى من الامام وغيره كالوالد والشيخ فى فى معصية وفى رواية الجامع فى معصية الله انما الطاعة فى المعروف اى مالاينكره الشرع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن عفااللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۳۸۹

﴿حالت حمل میں ولادت سے پہلے خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو مثلاً دو ماہ

تک حیض نہیں آیا اور حمل کا ہونا نہ ہونا بھی معلوم نہیں تھا اب دو ماہ کے بعد خون آیا تو اسکا کیا حکم ہے، اسی طرح ولادت سے پہلے جو خون آتا ہے اسکا کیا حکم ہے؟ مستفتی: شاکر اللہ سواتی

﴿جواب﴾ حمل کی حالت میں جو خون آئے ولادت سے پہلے کا ہو یا ابتدائی ایام میں آئے یہ استحاضہ کا خون کہلائیگا بشرطیکہ حمل یقینی ہو۔

لمافی الهداية: (۱/۶۷، طبع رحمانیه)

والدم الذی تراه الحامل ابتداأو حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة وان کان ممتدا.

ولمافی التنویر مع الدر: (۱/۲۸۵، طبع سعید)

(وماتراه)...... (وحامل) ولو قبل خروج أکثر الولد (استحاضة). وفی البحر: (۱/۲۱۸، سعید)

لیکن اگر حمل کا ہونا یقینی نہ تھا صرف شک تھا تو جو خون آئے وہ اگر حیض کا خون بن سکتا تھا اس طرح کہ دونوں کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا وقفہ تھا، اور تین دن یا اس سے زیادہ جاری رہا تو حیض شمار ہوگا، ورنہ یہ استحاضہ کا خون کہلائیگا۔

لمافی الدر المختار: (۱/۵۰۱، طبع امدادیه)

فان لم یظهر له شیئ فلیس بشیئ والمرئی حیض ان دام ثلاثا وتقدمه طهرتام والا استحاضة. وفی القدیر: (۱/۱۶۱، طبع رشیدیه)

ولمافی التاتارخانية: (۱/۲۶۳، طبع قدیمی)

وفی (فتاوی الحجة) ولو ان امرأة طهرت شهرین ولم ترشیئاوبعدذلک رأت الدم غیر موضعها یکون حیضا وتصیر بمنزلة المبتدأة غیران المبتدأة اذا رأت الدم تمام الشهر یجعل العشرة الاولیٰ حیضا وهاهنا اذا استمر بها الدم تردالیٰ المعروف لان المکان انتقل دون العدد.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفی عنہ

۲ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۶۹

﴿حیض ونفاس کے دوران تسبیحات پڑھنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چونکہ عورت حیض و نفاس کے دوران نماز تلاوت وغیرہ نہیں کرسکتی اور عبادت میں وقفہ سے عبادت گزار عورت کی

عادت متاثر ہو جاتی ہے، لہٰذا عادت متاثر ہونے سے بچانے کے واسطے عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

﴿جواب﴾ عبادت کا تسلسل برقرار رکھنے اور عادت متاثر ہونے سے بچانے کے واسطے عورت کو چاہیے کہ حیض ونفاس کے دوران وضوء کر کے نمازوں کے اوقات میں مصلی یا مصلی جیسی کوئی بھی چیز بچھا کر اس پر بیٹھ کر تسبیحات (سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر) اور دیگر اذکار کا اہتمام کر لے، اس طرح کرنے سے ذکر کا ثواب ملے گا اور عادت برقرار رکھنے کیلئے اس عمل کا مستقل اجر الگ ملے گا۔

لما في البحر:(۱/۱۹۳ طبع سعيد)

وأما أنستنا فقالوا انه يستحب لها أن تتوضأ لوقت كل صلاة وتقعد على مصلاها تسبح وتهلل وتكبر وفي رواية يكتب لها ثواب أحسن صلاة كانت تصلي وصحيح في الظهيرية انها تجلس مقدار اداء فرض الصلاة كيلا تنسى العادة.

ولما في فتاوى شامي:(۱/۲۹۰، طبع سعيد)

يستحب لها أن تتوضأ كل صلاة وتقعد على مصلاها تسبح وتهلل وتكبر بقدر ادائها كي لا تنسى عادتها وفي رواية يكتب لها ثواب أحسن صلاة كانت تصلي.

ولما في خلاصة الفتاوى:(۱/۲۳۱ طبع رشيديه)

ويستحب للحائض اذا دخل وقت الصلوة ان تتوضأ ويجلس عند مسجد بيتها تسبح و تهلل.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر: ۱۵۳۲

﴿نیند کی حالت میں ماہواری شروع ہوگئی تھی یا ماہواری سے پاک ہوگئی تھی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت عشاء کی نماز پڑھے بغیر سوگئی صبح جب اٹھی تو حیض آ گیا تھا اور یہ معلوم نہیں کے کب حیض آیا ہے، اسی طرح ایک حائضہ عورت سوگئی صبح کو جب اٹھی تو پاک ہوگئی تھی، اور یہ معلوم نہیں کہ کب پاکی آئی ہے، ان دونوں صورتوں میں عشاء کی نماز کا کیا حکم ہے؟   مستفتی: ایک بندہ خدا

﴿جواب﴾ ہر دونوں صورتوں میں عشاء کی قضاء اس عورت پر لازم ہے حالت طہر میں

نماز عشاء پڑھے بغیر اگر سو گئی اور طلوع فجر کے بعد آنکھ کھلنے پر معلوم ہوا کہ ماہواری شروع ہو گئی ہے تو ممکن ہے کہ وقت کے آخیر تک وہ پاک تھی اور فرض نماز اس کے ذمہ باقی رہی، اسی طرح ماہواری کی حالت میں سو گئی اور طلوع فجر کے بعد جب آنکھ کھلی تو وہ پاک تھی تو اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ طلوع فجر سے کافی پہلے پاک ہو گئی ہو اور نیند کی وجہ سے اس کو خبر نہ ہوئی ہو اس لئے ہر دونوں صورتوں عشاء کی قضاء احتیاطاً ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار مع الشامی: (۲۹۱/۱ طبع سعید)

و فی الفیض: لو نامت طاہرۃ و قامت حائضۃ حکم بحیضہا مذ قامت و بعکسہ مذ نامت احتیاطاً (قولہ و بعکسہ) ای عکس التصور المذکور، بان نامت حائضاً و قامت طاہرۃ — (قولہ احتیاطاً) ای فی الصورتین، فتقضی العشاء فیہما ان لم تکن صلتہا کما فی البحر، حتی لو نامت قبل انقضاء الوقت ثم انتبہت بعد خروجہ حائضا یجب علیہا قضاء تلک الصلوۃ لانا جعلناہا طاہرۃ فی اخر الوقت حیث لم نحکم بحیضہا الا بعد خروجہ، ولو نامت حائضا وانتبہت طاہرۃ بعد الوقت یجب علیہا قضاء تلک الصلوۃ التی نامت عنہا لانا جعلناہا طاہرۃ من حین نامت وحیث حکمنا بطہارتہا فی آخر الوقت وجب القضاء

ولما فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر: (۱۴۹/۱ طبع رشیدیۃ)

(قولہ حکم بحیضہا مذ قامت) و ذا للاحتیاط فتقضی الصلاۃ التی نامت فی وقتہا حتی خرج لان الحوادث تضاف الی اقرب اوقاتہا (قولہ مذبعکسہ مذ قامت) ای اذا نامت حائضۃ و قامت طاہرۃ حکم بطہرہا مذنامت — (قولہ احتیاطاً) علۃ للعکس فقط، اقول بل ہو علۃ لہما معاً کما عللنا بہ فیما سبق و مما یدل علیہ عبارۃ البحر و نصہا و لو وضعت الکرسف لیلاً فلما اصبحت رأت الطہر تقضی العشاء فلو کانت طاہرۃ فرأت اللیلۃ حین اصبحت تقضیہا ایضا ان لم تکن صلتہا قبل الوضع انزالا لہا طاہر فی الصورۃ الاولی من حین وضعتہ......الخ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ　　فتویٰ نمبر: ۳۵۷۵

﴿نفل نماز کے دوران ماہواری آ گئی تو قضاء لازم ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت فرض یا نفل

نماز پڑھ رہی تھی، اور حالت نماز میں ماہواری آگئی تو یہ عورت فرض ونفل نماز کی قضاء کرے گی یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ ایسی صورت میں نفلی نماز کی قضاء لازم ہے، فرض کی نہیں۔

لما فی الهندیه: (۳۸/۱ طبع رشیدیه)

لو افتتحت الصلاة فی اخر الوقت ثم حاضت لا یلزمها قضاء هذه الصلاة بخلاف التطوع کذا فی الخلاصه.

ولما فی البحر الرائق: (۲۰۵/۱ طبع سعید کراچی)

فان ادرکها الحیض فی شئ من الوقت سقطت الصلوٰة عنها ان افتتحها ــ واذا ادرکها الحیض بعد شروعها فی التطوع کان علیها قضاء تلک الصلوٰة اذا طهرت.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: نصرت اللہ بنوی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر: ۳۵۷۴

لیکوریا (سیلان الرحم) کے پانی کا حکم

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لیکوریا کے مرض کی وجہ سے رحم سے سفید پانی رستا رہتا ہے، جس کی وجہ سے فرج داخل میں ٹشو وغیرہ رکھ دیتے ہیں، اگر وہ تر ہوجائے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر ٹشو نکال لیا جائے تو اس کے اندر کا حصہ تر ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ پہلے سے ایک پورا رکھا تھا، وہ تری روکنے کے لئے ناکافی تھا تو دوسرا رکھا، کیا دوسرا رکھنے سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ سیلان الرحم (لیکوریا) کا پانی نجس ہے، اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کپڑوں پر لگنے کی صورت میں کپڑے بھی ناپاک ہوجاتے ہیں، بعض خواتین کو کبھی کبھی یہ شکایت پیش آتی ہے اور وضو ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے، ایسی صورت میں ٹیشو پیپر یا روئی کا پورا استنجاء کے بعد وضو سے پہلے رکھنا چاہیے پھر جب تک یہ پانی باہر کی طرف ظاہر نہ ہو وضو باقی رہے گا، البتہ باہر کی جانب یہ پانی جسم پر ظاہر ہو یا پورا کچھ ظاہر تھا اور تری باہر کے حصہ پر ظاہر ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

پہلے سے رکھا ہوا پورا اگر نا کافی معلوم ہو اور مزید وہ رکھنا چاہتی ہے تو رکھ سکتی ہے، بشرطیکہ پہلا پورا نظر نہ آئے، اس لئے کہ پورا اندرونی حصہ میں پوری طرح اگر تر ہو جائے تب بھی وضو نہیں ٹوٹتا جب تک باہر کی جانب تری نہ رسے، لیکن دوسرا پورا رکھنے کے لیے پہلا پورا اگر ظاہر ہو جائے اور تری بھی اس پر آگئی تھی، تو وضو ٹوٹ جائے گا؛ اس لئے کہ وضو نجاست کے خارج ہونے سے جس طرح ٹوٹ جاتا ہے، نجاست ظاہر ہونے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے اگر چہ باہر کی جانب وہ نجاست ابھی نکلی نہیں ہے۔

اور بعض خواتین کو مسلسل یہ مرض رہتا ہے، فرائض پر اکتفاء کرتے ہوئے بھی ان کو وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، ایسی خواتین مستحاضہ کی طرح معذور کے حکم ہیں، وہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کریں، ان کا وضو اس پانی کی وجہ سے نہیں ٹوٹتا، وقت کے اندر جتنی چاہیں نمازیں پڑھیں، البتہ دوسرے وقت کے لئے وضو نیا کرنا ضروری ہوگا۔

لما في الدر المختار، (باب: الانجاس، ۱/۳۱۲،۳۱۳، طبع: سعید)

"اى برطوبة الفرج فيكون مفرعاً على قولهما بنجاستها".

لما في رد المحتار، ۱/۳۱۲، طبع: سعيد)

(برطوبة الفرج) اى الداخل ـــ ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً ككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الولد اوقبيله "

ولما في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، (باب: الحيض، ص: ۱۲۹، طبع: قديمى)

"وفى المضمرات عن النصاب به سلس بول فجعل القطنة فى ذكره ومنعه من الخروج وهو يعلم انه لو لم يحش ظهر البول فاخرج القطنة وعليها بلة فهو محدث ساعة اخراج القطنة فقط وعليها الفتوىٰ".

ولما في السعاية، (كتاب الطهارة، باب: الحيض، فروع مهمة، ۱/۲۰۱، طبع: سهيل اكيڈمی)

قال الشيخ عبد الحىٔ اللكهنوى: اذا خاف الرجل فروج البول فحشى احليله بقطنة ولولاه يخرج البول فلا بأس به لا ينتقض وضوء ه حتى يظهر البول على القطنة واذا بتل الطرف الداخل كذالك ما لم يبتل الظاهر منه".

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی

۸ صفر الخیر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۳۵۱۷

﴿فصل فی الانجاس والمتفرقات﴾

﴿طہارت ونجاست کے متفرق مسائل﴾

﴿نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ کا معیار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ کپڑے پر کتنی مقدار میں خون لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی نیز خون نجاست غلیظہ ہے یا نجاست خفیفہ اور نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے درمیان فرق کرنے کا معیار کیا ہے؟ مستفتی: محمد یاسین ایبٹ آبادی

﴿جواب﴾ اگر کپڑوں میں اتنا خون لگ جائے کہ وہ ہتھیلی کی گہرائی کے برابر ہو اور بے خبری میں اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائیگی اور اگر اس سے زیادہ مقدار میں ہو تو نماز نہیں ہوگی نماز لوٹانا ضروری ہوگا اور خون تھوڑا ہو یا زیادہ نجاست غلیظہ میں شمار ہوتا ہے۔

نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے درمیان مختلف فرق بیان کیے گئے ہیں مثلاً:

(۱) انسان کے بدن سے نکلنے والی کوئی بھی نجس چیز جس کی وجہ سے وضو یا غسل واجب ہو نجاست غلیظہ شمار ہوتی ہے

(۲) جس چیز کا نجس ہونا ایسی نص سے ثابت ہو کہ اس کے معارض کوئی دوسری نص نہ ہو تو وہ نجاست غلیظہ شمار ہوگی

(۳) جس چیز کے نجس ہونے میں علماء کرام کا اختلاف نہ ہو اور اس میں اجتہاد بھی ممکن نہ ہو تو وہ نجاست غلیظہ شمار ہوگی.

لما فی التنویر والدر ۱/۱۶ (طبع سعید)

(وعفی) الشارع (عن قدر الدرهم) وان کره تحریما فیجب غسله ، وما دونه تنزیها فیسن ، وفوقه مبطل فیفرض ، والعبرة لوقت الصلوة لا الاصابة علی الأکثر نهر .(وهو مثقال) عشرون قیراطاً (فی) نجس (کثیف) له جرم (وعرض مقعر الکف) وهو داخل مفاصل (اصابع الید (فی رقیق من مغلظة کعذرة) آدمی وکذا کل ما خرج منه موجبا لوضوء او غسل مغلظ (وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم) الا بول الخفاش وخرءه (ودم) مسفوح من سائر الحیوانات (وخمر) وفی باقی الاشربة روایات التغلیظ والتخفیف والطهارة

ولما فی الرد المحتار ۱/۳۱۶ طبع سعید)

(قوله وعلى الشارع)فيه تغيير للفظ المتن ،لانه كان مبنيا للمجهول لكنه قصد التنبيه على ان ذلک مروى لا محض قياس فقط وبعد اسطر (قوله ان كره تحريماً) اشار الى ان العفو عنه بالنسبة الى صحه الصلوة به ،فلا ينافي الاثم كما استنبطه في البحر

ولما فی العالمگیریة ۱/۵۱ قدیمی)

الاول المغلظة ،وعفى منها قدر درهم واختلفت فيه والصحيح ان يعتبر الوزن فى النجاسة المتجسدة وهو ان يكون وزنه قدر الدرهم الكبير المثقال وبالمساحة فى غيرها وهو قدر عرض الكف ،كل ما يخرج من بدن الانسان مما يوجب خراجه الوضوء او الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمنى والمذى والدم امسفوح وغيرها .

ولما فی البنایة ۱/۷۱۳ حقانیة)

وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم البول والخمر وخرء الدجاج وبول الحمار جازت الصلوة معه وان زاد لم تجز ،وبعد اسطر ثم يروى اعتبار الدرهم من حيث المساحة وهو قدر عرض الكف فى الصحيح.

ولما فی مراقی الفلاح ص۹۳ قدیمی)

فالتغليظ كالخمر وكانت غليظة لعدم معارضه نص بنجاستها كالدم المسفوح عند الامام والحنيفة لثبوت المعارض كقوله ﷺ :استنزهوا عن البول مع خبر العرنيين، وبعد اسطر ما ينقض الوضوء بخروجه من بدن الانسان كالدم السائل والمنى وغيرها ونجاستها غليظة بالاتفاق لعدم معرض دليل نجاستها عنده ولعدم مساغ الاجتهاد فنطهارتها عندهما .

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۱۵

﴿پختہ فرش بھی زمین کے حکم میں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زمین کی پاکی اس کا خشک ہونا ہے تو آج کل جو فرش ہوتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ آیا ان کی بھی پاکی خشک ہونا ہے یا ان کو دھونا ضروری ہے، اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اگر کوئی بچہ فرش پر پیشاب کر دے تو اس کا اثر تو باقی رہتا ہے۔

مستفتیہ: معلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ دھوپ اور ہوا کے ذریعہ خشک ہونے کے بعد فرش کا بھی زمین ہی کی طرح حکم

ہے، زمین پاک ہوجاتی ہے تو فرش بھی پاک ہوجاتا ہے لیکن زمین ہو یا فرش خشک ہونے کے بعد پاک ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بالکل خشک ہو یہاں تک کہ بو اور رنگ کا اثر بھی زائل ہو، کوئی ایک بھی اثر نجاست کا اگر باقی ہے تو زمین اور فرش پاک شمار نہ ہونگے۔

لمافی الشامی ۳۱۱/۱، طبع: سعید

"وتطهر (ارض) بخلاف نحو بساط (بيبسها) اى جفافها ولو بريح (وذهاب اثرها كلون) وريح لاجل (صلاة) عليها (لالتيمم) بها لان المشروط لها الطهارة وله الطهورية"۔۔۔۔۔(وقوله: اى جفافها) المراد به ذهاب الندوة، وفسر الشارح به لانه المشروط دون اليبس كما دلت عليه عبارات الفقهاء قهستاني، وصرح به ابن الكمال عن الذخيرة ،قوله: (بريح) اشار الى ان تقييد الهداية وغيرها بالشمس اتفاقى فانه لافرق بين الجفاف بالشمس او النار او الريح كما فى الفتح وغيره .قوله: (كلون وريح) ادخلت الكاف الطعم وبه صرح فى البحر والذخيرة وغيرهما"۔

ولمافی حاشیة الهداية ۷۰/۱، طبع: رحمانیه

"قلت: لافرق بين الجفاف بالشمس وللنار والريح والمراد من الاثر الذاهب اللون او الريح"۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ فتویٰ نمبر: ۳۶۳۸

﴿ناپاک قالین پر گیلے پاؤں سے چلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قالین نجاست کی وجہ سے ناپاک ہوگیا تھا، اب بالکل خشک ہو چکا ہے اور اس پر نجاست کے آثار نظر نہیں آرہے اب اگر کوئی شخص اس کے اوپر گیلے پاؤں سے چلے تو اس کے پاؤں ناپاک ہوجائیں گے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ پاؤں کی تری اتنی زیادہ ہو کہ قالین کو لگنے کے بعد واپس منتقل ہو تو ایسی صورت میں پاؤں بھی ناپاک ہوجاتے ہیں اگر اتنی زیادہ نہ ہو یعنی عام معمول کی تری ہو تو پیر ناپاک نہیں ہوں گے، اس لیے کہ معمول کی تری قالین کو لگتے ہی خشک ہوجاتی ہے، پیر کی طرف واپس منتقل ہونے کی مقدار میں نہیں ہوتی۔

لمافی الدر المختار: (۳۴۶/۱، طبع سعید)

نام أو مشى على نجاسة ان ظهر عينها تنجس والا لا لف طاهر فى نجس مبتل بماء ان بحيث

لو عصر لطهر تنجس والالا ولو لف مبتل نحو بول ان ظهر نداوته أو اثره تنجس والالا.

ولما فی حلبی کبیر:(ص ۱۷۴-۱۷۵،طبع سہیل اکیڈمی)

وکذا لا ینجس لونشر الثوب المبلول الطاهر علی مکان یابس نجس فابتل منه لکن لم یظهر عین النجاسة فی ثوب وکذا ان نام علی فراش نجس فعرق وابتل الفراش من عرقه فانه ان لم یصب بلل الفراش بعد ابتلاله بالعرق جسده لا یتنجس جسده وکذا اذا غسل رجلیه ومشی علی لبد نجس فابتل اللبد لا تتنجس رجله وکذا ان مشی علی ارض ای بالنسبة الی لونه الاول لکن لم یظهر اثر البلل المتصل بالارض فی رجله وجازت صلوته بدون اعادة غسلها لعدم ظهور عین النجاسة جمیع ذلک.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۸ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ　　　　فتویٰ نمبر:۲۱۵۳

﴿قالین کو دھونا ممکن نہ ہو تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کے قالین پر چھوٹے بچے نے پیشاب کر دیا۔قالین اتنا بڑا ہے کہ اس کو نکال کر دھونا ممکن نہیں اور اس کی بناوٹ اس نوعیت کی ہے کہ اوپر پانی ڈالنے سے ٹپکتا بھی نہیں ہے۔اب اس صورت میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ قالین کو کس طرح پاک کیا جائے۔　　　　مستفتی:ایک سائل فون پر

﴿جواب﴾ قالین کے نیچے کوئی بڑا ٹب وغیرہ رکھ کر جہاں بچے نے پیشاب کیا ہے اس جگہ زیادہ مقدار میں پانی ڈال دیں اور نیچے ٹب میں پورا پانی جانے کا انتظار کریں۔قالین کے نیچے کی طرف میں پلاسٹک یا اس جیسی کوئی چیز پانی نکلنے کے لیے اگر مانع ہے تو اس میں چند سوراخ کر لیں۔اس طرح اس جگہ پر کم از کم تین بار پانی ڈال کر گزار دیں تو اس سے قالین پاک ہو جائے گا۔

لما فی الهندیة:(۱/۴۲،طبع قدیمی)

وما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاث مرات والتجفیف فی کل مرة لأن للتجفیف اثرا فی استخراج النجاسة وحد التجفیف ان یخلیه حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط الیبس

ولما فی التنویر مع الدر والرد:(۱/۳۳۲،طبع سعید)

وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیره ای غیر منعصر بان تعذر عصره کالخزف او تعسر کالبساط

ولما فی مجمع الانهر وملتقی الابحر:(۱/۹۱، مکتبة المنار کوئته)

(قوله والا) وان لم یمکن العصر کالحصیر ونحوه فیطهر بالتجفیف کل مرة حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط الیبس

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفی عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نعیم اللہ شیخ غفرلہ ولوالدیہ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر:۳۹۶۸

﴿مچھلی کا خون نجس نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مچھلی کا کاروبار کرتا ہوں مچھلی کاٹنے کے بعد خون کے دھبے میرے کپڑوں کو لگ جاتے ہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ میں ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟ مستفتی: شیر بہادر سلطان آباد کراچی

﴿جواب﴾ مچھلی کا خون نجس نہیں ہے عام خون کی طرح یہ خون نہیں ہے اس لئے نماز ہو جائے گی لیکن ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اس لیے کہ نماز اپنے رب سے سرگوشی ہے اور انکی شان کا تقاضہ یہ ہیکہ پاک وصاف عمدہ لباس زیب تن ہو لھذا نماز کیلئے ایک پاک و صاف جوڑا رکھنے کا اہتمام کریں۔

ولما فی الشامی:(۱/۳۱۹،طبع: سعید)

(قوله دم سمک) لأنه لیس بدم حقیقة لأنه اذا یبس یبیض والدم یسود وشمل السمک الکبیر اذا سال منه شیئی فی ظاهر الروایة بحر.

ولما فی الشامی:(۱/۳۲۲، طبع سعید)

والمذهب أن دم السمک طاهر لأنه دم صورة لا حقیقة.

ولما فی الفتح:(۱/۲۰۹، طبع: رشیدیة)

(وان أصابه من دم السمک أو لعاب البغل أو الحمار أکثر من قدر الدرهم أجزأت الصلوٰة فیه) أما دم السمک فلأنه لیس بدم علی التحقیق فلا یکون نجسا.

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۲۶،طبع: قدیمی)

(دم) السمک وما یعیش فی الماء لا یفسد الماء ولا یفسد الثوب فی قول أبی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالی

ولما فی بدائع الصنائع:(۱/ ۶۱، طبع:سعید)

وأما دم السمک فقد روی عن ابی یوسف نه نجس وبه اخذ الشافعی اعتبارا بسائر الدماء وعند أبی حنیفه ومحمد طاهر لاجماع الامۃ علی اباحۃ تناوله مع دمه ولوکان نجسا لما أبیح ولأنه لیس بدم حقیقۃ بل هو ماء تلوّن بلون الدم لأن الدموی لا یعیش فی الماء۔

ولما فی الهندیة (۱/ ۵۷،طبع: رشیدیة)

و تکره الصلاۃ فی ثیاب البذلة کذا فی معراج الدرایة۔

ولما فی التنویر مع الدر:(۱/ ۶۴۰، طبع:سعید)

(و صلاته فی ثیاب بذلة) یلبسها فی بیته (ومهنة) أی خدمة ان له غیرها والاّ لا، وقال الشامی تحت قوله هذا (وصلاته فی ثیاب بذلة) ــــــ قال فی البحر وفسّرها فی شرح الوقایة بما یلبسه فی بیته ولا یذهب به الی ألاکابر والظاهر ان الکراهة تنزیهیة۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۹ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۱۵۳

﴿مچھر اور کھٹمل کے خون کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مچھر اور کھٹمل کا خون اگر کپڑوں کو لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟　مستفتی: سعید الرحمٰن نوشہروی

﴿جواب﴾ مچھر یا کھٹمل کا خون اگر کپڑوں پر لگ جائے تو دھوئے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے اگر چہ دھونا بہتر ہے۔

لما فی الشامی:(۱/ ۳۲۰، مطبوعه: سعید)

(قوله و قمل و برغوث وبق) أی وان کثر" بحر ومنیة" وفیه تعریض بما عن بعض الشافعیة

أنه لا یعفی عن الکثیرمنه و شمل ما کان فی البدن و الثوب تعمد اصابته أولا" حلیه"۔

ولما فی قاضی خان:(۱/ ۲۶، طبع: قدیمی)

و دم البق أوالبعوض أو البرغوث لا یفسد عندنا۔

ولما فی الفتح:(۱/ ۲۰۸، طبع:رشیدیه)

ودم البق والبراغیث لیس بشیء۔

ولما فی بدائع الصنائع: (۱/۶۲، طبع: سعید)

وأما الذی لیس له دم سائل فالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها أنه لیس بنجس عندنا

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: علی حیدر چارسدوی

۳ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۱۵۲

﴿گندگی پر بیٹھنے والی مکھیوں کا پاک کپڑوں پر بیٹھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری گوشت کی دوکان ہے، جہاں ہم جانور ذبح کر کے گوشت فروخت کرتے ہیں، جسکی وجہ سے یہاں عموماً گندہ خون جمار رہتا ہے، جس پر مچھر، مکھیاں بیٹھ کر پھر ہمارے پاک کپڑوں پر بیٹھتی ہیں، جن میں ہم نماز بھی پڑھتے ہیں! پوچھنا یہ ہیکہ ان مچھر اور مکھیوں کا کپڑوں اور جسم پر بیٹھنے سے کپڑے اور جسم ناپاک تو نہیں ہو جاتے ہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ مستفتی: گل شیر بٹگرام

﴿جواب﴾ خون ہو یا دوسری کوئی نجاست، اس پر بیٹھنے والے مچھروں اور مکھیوں کا پاک کپڑوں اور جسم پر بیٹھنے سے کپڑے اور جسم ناپاک نہیں ہو جاتے، ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ مچھر اور مکھیوں کے بیٹھنے کیوجہ سے کپڑوں پر میل یا میل وغیرہ ظاہر نہ ہو۔

میلے کچیلے کپڑوں میں نماز اگرچہ ہو جاتی ہے لیکن مکروہ ہوتی ہے، لہذا نماز کیلئے پاک وصاف کپڑوں کا انتظام کرنا چاہیے۔

لما فی فتاوی قاضیخان (۱/۲۲) طبع قدیمی

ذباب المستراح اذاجلس علی ثوب لایفسده الا أن یغلب ویکثر.

ولما فی الھندیة (۱/۴۷) طبع قدیمی) ذباب المستراح اذاجلس علی ثوب لایفسده الاأن یغلب ویکثر.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ — واللہ أعلم بالصواب: سیف اللہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۳۰۶

﴿کالے چھینٹے یا کیچڑ لگے ہوئے کپڑوں میں نماز ادا کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ راہ چلتے گاڑی گذرنے

سے پانی کے کالے چھینٹے کپڑوں پر پڑ گئے اور چھینٹے اتنے باریک تھے کہ غور کرنے سے نظر آتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان کپڑوں میں نماز ہو جائیگی؟ یا تبدیل کرنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ شریعت مطہرہ نے راستے کا عام پانی خواہ کالا ہو، ضرورت کی وجہ سے پاک قرار دیا ہے، البتہ گٹر کا پانی اور ایسا ہی دوسرا پانی جسکا نجس اور پلید ہونا یقینی ہو اور زیادہ مقدار میں کپڑوں کو لگ جائے، تو ایسے کپڑوں کو پاک کرنا ضروری ہے، پاک کئے بغیر ان میں نماز ادا نہیں ہوتی، لہٰذا آپکی ذکر کردہ صورت میں وہ پانی اگر گٹر کا نہیں تھا تو اس سے کپڑے ناپاک نہیں ہوئے اور اگر گٹر کا تھا لیکن بہت کم مقدار میں تھا، کم مقدار کے لئے ہتھیلی کے پھیلاؤ میں جتنا پانی ٹھہرتا ہے معیار قرار دیا گیا ہے، اتنا نجس پانی کپڑوں کو لگ جائے اور بے خیالی میں اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی لیکن اتنی کم مقدار کی نجاست کو بھی قصداً چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۵۳۰ طبع امدادیہ)

(وطین شارع)......(عفو)والشارع الطریق وفی الفیض طین الشوارع عفووان ملاء الثوب للضرورة ولومختلطابالعذرات وتجوز الصلاة معه الی قوله والحاصل ان الذی ینبغی انه حیث کان العفوللضرورة وعدم امکان الاحتراز ان یقال بالعفووان غلبت النجاسة مالم یرعینها لواصابه بلاقصدوکان ممن یذهب ویجیء والافلاضرورة.

ولما فی الشامی:(۱/۵۲۲ طبع امدادیہ)

(وهوداخل مفاصل اصابع الید)قال الملامسکین،وطریق معرفته ان تغرف الماء بالیدثم تبسط فمابقی من الماء فهومقدار الکف.

ولما ایضا فیه:(۱/۵۲۰ طبع امدادیہ)

(وعفاالشارع)فیه تغییر للفظ المتن الی قوله قال فی شرح المنیة ولنا ان القلیل عفو اجماعا اذالاستنجاء بالحجر کاف بالاجماع وهولا یستاصل النجاسة والتقدیر بالدرهم مروی عن عمروعلی وابن مسعود الی قوله وکان قریبامن کنا(وان کره تحریما) اشار الی ان العفوبالنسبة الی صحة الصلاة به فلاینافی الاثم کمااستنبطه فی البحر من عبارة السراج الی قوله یکره ان یصلی ومعه قدردرهم اودونه من النجاسة الی قوله قادراعلی ازالته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲

﴿شیر خوار بچوں کی قئے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ دودھ پینے والے بچے اکثر دودھ پینے کے بعد قئے کر دیتے ہیں کیا انکی قئے نجس ہے یا نہیں؟ اگر کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ مستفتیہ: ام عافیہ چھائی ہسپتال گڈاب کراچی

﴿جواب﴾ شیر خوار بچوں کے منہ سے اکثر و بیشتر جو دودھ نکلتا ہے یہ قئے نہیں ہوتی کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوتے، جس طرح بڑوں کو ڈکار آنے کی صورت میں تھوڑی مقدار میں کھٹا پانی آجاتا ہے بچوں کے منہ سے دودھ کا نکلنا بھی اسی کے حکم میں ہے، البتہ باقاعدہ منہ بھر کر قئے ہو جائے اور کپڑوں کو لگ جائے تو اس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں زیادہ مقدار میں لگ جائے تو پاک کئے بغیر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار: (۱/۱۳۷ طبع سعید)

وینقضه قیء ملأفاه بان یضبط بتکلف.... الخ وهو نجس مغلظ ولو من صبی ساعة ارتضاعه هو الصحیح لمخالطة النجاسة ذکره الحلبی.

وفی الشامیة: (قوله هو الصحیح) مقابلة ما فی المجتبی عن الحسن انه لا ینقض لانه طاهر حیث لم یستحل وانما اتصل به قلیل القیء فلا یکون حدثا قال فی الفتح قیل هو المختار ونقل فی البحر تصحیحه عن المعراج وغیره. (قوله ذکره الحلبی) ای فی شرح المنیة الکبیر حیث قال والصحیح ظاهر الروایة انه نجس لمخالطة النجاسة وتداخلها فیه بخلاف البلغم.

ولما فی البحر الرائق: (۱/۳۲ طبع سعید)

وکذا الصبی اذا ارتضع وقاء من ساعته وصححه فی المعراج وغیره ومحل الاختلاف ما اذا وصل الی معدته ولم یستقر اما لو قاء قبل الوصول الیها وهو فی المریء فانه لا ینقض اتفاقا.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم: عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ   فتویٰ نمبر: ۲۷۳۳

﴿نماز کے دوران بچے کا گود میں بیٹھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں جب نماز پڑھتا ہوں تو میرا

ڈیڑھ دو سال کا بچہ آ کر گود میں بیٹھ جاتا ہے، کبھی سجدہ میں کمر پر جھولتا ہے اس کا بدن اور کپڑے عموماً ناپاک ہوتے ہیں تو میری نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: فیض محمد ابوبکر مسجد

﴿جواب﴾ آپ کا بچہ چونکہ گود میں خود بیٹھ سکتا ہے یہاں تک کہ آپ کی گود تک بھی پہنچ جاتا ہے تو ایسے بچے کے جسم اور کپڑوں کی ایک الگ اور مستقل حیثیت شمار ہوتی ہے گود میں آنے سے آپ کی نماز خراب نہیں ہوتی۔ البتہ بالکل چھوٹا بچہ جو بیٹھ بھی نہیں سکتا وہ دوران نماز آپ کی گود میں کوئی رکھے یا آپ خود اٹھالیں اور کپڑے وغیرہ اس کے ناپاک ہوں اور ایک رکن کی مقدار آپ کی گود میں رہے تو نماز فاسد ہو جائیگی اس لیے کہ ایسے بچے کی اپنی مستقل حیثیت شمار نہیں ہوتی ایسی صورت میں نجاست کی نسبت نمازی کی طرف ہو جاتی ہے۔

لما فی التنویر والدر: (۲۰۲/۱، طبع: سعید)

(وثوبه) وكذا ما يتحرك بحركته أو يعد حاملا له كصبي عليه نجس ان لم يستمسك بنفسه منع والا لا كجنب وكلب ان شد فمه فى الاصح.

ولما فی ردالمحتار: (۲۰۲/۱، طبع: سعید)

(قوله كصبي) اى وكسقف وظلة خيمة نجسة تصيب رأسه اذا وقف (قوله ان لم يستمسك) الاولى حذف ان وجوابها لانه تمثيل للمحمول فحق التعبير ان يقول كصبي عليه نجس لا يستمسك بنفسه (قوله والا لا) اى وان كان يستمسك بنفسه لا يمنع لان حمل النجاسة حينئذ ينسب اليه لا الى المصلى

ولما فی الهندیه: (۶۰/۱، طبع: قدیمی کتب خانه)

اذا وضع فى حجر المصلى الصبى الغير المستمسك وعليه نجاسة مانعة ان لم يمكث قدر ما امكنه اداء ركن لا تفسد صلوته وان مكث تفسد بخلاف ما لو استمسك وان طال مكثه وكذا العمامة المتنجسة اذا جلست عليه.

ولما فی البحر الرائق: (۲۶۷/۱ طبع سعید)

وفى الظهيرية: الصبى اذا كان ثوبه نجسا أو هو نجس فجلس على حجر المصلى وهو يستمسك أو الحمام النجس اذا وقع على رأس المصلى وهو يصلى كذالك جازت الصلوة وكذالك الجنب اذا حمله المصلى لان الذى على المصلى مستعمل له فلم يصر المصلى حاملا للنجاسة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق المکی

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۲۳

﴿ڈرپ کی نلی میں موجود خون کیساتھ نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے خون کی اشد ضرورت تھی جسکی وجہ سے خون کی ڈرپ لگی اور ڈرپ لگنے کی وجہ سے میرا کچھ خون ڈرپ کی نلی میں آگیا تو کیا اس سے میرا وضوء ٹوٹ گیا؟ اب نماز کا وقت آچکا ہے لیکن ڈرپ ابھی لگی ہوئی ہے تو کیا میں اس حالت میں وضوء کرکے اس ڈرپ کی نلی میں موجود خون کیساتھ نماز پڑھ سکتا ہوں یا نماز کی دوبارہ قضاء کرنا لازم ہے نیز ڈرپ نکال کر دوبارہ لگانے میں شدید تکلیف ہوتی ہے اور ایک ہی دفعہ میں پوری ڈرپ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ مستفتی: محمد داؤد شاہ

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جسم سے جب اتنی مقدار میں خون نکلے کہ جس میں بہنے کی صلاحیت ہو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ڈرپ کی نلی میں جب آپ کا خون آگیا ہے تو اسکی وجہ سے وضوء ٹوٹ گیا ہے، نیا وضوء کرکے نماز پڑھیں اور جسم کو نجاست سے پاک کرنا بھی ضروری ہے لیکن آپ کو ڈرپ نکالنے میں چونکہ مشقت اور ضرر ہو رہا ہے، لہٰذا اسی کے ساتھ وضوء کرکے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

لمافی ردالمحتار:(۱/۱۴۴، طبع سعید)

اقول يرد عليه مالو سال الى نهره ونحوه مما لا يصلى عليه ومالو مص العلق او القراد الكبير وامتلاء دما فانه ناقض كما سيأتي متنا فالاحسن مافي النهر عن بعض المتأخرين من ان المراد السيلان ولو بالقوة فان دم الفصد ونحوه سائل الى مايلحقه حكم التطهير حكماً.

ولمافی ردالمحتار:(۱/۲۲۲، طبع سعید)

كالخلاف في مريض لا يقدر على الاستقبال او التحول من الفراش النجس ووجد من يوجهه او يحوله لان عنده لا يعتبر المكلف قادر أبقدرة الغير والفرق على ظاهر المذهب ان المريض يخاف عليه زيادة الوجع في قيامه وتحوله لا في الوضوء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سلمان احمد

۱۸ رجب ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:

﴿چمن (لان) میں گوبر ڈالنے کے بعد اس پر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم فرض نماز مسجد میں

پڑھنے کے بعد باقی ختمی وغیرہ اپنے گھر کے چمن میں بغیر جائے نماز کے پڑھتے ہیں تاکہ چمن (لان) کے سرسبز رکھنے کے لئے ہم مہینہ یا دو مہینے کے بعد اس میں گوبر وغیرہ ڈالتے ہیں جبکہ گوبر وغیرہ پلید ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے چمن (لان) میں نماز پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ گوبر وغیرہ پلید ہیں لیکن چمن (لان) میں ڈالنے کے بعد جب وہ مٹی میں تبدیل ہو جائے اور دھوپ وہوا کی وجہ سے اس کی بدبو وغیرہ نہ رہے تو ایسی زمین پاک شمار ہوتی ہے، اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ تازہ تازہ ڈال دیا ہو تو اس پر مصلی وغیرہ بچھائے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لما فی التنویر مع الدر (۱/۲۱۱-۲۱۲ باب الأنجاس طبع سعید)

(و) حكم (شجر وكلأ قائم في الأرض كذلك) أي كأرض فيطهر بجفاف وكذا كل ما كان ثابتاً فيها لأخذه حكمها باتصاله بها فالمنفصل يغسل لا غير.

ولما فی الهندية (۱/۲۱۱-۲۱۲ الباب السابع في النجاسة طبع رشيديه)

(ومنها) الجفاف وزوال الأثر الأرض تطهر باليبس وذهاب الأثر للصلاة لا للتيمم هكذا في الكافي ولا فرق بين الجفاف بالشمس والنار والريح والظل كذا في البحر الرائق ويشارك الأرض في حكمها كل ما كان ثابتاً فيها كالحيطان والأشجار والكلأ والقصب وأصابته النجاسة لا يطهر إلا بالغسل كذا في الجوهرة النيرة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۴ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۹۰

﴿فالج زدہ شخص کے کپڑوں پر پیشاب کے قطرے لگنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک فالج زدہ شخص کے کپڑے صاف نہیں رہ سکتے، پیشاب کرتے وقت پلید ہو جاتے ہیں اور ہر پیشاب کے بعد کپڑے تبدیل کرنے سے حرج شدید ہوتا ہے، کیونکہ کپڑے بھی خود نہیں بدل سکتا، پوچھنا یہ ہے کہ اس کے لئے ایسے کپڑوں میں نماز کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: عبدالرزاق صاحب پنجاب

﴿جواب﴾ ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی، لہٰذا پیشاب کے قطرے ہتھیلی کے پھیلاؤ کے برابر اگر کپڑوں یا بدن کو لگے تو پاک کرنا ضروری ہے۔

ایسے شخص کو چاہیے کہ رومالی باندھنے کا بھی اہتمام کرے یعنی پیشاب کی جگہ کوئی کپڑا یا ٹیشو پیپر وغیرہ رکھیں، جب قطرے آنا بند ہو تو دور کرلیا کریں، اس طرح کرنے سے شلوار وغیرہ ناپاکی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

لمافي ردالمحتار:(۵۲۱/۱،کتاب الطهارة،باب الأنجاس،طبع امداديه)

أقول:ويؤيده قوله في الفتح:والصلاة مكروهة مع مالايمنع،حتى قيل:لوعلم قليل النجاسة عليه في الصلاة يرفضها مالم يخف فوت الوقت أوالجماعة،ومثله في النهاية والمحيط كما في البحر،فقد سوّى بين الدرهم ومادونه في الكراهة ورفض الصلاة،ومعلوم أن مادونه لايكون تحريماً،إذلاقائل به،فالتسوية في أصل الكراهة التنزيهية وان تفاوتت فيهما،ويؤيده تعليل المحيط للكراهة باختلاف الناس فيه اذ لايستلزم التحريم،وفي النتف مانصه فالواجبة إذاكانت النجاسة أكثرمن قدرالدرهم، والنافلة إذاكانت مقدار الدرهم ومادونه،ومافي الخلاصة من قوله:وقدرالدرهم لايمنع،ويكون مسيئاًوإن قل،فالأفضل أن يغسلها ولايكون مسيئاً.

ولمافي الهندية:(۴۵/۱، ۴۶،الباب السادس في النجاسة،طبع رشيديه كوئٹه)

المغلظة:وعفي منهاقدرالدرهم واختلفت الروايات فيه،والصحيح أن يعتبربالوزن في النجاسة،وهوأن يكون وزنه قدرالدرهم الكبيرالمثقال وبالمساحة في غيرها وهو قدر عرض الكف هكذافي التبيين والكافي وأكثرالفتاوى.....كل مايخرج من بدن الانسان ممايوجب خروجه الوضوأوالغسل فهومغلظ كالغائط والبول والمني والمذي والودي والقيح والصديدوالقيء إذاملأالفم كذافي البحرالرائق.وفي الفقه الحنفي وأدلته: (۱۱۶/۱،باب الأنجاس،۱۱۹،أقسام النجاسة،كتاب الطهارة،طبع دارالكلم الطيب)

واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ — الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۸۵۰ — ۹ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ

﴿جنبی آدمی کے پسینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنبی آدمی کے پسینے کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ پسینہ کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک؟ مستفتی: عبداللہ

﴿جواب﴾ انسان کا پسینہ ہر حال میں پاک ہے، خواہ وہ حالت جنابت میں ہو یا پاکی کی حالت میں ہو کیونکہ جھوٹے اور پسینے کا ایک ہی حکم ہے، البتہ اگر جسم پر ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو

اور پسینہ نکلنے سے وہ نجاست کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک ہو جائیں گے، ورنہ جنبی آدمی کا صرف پسینہ کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲۲۲/۱،طبع سعید)

(فسؤر آدمی مطلقا)ولو جنبا أو كافرا أو امرأة.....(وما كول لحم طاهر الفم طاهر)—(و) حكم(عرق كسؤر)

ولما فی الهداية:(۳۳/۱،فصل فی الآسار وغيرها،طبع رحمانيه)

(وعرق كل شيئ معتبر بسؤره)لأنهما يتولدان من لحمه فأخذ أحدهما حكم صاحبه(وسؤر الآدمي ومايؤكل لحمه طاهر)لأن المختلط به اللعاب وقد تولد من لحم طاهر ويدخل في هذا الجواب الجنب والحائض والكافر.

ولما فی البحر الرائق:(۱۲۶/۱-۱۲۵،طبع سعید)

(والعرق كالسؤر)—أي عرق كل شيئ معتبر بسؤره طهارة ونجاسة وكراهة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شعیب پشاوری

۵ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۶۲

﴿غسل خانے میں پیشاب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ غسل خانے میں پیشاب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر حدیث میں ممانعت ہے تو بیان کریں موجودہ زمانے میں غسل خانے کیساتھ استنجا خانہ کا انتظام ہوتا ہے تو اس صورت میں غسل خانے میں پیشاب کرنے کا کیا حکم ہے۔

﴿جواب﴾ غسل خانہ میں پیشاب کرنا حدیث کی رو سے منع ہے کہ اس سے وہم و وسواس کی بیماری پیدا ہوتی ہے، البتہ غسل خانہ اگر پختہ ہو کہ پانی بہانے سے پیشاب بہہ جاتا ہے تو پانی بہانے کے بعد اس میں وضوء و غسل کرنا جائز ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ پیشاب کسی دوسری جگہ کرے غسل خانہ میں نہ کرے اور جس غسل خانہ میں استنجا خانہ کا الگ انتظام ہو تو اسمیں پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ جگہ غسل خانہ کے حکم میں نہیں ہے۔

لما فی الدر المختار مع رد المحتار:(۳۴۲/۱،طبع سعید)

اويبول في موضع يتوضأ هو اويغتسل فيه لحديث لايبولن احدكم في مستحمه فان

عامة الوسواس منه (قوله لحديث) وانما نهي عن ذلك اذا لم يكن له مسلك يذهب فيه البول او كان المكان صلبا فيوهم المغتسل انه اصابه منه شئ فيحصل به الوسواس كما في نهاية ابن الاثير.

ولما في الهندية: (۱/۵۰، طبع رشيديه)

ويكره ان يبول في موضع يتوضأ فيه او يغتسل كذا في السراج الوهاج.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: احمد علی عفی عنہ

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۶۷۶

﴿خشک ناپاک بستر پر بیٹھنے سے کپڑے ناپاک نہیں ہوتے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ کسی نے بستر پر پیشاب کیا اور اس بستر کو دھویا نہیں گیا حتی کہ خشک ہوگیا تو اس بستر پر بیٹھنے سے کیا کپڑے ناپاک ہونگے؟ جبکہ تلائی یا رضائی کو دھونا مشکل ہے۔ مستفتی: محمد سیف اللہ العادل اسلام آبادی

﴿جواب﴾ ویسے اس بستر پر بیٹھنے سے کپڑے ناپاک نہیں ہونگے، البتہ تر کپڑوں والا بیٹھ جائے جس سے اتنی رطوبت ظاہر ہوگئی کہ بیٹھنے والے کے کپڑوں کو اگر نچوڑا جائے تو قطرے ٹپکنے لگے تو اس صورت میں کپڑے ناپاک ہوجائیں گے۔

لما في فتاوى شامي: (۱/۳۴۶-۳۴۷، طبع سعيد)

قوله لف طاهر: اعلم أنه اذا لف طاهر جاف في نجس مبتل واكتسب الطاهر منه اختلف المشائخ فقيل يتنجس الطاهر واختار الحلواني أنه لا يتنجس ان كان الطاهر بحيث لا يسيل منه شيء ولا يتقاطر لو عصر وهو الاصح كما في الخلاصة وغيرها وهو المذكور في عامة كتب المذهب متوناً وشروحاً.

ولما في الهندية: (۱/۴۷، الفصل الأول في تطهير الأنجاس، طبع رشيديه)

اذا لف الثوب النجس في الثوب الطاهر والنجس رطب فظهرت نداوته في الثوب الطاهر لكن لم يصر رطبا بحيث لو عصر يسيل منه شيء ولا يتقاطر فالأصح أنه لا يصير نجسا. وكذا لو بسط الثوب الطاهر على الثوب النجس أو على أرض نجسة مبتلة وأثرت تلك النجاسة في الثوب لكن لم يصر رطبا بحال لو عصر يسيل منه شيء ولكن يعرف موضع الندوة فالاصح أنه لا يصير نجسا هكذا في الخلاصة.

ولما فی التاتارخانیۃ:(۱/۲۲۱،طبع قدیمی)

وان نام الرجل علی فراش فاصابہ منی ویبس فعرق الرجل وابتل الفراش من عرقہ وان لم یصب ببلل الفراش جسدہ لا یتنجس جسدہ وان اصاب ببلل الفراش جسدہ یتنجس جسدہ

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۷۷۲۸

﴿انڈا دھوئے بغیر پانی میں ڈالنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق اگر کوئی شخص انڈا بغیر دھوئے پانی میں ڈال دے تو پانی کو نجس کرتا ہے یا نہیں؟ — مستفتی: محمد حلیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ انڈے پر بظاہر اگر کوئی نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو دھوئے بغیر بھی وہ پاک ہے، پانی میں ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

لما فی حلبی الکبیری:(ص ۱۲۱،باب الانجاس،طبع نعمانیۃ)

البیضۃ اذا وقعت من الدجاجۃ فی الماء او المرقۃ لا تفسدہ وکذا السخلۃ اذا وقعت من امہا رطبۃ فی الماء لا تفسدہ کذا فی کتب الفتاوی وھذا لان الرطوبۃ التی علیہا لیست بنجسۃ لکونہا فی محلہا.

ولما فی ردالمحتار:(۱/۳۱۲،باب الانجاس،طبع قدیمی)

ای رطوبۃ الولد طاھرۃ وکذا السخلۃ والبیضۃ.

ولما فی الفتاوی البزازیۃ:(۱/۲۱،السابع فی النجس،طبع قدیمی)

البیضۃ الرطبۃ او السخلۃ الرطبۃ وقعت فی الماء ینجس وان یابسۃ لا علی قول الامام طاھر وفی العالمین کما قال فی الانفحۃ الخارجۃ بعد موت السخلۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد امین چارسدوی

۲۷ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۹۲۰

﴿لیکوریا کا پانی نجس ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے لیکوریا کی بیماری ہے جسکی وجہ سے کافی پریشان ہوں اور علاج بھی چل رہا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اسکے نکلنے

کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں یا نہیں؟ (۲) کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (۳) یہ پانی مسلسل رستا رہتا ہے تو نماز کسطرح پڑھوں اور درس وغیرہ؟

﴿جواب﴾ رحم سے رسنے والا یہ پانی ناپاک ہے اس سے کپڑے بھی ناپاک ہوجاتے ہیں اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے لیکن آپکی بیماری کی کیفیت اگرایسی ہے کہ ایک فرض نماز (صرف فرائض اور واجبات پر اکتفاء کرتے ہوئے بھی) پڑھنے کا آپکو موقع نہیں مل رہا تو آپ معذور ہیں، وقت کے اندر اس پانی سے آپکا وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ نماز کے ہر دوسرے وقت کے لیے نیا وضو کرنا پڑیگا اور نماز شروع کرنے سے پہلے کپڑوں کا نجس حصہ بھی دھولیا کریں اسطرح کرنے کی آپ کے لیے اس وقت تک گنجائش ہے کہ کوئی ایک وقت نماز کا ایسا گذر جائے کہ اس وقت بھر میں ایک بار بھی یہ پانی ظاہر نہ ہوتو معذوری ختم ہوگی اور یہ گنجائش نہیں رہے گی۔

لمافی تنویر الابصار وشرحہ:(۳۱۲ مطبع سعید)

قال ابن حجرفی شرحه:وهی ماء ابیض متردد بین المذی والعرق یخرج من باطن الفرج الذی لا یجب غسله بخلاف مایخرج ممایجب غسله فانه طاهر قطعاومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولدا وقبیله الخ۔

لمافی الشامی:(۳۰۵/۱ مطبع سعید)

(وصاحب عذر من به سلس)بول لا یمکنه امساکه(اواستطلاق بطن اوانفلات ریح او استحاضة)(ان استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة)بان لا یجد فی جمیع وقتها زمنایتوضأ ویصلی فیه خالیاعن الحدث(وحکمه الوضوء)لاغسل ثوبه ونحوه(لکل فرض)۔(ثم یصلی)به (فیه فرضاونفلا) فدخل الواجب بالاولی۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمدزبیراکرام

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر:۲۶۹۳

﴿پرندوں کی بیٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز کسی پرندے نے بیٹ کردی اور وہ کپڑے پر لگ گئی تو اس نمازی کیلئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اس نمازی کو چاہیے کہ نماز جاری رکھے کیونکہ شریعت مطہرہ نے پرندوں کی

بیٹ کو عموم بلویٰ کی وجہ سے پاک قرار دیا ہے۔

لمافی مراقی الفلاح:(ص ۶۲ طبع قدیمی)

ومن المخففة خرء طیر لا یوکل کالصقر والحداة فی الاصح لعموم الضرورة وفی روایة طاهر صححه السرخسی.

ولمافی قاضیخان:(۱۹/۱، طبع رشیدیه کوئٹه)

ذرق سباع الطیر کالبازی والحدأة لا یفسد الثوب(قاضیخان برهامش هندیه.

ولمافی الشامی:(۳۲۰/۱ طبع سعید)

خرء کل طیر لا یذرق فی الهواء کبط اهلی ودجاج امامایذرق فیه فان کان ماکولا کحمام وعصفور فطاهر والا فمخفف ای والا یکن ماکولا کالصقر والبازی والحدأة فهو نجس مخفف عنده مغلظ عندهما وهذه روایة الهندوانی وروی الکرخی انه طاهر عندهما مغلظ عند محمد.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بلال احمد غفرہ الاحد

۷ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۶۲۲

﴿برسات میں راستہ کے کیچڑ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج میں راستے سے گزر رہا تھا اور بارش ہو رہی تھی چند بچوں کے پاس سے گزرا جو کھیل رہے تھے جس کی وجہ سے میرے کپڑوں پر کیچڑ کے چھینٹے پڑ گئے کیا ان کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ برسات کے موسم میں چونکہ راستے وغیرہ میں کیچڑ اور پانی ہوتا ہے جس سے اپنے کپڑے وغیرہ کو بچانا کافی دشوار ہوتا ہے، اس لئے شریعت مطہرہ نے برسات کے کیچڑ یا راہوں میں جمع ہونے والے پانی یا پرنالوں وغیرہ سے گرنے والے پانی کے چھینٹے کپڑوں وغیرہ میں لگنے کی صورت میں (مذکورہ عذر کے پیش نظر) ان میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، ہاں اگر کیچڑ وغیرہ کا نجاست غلیظہ ہونا یقینی ہو تو پھر اس سے لباس وغیرہ ناپاک ہو جائے گا۔

لمافی الشامی:(۱۸۸/۱ طبع سعید)

قال فی المنیة: وعلی هذا ماء المطر اذا جری فی المیزاب وعلی السطح عذرات فالماء طاهر وان کانت العذرة عند المیزاب أو کان الماء کله أو بعضه یلاقی العذرة فهو نجس

والاظاهر، وعلى مارجحه الكمال قال في الحلبة: ينبغي أن لايعتبر في مسئلة السطح سوى تغير أحد الأوصاف (كذا في المنية)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین

۱۲ رجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۲۹

﴿ایک ساتھ دھلے ہوئے پاک وناپاک کپڑوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ واشنگ مشین میں دھلے ہوئے کپڑوں کے پاک کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے جب کہ ناپاک کپڑے اور پاک کپڑے ایک ساتھ مشین میں ڈالے ہوں؟ مستفتیہ: معلمہ معہد الفقیر

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اگر کپڑے پر کوئی ایسی نجاست لگ جائے جو کہ نظر آنے والی ہو تو اس کپڑے کی پاکی کے لئے اس نجاست کو دور کرنا ضروری ہے اور اگر ایسی نجاست لگی ہو کہ جو نظر آنے والی نہ ہو تو ایسی صورت میں تین دفعہ دھو کر نچوڑنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

کپڑوں کے بارے میں معلوم ہو کہ نجس ہے تو مشین میں ڈالنے سے پہلے خاص نجاست کی جگہ کو تین بار دھونا چاہیئے، یہ بہتر ہے اور دھوئے بغیر بھی اگر ڈالدے تو واشنگ مشین سے کپڑے چونکہ میل نکلنے کے بعد نکالے جاتے ہیں، جب میل نکل جاتی ہے تو نجاست بھی نکل جاتی ہے، تاہم نکالنے کے بعد ان کپڑوں کو تین دفعہ پاک پانی میں ڈال کر ہر بار نچوڑنا بھی چاہیئے، اس طرح دھونے سے نجاست یقیناً زائل ہو جاتی ہے۔

لمافي العالمگيري، ۴۱/۱، طبع: رشيديه

"وازالتها ان كان مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئاً يزول اثره ولايعتبرفيه العدد كذافي المحيط فلوزالت عينها بمرة اكتفى بها ولولم تزل بثلاثة تغسل الى ان تزول كذافي السراجية ـــ وان كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات كذافي المحيط ويشترط العصرفي كل مرة في ماينعصر ويبالغ في المرة الثالثة حتى لوعصر بعده لايسيل منه الماء ويعتبرفي كل شخص قوته وفي غير رواية الاصول يكتفى بالعصر مرة وهوارفق كذافي الكافي وفي النوازل وعليه الفتوى كذافي التتارخانية والاول احوط كذافي المحيط".

ولما فی تبیین الحقائق ۲۰۵/۱، طبع: سعید

"والنجس المرئی یطھر بزوال عینه لان تنجس المحل باعتبار العین فیزول بزوالھا ولو بمرۃ وغیرہ بالغسل ثلاثا والعصر کل مرۃ ای غیر المرئی من النجاسۃ یطھر بثلاث غسلات وبالعصر فی کل مرۃ والمعتبر فیه غلبۃ الظن وانما قدرناہ بالثلاث لان غلبۃ الظن تحصل عندہ غالباً".

ھکذا فی التتارخانیة ۲۲۸/۱، فصل: تطھیر الانجاس، طبع: قدیمی

کذا فی الشامی ۳۲۸/۱، طبع: سعید

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: کمیل الدین گلگتی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۳۶۳۷

﴿ناپاک خشک رسی پر کپڑے پھیلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ایک آدمی نے کپڑے پھیلانے کیلئے ایک رسی باندھ رکھی ہے جو کہ ناپاک ہے لیکن خشک ہے اب وہ اس رسی پر گیلے کپڑے پھیلاتا ہے تو کیا اس رسی کی وجہ سے وہ کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا پاک ہی رہیں گے، ان کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ گیلے کپڑے خشک ناپاک رسی پر پھیلانے سے ناپاک نہیں ہوتے کیونکہ تری کپڑوں سے رسی کی طرف سرایت کرتی ہے نہ کہ رسی سے کپڑوں کی طرف، لہٰذا ان کپڑوں میں نماز پڑھنا درست ہے۔

لما فی الشامی: (۳۴۷/۱، طبع سعید)

کما لو نشر الثوب المبلول علی حبل نجس یابس (قوله کما لو نشر الخ) ھذا موافق لما ذکرہ السرغینانی، وقد جعله الزیلعی مفرعا علیه حیث قال عقب عبارۃ السابقة وعلی ھذا اذا نشر الثوب المبلول علی حبل نجس ھو یابس لا یتنجس الثوب.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۲

﴿گوبر کے اُپلے استعمال کرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ بعض علاقوں میں لوگ گائے بھینس کے فضلات کے اپلے بناتے ہیں، انہیں

سکھاتے ہیں، اور بطور ایندھن کے استعمال کرتے ہیں، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ اور گوبر سے پکی ہوئی روٹی پاک ہوگی؟

﴿جواب﴾ اپلے بنانا اور انہیں بطور ایندھن کے استعمال کرنا درست ہے، گوبر سے پکائی ہوئی روٹی پاک ہے۔

لما فی الشامی:(۲۴۵/۷، طبع سعید)

ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷ھ　　　فتویٰ نمبر:

﴿نجس چیز کے بخارات سے کپڑا اور بدن ناپاک نہیں ہوتے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نجس چیز مثلاً نجس پانی آگ پر پکائی جارہی ہو اور اس سے نکلنے والی بھاپ کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو کیا اس سے کپڑے اور بدن ناپاک ہونگے یا نہیں؟　　　مستفتی: قاری زاہد اللہ ٹانکوی

﴿جواب﴾ نہیں! نجس چیز سے اڑنے والی بھاپ اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس سے بدن اور کپڑے ناپاک نہیں ہوتے.

لما فی الشامی(۳۲۵/۱، طبع:سعید)

ومایصیب الثوب من بخارات النجاسة،قیل ینجسه،وقیل لا،وھو الصحیح.

ولما فی الھندیة(۴۷/۱، طبع:رشیدیة)

ومایصیب الثوب من بخارات النجاسات لاینتجس بها،وھو الصحیح

ھکذافی الظھیریة،دخان النجاسة اذااصاب

الثوب او البدن الصحیح انه لاینجسه ھکذافی السراج الوھاج

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۳۵۴

﴿نجس روغن والے کپڑے کو کس طرح پاک کیا جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ نجس روغن کپڑوں کو لگ گیا، بغیر صابن لگائے سادہ پانی سے دھولیا جائے تو کیا اس سے کپڑا پاک ہو جائے گا؟ مستفتی: قدیر خان

﴿جواب﴾ صورت مذکورہ میں کپڑے کو اگر تین مرتبہ پانی سے دھولیا جائے اور ہر مرتبہ نچوڑ لیا جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا اگر چہ چکناہٹ باقی ہو۔

لما في الهندية: (۱/۴۲ مطبع رشيديه)

واذا غمس الرجل يده في السمن النجس أو أصاب ثوبه ثم غسل اليد أو الثوب بالماء من غير حرض وأثر السمن باق على يده يطهر وبه أخذ الفقيه أبو الليث وهو الاصح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد عزیز چترالی

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر: ۴۰۵

﴿حرام جانوروں کی کھال کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی حرام جانور مثلاً درندے وغیرہ کی کھال سے مصلی یا منبر وغیرہ بنانا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ کسی بھی جانور کی جلد کو جب دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے سوائے خنزیر اور انسان کے، خنزیر نجس العین ہے اسلئے اسکی جلد بھی نجس ہے اور انسان کی جلد احترام آدمیت کی وجہ سے اسکا استعمال جائز نہیں، لہٰذا درندے وغیرہ کی جلد کو دباغت دینے کے بعد منبر یا مصلی وغیرہ کیلئے استعمال کرنا درست ہے۔

لما في رد المحتار: (۲/۳۵۱ مطبع سعيد)

ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها اذا دبغت أن يجعل منها مصلى أو منبر السرج ملتقط.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ فتوی نمبر: ۱۷۸

﴿ناپاک قالین پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ گھر میں چھوٹے بچے قالین

کے اوپر جگہ جگہ پیشاب کر دیتے ہیں پھر وہ پیشاب خشک ہو جاتا ہے کیا ایسی قالین کے اوپر اگر جائے نماز یا کوئی کپڑا بچھا دیا جائے اور اسپر نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی نماز پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟ مستفتیہ: ام محمد بقائی روڈ کراچی

﴿جواب﴾ جس کپڑے یا جائے نماز پر نماز ادا کی جارہی ہو اگر وہ اتنا باریک ہے کہ نیچے کی نجاست نظر آرہی ہو یا نجاست کی بو آرہی ہو تو ایسی صورت میں نماز درست نہ ہوگی۔

لما فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:(ص۲۰۸،طبع قدیمی)

قال البرهان الحلبي وكذا الثوب اذا فرش على النجاسة اليابسة ان كان رقيقا يشف ما تحته او توجد منه رائحة النجاسة على تقدير ان لها رائحة لا تجوز الصلاة عليه وان كان غليظا بحيث لا يكون كذلك جازت.

ومثله فی الشامية:(۱/۶۲۶ طبع سعيد)

وكذا الثوب اذا فرش على النجاسة اليابسة الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفا اللہ عنہ

۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ　　　فتوی نمبر: ۲۵۸۶

﴿مصلّٰی یا چٹائی پر نجاست کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کسی مصلّٰی یا چٹائی وغیرہ پر نماز پڑھنے کیلئے اس مصلّٰی اور چٹائی وغیرہ کے کتنے حصہ کا پاک ہونا ضروری ہے نیز ایک طرف کی حرکت سے دوسری طرف کے متحرک ہونے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

﴿جواب﴾ کسی بھی جگہ پر نماز پڑھنے کے لئے اتنے حصہ کا پاک ہونا ضروری ہے جتنے حصہ پر نمازی کے اعضاء لگتے ہیں چاہے وہ مصلّٰی ہو یا چٹائی یا کوئی اور بچھونا، ایک طرف کی حرکت سے دوسری طرف کے متحرک ہونے کا اعتبار مصلّٰی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کپڑے وغیرہ کے لئے ہے جس کے ایک حصہ کو نمازی نے اپنے اوپر ڈالا ہو اور دوسرے حصہ کو نجس ہونے کی وجہ سے زمین پر گرایا ہو اگر نمازی کی حرکات سے نجس حصہ (جو زمین پر ہے) حرکت کرتا ہے تو ایسے کپڑے کیساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ حصہ حرکت نہیں کرتا تو جائز ہے۔

لما فی رد المحتار:(۱/۴۰۲،طبع ایچ ایم سعید)

ای شئی متصل به یتحرک بحرکته کمندیل طرفه علی عنقه وفی الآخر نجاسة مانعة ان تحرک موضع النجاسة بحرکات الصلاة منع والالا،بخلاف مالم یتصل کبساط نجس وموضع الوقوف والجبهة طاهر فلایمنع مطلقاً أفاده ح.

ولمافی حلبی کبیری:(۱/۲۰۸،طبع سهیل اکیڈمی)

صلی علی طرف ثوب اوبساط ونحوه وطرفه الآخر نجس جازت سواء تحرک احد الطر فین بحرکة الآخر اولا هوالصحیح لان مکان صلاته طاهر ولیس هو حاملا للنجاسة بخلاف مااذاکانت النجاسة فی طرف ثوب هو لابسه اوحامله فالقی ذلک الطرف علی الارض فصلی فانه ان تحرک بحرکته لایجوز والایجوز لان بتلک الحرکة ینسب لحمل النجاسة بخلافها فی المفروش.

ولمافی خلاصة الفتاوی:(۱/۷۰-،طبع رشیدیه)

ولوصلی علی بساط وفی ناحیته نجاسة ان لم تکن فی موضع قدمیه ولافی موضع سجوده لایمنع اداء الصلوٰۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۴۳۱ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿ناپاک مٹی سے بنی ہوئی اینٹوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمارے گاؤں میں مسجد بنائی جارہی تھی تو اُس کی اینٹیں ایسے پانی کے کیچڑ سے تیار کی جارہی تھیں جسمیں چوپائے مثلاً گائے بیل وغیرہ پانی پیتے اور اُسے گندہ کردیتے تھے کیا ایسی صورت میں مذکورہ اینٹوں کو سوکھنے کے بعد مسجد میں استعمال کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ اینٹ اگرچہ نجس کیچڑ سے بنائی گئی ہو خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، خواہ ہوا کے ذریعے سے خشک ہوئی ہو یا سورج کے ذریعے سے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اینٹوں کو مسجد کے بنانے میں استعمال کرنا درست ہے۔

لمافی التنویر مع شرحه:(۱/۳۱۱،طبع سعید)

وتطهر ارض بیبسها)ای جفافها ولو بریح وذهاب اثرها وحکم (اجر ونحوه کلبن کذلک ای کارض،فیطهر بجفاف.

وفی الشامیۃ:لکن یلزم منہ ان یطھر اللبن والاجر بالجفاف وذھاب الاثر وان کان متصلاعن الارض لوجود التشرب والاجتذاب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد شریف حسین چترالی

۱۵ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۴۱۵

﴿نجس پانی سے کھیت کی سیرابی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے متعلق کہ بعض جگہوں میں لوگ کیاریاں بناتے ہیں اوران کیاریوں کوگٹر کے نجس پانی سے سیراب کرتے ہیں،کیاایسے نجس پانی سے پیداشدہ سبزیاں پاک اورقابل استعمال ہیں؟ مستفتی:عبدالباسط صاحب

﴿جواب﴾ نجس پانی سے اُگی ہوئی سبزیاں پاک اورحلال ہیں ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں،تاہم وہ سبزیاں اگراس نجس پانی سے تر ہوں توان کودھوکراستعمال کرناچاہیئے کیونکہ ان پرموجود پانی نجس ہے۔

لمافی الشامی:(۶/۳۲۱ طبع سعید)

(فرع)فی أبی السعود:الزروع المستقیۃ بالنجاسات لاتحرم ولاتکرہ عند أکثر الفقہاء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:محمد عزیز چترالی

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۹

﴿گھی میں چوہامرجائے توکیسے پاک کیاجائیگا؟﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں دیسی گھی میں چوہامرجائے تواس کوپاک کرنے کاشرعاکوئی طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ گھی اگرجماہواہےتوصرف وہ حصہ ناپاک ہے جوچوہے کے جسم کے ساتھ لگاہواہے اس لئے ناپاک حصہ کوہٹاکربقیہ گھی پاک اورقابل استعمال ہے اوراگرپگھلاہواہے توپاک کرنے کاطریقہ فقہاء نے یہ بتایاہے کہ اس میں ہم وزن پانی ڈال کرجوش دیاجائے یا خوب حرکت دے کرچھوڑدیاجائے جب پانی نیچے بیٹھ جائے توگھی کوکسی چیز کے ذریعے اوپرسے

لیا جائے یا نتھارا جائے اور جو پانی برتن میں رہ جائے اس کو گرا کر مزید اسی مقدار سے ڈالیں تین مرتبہ اس طرح کرنے سے گھی پاک ہو جائیگا۔

لما فی الشامی:(۳۱۵/۱،طبع سعید)

(قوله تقور)أی تقویر نحو سمن جامد من جوانب النجاسة.

ولما فی الشامی:(۳۳۴/۱،طبع سعید)

(قوله ويطهر لبن وعسل ودبس ودهن)قال فی الدرر لو تنجس العسل فتطهيره ان يصب فيه ماء بقدره فيغلى حتى يعود الى مكانه والدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلو الدهن الماء فيرفع بشئ هكذا ثلاث مرات وهذا عند ابى يوسف خلافاً لمحمدؒ وهو اوسع وعليه الفتوى وبعدا سطر فيها عن مجمع الرواية وشرح القدورى انه يصب عليه مثله ماء ويتحرك فتأمل۔

ولما فی العالمگیریة:(۴۲/۱،طبع رشیدیه)

الدهن النجس يغسل ثلاثا بان يلقى فى الخابية ثم يصب فيه مثله ماء ويحرك ثم يترك حتى يعلو الدهن فيوخذ او يثقب أسفل الخابية حتى يخرج الماء هكذا ثلاثا فيطهر۔ومثله فى حلبى كبير:(ص ۱۴۳،طبع سهيل اكيڈمى)

الجواب صحیح:عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:رشید عالم مروت

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۹۸۶

﴿لیٹرین پاک کرنے سے پاک ہو جاتی ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اتفاق سے اگر لیٹرین میں وضو یا غسل کرنا پڑے تو اسکو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہوگا آیا تین مرتبہ پانی بہانے سے پاک ہو جائیگا؟

مستفتی:محمد ابراہیم ذریہ اسماعیل خان

﴿جواب﴾ لیٹرین کا فرش اگر پکا ہے تو تین مرتبہ پانی بہانے سے پاک شمار ہوگا یا اتنا پانی ڈالا جائے کہ رنگ و بو وغیرہ سب زائل ہو جائے۔

لما فی البحر الرائق:(۲۲٦/۱،طبع)

وان كانت الارض مجصصة قال فى الواقعات يصب عليها الماء۔ فان لم يفعل ذلك ولكن صب عليها الماء كثيرا حتى زالت النجاسة ولم يوجد لها لون ولا ريح ثم تركها

حتی تنشف طهرت كذا في السراج الخ.وفي الشامي:(۱/۳۱۲،طبع سعيد)

ولما في بدائع الصنائع:(۱/۸۷،طبع سعيد)

واما شرائط التطهير بالماء فمنها العدد في نجاسة غير مرئية كالبول ونحوه .ذكر في ظاهر الرواية انه لا تطهر الا بالغسل ثلاثا.وفي بدائع الصنائع:(۱/۸۸،طبع سعيد)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد غفرلہ

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

فتویٰ نمبر

﴿استعمال شدہ ڈھیلوں کو دوبارہ استعمال کرنا منع ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ استعمال شدہ ڈھیلوں کو دوبارہ استعمال کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ سوکھ جانے کے بعد دوبارہ اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

مستفتی: محمد صاحب ہاشمی

﴿جواب﴾ (۱) ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ڈھیلے پاک ہوں اسی وجہ سے فقہاء کرام نے مستعمل ڈھیلوں سے استنجاء کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ ناپاک اور مستعمل جگہ سے بچتے ہوئے کوئی ڈھیلہ استعمال ہو سکے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۲) نیز خشک ہو جانے کے بعد ڈھیلہ پاک نہیں ہوتا جسطرح کہ زمین خشک ہو جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے لہٰذا خشک ہو جانے کے بعد بھی اس سے استنجاء کرنا مکروہ ہے۔

لما في التنوير وشرحه:(۱/۳۳۹،طبع سعيد)

(وكره)تحريما(بعظم وطعام وروث)يابس كعذرة يابسة وحجر استنجى به الا بحرف اخر أي لم تصبه النجاسة.

ولما في التنوير وشرحه:(۱/۳۱۱،طبع سعيد)

وحكم (آجر)ونحوه كلبن (مفروش وخص وشجر وكلاء قائمين في أرض كذلك)اى كارض فيطهر بجفاف وكذا كل ما كان ثابتا فيها لأخذه حكمها باتصاله بها فالمنفصل يغسل لا غير الا حجرا خشنا كرحى فكأرض.

ولما في رد المحتار:(۱/۳۱۱،طبع سعيد)

(قوله مفروش)اما لو موضوعا غير مثبت فيها ينقل ويحول فلابد من الغسل لأن الطهارة بالجفاف انما وردت في الارض ومثل هذا لايسمى ارضا عرفا ولذا لايدخل في

بيع الارض حكماالعدم اتصاله بهاعلىٰ جهةالقرارفلايلحق بها.

ولمافی الهندية:(۱/۵۰طبع رشیدیہ)

وكذالايستنجى بحجراستنجى به مرةهواو غيره الااذاكان حجراله احرف له ان يستنجى كل مرةبطرف لم يستنج به فيجوزمن غيركرهة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:محمد حسن غفرلہ

۸ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۴۱۳

﴿پیشاب کے باریک چھینٹوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پیشاب کرتے وقت باریک چھینٹے کپڑوں کو لگ جائیں تو اسکا کیا حکم ہے ؟　　مستفتی:فواداللہ چارسدوی

﴿جواب﴾ پیشاب کے اتنے باریک چھینٹے جونظر نہ آئیں معاف ہیں۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱/۳۲۲طبع سعید)

(وبول انتضح كروس ابر)وكذاجانبهاالاخروان كثرباصابةالماء للضرورة.

ولمافی الشامی:(۱/۳۲۲طبع سعید)

قوله (وبول انتضح)اى ترشش ......وقوله وكذاجانبهاالاخرخلافالا بى جعفر الهندوانى حيث منع الجانب الاخروغيره من المشائخ قالوالايعتبرالجانبان واختاره فى الكافى حليه،، فروس الابرتمثيل للتقليل كمافى القهستانى عن الطلبةلكن فيه ايضاعن الكرمانى ان هذامالم يرى على الثوب والاوجب غسله اذا صاربالجمع اكثرمن قدر الدرهم وكذانبه عليه فى شرح المنية.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز الرحمٰن چارسدوی

۱۵ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۴۳۳

﴿غسل خانے میں کپڑا گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ غسل سے فارغ ہونے کے بعد غسل خانے میں گرکرتر ہونے والی شلوار کا کیا حکم ہے آیا یہ پاک ہے یا ناپاک؟　　مستفتی:عباداللہ سواتی

﴿جواب﴾ غسل خانے کے فرش پر اگر کوئی ظاہری نجاست نہ ہوتو صرف غسل کا پانی لگنے

سے شلوار ناپاک نہیں ہوتی کیونکہ وہ پانی مستعمل ہے اور مستعمل پانی مفتیٰ بہ قول کے مطابق ناپاک نہیں ہے۔

لمافی الشامی:(۲۰۹/۱،طبع سعید)

یجوز رفع نجاسة حقيقية عن محلها بماء ولو مستعملا به يفتى اى خلافا لمحمد،لانه لا يجيز ازالة النجاسة الحقيقية الا بالماء المطلق.

ولمافی بدائع الصنائع:(۶۶/۱،طبع سعید)

الكلام في الماء المستعمل يقع في ثلاثة مواضع احدها في صفته انه طاهر ام نجس.... اما الاول فقد ذكر في ظاهر الرواية انه لا يجوز التوضوء به ولم يذكر انه طاهر ام نجس وروى محمدؒ عن ابى حنيفةؒ انه طاهر غير طهور.

ولمافی الخلاصة الفتاوى:(۶/۱،طبع رشیدیه)

وان دخل الجنب الكف يريد غسلها يتنجس هذا قول ابى يوسفؒ وهو احدى الروايتين عن ابى حنيفةؒ اما على قول محمدؒ وهو قول ابى حنيفةؒ الصحيح انه مع محمدؒ انه طاهر وعليه الفتوى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۶ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۰۵۱

﴿تنور پاک کرنے کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر تنور ناپاک ہو جائے تو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟　　　مستفتی عزت رحمٰن قصبہ کالونی کراچی

﴿جواب﴾ تنور اگر ناپاک ہو جائے تو اس میں آگ جلانے سے پاک ہو جائیگا بشرطیکہ گرم ہونے سے نجاست کا اثر باقی نہ رہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۳۱۵/۱،طبع سعید)

(و)يطهر(زيت)تنجس (بجعله صابونا)به يفتى للبلوى كتنور رش بماء نجس(قوله رش بماء نجس)وفى الشامية:أى أو بال فيه صبى أو مسح بخرقة مبتلة نجسة.(قوله لابأس بالخبز فيه)أى بعد ذهاب البلة النجسة بالنار والا تنجس كما فى الخانية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الوہاب سواتی

۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۶۹۱

﴿خنزیر کی چربی شامل کئے ہوئے صابون کا استعمال جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض صابنوں میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے ایسے صابنوں کا استعمال کیسا ہے؟ مستفتی: احسان اللہ

﴿جواب﴾ ایسے صابنوں کا استعمال جائز ہے. خنزیر کی چربی بذاتِ خود اگرچہ حرام اور ناپاک ہے لیکن صابنوں میں استعمال کی وجہ سے اسکی اصلی ہیئت اور حقیقت مکمل بدل جاتی ہے اور حقیقت کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔

لمافی التنویر وشرحہ: (۲۱۵/۱، طبع سعید)

(و) یطھر (زیت) تنجس (بجعله صابونا) به یفتیٰ للبلویٰ کتنور رش بماء نجس لاباس بالخبز فیه]

ولمافی الشامی: (۲۱٦/۱، طبع سعید)

ثم هذه المسئلة قد فرعوها علیٰ قول محمد بالطهارة بانقلاب العین الذی علیه الفتویٰ واختاره اکثر المشایخ خلافا لأبی یوسف کما فی شرح المنیة والفتح وغیرهما وعبارة المجتبیٰ: جعل الدهن النجس فی صابون یفتیٰ بطهارته لأنه تغیر والتغیر یطهر عند محمد ویفتیٰ به للبلویٰ.

ولمافی البحر الرائق: (۲۲۷/۱، طبع سعید)

وعلیٰ قول محمد فرعوا الحکم بطهارة صابون صنع من زیت نجس. وفی المجتبیٰ جعل الدهن النجس فی صابون یفتیٰ بطهارته لأنه تغیر والتغیر یطهر عند محمد ویفتیٰ به للبلویٰ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۱۰۴۶

﴿دھوبی سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے دھلائی کے لئے پاک کپڑے دیئے لیکن دھوبی دھلائی کے وقت سارے کپڑے ملا دیتا ہے، اس میں ناپاک کپڑے بھی ہوتے ہیں، لہٰذا زید کے دھلے ہوئے کپڑوں کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ زید نے جب دھلائی کے لئے پاک کپڑے دیئے تو دھلائی کے بعد ان کپڑوں

کو پاک سمجھا جائیگا دھوبی کے پاس ناپاک کپڑے بھی آتے ہیں، وہ سب کو ملا دیتا ہے یہ یقینی بات نہیں ہے، لہٰذا محض شک کی بناء پر اسکو ناپاک قرار نہیں دیا جائیگا۔

لمافی الاشباہ والنظائر:(ص ۶۰، طبع قدیمی)

الیقین لایزول بالشک...... مع أن الاصل طھارۃ الثوب.

ولمافی نور الانوار:(ص ۲۲۲، طبع امدادیہ)

والاحتجاج باستصحاب الحال..... وحاصله البقاء ما کان علی ما کان..... وعندنا ..... ولکنها حجۃ دافعة.

ولمافی التنویر مع الرد:(۱/۲۰۵، ۲۰۶، طبع سعید)

وان الشک فغسله افضل..... وتجوز لان الاصل الطھارۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۲ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۱۵۸

﴿چمگادڑ کے پیشاب اور بیٹ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چمگادڑ کا پیشاب اور بیٹ پاک ہے، یا ناپاک وضاحت فرمائیں۔ مستفتیہ: ایک سائلہ وادی سوات

﴿جواب﴾ چونکہ چمگادڑ ہوا میں پیشاب کرتا ہے، جس سے برتنوں اور کپڑوں کو بچانا مشکل ہے، اس لئے ضرورۃً پاک قرار دیا ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۳۱۸-۳۱۹، طبع سعید)

الابول الخفاش وخرأہ وھو الوطواط سمی به لصغر عینه وضعف بصرہ قاموس وفی البدائع وغیرہ بول الخفافیش وخرؤھا لیس بنجس لتعذر صیانة الثوب والأوانی عنها لانها تبول من الھواء وھی فارۃ طیارۃ فلھذا تبول ومقتضاہ ان سقوط النجاسة للضرورۃ.

ولمافی حاشیة الطحطاوی:(۱/۸۳۸، طبع رشیدیہ)

وبول الخفاش وخرؤہ لایفسد لتعذر الاحتراز عنه کمافی الخانیة.

ولمافی الولوالجیة:(۱/۳۸، طبع فاروقیہ پشاور)

بول الخفافیش لا یفسد الماء لانه لا یمکن التحرز عنه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۲۳

﴿کبھی کبھی پیشاب کے قطرے نکلنے سے شرعی معذور شمار نہ ہوگا﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب. میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وضوء کرنے کے بعد کبھی کبھی پیشاب کے ایک دو قطرے نکل جاتے ہیں اور ایسا کبھی دوران نماز بھی ہوجاتا ہے جبکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قطرے نکلتے نہیں بلکہ نکلنے کے قریب ہوتے ہیں دونوں صورتوں میں وضوء ٹوٹنے اور کپڑوں کے ناپاک ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اس عذر شرعی کی وجہ سے میرے لیے دوبارہ وضوء نہ کرنے کی رعایت ہے.؟

مستفتی: مدثر شاہ ترخیل

﴿جواب﴾ پیشاب کا قطرہ یقینی طور پر نکل جائے یا کم از کم ظاہر ہوجائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے دوبارہ وضوء کرنا ضروری ہوگا، کپڑوں کو لگے تو اس جگہ کا دھونا بھی ضروری ہے، صرف وسوسہ ہو تو اس کی طرف دھیان نہ دیا کریں اور پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد جب تک قطرے خشک نہ ہوں وضوء نہ کریں قطروں کے خشک ہونے کا پورا اطمینان ہوجائے تو وضوء بنائیں اور شلوار وغیرہ کے خاص مقام پر پانی کا چھینٹا دیا کریں یہ وسوسہ دور کرنے کا سنت علاج ہے۔

لما فی فتح القدیر:(۱/۳۳،طبع رشیدیه)

(کل مایخرج من السبیلین)ثم الخروج من السبیلین یتحقق بالظهور،فلو حشی الذکر،فالانتقاض بمحاذاۃ بلة الحشوۃ رأس الذکر بنزوله الی القصبة.

ولما فی الفقه الاسلامی وأدلته:(۱/۲۲۲،طبع رشیدیه)

مذهب الحنفیة:ضابط المعذور،هو فی ابتداء الأمر من یستوعب عذره تمام وقت صلاۃ مفروضة،بأن لایجد فی جمیع وقتها زمنا یتوضأ ویصلی فیه خالیاعن الحدث وحکمه أنه یتوضألوقت کل فرض لالکل فرض ونفل لقوله ﷺ:المستحاضة تتوضأ لوقت کل صلاۃ ویقاس علیهاسائر ذوی الأعذار.

هکذافی الهندیة:(۱/۴۰،طبع رشیدیه)

واللہ اعلم بالصواب: سید مزمل شاہ　　　　الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۲۲۵۸　　　　۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

﴿فصل فی موجبات الغسل وفرائضه وسننه وآدابه﴾

﴿غسل کے مسائل﴾

﴿واجب غسل کے تین فرض ہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ واجب غسل کے کتنے فرائض ہیں؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ واجب غسل میں تین فرض ہیں (۱) مضمضہ یعنی کلی کرنا (۲) استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر پانی بہانا کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے۔

لما فی کنز الدقائق: (ص:٦ طبع: قدیمی)

فرض الغسل غسل فمه وانفه وبدنه.

ولما فی الهداية: (۱/۳۰، طبع: رحمانيه)

فصل فی الغسل وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

ولما فی غنية المستملی: (ص:۴۱ طبع: نعمانيه)

واما فرائض الغسل فالمضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۳۶۸

﴿غسل مسنون کا طریقہ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل مسنون کا کیا طریقہ ہے؟

﴿جواب﴾ غسل مسنون کا طریقہ ابتداء تسمیہ سے کرے پھر اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھوئے پھر جسم کے کسی حصہ پر نجاست لگی ہوئی ہو تو اس کو تین مرتبہ دھوئے، پھر استنجاء کرے خواہ ضرورت نہ بھی ہو پھر مسنون طریقے سے وضو کرے اگر نہانے کا پانی پیروں میں جمع ہو رہا ہو تو پیروں کو نہ دھوئے ورنہ اسی وقت بھی دھولینا چاہیے پھر پہلی بار سر پر پھر دائیں کندھے پر اتنا پانی ڈالے کہ سر سے پاؤں تک پانی پہنچ جائے، بدن کو ہاتھوں سے ملیں اور یہ عمل تین بار

دہرائے، پانی قدموں میں اگر ٹھرتا ہو تو آخر میں اس جگہ سے ہٹ کر پیروں کو تین بار دھولیں۔

لما فی الهدایه:(۱/۰۳طبع: رحمانیه)

وسنته ان یبتدء المغتسل فیغسل یدیه وقوله(الابتداء بالتسمیة)....لعموم الحدیث......(ومع غسل الیدین)ای قبل ادخالهما الاناء علی ماله (ویسن غسل النجاسة)ای ان ازالتها قبل قلوضوء والاغتسال هوالتة لئلا تزداد باضافة الماء فلا ینافی ان مطلق ازالة القدر المانع منها غیر مقید بما ذکر فرض او کلام السید ملخصا (وکذا غسل فرجه)........(ثم یتوضئو کوضونه الصلوٰة)فیتم سائر اعمال الوضوء من المستحبات ،والسنن ،والفرائض ....ثم یفیض الماء علی بدنه ثلاثا).......الخ

ولما فی حاشیة الطحطاوی:(ص:۱۰۲ طبع قدیمی کتب خانه)

فرجه ویزیل النجاسة ان کانت علی بدنه ثم یتوضئو وضوءه للصلوٰة الا رجلیه ثم یفیض الماء علی رأسه وسائر جسده ثلثاثم تنحی عن ذلک المکان فیغسل رجلیه.

وایضافی البحرالرائق:(۱/۵۰مکتبه: سعید)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر:

﴿کن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل صرف جماع یا ماہواری کیوجہ سے واجب ہوتا ہے یا اس کے علاوہ بھی کسی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے؟

﴿جواب﴾ جماع اور حیض کے علاوہ بھی کچھ امور ہیں جنکی وجہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ سوتے ہوئے احتلام ہو جائے یا جماع کے علاوہ کسی بھی طریقہ سے شھوت کیساتھ منی خارج ہو جائے یا منی خارج ہوئے بغیر صرف دخول کرنے سے یعنی ناتمام جماع کرنے سے ،اسی طرح نفاس کیوجہ سے یعنی ولادت کے بعد آنے والے خون سے جب زچہ پاک ہو جائے تو ایسی تمام صورتوں میں غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لما فی خلاصة الفتاوی:(۱/۱۲،طبع: رشیدیه)

واعلم بان الغسل علی احد عشر نوعا خمسة منها فریضة وهوالغسل من التقاء ختانین ومن انزال الماء والاحتلام والحیض والنفاس .

ولما فی حلبی کبیری:(ص:۴۸،طبع: نعمانیه)

خمسة منها فريضة لثبوتها بالكتاب والاجماع القطعيين الاغتسال من الحيض والاغتسال من النفاس والاغتسال من خروج المنى على وجه الدفق والشهوة والاغتسال من الاحتلام اذا خرج منه والاغتسال من التقاء ختانين اذا كان مع غيوبة الحشفة وغيوبتها فی الدبر ملتحق به.

ولما فی خزانة الفقه:(ص:۳۷،طبع: غفوریه)

فالمفروض خمسة الغسل من الاحتلام والغسل من الجماع والغسل من التقاء ختانين من غير انزال والغسل من الحيض والغسل من النفاس.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۳۶۰

﴿وہ مواقع جن پر غسل کرنا سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن مواقع پر غسل کرنا سنت ہے؟ مدلل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: طارق علیم صاحب

﴿جواب﴾ چار مواقع پر غسل کرنا سنت ہے (۱) نماز جمعہ کے لئے (۲) نماز عید کے لئے (۳) احرام باندھنے کے لئے (۴) اور حاجی کے لئے یوم عرفہ میں زوال کے بعد وقوف عرفہ کے لئے۔

لما فی التنویر:(۱/۱۶۸ طبع: سعید)

وسن لصلاة جمعة ولصلاة (عيد) ولاجل (احرام و) فی جبل (عرفة) بعد الزوال.

ولما فی مراقی الفلاح:(ص:۱۰۷، طبع: قدیمی)

(و) منها (صلاة العيدين لان رسول الله ﷺ كان يغسل يوم الفطر والاضحى وعرفة فقال ﷺ "من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل .... والغسل سنة للصلاة وفى قولى ابى يوسف كما فى الجمعة (و) يسن للاحرام ..... ويسن الاغتسال (للحاج) لا لغيرهم ويفعله الحاج (فی عرفه) لا خارجها ويكون فعله (بعد الزوال) لفضل زمان الوقوف.

ولما فی الهدایه:(۱/۳۲،طبع :رحمانیه)

وسن رسول الله صلى الله عليه وسلم الغسل للجمعة والعيدين وعرفة والاحرام

صاحب الکتاب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ نص علی السنیۃ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر: ۳۳۶۶

﴿وہ مواقع جن پر غسل کرنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وہ کونسی جگہیں ہیں جہاں پر غسل کرنا مستحب ہے؟

مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ مندرجہ ذیل مواقع پر غسل کرنا مستحب ہے، مجنون کو افاقہ ہو جائے، بے ہوش آدمی کو ہوش آجائے، حجامہ یعنی پچھنے لگانے کے بعد، شب برأت، لیلۃ القدر، وقوف مزدلفہ، منیٰ جاتے ہوئے، طواف زیارت کی نیت سے مکہ داخل ہوتے ہوئے، چاند سورج گرہن ہو جائے، نماز استسقاء کے لئے، خوف وہراس پھیل جائے، اندھیرا چھا جائے، تیز آندھی چلے، مدینہ منورہ داخل ہونے سے پہلے، نئے کپڑے پہنتے وقت، میت کو نہلانے کے بعد، گناہ سے توبہ کرنے کے بعد، سفر سے واپسی پر، مستحاضہ عورت کا خون بند ہو جائے، ان تمام مواقعوں پر غسل کرنا مستحب ہے۔

لما فی التنویر مع الدر: (۱/۱۷۰ طبع: سعید)

وندب لمجنون افاق وكذا المغمى عليه وعند حجامة وفي ليلة البرأة وقدر اذا راها وعند الوقوف بمزدلفة غداة يوم النحر للوقوف وعند دخول منى يوم النحر وعند دخول مكة لطواف الزيارة ولصلاة كسوف وخسوف واستسقاء وفزع وظلمة وريح شديد وكذا لدخول المدينة ولمن لبس ثوبا جديدا او غسل ميتا ولتائب من ذنب و لقادم من سفر ولمستحاضة انقطع دمها.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ   فتویٰ نمبر: ۳۳۶۷

﴿غسل کے فرائض میں سے کوئی فرض رہ جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر فرائض غسل میں سے کوئی مثلاً کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے تو غسل مکمل ہو جائے گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں اگر کوئی کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا بھول جائے تو غسل

نہیں ہوگا، البتہ غسل کرنے کے بعد یاد آجائے اور کلی کرلے یا ناک میں پانی ڈال لے تو غسل ہو جائے گا، مکمل غسل لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولما فی المبسوط السرخسی:(۶۲/۱،طبع: رشیدیه)

(واذا نسی المضمضة والاستنشاق فی الجنابة حتی صلی لم یجزه)وهو عندنا فان المضمضة والاستنشاق فرضان فی الجنابة سنتان فی الوضوء.

ولما فی التنویر الابصار:(۱۵۵/۱،طبع: سعید)

(فروع)نسی المضمضة او جزاء من بدنه فصلی ثم تذکر فلو نفلا لم یعد لعدم صحة شروعه.

ولما فی الهدایه:(۳۰/۱،طبع: رحمانیه)

وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن ....والمراد بما روی حالة الحدث بدلیل قوله علیه السلام انهما فرضان فی الجنابة سنتان فی الوضوء؛

واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ

فتویٰ نمبر: ۳۳۶۵

۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے یا بغیر پانی پہنچانے کے غسل ہو جائے گا؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا کوئی ضروری نہیں ہے، پانی پہنچائے بغیر بھی غسل ہو جائے گا۔

لما فی التنویر مع الدر:(۱۵۲/۱،طبع: سعید)لا یجب (غسل ما فیه حرج کعین)

ولما فی البحر الرائق:(۱۴۶/۱،طبع: سعید)

وکذا ما یتعسر لان لمتعسر منتی کالمتعزر کداخل العینین فان فی غسلهمامن الحرج ما لایخفی فان العین شحم لاتقبل الماء وقد کف بصر عن تکلف له عن الصحابة کابن عمرو ابن عباس ولهذالا تغسل العین.

ولما فی فتح القدیر:(۶۲،۶۱/۱،طبع: رشیدیه)

وذکر الانتضاح بدل الانتفاض الماء........وهو جملة بدن کل مکلف فیدخل کل

مایمکن الایصال الیہ الا مافیہ حرج وھو المراد بقولہ یتعذر،وذلک کداخل العینین.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:شاہ جہان عفی عنہ

۵شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿غسل جنابت میں عورت کے لئے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں عورت کو بالوں کی جڑوں تک پانی پہچانا ضروری ہے؟ مستفتی: طارق علیم ڈیفنس فیز۲

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے،البتہ بالوں کی مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۱۵۳،طبع:سعید)

(قولہ اتفاقا)کذا فی شرح المنیۃ ،وفیہ نظر لان فی المسئلۃ ثلاثۃ اقوال کما فی البحر والحلیۃ،الاول الاکتفاء بالوصول الی الوصول ولو منقوضا ،وظاھر الذخیرۃ انہ ظاھر المذھب......الثانی التفصیل المذکور ومشی علیہ الجماعۃ منھم صاحب المحیط والبدائع والکافی ،الثالث وجوب بل الذوائب مع العصر وصح وتمام تحقیق ھذہ الاقوال فی الحلیۃ وحال فیھا آخرا الی ترجیح القول الثانی ،وھو ظاھر المتون.

ولما فی الھندیہ:(۱/۱۳،طبع:رشیدیہ)

ولیس علی المرأۃ ان تنقض ضفائر ھا فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر ولیس علیھا بل ذوائبھا ....ولو کان شعر المرأۃ منقوضا یجب ایصال الماء الی اثنائہ ....ولو الزقت المرأۃ رأسھا بطیب بحیث لا یصل الماء الی اصل الشعر وجب علیھا ازالتہ لیصل الماء الی اصولہ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:شاہ جہان عفی عنہ

۵شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿ستر کھلا ہے تو بات کرنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل خانہ میں باتیں کرنا جائز ہے؟ مثلا ایک آدمی غسل کررہا ہو اور دوسرا آدمی اس سے بات کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ بات کرسکتا ہے۔

﴿جواب﴾ غسل خانہ میں ہو تو بات کرنا منع نہیں ہے،البتہ غسل کرتے ہوئے ستر اگر

کھلا ہے تو بات کرنا مکروہ ہے۔

لما فی الشامی:(۱/۱۵۶،طبع: سعید)

ویستحب ان لا یتکلم بکلامہ مطلقا ،اما کلام الناس فلکراھتہ حال الکشف واما الدعاء فلانہ فی مصب المستعمل ومحل الاقذار والاوحال.........اقول:او المراد الکراھۃ حال الکشف فقط کما افادہ التعلیل السابق ،والظاھر من حالہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ لاتغسل بلا ساتر.

ولما فی الھندیہ:(۱/۱۴،طبع: رشیدیہ):ویستحب ان لا یتکلم بکلا م قط.

ولما فی فقہ الاسلامی:(۱/۵۳۵،طبع رشیدیہ)

قال الحنفیۃ :کرہ فی الغسل ما کرہ فی الوضوء وھی ستۃ اشیاء الاسراف فی الماء، والتقتیر فیہ ،وضرب الوجہ بہ ،والتکلم بکلام الناس ،والاستعانۃ بغیرہ من غیر عذر، ویزاد فیہ کراھۃ الدعاء.

الجواب صحیح :عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: شاہ جہان ڈیروی

۵ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:

﴿غسل جنابت کو مؤخر کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں غسل کو مؤخر کرنے کی گنجائش ہے؟ اگر گنجائش ہے تو پھر کتنی دیر تک مؤخر کرسکتا ہے؟　　مستفتی: ایک متعلم

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں غسل کرنا فی الفور ضروری نہیں مؤخر کرنے کی گنجائش ہے، لیکن تأخیر کرنے کی صورت میں نماز مکروہ یا قضاء ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

لمافی الھندیۃ: (۱/۱۶ مکتبہ: رشیدیہ)

الجنب اذا أخر الا غتسال الی وقت الصلاۃ لایأ ثم کذا فی المحیط قد نقل شیخ سراج الدین الھندی الاجماع علی انہ لایجب الوضوء علی المحدث والغسل علی الجنب والحائض والنفساء قبل وجو ب الصلاۃ

ولمافی الشامی :(۱/۱۶۵ طبع: سعید)

قال فی الشر نبلالیۃ :واختلف فی وجو ب الغسل وعند عامۃ المشائخ ارادۃ فعل مالایحل فعلہ مع الجنابۃ وقیل وجو ب مالایحل معھا.

والذی یظھر انہ ارادۃ فعل مالایحل الابہ عند عدم ضیق الوقت او عند وجوب ما لایصح معھا،وذلک عند ضیق الوقت لما قال فی الکافی ان سببوجوب الغسل الصلاۃ او ارادۃ ما لا یحل فعلہ مع الجنابۃ والانزال والالتقاء شرط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:شاہ جہان ڈیروی

۵شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:

﴿حالت جنابت میں اسلام لانے سے غسل واجب ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد غسل کرنا واجب ہے یا مستحب؟ مستفتی:طارق علیم ڈیفنس فیز۲

﴿جواب﴾ جب کافر اسلام لے آئے اور اس وقت جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرنا واجب ہے،اور اگر جنابت کی حالت میں نہیں ہے تو پھر اس وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

لما فی البحرالرائق:(۶۵/۱،طبع:سعید)

(ولمن اسلم جنبا والا ندب)ای افترض الغسل علی من اسلم حال کونہ جنبا......وقد اختلف المشائخ فی الکافر اذااسلم وھوجنب فقیل لایجب لانھم غیر مخاطبین بالفروع ولم یوجد بعد الاسلام جنابۃ وھو روایۃ وفی روایۃ یجب وھو الاصح لبقاء صفۃ الجنابۃ.

ولما فی الھندیہ:(۱۴/۱طبع:رشیدیہ)

الکافر اذا اجنب ثم اسلم یجب علیہ اغتسل فی ظاھر الروایۃ.

ولمافی حلبی کبیری:(۴۹،طبع:نعمانیہ)

وذکر فی المحیط ان الکافراذا اجنب ثم اسلم الصحیح انہ یجب علیہ الغسل لان الجنابۃ صفۃ باقیۃ بعد اسلامہ کبقاء صفۃ الحدث بخلاف الحیض علی ما تقدم.

ولما فی التنویر مع الدر:(۱۶۷/۱،طبع:سعید)

کما یجب علیٰ من اسلم جنبا او حائضا او نفساء ولو بعد الانقطاع علیٰ الاصح کما فی شرح نبلا لیہ عن البرھان

ولما فی خلاصۃ الفتاوی:(۱۳/۱،طبع:رشیدیۃ)

وواحد مستحب وھو غسل الکافر اذا اسلم ، ھذا اذا لم یکن جنبا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:بندہ شاہ جہان ڈیروی

۹صفرالخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۱۶۴

﴿چھیدے ہوئے ناک کان کے سوراخوں میں غسل میں پانی پہنچانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اکثر خواتین کے ناک اور کانوں میں زیورات پہننے کے لئے سوراخ ہوتے ہیں. تو غسل جنابت میں ان سوراخوں سے پانی گزارنا ضروری ہے. یا مذکورہ اعضاء پر پانی بہانے سے غسل ہو جائے گا؟

﴿جواب﴾ جن عورتوں کے ناک اور کانوں میں زیورات پہننے کے لئے سوراخ ہوتے ہیں تو غسل جنابت کرتے وقت ناک اور کانوں کے سوراخوں پر پانی بہانے سے اگر ان کو غالب گمان حاصل ہو جائے کہ پانی ناک اور کانوں کے سوراخوں تک پہنچ گیا تو یہ کافی ہے۔ البتہ غالب گمان اسکے خلاف ہو تو پانی بہا کر ہاتھ پھیر دینے سے پانی پہنچ جاتا ہے. اس کے بعد وسواسی اور وہمی کیطرح زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں ہے.

لما فی التنویر مع الدر: (۱/۱۵۵، مکتبہ: سعید)

(ولو لم یکن بثقب اذنه قرط فدخل الماء فیه) ای الثقب (عند مروره) علیٰ اذنه(اجزأه کسرة واذن دخلها الماء والا) یدخل(ادخله) ولو باصبعه ولا یتکلف بخشب ونحوه والمعتبر غلبة ظنه بالوصول

ولما فی العالمگیری: (۱/۱۲، مکتبہ: قدیمی)

ولو لم یکن قرط فدخل الماء الثقب عند مروره اجزأه والا ادخله ولا یتکلف فی ادخال شئی سوی الماء من خشب ونحوه

ولما فی الحلبی الکبیری: (۴۲، مکتبہ: نعمانیہ)

امرأة اغتسلت هل تتكلف فی ایصال الماء الی ثقب القرط ام لا والقرط بضم القاف واسكان الراء ما یعلق فی شحمة الاذن قال ای محمدؒ فی الاصل وهذا دأب صاحب المحیط یذكر لفظ قال ومراده ذالک تتكلف فیه ای فی ایصال الماء الیٰ ثقب القرط كما تتكلف فی تحریک الخاتم ان كان ضیقا والمعتبر فیه غلبة الظن بالوصول ان غلب علی ظنها ان الماء لا یدخله الا بتكلف تتكلف وان غلب انه وصله لا تتكلف سواء كا ن القرط فیه ام لا وان ضم الثقب بعد نزع القرط وصار بحال ان امر علیه الماء یدخله وان غفل لا فلا بد من امراره ولا تتكلف لغیر الامرار من ادخال عود ونحوه فان الحرج مدفوع وانما وضعت المسئلة فی المرأة باعتبار الغالب.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۳۱۳۸

﴿دانتوں میں جو کا دانہ غسل جنابت سے مانع نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید پر غسل واجب ہو گیا تھا اس نے غسل کیا اور نماز پڑھ لی نماز پڑھنے کے بعد اسکو یاد آیا کہ اسکے دانتوں کے درمیان میں جو کا ٹکڑا پھنسا ہوا ہے اب پوچھنا یہ ہے کہ اس کا غسل ہو گیا یا نہیں؟ مستفتی: قاری زاھد اللہ ٹانکوی

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں زید کا غسل ہو گیا ہے۔ اور نماز بھی ہو گئی ہے لہٰذا لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو کا دانہ پانی پہنچنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اور اب چونکہ یاد آ گیا ہے۔ کہ جو کا دانہ دانتوں میں پھنسا ہوا ہے۔ تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ کہ اسے نکال کر کلی کرے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۲،طبع سعید)

لا(طعام بین اسنانه)او فی سنه المجوف به یفتیٰ

ولمافی الھندیه: (۱/۱۳،طبع رشیدیه)

ولوکان سنه مجوفافبقی فیه اوبین اسنانه طعام او درن رطب فی انفه تم غسله علی الاصح کذافی الزاھدی والاحتیاط ان یخرج الطعام عن تجویفه ویجری الماء علیه

ولمافی الولوالجیة:(۱/۵۲،طبع فاروقیه)

رجل اغتسل من الجنابة وبین اسنانه طعام فلم یصل الماء تحته جاز لأن مابین الاسنان رطب والماء یصل الی کل موضع غالبا

ولمافی الحلبی الکبیری:(۴۳، طبع نعمانیه)

ان کان بین اسنانه طعام ولم یصل الماء تحته فی الغسل من الجنابة جاز لان الماء شئی لطیف یصل تحته غالبا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: برکت اللہ

۲ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۲۷

﴿غسل کے دوران اگر کوئی جگہ خشک رہ جائے تو کیا حکم ہے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر آدمی غسل جنابت کرے ،بعد میں معلوم ہو کہ بدن میں کچھ حصہ خشک رہ گیا ہے تو کیا دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے یا صرف

اس مقام کو دھولیا جائے جو خشک رہ گیا ہے وضاحت فرمائیں؟ مستفتی: صالح محمد

﴿جواب﴾ مذکورہ صورت میں دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف اس جگہ کو دھو لینا کافی ہے جو خشک رہ گئی ہے۔

لما في غنية المستملي:(ص:۴۲ طبع: نعمانيه)

ولو بقي شيء من بدنه لم يصبه الماء لم يخرج من الجنابة وان قل اى ولو كان ذلك الشيء قليلا بقدر راس ابرة لوجوب استيعاب جميع البدن ،ولو رتكها اى ترك المضمضة او الاستنشاق او لمعة من اى موضع كان من البدن ناسيا فصلى ثم تذكر ذلك يتمضمض او يستنشق او يغسل اللمعة ويعيد ما صلى ان كان فرضا لعدم صحته وان كان نفلا فلا لعدم صحة شروعه.

ولما في الفقه الاسلامي:(۱/۵۲۲ طبع: رشيدية)

فيجب تعميم (او الاعمام وهو الاصح)الشعر والبشرة بالماء مرة واحدة ،حتى لو بقيت بقعة يسيرة لم يصبها الماء يجب غسلها.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتوی نمبر: ۳۲۷۷

﴿سخت سردی میں غسل واجب ہو جائے تو کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے متعلق کہ ہم پہاڑی علاقے کے باشندے ہیں یہاں کی سردی بہت سخت ہوتی ہے مجھے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ سرد راتوں میں احتلام ہو جاتا ہے غسل کرنے کیلئے گرم پانی کا انتظام ہمارے پاس نہیں ہے اور ٹھنڈے پانی سے اگر غسل کروں تو بیمار ہو جاتا ہوں۔ کیا میں تیمم کر کے نماز پڑھوں یا دھوپ نکلنے کا انتظار کروں اور قضاء پڑھوں۔ بینوا وتوجروا مستفتی: غیاث الدین (گلگت)

﴿جواب﴾ حالت سفر میں یا غیر آبادی مثلاً جنگل وغیرہ میں یہ حالت پیش آجائے اور پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے اور دھوپ نکل کر یا گرم پانی کا انتظام ہو جائے تو غسل کر لے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن گھر اور آبادی میں گرم پانی کا انتظام نہ ہونا سمجھ سے دور ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۲۳۲،طبع:سعید)

قوله يهلك الجنب او يمرضه قيد بالجنب، لأن المحدث لايجوز له تيمم للبرد فی الصحيح

ولما فی بدائع الصنائع: (۱/۴۸،طبع:سعید)

وأجنب فی ليلة باردة يخاف على نفسه الهلاك لواغتسل ولم يقدر على تسخين الماء ولا على اجرة الحمام فی المصر أجزأه التيمم فی قول ابی حنيفةؒ ....ولأبی حنيفةؒ ماروی عن رسول الله ﷺ أنه بعث سرية وأمر عليهم عمرو بن العاص رضی الله عنه ......قالو اصلی بنا وهوجنب فی ليلة باردة فخفت على نفسی الهلاك لو اغتسلت فذكرت ماقال الله تعالىٰ ولا تقتلوا أنفسكم ان لله كان بكم رحيما ،فتيممت وصليت بهم فقال لهم رسول الله ﷺألا ترون صاحبكم كيف نظرلنفسه ولكم ولم يامره بالاعادة.

ولما فی البحر:(۱/۱۴۱،طبع:سعید)

(قوله اوبرد) ای ان خاف الجنب أو المحدث ان اغتسل أو توضاء أن يقتله البرد او يمرضه تيمم سواء كان خارج المصر أوفيه ......ثم اعلم أن جوازه للجنب عند أبی حنيفةؒ مشروط بأنلايقدر على تسخين الماء ولا على أجرة الحمام فی المصر.

ولما فی القول الرجح: (۱/۲۶،طبع:رشيديه))

وقال العلامة الحصكفیؒ (اوبرد)يهلك الجنب اويمرضه ولوفی المصر اذالم تكن له أجرة الحمام ولامايدفيه.

ولما فی الهندية (۱/۳۱،طبع:قديمی)

ويجوز التيمم اذا خاف الجنب اذااغتسل بالماء أن يقتله البرد أويمرضه هذا اذاكان خارج المصر اجماعاً.فان كان فی المصر فكذاعند أبی حنيفةؒ خلافالهما والخلاف فيما اذالم يجد ما يدخل به الحمام فان وجد لم يجز اجماعاً.وفيمااذالم يقدر على تسخين الماء فان قدر لم يجز ،هكذافی السراج الوهاج.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عزیز اللہ آغا غفر اللہ لہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۲۹

﴿مذی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو اپنی بیوی سے باقاعدہ صحبت کے بغیر استمتاع کی صورت میں لیس دار پانی خارج ہوتا ہے، چاہے وہ

استمتاع کپڑوں میں ہو یا بغیر کپڑوں کے، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے پانی کے خروج سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ مستفتی: عبدالرزاق

﴿جواب﴾ صرف لیس دار پانی سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضوٹوٹ جاتا ہے، غسل باقاعدہ انزال یعنی منی کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے، اسی طرح میاں بیوی کی ایسی مباشرت کہ مرد کے عضو خاص کا حشفہ عورت کے اندام نہانی میں داخل ہو جائے خواہ باقاعدہ انزال نہ ہو تب بھی غسل دونوں پر واجب ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ شوہر کا بیوی کیساتھ جسم ملانے سے کوئی غسل واجب نہیں ہوتا۔

لمافی سنن أبی داؤد:(۲۹/۱،طبع رحمانیه)

عن المقداد ابن الاسود أن علی بن ابی طالب رضی الله عنه أمره أن يسئل له رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل اذا دنامن اهله فخرج منه المذی ماذا عليه؟ فان عندی ابنته وأنا استحيی أن أسئله قال المقداد: فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک فقال: اذا وجد احدکم ذلک فلينتضح فرجه وليتوضا وضوئه للصلوة

ولمافی الهندية:(۱۵/۱،طبع رشيديه)

الايلاج فی احد السبيلين اذا توارت الحشفة يوجب الوضوء على الفاعل والمفعول به أنزل أولم ينزل، وهذا هو المذهب لعلمائنا كذا ذكر فی المحيط وهو الصحيح.

ولمافی المنية:(ص۵۲،طبع سهيل اكيڈمی)

الاغتسال على احدى عشر وجها خمسة منها فريضة الاغتسال من الحيض ومن النفاس ومن التقاء الختانين والاغتسال من خروج المنی على وجه الدفق والشهوة.

ولمافی جامع الترمذی:(۱۶/۱،طبع فاروقی ملتان)

عن عائشة رضی الله عنها قالت: اذا جاوزت الختان الختان وجب الغسل فعلته انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم فاغتسلنا.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ | فتویٰ نمبر: ۱۰۵۸

﴿مذی اور ودی کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے اکثر قبض کی شکایت

رہتی ہے میں ہمیشہ پاخانہ زور لگا کر کرتا ہوں جس کا اثر میری پیشاب والی جگہ پر پڑتا ہے یعنی اٹھتے بیٹھتے وقت قطرے وغیرہ نکلتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نفس کمزور ہونے کی صورت میں میں مذی اور ودی کا شکار ہوں، مجھے یہ بتائیں کہ درج ذیل صورتوں میں غسل واجب ہے یا نہیں؟

(۱) جب نفس جوش میں آتا ہے تو اکثر اوقات قطرے نکل آتے ہیں بعض اوقات نہیں نکلتے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب جوش ٹوٹتا ہے تو اسی دوران قطرے وغیرہ نکل آتے ہیں۔

(۲) گندے خیالات یاد آنے سے، گندی گفتگو کرنے سے یا سننے سے یا کسی اور طریقے سے جب نفس جوش میں آجاتا ہے۔ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں میری راہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ مستفتی: شمس الحسن کلورکوٹ

﴿جواب﴾ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے، خیالات کو پاک رکھنے کے لیے شادی بہترین علاج ہے، البتہ گندی مجلس اور برے ماحول سے بچنا شادی سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

لما في الرد:(۱/۱۶۳،طبع سعيد)

ولا يجب اتفاقا فيما اذا علم أنه ودي مطلقا وفيما اذا علم أنه مذي..... الخ.

ولما في فتح القدير:(۱/۷۰،طبع رشيديه)

وليس في المذي والودي غسل وفيهما الوضوء لقوله عليه الصلاة والسلام "كل فحل يمذي وفيه الوضوء".

ولما في الهندية:(۱/۱۵،طبع رشيديه)

فان تيقن أنه ودي،لا يجب الغسل.......وان تيقن أنه مذي لايجب الغسل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: محمد امیر ملک خوشابی

۲۲ صفر الخیر ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر: ۲۹۶۳

﴿بذریعہ انجکشن مادہ منویہ عورت کے رحم میں پہنچانے کی صورت میں غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کا مادہ منویہ انجکشن کے

ذریعے عورت کے رحم میں پہنچادیا جائے تو اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ مستفتی محمد احمد

﴿جواب﴾ وجوب غسل کا اصل سبب نفس خروج منی یا دخول منی نہیں بلکہ اس کیساتھ ساتھ لذت وتسکین بھی ہے جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے مذکورہ عمل سے لذت وتسکین کا حاصل ہونا مشکل ہے۔

لیکن اگر کسی عورت کو اس عمل سے انزال ہوجائے تو غسل واجب ہوگا اور بغیر انزال کے غسل واجب نہیں تاہم احتیاط غسل کرنے میں ہے۔

لما في التنوير مع الدر:(١/١٥٩-١٦٠،طبع سعيد)

(وفرض)الغسل (عند)خروج (منى)من العضو(متصل عن مقره)هوصلب الرجل وترائب المرأة(بشهوة)أى لذة ولوحكما كمحتلم ولم يذكرالدفق ليشمل منّى المرأة.
وفى الشامى:(قوله بشهوة)......احترزبه عما لو انفصل بضرب أو حمل ثقيل على ظهره فلا غسل عندنا (الخ)

ولمافي حلبي كبير:(ص٤٥،طبع سهيل اكيڈمي)

"فروع"ولوجومعت فى مادون الفرج ووصل المنى الى رحمهالاغسل عليها لفقد الايلاج والانزال فان حبلت منه وجب الغسل لانه دليل الانزال(الخ)

ولمافي مراقي الفلاح على الطحطاوي:(ص٥٢،طبع قديمي)

يفترض الغسل بواحد(من سبعة اشياء)......(خروج المنى)الى ظاهرالجسدلانه مالم يظهرلاحكم له(اذاانفصل عن مقره)......(بشهوة)الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد اسلم چترالی غفرلہ

۲۷رجب المرجب ۱۴۲۹ھ فتوی نمبر:۱۷۳۶

﴿دانتوں کی بھرائی کے بعد حکم غسل﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دانتوں میں سوراخ ہونے کی بناء پر اس کی بھرائی (Filling) کی جاتی ہے، اس صورت میں غسل کرتے ہوئے پانی اندر نہیں پہنچتا تو کیا اس وجہ سے غسل پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ مستفتی:عبدالسمیع صاحب

﴿جواب﴾ دانت بھرانے کے بعد غسل کے لئے اس کو خالی کرنا چونکہ مشکل ہے، اس لئے

دانت کے اوپر پانی بہانا کافی ہے، غسل ہو جائیگا۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۲۸۸،طبع امدادیه)

ولا یمنع الطهارة ونیم أی خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء ولوجرمه، به یفتی قال العلامة ابن عابدین الشامی رحمه الله تعالیٰ تحت هذه المسئلة(لم یصل الماء تحته)لان الاحتراز عنه غیر ممکن:حلیة،قوله(به یفتی)صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسئالة الحناء والطین الدرن معللاً بالضرورة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم:صلاح الدین چترالی

۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر:۵۴۲

﴿غسل جنابت کے بعد عورت کی منی خارج ہونے پر غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ ہمبستری کے بعد اگر مرد نے پیشاب بھی نہ کیا ہو اور نہ ہی زیادہ چلا پھرا ہو اور نہ سویا ہو بلکہ فوراً غسل کرلے اور غسل کے بعد مرد کی شرمگاہ سے منی نکلے تو فقہاء کرام نے اس پر دوبارہ غسل ضروری قرار دیا ہے اور اگر یہ صورت عورت کے ساتھ پیش آجائے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ عورت کو اگر یقین ہو جائے کہ نکلنے والی منی میری ہی ہے تو اس پر غسل کرنا ضروری ہے اور اگر وہ یہ سمجھے کہ یہ مرد کی منی ہے تو اس پر غسل کا لوٹانا ضروری نہیں ہے، البتہ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۴۶،طبع سهیل اکیڈمی)

اغتسلت ثم خرج منها منی الزوج لایلزمها اعادة الغسل لانه بمنزلة حمول تحملت به.

ولمافی التاتارخانیة:(۱/۱۱۱۸،طبع قدیمی)

وفی مجموع النوازل:المرأة اذا اغتسلت بعدما جامعها زوجها ثم خرج منها منی الزوج فعلیها الوضوء دون الغسل.

ولمافی الشامی:(۱/۲۹۶،طبع امدادیه)

فلو اغتسلت فخرج منها منی،ان منیها اعادت الغسل لا الصلاة والالا(قوله:ان منیها) ای یقیناً فلو شکت فیه فلا تعید الغسل اتفاقاً للاحتمال والاولی الاعادة علی قولهما احتیاطاً(قوله:لاالصلاة) کما ان الرجل لایعید ماصلی اذا خرج منه بقیة المنی بعد

الغسل اتفاقا كما في الفتح لكن قال في المبتغى: بخلاف المرأة يعني انها تعيد تلك الصلاة. وفيه نظر ظاهر والذي يظهر انها كالرجل كذا في الحلية وتبعه في البحر واجاب المقدسي بحمل قوله "بخلاف المرأة" على انها لا تعيد اصلا: اى لا الغسل ولا الصلاة لان ما يخرج منها يحتمل انه ماء الرجل اھ اقول: اى اذا لم تعلم انه ماؤها. (قوله: والالا) اى وان لم يكن منيها بل مني الرجل لا تعيد شيئا وعليها الوضوء، رملي عن التاتارخانية.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خضر حیات کمالوی

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۱۶

﴿غسل کے اول وآخر میں وضو کرنا﴾

﴿سوال﴾ کیا غسل کے اوّل وآخر میں دومرتبہ وضو کرنا ٹھیک ہے؟

﴿جواب﴾ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے، غسل کرنے کے بعد غسل خانہ میں دوبارہ وضو نہ کرے، البتہ نکلنے کے بعد دوبارہ کرنا چاہے تو جائز ہے۔

ولما في سنن الترمذي: (۱۶/۱، طبع فاروقی ملتان)

عن عائشة رضي الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يتوضأ بعد الغسل.

ولما في اعلاء السنن: (۱۰۰/۱ طبع دار الكتب العلمية)

تركه صلى الله عليه وسلم الوضوء بعد الغسل عادة ودوام مع حرصه على تحصيل الطاعات دليل الكراهية. وفي سنن أبي داؤد: (۳۵/۱، طبع رحمانيه)

ولما في الدر المختار: (۱۵۸/۱ طبع سعيد)

وقالوا لو توضأ اولا لا ياتي به ثانيا لانه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقا، اما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبنا او فصل بينهما بصلاة كقول الشافعية فيستحب. وفي الشامية: والظاهر ان عدم استحبابه لو بقي متوضأ الى فراغ الغسل فلو احدث قبله ينبغي اعادته.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: فرمان اللہ غفرہ اللہ

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۹۶

﴿دوران غسل اگر کوئی فرض رہ جائے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام دریں مسئلہ کہ مجھ پر غسل واجب تھا میں نے غسل

کیا اور غسل کے وضو ہی سے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر عصر کی نماز علیحدہ وضو سے پڑھی، پھر مجھے خیال آیا کہ دوران غسل میں ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تھا، اب پوچھنا یہ ہے کہ میرا غسل ہو گیا یا نہیں اور مجھے دونوں نمازیں لوٹانا پڑینگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ غسل کے فرائض میں سے ناک میں پانی ڈالنا بھی ہے، جب آپ دوران غسل ناک میں پانی ڈالنا بھول گئے تو آپ کا غسل مکمل نہیں ہوا اور اس سے جو نماز ادا کی گئی وہ بھی نہ ہوئی اور جو علیحدہ وضو سے نماز پڑھی اور اس وضو میں ناک میں پانی ڈالا تو غسل کے فرائض مکمل ہو گئے اور غسل مکمل ہو گیا، اب عصر کی نماز ہو گئی اور ظہر کی نماز لوٹانا ہوگی۔

لما فی الھدایۃ:(۲۹/۱ رحمانیہ)

فرض الغسل:المضمضۃ والاستنشاق وغسل سائر البدن.

ولما فی حلبی کبیر:(ص۵۰،طبع سھیل اکیڈمی)

(ولو ترکھا ای ترک المضمضۃ والاستنشاق اولمعۃ من ای موضع کان من البدن(ناسیا فصلی ثم تذکر ذلک یتمضمض ویستنشق اویغسل اللمعۃ(ویعید ما صلی)ان کان فرضا لعدم صحتہ وان کان نفلا فلا لعدم صحۃ شروعہ.

ولما فی تنویر الابصار:(۱۵۵/۱،طبع سعید)

نسی المضمضۃ اوجزأ من بدنہ فصلی ثم تذکر فلو نفلا لم یعد لعدم صحتہ.

ولما فی الشامی:(۵/۱،طبع سعید)

ولو بقیت علی العضو لمعۃ لم یصبھا الماء فصرف البلل الذی علی ذلک العضو الی اللمعۃ جاز.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:محمد ضیاء الدین

۲۰ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ　　فتویٰ نمبر:۶۴۴

﴿سوئی کے ذریعے جسم پر کھدوائے گئے نشانات پر وضو اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ کافی عرصہ قبل علم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر سوئی کے ذریعے نشانات کھدوائے ہیں، جب اسکے ناجائز اور حرام ہونے کا علم ہوا تو میں نے توبہ واستغفار کی، اب وہ نشانات پک گئے ہیں اور باوجود کوشش کے زائل

نہیں ہوتے ہیں، کیا ان کے ہوتے ہوئے میرا غسل اور وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ بلاشبہ یہ گناہ کا کام ہے، اب چونکہ ان نشانات کو دور کرنا بھی آسان نہیں ہے اور آپ نے توبہ کر لی ہے امید ہے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہوگا، باقی وضو اور غسل پر یہ نشانات اثر انداز نہیں ہوتے۔

لما في مرقاة المفاتيح:(۲۸۰/۸،طبع رشيديه)

وعن ابن عمرؓ أن النبي ﷺ قال "لعن الواصلة،والمستوصلة،والواشمة، والمستوشمة" متفق عليه:وهو غرز الابرة أو نحوها في الجلد حتىٰ يسيل الدم ثم حشوه بالكحل أو النيل أو النورة فيخضر،قال النووي:وهو حرام على الفاعلة والمفعول بها،والموضع الذي وشم يصير نجساً،فان أمكن ازالته بالعلاج وجبت،وان لم يمكن الابالجرح فان خاف منه التلف أو فوت عضو أو شيناً فاحشاً في عضو ظاهر لم يجب ازالته،واذا تاب لم يبق عليه اثم،وان لم يخف شيئاً من ذٰلك لزمه ازالته ويعصي بتاخيره.

ولما في الشامي:(۳۳۰/۱،طبع سعيد)

حكم الوشم في نحو اليد،وهو أنه كالاختضاب أو الصبغ بالمتنجس،لأنه اذا غرزت اليد أو الشفة مثلا بأبرة ثم حشي محلها بكحل أو نيلة ليخضر تنجس الكحل بالدم، فاذا جمد الدم والتأم الجرح بقي محله أخضر،فاذا غسل طهر لأنه أثر يشق زواله لأنه لايزول الا بسلخ الجلد أو جرحه،فاذا كان لايكلف بازالة الأثر الذي يزول بماء حار أو صابون فعدم التكليف هنا أولىٰ.

الجواب صحيح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ حقانی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۴۶

﴿دانتوں کے اوپر خول چڑھانے سے وضو اور غسل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دانتوں کے اوپر خول چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسی صورت میں وضو اور غسل ہو جاتا ہے؟

﴿جواب﴾ دانتوں پر ضرورت کے وقت خول چڑھانا از روئے شرع جائز ہے، وضو اور غسل کے لئے اس خول کا ہٹانا اگر حرج وتکلیف کا باعث ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے وضو اور غسل کرتے وقت اصلی دانت تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، خول کے اوپر پانی گزارنا کافی ہے۔

ولمافی الحلبی الکبیر:(ص ۴۶،طبع سہیل اکیڈمی)

واما فرائض الغسل فالمضمضۃ والاستنشاق وغسل سائر البدن الی ان قال ان ماتعذر ایصال الماء الیہ حقیقۃ اوحکما للحرج خارج.

ولمافی الھندیۃ:(۱۳/۱ طبع رشیدیہ)

ومواضع الضرورۃ مستثناۃ عن قواعد الشرع کذافی الظھیریہ.

ولمافی الشامی:(۲۸۸/۱،طبع امدادیہ)

ولایمنع الطھارۃ ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناولوجرمہ بہ یفتی.

وفی الشامیۃ:قولہ بہ یفتی صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطین والدرن معالا بالضرورۃ..... فالاظھر التعلیل بالضرورۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:عبدالوہاب عفااللہ عنہ

۱۴۳۱ھ فتویٰ نمبر:

﴿دوائی وغیرہ رحم میں داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ آجکل جب عورتوں کے رحم میں ورم آجاتا ہے تو ڈاکٹر حضرات اسکے لیئے ٹیوب یا دوائی تجویز کرتے ہیں جو کہ روئی کے ذریعے جسم کے کافی اندر تک لگائی ہوتی ہے جیسے گلیسرین، اسی طرح پیشاب میں انفیکشن ہو جائے تو بھی ایک گولی اسی طریقے سے استعمال کی جاتی ہے، اسکے علاوہ ایک آلہ جسکو اپلیکٹر کہتے ہیں بھی اس قسم کے امراض میں مذکورہ طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

کیا اسطرح دوائی وغیرہ داخل کرنے سے غسل واجب ہوتا ہے؟ اگر بار بار دوائی مذکورہ طریقے سے استعمال کرنی پڑے تو کیا بار بار غسل کرنا پڑے گا؟ سائلہ: متعلمہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ دوائی پہنچانے کی غرض سے اپلیکٹر یا کوئی بھی چیز رحم میں داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ اس دوران شہوت کا غلبہ اور انزال بھی ہو جائے تو غسل واجب ہوگا۔

لمافی تنویر مع الدر:(۲۹۶/۱،طبع امدادیہ)

(وفرض)غسل(عند)خروج(منی)من العضو والا فلا یفرض اتفاقا لانہ فی حکم الباطن(منفصل عن مقرہ)ھوصلب وترائب المرأۃ.....(بشھوۃ)ای لذۃ ولو حکما کمحتلم.

ولما فيه ايضا:(۱/۳۰۴،طبع امداديه)

(و)لا عند(ادخال اصبع ونحوه)كذكر غير آدمي وصبي ومايصنع من نحو خشب(في الدبراوالقبل)على المختار.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:فیاض احمد

۲۶محرم الحرام ۱۴۳۰ھ | فتوی نمبر:۱۸۶۹

﴿احتلام یاد ہواور تری نہ ہوتو؟﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ رات کوسوکر جب میں اٹھاتو مجھے احتلام یادتھا،لیکن کپڑوں پر میں نے کسی قسم کی تری نہیں دیکھی تو کیا مجھ پرغسل واجب ہوگا یانہیں؟

﴿جواب﴾ خواب یادہواور کسی قسم کی تری نہ پائی جائےتو اس صورت میں غسل واجب نہیں۔

لمافي فتح القدير:(۱/۵۲،طبع رشيديه)ولوتذكرالاحتلام والشهوة ولم يربللا لايجب اتفاقا

ولمافي الهندية:(۱/۱۵،طبع رشيديه)

ولوتذكرالاحتلام ولذة الانزال ولم يربللا لايجب عليه الغسل(لا)يفترض(وان تذكرولومع اللذة)والانزال (ولم ير)على رأس الذكر(بللا)اجماعا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب:سعیداحمد

۷جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ | فتوی نمبر:۹۶۶

﴿غسل جنابت کے بعد منی آنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت کرنے کے بعد منی کے جو قطرے نکلتے ہیں آیااس سے دوبارہ غسل کرنا واجب ہے یانہیں؟ مستفتی:محمد حسن

﴿جواب﴾ جنابت کے بعد پیشاب کیایاسوگیایادیرتک چلاپھراس کے باوجود منی کے قطرے آگئےتواس سے غسل واجب نہیں ہوتا،البتہ شہوت کے ساتھ آجائیں تودوبارہ غسل واجب ہوگا،اس لیے کہ یہ مستقل انزال ہے جس سے غسل واجب ہوجاتا ہے،اسی طرح جنابت کے بعد پیشاب وغیرہ کئے بغیر فوراًغسل کیااور پھر منی کے قطرے آگئےتو اس صورت میں بھی غسل واجب ہوجاتا ہے۔

لما في الهندية:(۱/ ۱۲،طبع رشيديه)

لو اغتسل من الجنابة قبل أن يبول أو ينام وصلىٰ ثم خرج بقية المني فعليه ان يغتسل عندهما خلافا لابي يوسف رحمه الله تعالىٰ ولكن لا يعيد تلك الصلوٰة في قولهم جميعا كذا في التخيير تولو خرج بعدما بال أو نام أو مشىٰ لا يجب عليه الغسل اتفاقا كذا في التبيين..... رجل بال فخرج من ذكره مني ان كان منتشرا عليه الغسل وان كان منكسرا عليه الوضوء.

ولما في الخانية:(۱/ ۴۶،طبع قديمي)

الجنب اذا اغتسل قبل ان يبول وصلىٰ جازت صلوٰته فان خرج منه المني بعد ذلك كان عليه الغسل في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله خلافا لابي يوسف رحمه الله ولا يعيد ما صلىٰ..... ولو اغتسل بعدما بال ثم خرج منه مني أو مذي لا غسل عليه في قولهم.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفی عنہ

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۲۴۴

﴿مذی خارج ہونے سے غسل واجب نہیں ہوتا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کبھی کبھی غلط سوچ وفکر سے سفید سا پانی نکل جاتا ہے، کیا اس صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے؟

﴿جواب﴾ عام طور پر یہ مذی کے قطرے ہوتے ہیں جس سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو اس سے ٹوٹ جاتا ہے، غسل منی کے قطروں سے واجب ہوتا ہے، منی کے قطرے دفق کیساتھ نکلتے ہیں جس کے فوراً بعد عموماً شہوت ختم ہو جاتی ہے۔

لما في المشكوٰة:(۱/ ۴۰،طبع سعيد)

وعن علي قال كنت رجلا مذاء فكنت استحيي ان اسأل النبي صلى الله عليه وسلم لمكان ابنته فامرت المقداد فسأله فقال يغسل ذكره ويتوضأ متفق عليه ــ وعن علي قال سألت النبي صلى الله عليه وسلم من المذي فقال من المذي الوضوء ومن المني الغسل.

ولما في الدر المختار:(۱/ ۱۶۳،طبع سعيد)

الا اذا علم انه مذي اوشك انه مذي اوودي أو كان ذكره منتشرا قبيل النوم فلا غسل عليه اتفاقا كالودي.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: نثار محمود کوہاٹی

۱ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۲۷۸

﴿غسل جنابت میں ناف میں انگلی ڈالنا مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا غسل جنابت میں ناف میں انگلی ڈالنا ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی غسل ہو جاتا ہے؟ مستفتی: فضل ربی

﴿جواب﴾ غسل میں ناف کے اندر بھی پانی پہنچانا ضروری ہے اور ناف کی ساخت ایسی ہے کہ عموماً اس میں پانی پہنچ جاتا ہے، اس لئے انگلی ڈالنا ضروری نہیں، البتہ احتیاطاً انگلی ڈالدے تو بہتر ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۱۵۲،طبع سعید)

ویجب أی یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلاحرج مرة کاذن وسرة.

ولمافی الھندیة:(۱/۱۴،طبع رشیدیه)

ویجب ایصال الماء الیٰ داخل السرة وینبغی ان یدخل أصبعه فیهاللمبالغة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۷ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۸۷

﴿غسل جنابت میں آنکھ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی غسل ہو جاتا ہے؟ مستفتی: عامر خان

﴿جواب﴾ غسل جنابت میں آنکھ کے اندر پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی غسل ہو جاتا ہے۔

لمافی الدرالمختار:(۱/۱۵۲،طبع سعید)

لایجب غسل مافیه حرج کعین.وفی الشامیة تحته:لان فی غسلهامن الحرج ما لایخفیٰ لأنهاشحم لاتقبل الماء وقدکف بصرمن تکلف له من الصحابة کابن عمروابن عباسؓ بحر، ومفاده عدم وجوب غسلهاعلیٰ الأعمی خلافاًللحانوتی حیث بناه علیٰ ان العلة انه یورث العمیٰ،ولهذانقل ابوالسعودعن العلامةسری الدین ان العلةالصحیحة کونه یضر وان لم یورث العمیٰ فیسقط حتیٰ عن الاعمیٰ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبدالرزاق عفی عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۰۹۲

﴿کلی کرنا بھول گیا بعد میں پانی پینے سے فرض غسل ہوجاتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک جنبی آدمی نہاتے ہوئے کلی کرنا بھول گیا غسل سے فراغت کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے پانی پی لیا، سوال یہ ہے کہ آیا یہ پانی پینا اس کلی کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ مستفتی: حافظ انعام اللہ

﴿جواب﴾ غسل جنابت سے پاکی حاصل کرنے کیلئے پورے منہ میں پانی پہنچانا ضروری ہے، پانی پینے سے بھی پورے منہ میں عموماً پانی پہنچ جاتا ہے، لہٰذا اس آدمی کا غسل ہوگیا ہے بشرطیکہ چوس چوس کر اس نے پانی نہ پیا ہو جس سے منہ کے محدود حصہ سے پانی گذر جاتا ہے، منہ بھر کر پیا ہو، بھول سے ایسا ہوجائے تو کوئی بات نہیں ہے قصداً ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

لمافی التنویر مع الدر والرد:(۱/۱۵۱،۱۵۲،طبع سعید)

(غسل)كل (فمه) ويكفي الشرب عبا لان المج ليس بشرط في الاصح. (ويكفي الشرب عبا) اى لا مصا "فتح" وهو بالعين المهمله والمراد به هنا الشرب بجميع الفم وهذا هو المراد بما في الخلاصة، ان شرب على غير وجه السنة يخرج...... والعالم يشرب مصا كما هو السنة. (لأن المج) اى طرح الماء من الفم ليس بشرط للمضمضة خلافا لما ذكره في الخلاصة نعم وهو الاحوط من حيث الخروج عن الخلاف وبلعه اياه مكروه.

ولما في الخلاصة:(۱/۱۵-۱۴،طبع رشیدیه)

رجل اغتسل ونسي المضمضة ولكن شرب الماء ان شرب على وجه السنة لايخرج عن الجنابة وان شرب على غير وجه السنة يخرج وفي واقعات الناطفي الى قوله مالم يمجه وهذا احوط

ولما في التجنيس:(۱/۱۶۲،طبع ادارة القرآن كراچى)

الجنب اذا تمضمض وشربه ولم يمجه وقد اصاب جميع فمه من ذلك الماء جاز لان الجنابة تحولت الى الماء فطهر الفم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۳ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ　　　　فتوی نمبر: ۱۰۷۵

﴿غسل کے مسنون اور مستحب مواقع﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غسل

مسنون اور مستحب مواقع کون کونسے ہیں؟ مستفتی: عطاء الرحمٰن کراچوی

﴿جواب﴾ جمعۃ المبارک، عیدین، وقوف عرفہ اور احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا مسنون ہے، البتہ مجنون کو افاقہ ہو جائے، بے ہوش آدمی کو ہوش آجائے، سینگی لگوائی جائے، شب براءت، لیلۃ القدر، وقوف مزدلفہ، منیٰ جاتے ہوئے، طواف زیارت کی نیت سے مکہ داخل ہوتے ہوئے، صلوۃ کسوف وخسوف واستسقاء کیلئے، خوف وہراس پھیل جائے، اندھیرا چھا جائے، تیز آندھی چلے، مدینہ منورہ داخل ہونے سے پہلے، نئے کپڑے پہنتے وقت، میت کو نہلانے کے بعد، گناہ سے توبہ کرنے کے بعد، سفر سے واپسی پر، مستحاضہ عورت کا خون بند ہو جائے، ان تمام مواقع پر غسل کرنا مستحب ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۱۶۸-۱۶۹،طبع سعید)

وسن لصلاة جمعة ولصلاة عيد ولاجل احرام وفي جبل عرفة بعد الزوال وندب لمجنون أفاق وكذا المغمى عليه وعند حجامة وفي ليلة براءة وقدر اذا رأها وعند الوقوف بمزدلفة غداة يوم النحر للوقوف وعند دخول منى يوم النحر وعند دخول مكة لطواف الزيارة ولصلاة كسوف وخسوف واستسقاء ولفزع وظلمة وريح شديد وكذا لدخول المدينة ولمن لبس ثوبا جديدا أو غسل ميتا ولتائب من ذنب ولقادم من سفر ولمستحاضة انقطع دمها.

ولمافی خلاصۃ الفتاوی:(۱/۱۳،طبع رشیدیہ)

ان الغسل على احد عشر نوعا أربعة منها سنة غسل يوم الجمعة ويوم عرفة وعند الاحرام والعيدين وهكذا في حلبي كبير:(۵۲) وكذا في فتاوى التاتارخانية:(۱/۱۲۱،طبع قديمي)

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد اسلم چترالی غفرلہ

۴ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۰۷۴

﴿حالت جنابت میں عورت کا حیض شروع ہو جائے تو غسل جنابت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر عورت جنابت کی حالت میں ہو اور ماہواری (حیض) شروع ہو جائے تو جنابت سے غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ مستفتی: حبیب الوہاب

﴿جواب﴾ جنابت سے غسل نماز وغیرہ کیلئے واجب ہے، حیض کی حالت میں نماز وغیرہ منع ہے اس لئے پاکی سے پہلے غسل کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ نشاط یا صفائی کی غرض سے غسل کرنا

چاہے تو منع بھی نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانیۃ:(۱/۱۲۰،مطبع قدیمی)

واذاجنبت المرأۃثم ادرکھاالحیض فھی بالخیاران شاءت اغتسلت لان فیہ زیادۃتنظیف لازالۃاحدالحدثین وان شاءت اخرت الاغتسال حتی تطھرلان الاغتسال للتطھیرحتی تتمکن من اداء الصلوۃ،الاتری ان الجنب اذااخرالاغتسال الی وقت الصلوۃلایأثم ،ھکذافی الخلاصۃ:(۱/۱۴،طبع رشیدیہ)

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب :حبیب الرحمٰن سواتی

۱۴ربیع الاول ۱۴۳۰ھ   فتویٰ نمبر:۲۰۳۱

﴿حالتِ حیض و جنابت میں عورت کا بچے کو دودھ پلانے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ حالت جنابت میں عورت اپنے بچے کو دودھ پلاسکتی ہے؟اسی طرح کسی اورکو کھانادے سکتی ہے یااپنے بچے کوکوئی چیز کھلاسکتی ہے یانہیں؟   مستفتیہ: طالبہ یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ احادیث مبارکہ وعبارات فقہاء کرام کی رُو سے حالتِ جنابت میں ہروہ کام جس کے لئے طہارت"پاکی"شرط نہ ہومثلاً کھانا کھانا،کھلانا،بچے کودودھ پلاناوغیرہ کی گنجائش ہے،البتہ فطرت ونظافت کا تقاضہ اورمستحب امریہ ہے کہ ہاتھ،منہ،پستان وغیرہ دھوکرکھایا،کھلایاپلایاجائے۔

لمافی صحیح البخاری:(۱/۱۵،مکتبہ شاملہ)

عن ابی ھریرۃؓقال:لقینی رسول اللہ ﷺوأناجنب فأخذبیدی فمشیت معہ حتی قعدفقال:"سبحان اللہ ان المؤمن لاینجس.....الخ.

ولمافی المرقاۃ:(۲/۱۴۱،۲۹۲،طبع رشیدیہ)"ان المؤمن لاینجس"ای لایصیرعینہ نجساً.

ولمافی الشامی:(۱/۲۹۳،طبع سعید)

"فیکرہ لجنب"لأنہ یصیرشارباللماء المستعمل ای وھومکروہ تنزیھا،ویدہ لاتخلو عن النجاسۃفینبغی غسلھاثم یأکل بدائع وظاھرالتعلیل ان استحباب المضمضۃ لأجل الشرب وغسل الیدلأجل الأکل فلایکرہ الشرب بلاغسل یدولاالأکل بلامضمضۃ،وعلیہ ففی کلام المتن لف نشرمشوش،لکن قال فی الخلاصۃ:اذاأراد الجنب ان یأکل فالمستحب لہ ان یغسل یدیہ ویتمضمض آہ تأمل وذکرفی الحلیۃ: عن أبی داؤدوغیرہ"أنہ علیہ الصلاۃوالسلام اذاأرادان یأکل وھوجنب غسل

كفيه" وفی رواية مسلم "يتوضأ وضوئه للصلاة.

ولمافی الطحطاوی:(ص۷۸،طبع قدیمی)

وله ان يتبلها ويضاجعها ولا يكره طبخها ولا استعمال ما مسته من عجين او ماء او غيرهما الا اذا توضأت بقصد القربة. وفی الهندية:(ج ا ص ۱۶،ج ۵ ص ۳۲۷،طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ظہور احمد شمس

۱۳ رجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۶۴۰

﴿کسی کے ہاں مہمان ہو یا سفر میں ہو اور احتلام ہو جائے تو کیا کرے؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو احتلام ہو جائے اور وہاں پر پانی تو موجود ہو لیکن غسل کرنے کی جگہ نہ ہو مثلاً وہاں عورتیں ہوں یا مرد موجود ہوں یا غسل کی جگہ تو موجود ہو لیکن اسے شرم محسوس ہو رہی ہو مثلاً وہ کسی کا مہمان ہو یا سفر میں ہو اور ایسی صورت پیش آجائے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے، نماز کو مؤخر کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟۔ مستفتی: قاری محمد خورشید خان

﴿جواب﴾ (۱) شریعت نے دوسروں کے سامنے ستر کھولنے کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب غسل کرنے سے شرعی مانع موجود ہے تو اسے عذر تصور کرتے ہوئے تیمم سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، البتہ بعد میں غسل کرنے کے بعد اس نماز کا اعادہ کر لینا چاہیے۔

(۲) اگر کوئی شخص دوسرے کا مہمان ہو یا سفر میں ہو اور غسل کرنے میں کوئی اور مانع بھی موجود نہ ہو مثلاً (غسل کرنے کی جگہ اور پانی دستیاب ہو) تو غسل کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہے، ایسی صورت میں تیمم سے نماز ادا کرنا یا نماز کو مؤخر کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

لمافی الدر المختار:(۱/۱۵۵،طبع سعید)

واختلف فی الرجل بين رجال ونساء اونساء فقط كما بسطه ابن الشحنة وينبغی لها ان تتيمم وتصلی لعجزها شرعا عن الماء،وقال الشامی رحمه الله:ومثلها فيما يظهر الرجل حيث قلنا انه يوخر ايضا ولا يخفی ان تاخير الغسل لا يقتضی عدم التيمم فان المبيح له وهو العجز عن الماء قد وجد (فافهم) بقی هنا شيئ لم يذكره وهو انه هل تجب اعادة تلك الصلاة فی هذه المسئلة وفی مسئلة النهاية السابقة؟ قال فی الحلية: فيه تامل، الاشبه

الاعادة تفريعا على ظاهر المذهب في الممنوع من ازالة الحدث بصنع العباد اذاتيمم وصلى.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ ‏ ‏ ‏ واللہ اعلم بالصواب: عبدالحکیم کشمیری عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ ‏ ‏ ‏ فتویٰ نمبر: ۱۵۸۲

﴿فصل في الاستنجاء﴾

﴿استنجاء کے آداب﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بول و براز اور استنجاء کے وقت کن امور سے احتراز کرنا چاہیے؟ ‏ ‏ ‏ مستفتی: ایک معلم

﴿جواب﴾ قضائے حاجت کے وقت مندرجہ ذیل امور سے بچنا ضروری ہے قبلہ کی طرف رخ کرنے یا پشت کرنے سے، بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے، دائیں ہاتھ سے بلا عذر استنجاء کرنے سے، عین سورج اور چاند کی طرف رخ کرنے سے، وہاں تھوکنے یا بلغم پھینکنے سے، اپنی ستر کی طرف دیکھنے سے آسمان کی طرف دیکھنے سے، بلا عذر لیٹ کر یا ننگا ہوکر پیشاب کرنے سے، دوران قضائے حاجت گفتگو کرنے سے، اذان، سلام اور چھینکنے والے کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے۔

مندرجہ ذیل مکانات میں قضائے حاجت کرنا مکروہ ہے، راستے میں، سایہ والی جگہ میں، پھلدار درخت کے نیچے، قبرستان میں، جانوروں کے درمیان میں، کسی جاندار کے بل یا سوراخ میں، لوگوں کی بیٹھنے کی جگہ پر، راستے کے کنارے پر، قافلہ یا خیمہ کے قریب، مسجد کے قریب، ایسی جگہ جہاں لوگ وضو یا غسل کرتے ہوں، ہوا کے رخ پر یعنی جہاں سے پیشاب واپس کپڑوں پر گرنے کا اندیشہ، نیچے بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب کرنا، قضائے حاجت کے وقت زبان سے ذکر کرنا یا کوئی آیت یا حدیث پڑھنا بھی بالکل منع ہے، اسی طرح بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت انگوٹھی یا کاغذ وغیرہ جس پر اللہ کا نام مبارک یا کوئی آیت یا حضور علیہ السلام کا نام مبارک لکھا ہوا ہوتو اس کو باہر اتار کر جانا چاہیے البتہ اگر پوری طرح غلاف و پردہ میں ہوتو خلاف ادب نہیں ہوگا۔

لما في الصحيح البخاري: (۲۷/۱، طبع قديمي)

عن أبي قتادة عن النبي ﷺ قال اذا بال احدكم فلا يأخذ ذكره بيمينه ولا يستنجي بيمينه.

ولما في حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح :ص:۵۲ طبع قديمي

ويكره تحريما استقبال القبلة بالفرج حال قضاء الحاجة ويكره استدبارها لقوله عليه السلام "اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولكن شرقوا او غربوا" وهو باطلاقه منهي ولو في البنيان واذا جلس مستقبلا ناسياًفتذكر وانحرف اجلا لها لم يقم من مجلسه حتى يغفرله كما اخرجه الطبراني مرفوعاً،ويكره استقبال عين الشمس والقمر لانهما آيتان عظيمتان ومهب الريح لعوده به فينجسه ويكره ان يبول او يتغوط في الماء ولو جاريا وبقرب بئر ونهر وحوض والظل الذى يجلس فيه والبحر لاذية ما فيه والطريق والمقبرة لقوله عليه السلام "اتقوا الاعنين" قالوا وماالاعنان يا رسول الله قال الذى يتخلى في طريق الناس او ظلهم وتحت شجرة مثمرة ويكره البول قائماالتنجسه غالبا الامن عذر كوجع لصلبه ويكره في محل الوضوء لانه يورث الوسوسة ويكره الدخول للخلاء ومع شيء مكتوب فيه اسم الله او قرآن ونهى عن تكشف عورته قائماوذكر الله فلا يحمد اذا عطس ،ولايشمت عاطسا ولا يرد سلاما ولايجيب موذنا ولا ينظر لعورته ولا الى الخارج منها ولا يبصق ،ولا يتمخط ولا يتنحنح ولا يكثر الالتفات ولا يعبث ببدنه ولا يرفع بصره الى السماء ولا يطيل الجلوس لانه يورث الباسور ووجع الكبد.

ولما في الهندية:(۱/۵۰، طبع رشيديه)

ويكره ان يدخل في الخلاء ومعه خاتم عليه اسم الله او شئي من القرآن ۔ويكره البول بجنب المسجد ومصلى العيد وفي المقابر وبين الدواب وفي طرق المسلمين وان يقصد في اسفل الارض ويبول الى اعلاها ،وان يبول قائما او مضطجعا او متجردا عن ثوبه من غير عذر فان كان بعذر فلا ن بأس ويكره ان يبول في موضع ويتوضاء فيه او يغتسل.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد تنویر عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر: ۲۸۰۴

﴿ آب زمزم سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے ﴾

﴿سوال﴾ کیا آب زمزم کیساتھ ازالہ نجاست کرنا مثلاً استنجاء کرنا، ناپاک کپڑے دھونا اور غسل، وضوء وغیرہ کرنا درست ہے؟

﴿جواب﴾ جو شخص باوضو اور پاک ہو وہ اگر محض برکت کیلئے آب زمزم سے وضو یا غسل کرے تو جائز ہے، اسی طرح کسی پاک کپڑے کو برکت کیلئے زمزم میں بھگونا بھی درست ہے لیکن بے وضو آدمی کا زمزم شریف سے وضو کرنا یا کسی جنبی کا اس سے غسل کرنا مکروہ ہے، ضرورت کے

وقت (جبکہ دوسرا پانی نہ ملے) زمزم شریف سے وضوء کرنا تو جائز ہے مگر غسل جنابت بہر حال مکروہ ہے، اسی طرح اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگی ہو اس کو زمزم شریف سے دھونا بھی مکروہ ہے بلکہ بقول بعض علماء حرام ہے، یہی حکم زمزم سے استنجاء کرنے کا ہے، نقل کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے آب زمزم سے استنجاء کیا تو ان کو بواسیر ہو گئی۔

لمافی ردالمحتار: (۲/۶۲۵، طبع سعید)

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال (قولہ یکرہ الاستنجاء بماء زمزم) وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ أوبدنہ حتی ذکربعض العلماء تحریم ذلک۔

ولمافی ارشادالساری لملاعلی القاری: (ص ۳۳۰ طبع دارالکتاب العربی)

(ویجوزالاغتسال والتوضوء بماء زمزم) ولا یکرہ عندالثلاثۃ خلافاً لأحمد (علی وجہ التبرک) أی لاباس بماذکرالاأنہ ینبغی أن یستعملہ علی قصدالتبرک بالمسح أوالغسل أوالتجدیدفی الوضوء (ولایستعمل الاعلی شئ طاھر) فلاینبغی أن یغسل بہ ثوب نجس ولاأن یغتسل بہ جنب ولامحدث ولافی مکان نجس (و یکرہ الاستنجاء بہ) وکذاازالۃالنجاسۃالحقیقیۃمن ثوبہ أوبدنہ حتیٰ ذکربعض العلماء تحریم ذلک ویقال انہ استنجی بہ بعض الناس فحدث بہ الباسور.

خلاصہ یہ کہ زمزم نہایت متبرک پانی ہے اسکا ادب ضروری ہے، اسکا پینا موجب خیر و برکت ہے اور چہرے پر، سر پر اور بدن پر ڈالنا بھی موجب برکت ہے لیکن نجاست زائل کرنے کیلئے اسکو استعمال کرنا مناسب نہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفااللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۴۱۹

﴿ٹشو پیپر سے استنجاء بلا کراہت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ ٹشو پیپر سے استنجاء کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کو بھی کاغذ کہا جاتا ہے۔

﴿جواب﴾ کاغذ سے استنجاء اس لئے جائز نہیں ہے کہ کاغذ حصول علم اور بقائے علم کا بڑا ذریعہ ہے، ٹشو پیپر پر لکھائی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ عام کاغذ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ یہ تو باقاعدہ استنجاء ہی کیلئے بنایا جاتا ہے، لہذا ٹشو پیپر سے استنجاء کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

لما فی ردالمحتار:(۱/ ۳۴۰طبع سعید)

وکذاورق الکتابۃ لصقالتہ وتقومہ ولہ احترام ایضالکونہ آلۃ لکتابۃ العلم....واذاکانت العلۃ فی الابیض کونہ آلۃ للکتابۃ کماذکرناہ یؤخذمنہاعدم الکراہۃ فیمالایصلح لہا اذاکان قالعالنجاسۃ غیرمتقوم کماقدمناہ من جوازہ بالخرق البوالی،وھل اذاکان متقوماثم قطع منہ قطعۃ لاقیمۃ لہابعدالقطع یکرہ الاستنجاء بہاام لا؟الظاھرالثانی.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن سواتی

۱۶ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۳۰

﴿ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنا ضروری نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ تبلیغی اجتماع میں ہجوم کی وجہ سے ڈھیلے سے استنجاء کے بعد پانی استعمال کرنا ضروری ہے، یانہیں؟ کیاعورت بھی مرد کی طرح ڈھیلہ استعمال کرسکتی ہے؟

﴿جواب﴾ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے، ضروری نہیں ہے، البتہ نجاست ہتھیلی کے گہرائی یعنی درہم کی مقدار سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے، بغیر دھوئے نماز نہیں ہوگی اور اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہوئی ہو تو صرف ڈھیلے سے استنجاء کافی ہے مرد اور عورت استنجاء کے احکام میں برابر ہیں البتہ استبراء میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے یعنی مرد کی طرح اسے قطرے آنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، اس لئے جلدی استنجاء کرسکتی ہے۔

لما فی الدرالمختار:(۱/ ۳۳۸طبع سعید)

(قولہ ان جاوزالمخرج)یشمل الاحلیل ففی التاتارخانیۃ:اذااصاب طرف الاحلیل من البول اکثرمن الدراھم یجب غسلہ وھوالصحیح......(قولہ سنۃمطلقا)ای فی زماننا وفی زمان الصحابۃ لقولہ تعالیٰ"فیہ رجال یحبون ان یتطہرواواللہ یحب المتطہرین" (سورۃتوبہ)قیل لمانزلت قال رسول اللہ ﷺ یااھل قباء ان اللہ اثنی علیکم فماذاتصنعون عندالغائط؟قالوانتبع الغائط الاحجار ثم نتبع الاحجارالماء فکان سنۃعلی الاطلاق فی کل زمان وھوالصحیح وعلیہ الفتوی.

ولما فی الشامی:(۱/ ۳۴۴طبع سعید)

واماالاستنجاء فھواستعمال الاحجاراوالماء،ھذاھوالاصح ......وفیہاان المرأۃکالرجل

الا فی الاستبراء فانه لا استبراء علیها بل کما فرغت تصبر ساعة لطیفة ثم تستنجی، ومثله فی امداد الاحکام وفی مراقی الفلاح:(ص ۲۰،طبع قدیمی)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:اسلام بادشاہ بھیٹنی

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۹۹۸

﴿عورت اور مرد کے استنجاء میں فرق﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ مرد اور عورت کے استنجاء کرنے میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ کیا عورت بھی مرد کی طرح پیشاب کے بعد قطروں کے خشک ہونے کا انتظار کریگی؟　　　مستفتی:محمد زبیر

﴿جواب﴾ مرد اور عورت کے استنجاء میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح مرد پانی اور ڈھیلے دونوں استعمال کرسکتا ہے اسی طرح عورت کیلئے بھی جائز ہے،البتہ مرد کیلئے استبراء ''یعنی پیشاب کے بعد اتنی دیر انتظار کرنا کہ قطرات بند ہو جائیں'' ضروری ہے اور عورت کیلئے اس قسم کا استبراء ضروری نہیں۔

لما فی مراقی الفلاح:(ص ۲۲،طبع قدیمی)

یلزم الرجل الاستبراء..... والمراد طلب براءة المخرج عن اثر الرشح حتیٰ یزول اثر البول بزوال البلل الذی یظهر علی الحجر بوضعه علی المخرج وحینئذ یطمئن قلبه ای الرجل ولا تحتاج المرأة الی ذلک بل تصبر قلیلا ثم تستنجی واستبراء الرجل علی حسب عادته اما بالمشی او التنحنح او الاضطجاع علی شقه الایسر.

ولما فی الشامی:(۱/۳۴۷،طبع سعید)

قلت بل صرح فی الغزنوية بانها تفعل کما یفعل الرجل الا فی الاستبراء فانها لا استبراء علیها بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطیفة ثم تمسح قبلها ودبرها بالاحجار ثم یستنجی بالماء.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:محمد حسین عفی عنہ

۵ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ　　　فتویٰ نمبر:۱۰۳۸

﴿ریح کے نکلنے سے استنجاء کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان کرام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ اگر کسی

شخص کی ریح نکل جائے تو استنجاء کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا یا نہیں؟ مستفتیہ: ایک سائلہ

﴿جواب﴾ ریح خارج ہونے سے استنجاء ضروری نہیں ہوگا، البتہ ریح کے ساتھ غلاظت بھی خارج ہوجائے تو استنجاء کرنا چاہیئے بلاوجہ وسوسہ نہ کریں۔

لمافی حاشیته الطحطاوی:(ص۲۲،طبع قدیمی)

لان الریح طاهر علی الصحیح والاستنجاء منه بدعة.

ولمافی التنویر:(۱/۳۳۵-۳۳۶،طبع سعید)

فلایسن من ریح وحصات ونوم وفصد ...فلایسن من الریح بل هو بدعة وهو الاستنجاء من الریح.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

یکم صفر ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۱۵۴

﴿کتاب الصلوٰۃ﴾

﴿پانچوں نمازوں کا ثبوت قرآن مجید سے﴾

﴿سوال﴾ کیا پانچ نمازوں کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے؟ مستفتی: طارق علیم

﴿جواب﴾ قرآن کریم سے پانچ نمازوں کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً تفسیر روح المعانی میں ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الالوسی البغدادی قرآن کریم کی آیت "فسبحن الله حين تمسون وحين تصبحون" ......الخ سے پانچ نمازوں پر استدلال کرتے ہیں، اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی اس آیت مبارکہ کو پانچ نمازوں کے ثبوت میں ذکر کیا ہے۔

لما في روح المعاني ۲۱/۶۰ طبع رشيدية)

عن ابى رزين قال :جاء نافع بن الازرق الى ابن عباس فقال :هل تجد الصلوات الخمس في القرآن ؟فقال نعم فقرأ "فسبحان الله حين تمسون "صلوة المغرب "وحين تصبحون "صلوة الصبح "وعشيا "صلوة العصر "وحين تظهرون "صلوة الظهر ,وقرأ ومن بعد الاية مواقيت الصلوة "فسبحان الله حين تمسون "المغرب العشاء "وحين تصبحون "الفجر "وعشيا "العصر "وحين تظهرون "الظهر

(ولما في التفسير المظهري ۷/۲۲۷ طبع رشيدية)

اخرج ابن جرير والطبراني والحاكم قول ابن عباسؓ ان الاية جامعة للصلوات الخمس حين تمسون كناية عن المغرب والعشاء جميعاً وقال البغوى قال نافع بن الازرق لابن عباسؓ هل تجد الصلوات الخمس في القرآن قال ابن عباسؓ نعم وقرأ هاتين الاثنتين وقال جمعت هذه الاية الصلوات الخمس ومواقيتها .

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق الحکی

۵ شعبان ۱۴۳۳ھ فتویٰ نمبر:

﴿فصل في اوقات الصلوٰة﴾

﴿اوقات نماز کے مسائل﴾

﴿پانچوں نمازوں اور وتر کے پڑھنے کا مستحب وقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پانچوں نمازوں اور وتر

کے پڑھنے کا بہتر وقت کونسا ہے، اول وقت، یا آخر وقت، یا درمیان کا وقت اور کیا مردوں اور عورتوں کا اس میں کوئی فرق بھی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ فجر کی نماز ہر موسم میں خواہ گرمی ہو یا سردی وقت کے آخری حصہ میں پڑھنا مستحب ہے البتہ سورج نکلنے میں کم از کم اتنا وقت باقی ہو کہ اگر خدانخواستہ نماز کسی وجہ سے اگر فاسد ہوگئی تو دوبارہ وقت کے اندر پڑھنے کا موقع ملے، ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھنا مستحب ہے یعنی وقت کے شروع میں اور گرمیوں میں تأخیر سے پڑھنا لیکن تأخیر اتنی نہیں کرنی چاہیے کہ سایہ اصلی نکال کر ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے اس لیے کہ بعض ائمہ حضرات کے نزدیک اس وقت عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے.

عصر کی نماز ہر موسم میں تأخیر سے پڑھنا مستحب ہے لیکن تأخیر اتنی نہ ہو کہ سورج کا رنگ متغیر ہو جائے بلکہ اس سے پہلے پہلے نماز پڑھ لینی چاہیے، ورنہ مکروہ ہوگی. مغرب کی نماز کا مستحب وقت یہ ہے کہ جیسے ہی سورج غروب ہو اور مغرب کا وقت شروع ہو جائے تو فوراً پڑھ لی جائے.

عشاء کی نماز کا مستحب وقت سردیوں میں تو یہ ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ ختم ہونے کے قریب ہو جائے تو پڑھ لی جائے، لیکن گرمیوں میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے. اور وتر میں مستحب یہ ہے کہ اگر آدمی کو قوی امید ہو کہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو سکے گا تو رات کے آخری حصہ تک مؤخر کرلے ورنہ عشاء کے ساتھ ہی پڑھ لے.

نیز عورت کیلئے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے اور فجر کے علاوہ باقی نمازیں اس وقت پڑھے جب مرد جماعت سے فارغ ہو جائیں، ایسے ہی حاجی جب یوم النحر کو مزدلفہ کے مقام پر ہوتا ہے تو خواہ مرد ہو یا عورت فجر کی نماز اس کے لئے اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے.

لمافی بذل المجهود(١/[illegible]،طبع:مكتبة الشيخ)

(١)عن رافع بن خديج قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ اصبحوابالصبح فانه اعظم لأجوركم اواعظم للأجر.

(٢)عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذااشتدالحر فابردواعن

الصلوة قال ابن موعب بالصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم.(١/٢٢٦،٢٢٤)

(٣)يزيد بن عبدالرحمن بن علی بن شيبان عن ابيه عن جده علی بن شيبان قال قدمنا علی رسول الله صلی الله عليه وسلم المدينة فكان يؤخر العصر مادامت الشمس بيضاء نقية.(١/٢٢٤،٢٢٨)

(٤)عن انس بن مالک قال كنا نصلی المغرب مع النبی صلی الله عليه وسلم ثم نرمی فيری احدنا موضع نبله.(١/٢٢٢)

(٥)عن عبدالله بن عمر قال مكثنا ذات ليلة ننتظر رسول الله صلی الله عليه وسلم لصلوة العشاء فخرج الينا حين ذهب ثلث الليل اوبعده فلاندری اشئی شغله ام غير ذالک فقال حين خرج اتنتظرون هذه الصلوة لولا ان تثقل علی امتی لصليت بهم هذه الساعة ثم امر المؤذن فأقام الصلوة .(١/٢٢٣)

(٦)عن ابن عمران النبی صلی الله عليه وسلم قال بادروا الصبح بالوتر(٢/٢٢١)

ولما فی التنوير مع الدر(١/٣٦٦تا٣٦٩،طبع:سعيد)

(والمستحب)للرجل(الابتداء)فی الفجر(باسفار والختم به)هو المختار بحيث يرتل اربعين آية ثم يعيده بطهارة لوفسد،وقيل يؤخر جداً لأن الفساد موهوم(الالحاج بمزدلفة)فالتغليس افضل كمرأة مطلقا .

وفی غير الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة(وتأخير ظهر الصيف)بحيث يمشی فی الظل(مطلقا)كذا فی مجمع وغيره ،ای بلا اشتراط شدة حر وحرارة بلد وما فی الجوهرة وغيرها من اشتراط ذالک منظور فيه(وجمعة كظهر أصلا واستحبابا)فی الزمانين لانها خلفه(و)تأخير(عصر)صيفا وشتاء توسعة للنوافل(مالم يتغير ذكاء)بأن لاتحار العين فيها فی الأصح(و)تأخير(عشاء الی ثلث الليل)قيده فی الخانية وغيرها بالشتاء،اما الصيف فيندب تعجيلها(فان اخرها الی مازاد علی النصف)كره لتقليل الجماعة،اما اليه فمباح(و)أخر(العصر الی اصفرار ذكاء)فلو شرع فيه قبل التغير فمده اليه لايكره(و)أخر(المغرب الی اشتباك النجوم)ای كثرتها(كره)ای التأخير لا الفعل لأنه مامور به(تحريما)الابعذر كسفر وكونه علی أكل(و)تأخير(الوتر الی آخر الليل لواثق بالانتباه)والافقبل النوم،فان فاق وصلی نوافل والحال انه صلی الوتر اول الليل فانه الأفضل.(والمستحب تعجيل ظهر شتاء)يلحق به الربيع،وبالصيف الخريف(و)تعجيل(عصر وعشاء يوم غيم و)تعجيل(مغرب مطلقا).

ولما فی الفقه الاسلامی وادلته(١/٦٧٠،طبع:سعيد)

واما النساء فالأفضل لهن الغلس(الظلمة)،لأنه استر،وفی غير الفجر ينتظرن فراغ

الرجال من الجماعة وكذالك التغليس افضل للرجل والمرأة لحاج بمزدلفة.

ولمافي الشامي(١/٣٦٦،طبع:سعيد)

(قوله وتأخير ظهر الصيف).........(قوله بحيث يمشي في الظل)عبارة البحر والنهر و غيرهما:وحده ان يصلي قبل المثل وهي اولى لما ان مثل حيطان مصر يحدث الظل فيها سريعا العلو هاح.وقد يقال:ان اعتبار المشي في الظل بيان لاول الوقت المستحب،ومافي البحر وغيره بيان لمنتهاه:وفي ط عن الحموي عن الخزانة:الوقت المكروه في الظهران يدخل في حدالاختلاف،واذااخره حتى صار ظل كل شئ مثله فقد دخل في حدالاختلاف.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صدیق انور

۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۱۹۳

﴿عورتوں کے لیے مستحب ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مردوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ صبح کی نماز میں تأخیر کریں تو کیا عورتوں کے لئے بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ عورتوں کے لئے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا زیادہ افضل ہے، اور مردوں کی نماز باجماعت روشنی میں پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

لما في التنوير مع الدر:(١/٣٦٦،طبع: سعيد)

(والمستحب)للرجل (الابتداء)في الفجر (بالاسفار والختم به) هوالمختار......... (الا لحاج بمزدلفة)فالتغليس افضل كمرأة مطلقا،وفي غير الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة.

ولمافي الفقه الاسلامي :(١/٦٧٠،طبع: رشيديه)

وأما النساء :فالافضل لهن الغلس (الظلمة)لانه استر،وفي غير الفجر ينتظرن فراغ الرجال من الجماعة ،وكذلك التغليس افضل للرجل والمرأة بمزدلفة.

ولما في البحر الرائق:(١/٢٤٨،طبع: سعيد)

الافضل للمرأة في الفجر الغلس وفي غيرها الانتظار الى فراغ الرجال عن الجماعة.

ولما في حاشية الطحطاوي (ص:١٨٢،طبع: قديمي)

(للرجال)الا في مزدلفة للحاج فان التغليس لهم افضل لواجب الوقوف بعده بها كما هو في

حق النساء دائما لانه اقرب للستر وفي غير الفجر الانتظار الى فراغ الرجال عن الجماعة

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب: بندہ شاہ جہان ڈیروی

۱۷ صفر الخیر ۱۴۳۳ھ　　　فتویٰ نمبر: ۳۲۵۵

﴿ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے وقت نماز آجائے تو نماز کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص مغرب کی سمت ہوائی سفر کرے اور مسلسل کئی گھنٹے پرواز کے بعد بھی نماز کا وقت نہ آئے، مثلاً (کراچی سے) جمعہ کے دن صبح ۹ بجے پرواز شروع ہوئی اور مسلسل ۱۵ گھنٹے کی پرواز کے بعد جب اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچے تو وہاں کے وقت کے مطابق جمعہ ہی کے ۲ بج رہے تھے اور سفر کے اس پورے دورانیہ میں سورج ہو تو اس صورت میں نمازوں کا کیا ہوگا؟ جبکہ وقت نماز متوجہ ہی نہیں ہوا۔ بینوا توجروا۔

﴿جواب﴾ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں اوقات مقررہ پر فرض فرمائی ہیں، صورت مسئولہ میں میں کئی گھنٹے پرواز کے دوران سورج کا بھی چونکہ ساتھ ساتھ سفر ہو رہا ہے اور فجر کی نماز کے بعد ابتک اس مسافر پر کوئی دوسرا وقت آیا نہیں ہے، چنانچہ مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے بعد اسی دن کے ۲ بجے کا وقت ہے، لہٰذا اس وقت یہ مسافر صرف نماز جمعہ یا ظہر کی نماز پڑھے، گھنٹے اگرچہ زیادہ گزر رہے ہیں لیکن اس کے حق میں گویا وقت لمبا ہو گیا۔

لما في التاتارخانية: (۱/۲۹۸، طبع قديمي)

وردفتوى في زمن الصدر الكبير برهان الائمة وفيه ..... انا لانجد وقت العشاء في بلدتنا وان الشمس كما تغرب يطلع الفجر من الجانب الاخر هل علينا صلوة العشاء، فكتب في الجواب: انه ليس عليكم صلاة العشاء، وفي الظهيرية والصحيح أنه ينوى القضاء لفقد وقت الأداء..... الخ.

ولما في الشامي: (۱/۳۶۲، طبع سعيد)

(فيقدر لهما)........ ولم ارمن سبقه اليه سوى صاحب الفيض، حيث قال: ولو كانوا في بلدة يطلع فيها قبل غيبوبة الشفق لا يجب عليهم صلاة العشاء لعدم السبب، وقيل يجب ويقدر الوقت...... ولان هذه مسئلة نقلوا فيها الاختلاف بين ثلاثة من مشايخنا وهم البقالي

والحلواني والبرهان الكبير فافتى البقالي لما ارسل اليه الحلواني من يسأله عمن اسقط صلاة من الخمس ايكفر؟ فاجاب السائل بقوله: من قطعت يداه اور جلاه كم فروض وضوئه فقال ثلاث لفوات المحل قال فكذلك الصلاة. فبلغ الحلواني بعدم الوجوب، واما البرهان الكبير فقال بالوجوب لكن قال في الظهيرية وغيرها: لاينوي القضاء في الصحيح لفقد وقت الاداء واعترضه الزيلعي بان الوجوب بدون السبب لايعقل، وبانه اذا لم ينو القضاء يكون اداء ضرورة وهواي الاداء فرض الوقت ولم يقل به احد اذ لايبقى وقت العشاء بعد طلوع الفجر اجماعا وايضا فان من جملة بلادهم مايطلع فيها كما غربت الشمس كما في الزيلعي وغيره فلم يوجد وقت قبل الفجر يمكن فيه الاداء.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: انیس طالب کان اللہ لہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۵۸۷

﴿افطار کی وجہ سے مغرب کی نماز ادا کرنے میں تأخیر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لوگ مغرب کی نماز میں افطار کیوجہ سے تأخیر کردیتے ہیں، کیا افطار کیوجہ سے مغرب میں تأخیر کرنا جائز ہیں۔

﴿جواب﴾ مغرب کی نماز میں دو رکعت کی مقدار تأخیر کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ تأخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ رمضان المبارک میں جب بھوک زیادہ ہو تو چند منٹ کی تأخیر جائز ہے بشرطیکہ یہ تأخیر ستاروں کی کثرتِ تعداد میں چمکنے تک نہ پہنچے، اس لئے کہ بھوک کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

لما في التنوير مع الدر: (۲/۲۷، طبع امدادیه)

(و) اخر (المغرب إلى اشتباك النجوم) اي كثرتها (كره) اي التأخير لاالفعل لانه مأموربه (تحريما) إلا بعذر كسفر وكونه على أكل...... (وتعجيل مغرب مطلقا) وتأخيره قدر ركعتين تنزيها.

لما في التاتارخانية: (۱/۳۰۰، طبع قديمي)

وأما المغرب فيكره تأخيرها إذا غربت الشمس، وفي "السراجية" إلا بعذر السفر بأن كان على المائدة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد ضیاء الدین

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۸۴۴

﴿بغیر کسی عذرِ شرعی کے نماز کو اپنے وقت میں ادا نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ میں اتوار بازار میں کام کرتا ہوں، دن میں ظہر کی نماز کے وقت گاہکوں کی کثرت ہوتی ہے، میرے ساتھ ایک مولوی صاحب بھی ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے مغرب کے وقت پڑھنے سے نماز اداء ہو جاتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے اور میں اس نماز کو مؤخر کر سکتا ہوں یا نہیں؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں آپ کیلئے نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے معمولی بہانے مثلاً سفر، دکان وتجارت اور ملازمت کی وجہ سے وقتی نماز میں اس قدر تاخیر کرنا کہ قضاء ہو جائے گناہِ کبیرہ ہے، بعد میں قضاء پڑھنے سے گو بالکل نماز نہ پڑھنے کے برابر گناہ نہیں ہوتا لیکن بے وقت پڑھنے کا بھی سخت گناہ ہے جس سے خلاصی توبہ یا حج کے بغیر نہیں ہو سکتی، لہٰذا مولوی صاحب کی بات قابلِ افسوس ہے۔

لما فی جامع الترمذی:(۱/۲۶ فی باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین طبع فاروقی ملتان)

"عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من جمع بین صلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر"۔

ولما فی الدر المختار:(۲/۶۲ فی باب قضاء الفوائت طبع سعید)

"لم یقل المتروکات ظنا بالمسلم خیراً، اذ التأخیر بلا عذر کبیرۃ لا تزول بالقضاء بل بالتوبۃ او الحج، ومن العذر العدو، وخوف القابلۃ موت الولد الخ.

ولما فی البحر:(۲/۷۹ طبع سعید)

"والظاهر ان المراد بالمأثم ترک الصلاۃ...... ویجوز تأخیر الصلاۃ عن وقتها لعذر"۔

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد شاکر اللہ

۱۹ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۷۳۴

﴿دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سفر کی حالت میں اگر مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں دونوں اکٹھی پڑھی جائیں تو اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھنا فرض ہے، البتہ سفر وغیرہ میں اتنی گنجائش ہے

کہ ایک وقت کی نماز مثلاً مغرب کی نماز وقت کے آخری حصہ میں اور عشاء کی نماز شروع وقت میں ادا کرلی جائے تو یہ صورتاً جمع کرنا ہوا اسکی گنجائش ہے لیکن مغرب کو بالکل عشاء کے وقت میں یا عشاء کی نماز قبل از وقت مغرب کے وقت میں پڑھنا ہرگز جائز نہیں، البتہ صرف حاجیوں کے لیے یوم عرفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھنے کا مستقل حکم ہے۔

لمافی المبسوط:(۱/۱۴۹،طبع دار الکتب بیروت)

(ولا یجمع بین صلاتین فی وقت احدهما فی حضر ولا فی سفر) ماخلا عرفة ومزدلفة فان الحاج یجمع بین الظهر والعشاء بعرفات فیؤدیهما فی وقت الظهر وبین المغرب والعشاء بمزدلفة فیؤدیهما فی وقت العشاء علیه اتفق.

ولما فی الهندیة:(۱/۵۲،طبع رشیدیه)

ولا یجمع بین الصلاتین فی وقت واحد لا فی السفر ولا فی الحضر بعذر ما ماعدا عرفة والمزدلفة.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: رضوان اللہ

۶ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۱۸۸۹

﴿صلوٰۃ عشاء کے وقت کا بیان﴾

﴿سوال﴾ ہماری مسجد میں وقت کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے ایک وقت ایسا آتا ہے جس میں عشاء کی نماز اوقات نماز کا جو نقشہ ہے اُس کے لحاظ سے پہلے ہوتی ہے مثلاً ۷:۴۵ پر عشاء کا وقت داخل ہوتا ہے اور نماز ۷:۳۰ پر ہوتی ہے یا نماز وقت داخل ہونے پر ہوتی ہے مگر اذان پہلے ہوتی ہے امام صاحب سے اس سے متعلق بات کی تو اُنہوں نے کہا کہ یہ ضروری نہیں بلکہ نماز مغرب کے بعد سوا گھنٹہ کا وقفہ کافی ہے اور نماز ہو جاتی ہے۔

براہِ کرم وضاحت فرمائیں کہ مذکورہ امام صاحب کا قول صحیح ہے؟ اس پر عمل کیا جائے یا کلینڈر کے مطابق عشاء کی نماز پڑھی جائے؟ مستفتی: شیر نواز

﴿جواب﴾ وقت کے داخل ہونے سے پہلے نہ نماز صحیح ہے نہ اذان، باقی رہا عشاء کا وقت سو وہ مختلف موسموں میں الگ الگ ہوتا رہتا ہے، احتیاط اس میں ہے کہ ڈیڑھ گھنٹے کا وقفہ کیا جائے، اس سلسلے میں مختلف اداروں کی طرف سے نقشے چھپتے ہیں اُن کی طرف بھی مراجعت کرلیں۔

لما فی قوله تعالیٰ:(سورة النساء،آیت ۱۰۳)

ان الصلوٰة كانت علی المومنين كتاباً موقوتاً..... الاٰية.

ولما فی الهداية:(ص ۹۰،طبع رحمانيه)

ولايؤذن لصلوة قبل دخول وقتها ويعاد في الوقت لأن الأذان للاعلام وقبل الوقت تجهيل ... الحجة على الكل قوله عليه الصلوٰة والسلام لبلالؓ "لاتؤذن حتى يستبين لك الفجر.

ولما فی امداد الفتاوی:(۱/۱۵۰،طبع دارالعلوم کراچی)

غروب سے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم: محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۵۷۳

﴿نماز مغرب اذان کے بعد تاخیر سے پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ اکثر مساجد میں لکھا ہوتا ہے کہ نماز مغرب اذان کے ۲ منٹ بعد یا ۳ منٹ بعد یا ۵ منٹ بعد ہوگی اور اس پر عمل بھی ہوتا ہے کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اس سے نماز مکروہ تو نہیں ہوتی؟ برائے مہربانی شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا جس میں دو رکعت اداء کی جاسکیں بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے، اس سے زیادہ تاخیر میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اتنی تاخیر کرنا کہ ستارے بکثرت چمکنے لگیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔

لما فی الدر مع الرد:(۲/۲۹،طبع امدادیه)

(والمستحب)......(تعجيل مغرب مطلقاً)وتاخيره قدر ركعتين يكره تنزيها.

وفي الشامية:وان مافي القنية من استثناء التاخير القليل محمول على مادون الركعتين وأن الزائد على القليل الى اشتباك النجوم مكروه تنزيها،ومابعده تحريما الا بعذر قال في شرح المنية:والذى اقتضته الأخبار كراهة التاخير الى ظهور النجم وماقبله مسكوت عنه،فهو على الاباحة وان كان المستحب التعجيل.ه ونحوما قدمناه عن الحيلة.

لہٰذا نماز مغرب میں ۳ یا ۴ منٹ کی تاخیر تو درست ہے کیونکہ اس میں ۲ رکعت اداء ہو جاتی ہیں لیکن اس سے زیادہ تاخیر درست نہیں۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳ ربیع الثانیہ ۱۴۲۷ھ　　　　فتویٰ نمبر: ۸۴

﴿چاشت اور اشراق کے وقت کا تعین﴾

﴿سوال﴾ چاشت اور اشراق کی نمازوں کا وقت کیا ہے؟

﴿جواب﴾ طلوع کے بعد جب آفتاب میں تیزی آجائے، ایک یا دو نیزوں کی مقدار بلند ہو جائے تو اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اسکی مقدار ہر مقام اور موسم میں مختلف ہوتی رہتی ہے، عام طور پر طلوع کے بعد ۱۵ سے ۲۰ منٹ کے درمیان کا وقت ہوتا ہے لیکن اصل بات یہی ہے کہ مقام اور موسم کا اعتبار ہوگا۔

اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے، چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہو کر نصف النہار تک ہے اور اسکا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے۔

لما فی التنویر مع الدر:(۲/۲۲،طبع ایچ ایم سعید)

(و)ندب(أربع فصاعدا فی الضحیٰ)علی الصحیح من بعد الطلوع الی الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار.

ولما فی اعلاء السنن:(۷/۲۲-۲۳،طبع دار الکتب العلمیة بیروت)

فقد قال العلامة سراج احمد فی شرح الترمذی له:ان المتعارف فی اول النهار صلاتان، الأولی بعد طلوع الشمس وارتفاعها قدر رمح أو رمحین،ویقال لها:صلاة الاشراق، والثانیة عند ارتفاع الشمس قدر ربع النهار الی ماقبل الزوال،ویقال لها:صلاة الضحی واسم الضحی فی کثیر من الاحادیث شامل لکلیهما،وقد ورد فی بعضها لفظ الاشراق أیضا،فقد اخرج السیوطی عن أم هانیء أن رسول الله ﷺ قال لها:"یاأم هانیء!هذه صلاة الاشراق"وعزاه الیٰ الطبرانی وبالجملة فقد ورد اطلاق الاشراق والضحیٰ علی کل من الصلاتین،وبعضهم یطلقون علی الأولی الضحوة الصغری وعلی الثانیة الضحوة الکبری.ه(۱:۲۲۳)وقد ورد حدیث فی "سنن الترمذی(۱:۷۷)دال علی التغایر

بين صلاة الاشراق والضحى، وهو مارواه عن علي رضي الله عنه: "كان رسول الله ﷺ اذا كانت الشمس من ههنا كهيئتها من ههنا عند العصر صلى ركعتين، واذا كانت الشمس من ههنا الحديث." قال أبو عيسى: حديث حسن. ه ولفظ النسائي "كان نبي الله ﷺ اذا زالت الشمس من مطلعها قدر رمح أو رمحين كقدر صلاة العصر من مغربها صلى ركعتين، ثم أمهل حتى اذا ارتفع الضحى صلى أربع ركعات.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ — فتویٰ نمبر: ۳۴۶

﴿مکروہ اوقات کا بیان﴾

﴿سوال﴾ جناب مفتی صاحب وہ کون کون سے اوقات ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا؟

﴿جواب﴾ وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے دو طرح کے ہیں۔

(۱) وہ اوقات ''جن میں ہر طرح کی نماز فرائض ونوافل مکروہ اور ممنوع ہیں، ادا ہوں یا قضاء نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت وسجدہ سہو وغیرہ'' تین ہیں:

(الف) سورج طلوع ہونے کے وقت (ب) زوال کے وقت (ج) غروب کے وقت، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھنے کا حکم ہے اگر چہ نماز مکروہ ہوگی تاہم قضاء کرنے سے بہتر ہے۔ اور نماز جنازہ میں بھی افضل یہی ہے کہ جب حاضر ہو تو پڑھ لی جائے کیونکہ نماز جنازہ میں تعجیل (جلدی کرنے) کا حکم ہے۔

(۲) وہ اوقات ''جن میں صرف نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، ادا، قضاء سجدہ تلاوت نماز جنازہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے'' دو ہیں:

(الف) طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک (ب) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک

لما في التنوير والدر: (۱/۵۳، طبع: سعيد)

(وكره) تحريما، وكل ما لا يجوز مكروه (صلوة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو (على جنازة وسجد تلاوة وسهو) لا شكر، قنية (مع شروق) الا العوام فلا يمنعون من فعلها لانهم يتركونها، والاداء جائز عند البعض اولى من الترك (واستواء) الا يوم

الجمعة على قول الثاني المصحح المعتمد (وغروب الا عصر يومه) فلا يكره فعله......وفى التحفة :الافضل ان لا تؤخر الجنازة۔

قال الشامي: (قوله وفى التحفة الخ) هو كالاستدراك على مفهوم قوله اى تحريما، فانه اذا كان الفضل عدم التاخير فى الجنازة فلا كراهة اصلاً۔

(وكره نفل) قصدا ولو تحية مسجد (وكل ما كان واجبا) لا لعينه بل (لغيره) وهو ما يتوقف وجوبه على فعله (كمنذور، وركعتى طواف، اسجدتى سهو (والذى شرع فيه) فى وقت مستحب أو مكروه (ثم افسده و) لو سنة فجر (بعد صلوة الفجر و(صلوة العصر) ولو المجموعة بعرفة (لا) يكره (قضاء فائتة و) لو وترا او (سجد تلاوة وصلوة جنازة وكذا) الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض وواجب بعينه (بعد طلوع الفجر سوى سنته) لشغل الوقت به تقديرا حتى لو نوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق انکی

۷ شعبان ۱۴۳۲ھ | فتویٰ نمبر:

﴿مکروہ وقت میں سجدہ تلاوت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مکروہ وقت میں تلاوت کرتے ہوئے سجدہ تلاوت واجب ہو جائے تو وقت نکلنے کا انتظار کرے یا اسی وقت ادا کرے؟

﴿جواب﴾ اگر مکروہ وقت (طلوع آفتاب، زوال آفتاب، اور غروب آفتاب) میں تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ تلاوت کی تو افضل یہ ہے کہ مکروہ وقت نکل جانے کے بعد ادا کرے، اور اگر اسی وقت ادا کر لیا تو ہو جائیگا، لیکن کراہت سے خالی نہیں ہے۔

لما فى الحلبى الكبيرى (ص۲۰۸)

واذا تلا فيها أى فى وقت من الأوقات الثلاثة آية السجدة فالأفضل أن لا يسجدها فيه، ولا فى غيره من الأوقات الثلاثة لأنها وان صحت لوجوبها بالسبب الذى أديت به الا أن الكراهة موجودة لحصول الفعل الشبيه بعمل الكفار مع أن تأخيرها لا يؤدى الى فواتها وصيرورتها قضاء، لأن ماليس مقيدا بوقت لا يتأتى فيه القضاء، بل متى فعل فهو أداء وسجدة التلاوة من هذا القبيل.

ولما فى الشامى (۳۷۳/۱) ط،س

واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان :الأول :الشروق، والاستواء، والغروب. والثانى: ما بين الفجر والشمس، وما بين صلاة العصر الى الاصفرار، فالنوع الأول لا ينعقد فيه شىء

من الصلوات التى ذكرنا هااذاشرع بهافيه وتبطل ان طرأ عليهاالا صلاة جنازة حضرت فيها ،وسجدة تلاوة تُليت آيتها فيها ،وعصريومه، والنقل، والنذرالمتيّدبها، وقضاء ماشرع فيه ثم أفسده، فتنعقدهذه الستة!بلاكراهة أصلاًفى الأولى منها،ومع الكراهة التنزيهيّة فى الثانية ،والتحريميّةفى الثالثة ،وكذا فى البواقى لكن مع وجوب القطع والقضاء فى وقت غير مكروه .والنوع الثانى ينعقد فيه جميع الصلوات التى ذكرناها من غير كراهة ،الاالنفل والواجب لغيره فانه ينعقد مع الكراهة،فيجب القطع والقضاء فى وقت غيرمكروه .

ولما فى الهندية(ج١ص١٢٥)رشيديه

ولوتلاهافى وقت مباح فسجد هافى أوقات مكروهة لم يجز،ولوتلاهافى أوقات مكروهة فسجد فى هذه الأوقات جاز.

ولمافى الخانية (ج١ص١٥٧)

ولايجوزأدائهافى الأوقات المكروهةالا أن يقرأفى ذلك الوقت .

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:سیف اللہ

۲۱ربیع الثانیہ۱۴۲۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۲۰۶

﴿مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟اسی طرح طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟اگرکسی نے ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھ لی تو کیسا ہے؟

﴿جواب﴾ اگر جنازہ انہی اوقات میں آیا ہے تو پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں ہے پہلے سے آیا ہوتو تاخیر کرکے ان اوقات میں پڑھنے کی اجازت نہیں بلکہ ممنوع ہے۔

لمافى التنويرمع الدر:(۲/۳۴-۳۵،طبع امدادیه)

(لا)ينعقد(الفرض)وماهوملحق به كواجب لعينه كوتر(وسجدةتلاوة،وصلاةجنازة تليت)الآية(فى كامل وحضرت)الجنازة(قبل)لوجوبه كاملاًفلايتأدى ناقصاً،فلو وجبتافيهالم يكره فعلهما:اى تحريماً.وفى التحفة:الافضل أن لاتوخرالجنازة.وفى الشامية:(وفى التحفةالخ)هوكالاستدراك على مفهوم قوله"أى تحريماً"فانه اذاكان الأفضل عدم التأخيرفى الجنازةفلاكراهةأصلاً،ومافى التحفةأقره فى البحروالنهر

والفتح والمعراج لحديث "ثلاث لا يؤخرن: منها الجنازة اذا حضرت" الخ.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ   فتویٰ نمبر: ۳۴۵

﴿کسی عذر کی وجہ سے نماز عصر کو مثل اوّل کے فوراً بعد پڑھنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری جماعت رائیونڈ سے پشاور بذریعہ بس سفر کر رہی تھی راستے میں بس ایسے وقت رکی کہ مثل اوّل گزر چکا تھا اور ہمیں غالب گمان یہ تھا کہ مثل ثانی گزرنے کے بعد ہمارے کہنے کے باوجود ڈرائیور گاڑی نہیں روکے گا، عرض یہ ہے کہ ہمارے لئے ایسی صورت میں عصر کی نماز مثل اوّل گزرنے کے بعد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟   مستفتی: ابوامین صاحب چارسدہ

﴿جواب﴾ عصر کی نماز مثلین کے بعد ہی پڑھنی چاہیے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے تاہم عذر کی وجہ سے مثل اوّل کے بعد بھی پڑھنے کی گنجائش ہے۔ لہٰذا آپ کے لئے مذکورہ عذر کیوجہ سے عصر کی نماز مثل اول کے بعد مثل ثانی میں پڑھنے کی گنجائش ہے۔

لما في مرقاة المفاتيح: (۱/۲۳، طبع دار الفكر بيروت)

عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال امّني جبرئيل عند البيت مرتين فصلى الظهر في الاولى منهما حين كان الفئ مثل الشراك ثم صلى العصر في الاولى منهما حين كان كل شيء مثل ظله......وصلى المرة الثانية الظهر حين كان ظل كل شي مثله لوقت بالامس ثم صلى العصر حين كان ظل كل شي مثليه.

ولما في عمدة القاري: (۵/۴۹، طبع رشيديه)

وقوله (حين كان ظله مثليه) بالتثنية وهذا اخر وقت الظهر عند أبي حنيفة، لأن عنده: اذا صار كل شئ مثليه ... يخرج وقت الظهر ويدخل وقت العصر وعند أبي يوسف ومحمد: اذا صار ظل كل شئ مثله يخرج وقت الظهر ويدخل وقت العصر.

ولما في رد المحتار: (۱/۳۵۹، طبع ايچ ايم سعيد)

والاحسن ما في السراج عن شيخ الاسلام ان الاحتياط ان لا يوخر الظهر الى المثل، وان لا يصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالاجماع.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ علم بالصواب: عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ   فتویٰ نمبر: ۹۰۳

﴿عصر کے وقت تحیۃ الوضوء پڑھنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ آج کل مساجد میں عصر کی نماز ساڑھے چار بجے ہوتی ہے ساڑھے چار بجے کے بعد مستورات تحیۃ الوضوء کے نفل پڑھ سکتی ہیں؟ نیز مکروہ وقت میں عصر کی نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ خواہ تاخیر کسی بھی وجہ سے ہوئی ہو۔

﴿جواب﴾ فرض نماز اگر نہیں پڑھی تو مستورات تحیۃ الوضوء کے نفل پڑھ سکتی ہیں، ہاں اگر فرض نماز پڑھ لی تو پھر نوافل نہیں پڑھ سکتیں۔

لمافی حلبی کبیر:(ص۳۷،طبع سہیل اکیڈمی)

(الا)ان یکون الوضوء فی(وقت مکروہ)فانہ لایصلی لان ترک المکروہ اولی من فعل المندوب.

مکروہ وقت میں اسی دن کی نماز عصر پڑھ سکتے ہیں اور نماز ادا شمار ہوگی اگر چہ مکروہ ہوگی۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۳۷۰،طبع ایچ ایم سعید)

(وکرہ)صلاۃ مطلقا(ولوقضاء)اوواجبۃاونفلااو(علی جنازۃوسجدۃتلاوۃوسہو)..... (مع شروق)......(واستواء)وغروب الاعصریومہ"فلایکرہ فعلہ لادائہ کماوجب بخلاف الفجر......"وقولہ غروب"ارادبہ التغیرکماصرح بہ فی الخانیہ حیث قال عنداحمرار الشمس الی ان تغیب،بحروقہستانی قولہ"الاعصریومہ"قید بہ لان عصرامسہ لایجوزوقت التغیرلثبوتہ فی الذمۃ کامل......الخ.

ولمافی التاتارخانیۃ:(۱/۴۰۱،طبع قدیمی)

الاوقات التی یکرہ فیہاالصلاۃ خمسۃ ثلاثۃ یکرہ فیہاالتطوع والفرض وذلک عند طلوع الشمس ووقت الزوال وعندغروب الشمس الاعصریومہ فانہالایکرہ عند غروب الشمس،ووقتان آخران یکرہ فیہماالتطوع وہمابعدطلوع الفجرالی طلوع الشمس الارکعتی الفجروما بعدصلاۃ العصرالی وقت غروب الشمس ولایکرہ فیہما الفرائض ولاصلاۃ الجنازۃ

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:ظہور احمد شمس

۱۴۲۹/۱/۲۸ھ — فتویٰ نمبر:۱۰۳۹

﴿مکروہ اوقات میں قضاء نمازوں کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں، علماء کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عصراور

فجر کے وقت میں قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور عصر کے مکروہ وقت میں قضاء کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ عصر کی نماز آفتاب غروب ہوتے ہوئے بھی ہو جاتی ہے لیکن فجر کی نماز طلوع آفتاب سے ٹوٹ جاتی ہے ۔ مستفتیہ: یوسفیہ بنوریہ

﴿جواب﴾ عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ ان اوقات میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے، اسی طرح عصر کے مکروہ وقت میں قضاء نماز درست نہیں اگر اس وقت نماز پڑھ لی تو اس کا اعادہ واجب ہے۔

رہی وجہ اس بات کی کہ عصر کی نماز غروب ہوتے ہوئے بھی ہو جاتی ہے لیکن فجر کی نماز طلوع آفتاب سے ٹوٹ جاتی ہے تو اس کی وجہ فقہاء کرامؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ فجر کا سارا وقت کامل ہوتا ہے بخلاف عصر کے کہ اس میں اصفرار شمس تک وقت کامل ہوتا ہے لیکن اصفرار کے بعد ناقص وقت شروع ہو جاتا ہے، پس دوران نماز فجر اگر سورج طلوع ہو جائے تو وقت میں فساد آ جانے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی، اس لیے کہ نماز شروع تو کامل وقت میں کی تھی اور اب اداء ناقص وقت میں ہوئی لیکن اگر عصر کی نماز اصفرار شمس کے وقت شروع کر دی اور اس دوران سورج غروب ہو گیا تو نماز ہو جائے گی اگر چہ مکروہ ہوگی، اس لئے کہ نماز شروع ناقص وقت میں کی تھی اور سورج کے غروب ہونے کے بعد کا وقت بھی ناقص ہے، پس اداء کما وجب ہوگئی۔

لما فی الصحیح لمسلم:(۱/۲۷۶،طبع قدیمی)

عن عقبة بن عامر الجهنیؓ يقول :ثلاث ساعات كان رسول ﷺ نهانا ان نصلی فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب.

ولما فی جامع للترمذی:(۱/۲۵،طبع فاروقی ملتان)

عن ابن عباسؓ قال غير واحد من اصحاب النبی ﷺ منهم عمر بن الخطابؓ وكان من احبهم الی ان رسول الله ﷺ نهانا عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وعن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس.

ولما فی الدر:(۲/۳۶،امدادیه)

وكره نفل قصدا ولو تحية المسجد لا يكره قضاء فائتة ولو وترا.وفی الشامی:(۲/۳۲،امدادیه)

ولمافی التاتارخانية:(۱/۳۰۱،طبع قديمی)

ولا يجوزفی هذه الاوقات صلاة الجنازة.....ولاقضاء فرض ولوقضى فرضا من الفائتات فی هذه الاوقات يجب عليه اعادتها ..... ووقتان اخران يكره فيهما التطوع وهما بعد طلوع الفجرالی طلوع الشمس الاركعتی الفجرومابعدصلاة العصر الی وقت غروب الشمس ولايكره فيهماالفرائض.

ولمافی التنويرمع الدر:(۲/۳۲-۳۳،طبع امداديه)

(وغروب الاعصريومه)فلايكره فعله لادائه كماوجب بخلاف الفجر.

وفی الشامية:قوله لادائه كماوجب لان السبب هو الجزء الذی يتصل به الاداء وهوهنا ناقص فتدوجب ناقصافيودی كذلک قوله بخلاف الفجراى فانه لايودی فجر يومه وقت الطلوع لان وقت الفجركله كامل فوجبت كاملة فتبطل بطروالطلوع الذی هو وقت فساد.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم :عبدالرزاق عفا اللہ عنہ

۱جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر:۱۴۵۶

﴿عشاء کا مستحب وقت﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عشاء کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ ابتدائی وقت کی وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ عشاء کا وقت مفتیٰ بہ قول کے مطابق شفق ابیض کے غائب ہوجانے کے بعد شروع ہوجاتا ہے،شفق ابیض کا معنی ہے مغرب کی نماز کے کافی دیر بعد اُفق پر سرخی آتی ہے پھر اس کے بعد وہ غائب ہوجاتی ہے پھراس کے بعد سفیدی آتی ہے،اس سفیدی کے غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے،گھڑی کے حساب سے ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک گھنٹہ پچیس منٹ کی تاخیر سے عشاء کا وقت داخل ہوجاتا ہے،اس مقصد کیلئے ہر علاقہ کے دائمی نقشے مل جاتے ہیں کسی مستند نقشہ سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔

لمافی الهداية:(۱/۸۷،طبع رحمانيه)

ثم الشفق هوالبياض الذی فی الافق بعدالحمرة عندابی حنيفةؒ وعندهماهوالحمرة وهورواية عن ابی حنيفةؒ وهوقول الشافعیؒ لقوله عليه السلام الشفق الحمرة ولابی حنيفةؒ قوله عليه السلام وآخروقت المغرب اذااسودالافق ومارواه موقوف على ابن

عمرؓ ذکرہ مالک فی الموطاء وفیہ اختلاف الصحابۃ.

ولمافی فتح القدیر:(۱/ ۲۲۳،طبع رشیدیہ)

ثم الشفق ہوالبیاض الذی فی الافق بعدالحمرۃ عندابی حنیفۃؒ.

ولمافی الشامی:(۲/ ۱۷،طبع امدادیہ)

قال فی الاختیار:الشفق البیاض وہومذہب الصدیق ومعاذبن جبل وعائشۃؓ.....قال العلامۃ قاسم:فثبت أن قول الامام ہوالاصح.....وقولہ احوط.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد وارث خان سواتی

۲۷محرم الحرام۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۱۳۸

﴿تہجد کا وقت کب شروع ہوتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تہجد کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟اگر کوئی آدمی عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی نیت سے نفل پڑھے تو تہجد کی فضیلت حاصل ہوجائے گی یا تہجد کیلئے پہلے سونا ضروری ہے؟ مستفتی:بہادر شیر صاحب پورن

﴿جواب﴾ تہجد کیلئے پہلے سونا ضروری نہیں ہے عشاء کی نماز کے بعد اس نیت سے نوافل پڑھنے سے تہجد کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے،البتہ فضیلت کے بھی کئی درجے ہیں سوکر تہجد کیلئے اُٹھنے میں مجاہدہ زیادہ ہے،اس لیئے فضیلت اور ثواب بھی زیادہ ہے،خصوصارات کے آخری تہائی حصہ میں اورآدھی رات گذرنے کے بعد کا وقت اس کیلئے بہترین وقت ہے،سوکر اُٹھنا مشکل ہوتو عشاء کے بعد وتر سے پہلے پڑھنے سے بھی تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔

لمافی التنویرمع الدر:(۲/ ۲۴،طبع ایچ ایم سعید)

وروی الطبرانی مرفوعا لابدمن صلاۃ بلیل ولوحلب شاۃ وماکان بعدصلاۃ العشاء فہومن اللیل وہذایفیدأن ہذہ السنۃ تحصل بالتنفل بعدصلاۃ العشاء قبل النوم ولو جعلہ أثلاثافالاوسط افضل ولوانصافافالاخیرافضل وفی شرحہ ولوجعلہ اثلاثاأی لو اراد ان یقوم ثلثہ وینام ثلثیہ فالثلث الاوسط افضل من طرفیہ لان الغفلۃ فیہ اتم والعبادۃ فیہ اثقل ولواراد ان یقوم نصفہ وینام نصفہ فقیام نصفہ الاخیرافضل لقلۃ المعاصی فیہ غالبا وللحدیث الصحیح ینزل ربناالی سماء الدنیافی کل لیلۃ حین یبقی ثلث اللیل الاخیرفیقول من یدعونی فاستجیب لہ الی أخرالحدیث.

ولما في اعلاء السنن:(۶۲/۷،طبع دار الكتب العلمية بيروت)

عن اياس بن معاوية المزني رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر قال المؤلف ظاهر حديث اياس من صلى سنة العشاء والوتر يحصل له فضل قيام الليل ولكن الاولى ان يقوم آخر الليل كما يدل عليه حديث ابي هريرة وروى البخاري عن مسروق قال سالت عائشة رضي الله عنها اى العمل كان احب الى رسول الله ﷺ قالت الدائم قلت متى كان يقوم قالت كان يقوم اذا سمع الصارخ وفي فتح الباري الصارخ الديک وجرت العادة بان الديک يصيح عند نصف الليل غالبا وقال ابن بطال يصرخ عند ثلث الليل.وهكذا في الفقه الاسلامي وادلته:(۴۷/۲،طبع دار الفكر)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:محمد حسن غفرلہ

۲۲ربیع الاول ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۲۳۷

﴿فصل في الاذان والاقامة﴾

﴿اذان واقامت کے مسائل﴾

﴿کیا اذان مسجد سے باہر دینی چاہیے یا اندر؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے اذان کہاں دینا سنت ہے مسجد کے اندر یا مسجد سے باہر اور باہر دینی چاہیئے تو پھر جمعۃ المبارک کی دوسری اذان امام کے سامنے مسجد کے اندر کیوں دی جاتی ہے صحیح طریقہ اذان سے آگاہ فرمادیں؟ مستفتی:ابواحمد

﴿جواب﴾ اذان میں سنت طریقہ یہ ہے کہ کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہیں دینی چاہیئے بلکہ مسجد سے باہر اذان دینا زیادہ مناسب ہے،ہاں بالکل منع بھی نہیں ہے،رہی جمعے کی دوسری اذان سو وہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینا منقول چلا آرہا ہے۔

لما في العالمگيرية:(۵۵/۱،طبع رشيديه)

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أوخارج المسجد ولايؤذن في المسجد.

ولما في الهداية:(۱۸۱/۱ طبع رحمانيه)

واذاصعد الامام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر بذلک جرى التوارث.

ولمافی ردالمحتار:(۳۸/۲،طبع امدادیه)

قوله:(ویؤذن ثانیابین یدیه)أی علی سبیل السنیة کمایظهرمن کلامهم.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم:محمد شریف حسین عفااللہ عنہ

۳رجب المرجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر:۵۵۳

﴿الفاظ اذان کا صحیح تلفظ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ کے بارے کہ ہمارے محلے کی مسجد میں مؤذن مقرر نہیں ہے جو شخص پہلے مسجد میں آتا ہے وہ اذان دیتا ہے اور اقامت کہتا ہے لیکن ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' میں پہلے اللہ اکبر کی را پر کوئی فتحہ پڑھتا ہے کوئی ضمہ اور کوئی ساکن پڑھتا ہے۔ان میں سے کونسا صحیح اور سنت موافق ہے۔جواب دیکر ممنون فرمائیں۔ مستفتی:حضرت ملک بونیری

﴿جواب﴾ اذان اور اقامت میں بعض لوگ تجوید کے قواعد جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وصل کرتے ہوئے کلمہ کے آخری حرف کی حرکت اصلی کو ظاہر کرتے ہیں جو کہ خلاف سنت ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ ''اللہ اکبر'' کی ''را'' حی علی الصلوۃ میں ''ۃ'' اور حی علی الفلاح میں ''ح'' اسی طرح قد قامت الصلوۃ میں ''ۃ'' کو جزم کے ساتھ پڑھے،وصلا اور فصلا ہر دونوں صورتوں میں لیکن وصل کی صورت میں مجزوم کا وصل مشکل ہوجاتا ہے اسلئے اخف الحرکات یعنی فتحہ کے ساتھ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے اور تجوید کے قاعدہ کے مطابق وصل کی صورت میں کلمہ کے آخری حرف کو اپنی اصلی حرکت کے ساتھ پڑھنا خلاف سنت ہے اس لئے اس سے بچنا چاہیئے۔

لمافی الشامی (۳۸۶/۱،طبع سعید)

وحاصلها ان السنة ان یسکن الراء من الله اکبر الاول اویصلها بالله اکبر الثانیة فان سکنها کفی وان وصلها نوی السکون فحرك الراء بالفتحة ،فان ضمها خالف السنة لان طلب الوقف علی اکبر الاول صیره کالساکن اصالة فحرك بالفتح.

ولما فی البدائع (۱۴۲/۱ طبع دالکتب العلمیة)

ومنهاان یکون التکبیر جزما ،وهوقوله:الله اکبر ،لقوله علیه السلام ''الاذان جزم''

ولمافی البحر (۲۵۸/۱،طبع سعید)

ویسکن کلمات الاذان والاقامة لکن فی الاذان ینوی حقیقة وفی الاقامةینوی الوقف

ذکرہ الشارح وفی المبتغی والتکبیر جزم۔

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: دوست محمد دیروی

۱۱صفر ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر ۳۹۴۱

﴿اچھی آواز سے اذان دینا پسندیدہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں تلحین یعنی ایسی سریلی آواز سے اذان دینا کہ حرکات، سکنات وغیرہ میں کمی بیشی واقع ہو جائے، کچھ کلمات بلند آواز سے اور کچھ پست آواز سے کہنا، تو ایسی اذان کا کیا حکم ہے؟ مستفتی: ایک طالب علم

﴿جواب﴾ اذان بلند اور لمبی آواز سے دینا مطلوب و پسندیدہ ہے اس کے بغیر اذان سے جو مطلوب ہے وہ پورا حاصل نہیں ہوتا، اور خوبصورت لہجہ اپنانا اور سریلی آواز سے اذان دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اچھی اور سریلی آواز کا اثر نفوس پر مسلّم ہے بشرطیکہ ایسا تکلف و بناوٹ نہ ہو کہ آواز گانا گانے والوں کی طرح بنائے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اذان دینے میں تجوید کے قواعد کو ملحوظ رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے، بعض موقعوں پر اس کے خلاف کرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ وصل کلمتین کی صورت میں اصلی حرکات کے خلاف پڑھنا سنت سے ثابت ہے، حدیث میں ہے "الاذان جزم والاقامة جزم" اسی طرح کلماتِ ممدودہ پر خلاف تجوید مد کرنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لئے کہ اس کے بغیر آواز بلند اور لمبی نہیں ہو سکتی جو کہ اذان کا حصہ ہے۔

لما فی البحر الرائق: ۲۵۶/۱، طبع: سعید)

قوله ولحن ای ليس فيه لحن ای تلحين وهو كما فی المغرب التطريب والترنم يقال لحن فی قرائته تلحينا طرب فيها وترنم ......وفی الصحاح اللحن الخطاء فی الاعراب والتلحين التغطنه...... ولهذا فسره ابن الملك بالتغنی بحيث يؤدی الی تغيير كلماته وقد صرحوا بانه لايحل فيه وتحسين الصوت لابأس به من غيرتغن كذا فی الخلاصة وظاهره ان تركه اولی لكن فی فتح القدير وتحسين الصوت مطلوب ولا تلازم بينهما.

ولما فی الهندية: ۵۶/۱، طبع: رشيدية)

ويكره التلحين وهو التغنی بحيث يؤدی الی تغير كلماته كذا فی شرح المجمع لابن الملك وتحسين الصوت للاذان حسن مالم يكن لحنا.

ولما فی الدر مع الرد: ۱/ ۳۸۷،طبع: سعید)

(ولا لحن فیه) ای تغنی بغیر کلماته فانه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن وبلا تغییر حسن وقیل لاباس به فی الحیعلتین (قوله یغیر کلماته) ای بزیادة حرکة او حرف او مد اوغیرها فی الاوائل والاواخر (قوله وبلا تغییر حسن)ای والتغنی بلا تغییر حسن فان تحسین الصوت مطلوب ولاتلازم بینهما (قوله وقیل) ای قال الحلوانی:لاباس بادخال المد فی الحیعلتین لانهما غیر زکر وتعبیره بلاباس یدل علی ان الاولی عدمه.

ولما فی السعایة:۲/ ۱۳،طبع:سهیل)

قال بلا لحن هو التطرب وقیل الخطاء فی الاعراب وکلاهما ممنوعان فلذلک اشار الشارح الی منعهما وقد صرح الفقهاء بانه لا یحل فیه وکذا صرحوا بانه لا یحل سماع الاذان الذی یلحن فیه قال فی البحر اذا کان هذا فی الاذان ففی القراءۃ بالطریق الاولی وفی المجتبی شد یکره التلحین عندنا لقول ابن عمرؓ لمؤذن والله انی لابغضک فی الله لانک تغنی فی الاذان.

ولما فی التتارخانیة:۱/ ۳۸۶،طبع: قدیمی)

ولا بأس بالتطریب فی الاذان وهو تحسین الصوت من غیر ان یتغنی فان تغنی بلحن او مد او ما اشبه ذلک یکره.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:عمرفاروق لاہوری

۹ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ — فتوی نمبر:۳۷۷۴

﴿مؤذن کا کلمات اذان غلط کہنا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ کہ بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک مؤذن ہے جواذان کہتے وقت اللہ اکبر میں''اللہ'' کے الف کو بہت کھینچنے کیساتھ ساتھ''اکبر'' کی ''راء'' پرضمہ پڑھتا ہے،جبکہ ایک بندۂ خدا کا کہنا ہے کہ یہ دونوں خلاف سنت ہے اوراصل طریقہ ''الف'' کوکھینچے بغیر''راء'' پرفتحہ پڑھنا ہے،جسکی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ہمیشہ ایک بحث کا بازارگرم رہتا ہے،برائے مہربانی درست طریقہ کی وضاحت فرمائیں۔ مستفتی:عبدالحفیظ

﴿جواب﴾ اذان کے کلمات میں''اللہ اکبر'' پرمد پڑھنا سراسر غلط ہے،اگرایسی غلطی کوئی تکبیر تحریمہ میں کرے تو اس کی نماز نہیں ہوئی،کیونکہ اس صورت میں یہ جملہ سوالیہ بن جاتا ہے، جس سے معنی بالکل بگڑ جاتا ہے،مسجد کے متولی وغیرہ کی ذمہ داری ہے کہ مؤذن کواصلاح کی

مہلت دیدیں، اس کے باوجود بھی اگر وہ یہی غلطی کرے تو دوسرے مؤذن کا اہتمام کریں، اس طرح "اکبر" کی "راء" پر اصل، جزم بغیر حرکت کے پڑھنا ہے اور فتحہ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، مگر ضمہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔

لمافی التنویر مع الدر: ۳۸۵/۱ (ایچ ایم سعید)

وبفتح راء اکبر والعوام یضمو نہاروضۃ،لکن فی الطلبۃ معنی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "الاذان جزم "أی مقطوع المد،فلا تقول آللہ آکبر لانہ استفہا م وانہ لحن شرعی او مقطوع حرکۃ الآخر للوقف ،فلایقف بالرفع لانہ لحن لغوی.

لمافی البحر: ۲۵۸/۱، (طبع ایچ،ایم سعید)

ویسکن کلمات الاذان والاقامۃ لکن فی الاذان ینوی حقیقۃ وفی الاقامۃ ینوی الوقف ذکرہ الشارح وفی المبتغی "والتکبیر جزم".

ولمافی البدائع: ۱۴۲/۱ (طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ومنہاان یکون التکبیر جزماوھوقولہ :اللہ اکبرلقولہ علیہ السلام۔"الاذان جزم"

ولمافی الرد: ۳۸۶/۱، (طبع ایچ،ایم سعید)

وحاصلہاان السنۃ ان یسکن الراء من اللہ اکبر الاول اویصلہاباللہ اکبر الثانیۃ.فان سکنہاکفی وان وصلہا نوی السکون فحرك الراء بالفتحۃ،فان ضمہا خالف السنۃ لان طلب الوقف علی اکبرالاول صیرہ کالساکن اصالۃ فحرك بالفتحہ.

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۲۶ صفرالخیر ۱۴۳۵ھ　　فتوی نمبر: ۳۹۴۵

﴿اذان میں تجوید کی غلطی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے اپنے مسجد میں ایک شخص کو مؤذن مقرر کیا ہے وہ جب اذان دیتا ہے ہم تو تجوید کی غلطی نہیں سمجھتے لیکن یہاں بعض علماء حضرات آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس میں تجوید کی غلطی ہے اور لحن جلی کرتا ہے یعنی حی علی الصلوٰۃ کی جگہ ھی علی الصلوٰۃ (حاء کی جگہ ھا) پڑھتا ہے اور معنی بدل جاتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ غلطی ہے یا نہیں؟ اور اسطرح مؤذن رکھنا اور اذان دینا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ "حی" کو ھی پڑھنا بلاشبہ غلطی ہے لیکن معنی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اذان

ہوجائیگی، تاہم مسجد میں مستقل مقرر مؤذن کیلئے تو ضروری ہے کہ اذان کے کلمات کا تلفظ درست کرے، چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''حی علی الصلوٰۃ کو حی علی الصلوٰۃ پڑھنے سے معنی نہیں بگڑتے، البتہ اس غلطی کی اصلاح کے بغیر موذن کا تقرر نہ کرنا چاہئے، لیکن اگر تقرر کرلیا گیا ہو تو اذان ہوجائیگی'' (فتاوی عثمانی ج:۱/ ۳٦۵)

لمافی الدرالمختار: ۱/ ۳۸۷ باب الاذان سعید

(ولالحن فیه) ای تغنی بغیر کلماته فانه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن وبلاتغییر حسن وقیل لابأس به فی الحیعلتین...الخ

وایضافی الشامی: ج ۱/ ۳۹۳

ثم اعلم انه ذکرفی الحاوی القدسی من سنن المؤذن ،کونه رجلا عاقلا صالحا عالما بالسنن والاوقات

لمافی الشامی: (۱/ ٦۳۱، مطلب مسائل زلة القاری ،طبع سعید)

وان کان الخطا بابدال حرف بحرف ،فان امکن الفصل بینهما بلاکلفة کالصاد مع الطاء بان قرأالطالحات مکان الصالحات فاتفقواعلی انه مفسد،وان لم یکن الابمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی.

ولمافی الهندیه: (۱/ ۵۳، فصل الاول فی صفته واحوال المؤذن ،طبع رشیدیه،کوئٹه)

وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عادلا صالحا تقیا عالما بالسنة کذافی النهایة وینبغی ان یکون مهیبا ـ وان یکون مواظباعلی الاذان هکذافی البدائع والتاتارخانیه.

ایضا فی الهندیه: (۱/ ۷۹ فی زلة القاری ،طبع رشیدیه،کوئٹه)

(ومنها) ذکرحرف مکان حرف ان ذکرحرفا مکان حرف ولم یغیرالمعنی بان القرأن المسلمون ان الظالمون وماشبه ذلک لم تفسد صلاته .

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ | واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ غفرلہ ولوالدیہ

۳۰ صفر ۱۴۳۵ھ | فتوی نمبر: ۲۰۱۷

﴿ایک مسجد میں بیک وقت تین اذانیں دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسجد میں بیک وقت تین اذانیں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز پہنچانے کیلئے دینا کیسا ہے؟ خواہ تینوں مسجد کے اندر ہو یا باہر۔

﴿جواب﴾ کئی افراد کا مل کر ایک ساتھ اذان دینا بنوامیہ کی سلطنت میں رائج ہوا جس

کے بارے میں علماء کرام کی رائے مختلف رہی بعض اس کو بدعت حسنہ قرار دے رہے تھے اور بعض بدعت سیئہ کہہ رہے تھے اصحاب الترجیح نے ضرورت کی وجہ سے پسندیدہ عمل قرار دیا ہے لہذا جہاں ضرورت ہو تو کئی افراد مل کر اذان دیں تو اچھی بات ہے جیسا کہ رائیونڈ کے اجتماع میں بغیر لاؤڈ اسپیکر اجتماعی اذان دی جاتی ہے جماعت کے بزرگوں کی کوشش رہتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے عبادات بالکل سادہ ترتیب سے سنت کے مطابق ہوں اگر چہ لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے کی بھی گنجائش ہے، لہذا جس آبادی میں لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینا رائج نہ ہو اور مسجد سے ایک آدمی کی اذان کی آواز آبادی تک نہیں پہنچتی تو کئی افراد مل کر بھی اذان دے سکتے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں ہے البتہ جہاں اذان کی آواز لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے پوری طرح پہنچتی ہو تو ایک ہی شخص اذان دیا کرے یہی اصل ترتیب ہے اجتماعی اذان ضرورت کی خاطر پسندیدہ قرار دی گئی ہے بلا ضرورت نہیں۔

(لمافی ردلمحتار:ج ۱/ ۲۳۰،طبع:سعید کراچی)

مطلب فی اذان الجوق (فائدة اخری) ذکر السیوطی ان اول من احدث اذان اثنین معا بنوامیه، قال الرملی فی حاشیة البحر: ولم ارنصاً صریحاً فی جماعة الاذان المسمی فی دیارنا باذان الجوق هل هو بدعة حسن اوسیئة وذکر الشافعیة بین یدی الخطیب واختلفوا فی استحبابه وکراهته ــــــ واما الاذان الاول فقد صرح فی النهایة بانه المتوارث حیث قال فی شرح قوله: "واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترك الناس البیع" ذکر المؤذنین بلفظ الجمع اخراجاللکلام مخرج العادة، فان المتوارث فیه اجتماعهم لتبلغ اصواتهم الی اطراف المصر الجامع ففیه دلیل علی انه غیر مکروه، لان المتوارث لایکون مکروها وکذلک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعة حسنة اذ ما رآه المؤمنون حسنافهو حسن اقول: وقد ذکر سیدی عبدالغنی المسالة اخذامن کلام النهایة المذکور، ثم لم قال: ولاخصوصیة للجمعة اذالفروض الخمسة تحتاج للاعلام،

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: صفی اللہ عفر اللہ لہ ولوالدیہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر: ۲۰۴۸

﴿کئی لوگوں کا اجتماعی طور پر اذان دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی اجتماع میں بہت

سارے لوگ مختلف جماعتوں کی شکل میں مثلاً دس دس آدمی ملکر اذان کہتے ہیں۔البتہ سارے ایک ہی ساتھ اذان شروع کرتے ہیں تو کیا شرعاً اس طرح اذان کہنا جائز ہے؟

﴿جواب﴾ کئی لوگوں کا ایک ساتھ اذان دینے میں اعلام مقصود ہوتا ہے اور یہ تبلیغی اجتماع کا انتظام کرنے والے بزرگوں کا رائج کردہ عمل نہیں ہے۔ بلکہ فقہاء کرامؒ نے اس کو متوارث عمل قرار دیا ہے لہذا بلا کراہت جائز ہے۔

لما فی الشامی: (۱/۳۹۰، طبع سعید)

واذا أذن المؤذنون الا ذان الاول ترك الناس البيع ، ذكر المؤذنين بلفظ الجمع اخراجاً للكلام مخرج العادة ، فان المتوارث فيه اجتماعهم لتبلغ اصواتهم الى اطراف المصر الجامع.

ففيه دليل على أنه غير مكروه، لان المتوارث لايكون مكروهاً ، وكذلك نقول في الاذان بين يدى الخطيب فيكون بدعة حسنه اذما رأه المؤمنون حسناً فهو حسن أقول وقد ذكر سيدى عبد الغنى المسالة كذلك اخذاً من كلام النهاية المذكور ثم قال ولا خصوصية للجمعة اذالفروض الخمسة تحتاج للاعلام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ارشد سعید کوہاٹی

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۳۵

﴿منفرداً فرض نماز پڑھنے والے کیلئے اذان واقامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی وقتی نماز گھر میں منفرداً ادا کرے تو کیا اس کو بھی اذان واقامت کہنی چاہیے اور اگر کہنی چاہیے تو اذان بلند آواز کیساتھ کہے یا آہستہ آواز کیساتھ؟ مستفتی: ایک سائل

﴿جواب﴾ ہر فرض وقتی نماز کیلئے اذان واقامت دینا سنت ہے حضر میں ہو یا سفر میں، اکیلے نماز پڑھے یا جماعت کیساتھ اذان واقامت کے بغیر نماز مکروہ ہوتی ہے، اسلئے گھر میں بیوی بچوں کو نماز پڑھائے یا اکیلے خود کوئی مرد اگر فرض وقتی نماز پڑھے تو آذان اور اقامت دونوں دیکر نماز پڑھنی چاہیے، البتہ محلہ میں اذان اگر دی گئی ہے تو اس سے بھی کفایت ہوجائے گی۔

مسجد کی جماعت کیلئے بلند آواز سے اذان دینا اسلئے ضروری ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو نماز کی دعوت

دی جائے۔ اکیلے گھر میں نماز پڑھنے کی صورت میں ہلکی درمیانی آواز سے اذان دینی چاہیے۔

لمافی التنویر مع الدر والرد(۱/۳۸۴،طبع:سعید)

(وهو سنة)للرجال فی مكان عال(مؤكدة)هی كالواجب فی لحوق الاثم (للفرائض)الخمس(فی وقتها ولو قضاء).والظاهر ان اهل كل محلة سمعوا الاذان ولو من محلة أخرى يسقط عنهم لأن لم يسمعواه.(قوله للفرائض الخمس الخ)دخلت الجمعة بحر،وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة......لكن لايكره تركه لمصلی فی بيته فی المصر، لأن اذان الحی يكفيه.

ولمافی التنوير مع الدر(۱/۳۸۸طبع سعید)

(والاقامة كالأذان)فيما مر(لكن هي)أي الاقامة وكذا الامامة(أفضل منه).

ولمافی الهندية(۱/ ۵۴،مكتبة:رشيدية)

ولايكره تركهما لمن يصلی فی المصر اذ وجد فی المحلة ولا فرق بين الواحد والجماعة هكذا فی التبيين .والأفضل أن يصلی بالأذان والاقامة كذا فی التمرتاشي.واذالم يؤذن فی تلك المحلة يكره له تركهما ولو ترك الأذان وحده لايكره كذا فی المحيط.ولو ترك الاقامة يكره كذا فی التمرتاشي ويكره للمسافر تركهما وان كان وحده هكذا فی المبسوط.ولو ترك الاقامة أجزأه ولكنه يكره هكذا فی شرح الطحاوی فان أذن وأقام فهو حسن وكذلك ان اقام ولم يؤذن هكذا فی المبسوط.ولو صلی فی بيته فی قرية ان كان فی القرية مسجد فيه أذان واقامة فحكمه حكم من صلی فی بيته فی المصر وان لم يكن فيها مسجد فحكمه حكم المسافر.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:صدیق انور

۱۵رجب المرجب ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر:۳۳۳۹

﴿اگر گھر میں میاں بیوی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو اذان واقامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ سے متعلق کہ اگر کوئی آدمی کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہ جاسکے اور گھر ہی میں اپنی اہلیہ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھے تو کیا اس صورت میں اقامت عورت کہے گی یا مرد کہے گا؟ وضاحت فرمائیں۔ مستفتی:سجاول خان

﴿جواب﴾ عورت اذان واقامت نہیں کہہ سکتی لہذا کسی مجبوری کی وجہ سے میاں بیوی گھر میں اگر باجماعت نماز پڑھیں تو اذان واقامت یا صرف اقامت مرد ہی کہے اور اگر مسجد کی اذان

واقامت پر ہی اکتفاء کرلیں تو بھی جائز ہے۔

لما فی سنن البیہقی: (۱/۴۰۸)

قال رسول اللہ ﷺ لیس علی النساء اذان واقامة

ولما فی التنویر والدر: (۱/۳۸۳طبع: سعید)

(ھو)لغة الاعلام ،وشرعاً (اعلام مخصوص)لم یقل بدخول الوقت لیعم الفائتہ (علی وجہ مخصوص بالفاظ کذلک)ای مخصوصة (سببه ابتداء اذان جبرئیل (و)سببه(بقاء دخول الوقت ،وھو سنة للرجال فی مکان عال (مؤکدة)......(والاقامة کالاذان)فیما مر

ولما فی خلاصة الفتاوی: (۱/۴۸طبع: رشیدیہ)

ولیس علی النساء اذان ولا اقامة فان صلین بجماعة یصلین بغیر اذان واقامة وان صلین باذان واقامة جاز صلوتھن مع الکراھة وللرجال یکرہ اداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر اذان واقامة ولا یکرہ فی البیوت والکروم والضیاع فان ترکوا الاذان والاقامة جاز وان اذنوا کان اولیٰ۔

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: ضیاء الحق اٹکی

۲۴ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ — فتویٰ نمبر: ۳۲۶۵

﴿اذان مغرب اور نماز مغرب کے درمیان وقفہ کرنا جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان مغرب اور نماز مغرب کے درمیان وقفہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستفتی: آغا جان؛ قلعہ عبداللہ

﴿جواب﴾ اذان اور اقامت میں کچھ وقفہ ہر نماز میں ہونا چاہئے ،لیکن مغرب میں وقت تنگ ہونے کیوجہ سے تھوڑا سا وقفہ دینا چاہئے یعنی دو منٹ۔

البتہ رمضان المبارک میں افطاری کیلئے اس سے کچھ زیادہ وقفہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، عام دنوں میں زیادہ وقفہ کرنا مکروہ ہے۔

لمافی جامع الترمذی: (۱/۲۷طبع:فاروقی کتب خانہ)

عن جابرؓ أن رسول اللہ ﷺقال لبلالؓ:اجعل بین أذانک واقامتک قدر مایفرغ الآکل من أکله والشارب من شربه ،والمعتصراذادخل لقضاء حاجته ولاتقوموا حتی ترونی۔

ولما فی الشامی:(۱/۳۹۰،طبع:ایچ ایم سعید)

(قوله فیسکت قائما)هذا عنده، وعندهما یفصل بجلسة کجلسة الخطیب والخلاف فی الأفضلیة.

ولما فی الفقه الاسلامی وأدلته:(۱/۷۰۷،طبع:رشیدیه)

وفی الغرب بقدر قراءة ثلاث آیات قصار .

ولما فی الهندیة:(۱/۵۷،طبع:رشیدیه)

واما اذاکان فی المغرب فالمستحب أن یفصل بینها بسکتة یسکت قائما مقدار مایتمکن من قراءة ثلاث آیات قصار هکذافی النهایة

ولما فی القول الراجح:(۱/۶۵)

قال العلامة الحصکفیؒ الافی المغرب فیسکت قائما قدرثلاث آیات قصار ویکره الوصل اجماعا

ولما فی معارف السنن:(۲/۱۹۶ طبع:سعید)

وأما فی المغرب فلا یسن الجلوس بل السکوت مقدار ثلاث آیات قصار ،أو آیة طویلة،أو مقدار ثلاث خطوات عند ابی حنیفةؒ وقال أبویوسفؒ ومحمدؒ یفصل بجلسة خفیفة قدر جلوس الخطیب بین الخطبتین ....والاختلاف فی الا فضیلة لا غیر ویکره الوصل اجماعا.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:عزیز اللہ آغا عفی عنہ

۴محرم الحرام ۱۴۳۳ھ　　　　فتویٰ نمبر:۳۱۲۷

﴿نومولود کے کان میں اذان دینا سنت ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نومولود بچے کے کان میں اذان دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور اسکا کیا فائدہ ہے؟　　　　مستفتی:محمد عدنان

﴿جواب﴾ بچے کے کان میں اذان دینے کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کھڑے ہوکر بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر اس کے دائیں کان میں اذان دی جائے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے اذان واقامت دونوں میں حی الصلوٰۃ پر دائیں طرف اور حی الفلاح پر بائیں جانب گردن پھیریں، بچے کے کان میں اذان دینا سنت ہے اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ام الصبیان بچوں کی ایک بیماری ہے،اس سے حفاظت ہوتی ہے۔

لمافی الشامی:(۱/۳۸۵،سعید)

(قوله لایسن بغیرها)أی من الصلوات والافیندب للمولود.

ولمافی تقریرات الرافعی:(۱/۴۵،طبع سعید)

(قوله حتی قالوافی الذی یؤذن للمولودینبغی ان یحول) قال السندی فیرفع المولود عندالولادة علی یدیه مستقبل القبلة ویؤذن فی اذن الیمنی ویقیم فی الیسری ویلتفت فیهمابالصلوة لجهة الیمین وبالفلاح لجهة الیسار وفائدة الاذان فی اذنه أنه یدفع ام الصبیان عنه.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد سجاد کشمیری

۱۷ربیع الاول ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۴۵

﴿نومولود کے کان میں جواذان دی جاتی ہے اسکا جواب دینا بھی باعث ثواب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نومولود کے کان میں جواذان دی جاتی ہے اسکا جواب دینا بھی مسنون ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾ جس طرح نماز والی اذان کا جواب زبان سے دینا مستحب اور باعث اجروثواب ہے اسی طرح نومولود کے کان میں جواذان دی جاتی ہے اس کا جواب دینے میں بھی اجروثواب ہے۔

لمافی الشامی (۱/۳۹۷،طبع سعید)

بقی هل یجیب اذان غیرالصلوة کالاذان للمولود؟لم اره لأئمتنا،والظاهر نعم، ولذایلتفت فی حیعلته کمامر، وهوظاهرالحدیث، الاان یقال:ان أل فیه للعهد.

الجوب صحیح:مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :دوست محمد دیروی

۱۰ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:۲۰۳۶

﴿اذان کے بعدنماز پڑھے بغیر مسجد سے بلاعذر نکلنا مکروہ ہے﴾

﴿سوال﴾ کیااذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر نکلنا جائز ہے؟بینواتوجروا۔

﴿جواب﴾ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد بغیر نماز پڑھے بلاعذر مسجد سے نکلنے کو علماء کرام نے مکروہ تحریمی لکھا ہے چاہے اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو،البتہ چندصورتوں میں نکلنے کی

اجازت ہے: (۱) آدمی کسی دوسری مسجد کا منتظم ہو جیسے امام ہو یا مؤذن ہو۔

(۲) کسی دوسری مسجد میں ہے اور نماز کا وقت داخل ہو گیا اب اپنے محلے میں جانا چاہتا ہے تو اجازت ہے البتہ اس صورت میں بھی علماء نے لکھا ہے کہ اسکا نہ جانا زیادہ افضل ہے۔

(۳) کسی دوسری مسجد میں اسکا استاد ہے جو اسے سبق پڑھاتا ہے اگر یہ نہیں جائے گا تو اسکا سبق یا سبق کا کچھ حصہ فوت ہونے کا خطرہ ہو۔

(۴) کسی حاجت کیلئے باہر جا رہا ہے اور واپس نماز کیلئے آنے کا پختہ ارادہ ہے۔

(۵) اگر ظہر یا عشاء کی نماز جماعت سے پہلے پڑھ لی تو اقامت شروع ہونے سے پہلے نکل سکتا ہے اقامت شروع ہونے کے بعد نکلنا مکروہ ہے نفل کی نیت سے اقتداء کرے اور اگر فجر عصر یا مغرب کی نماز جماعت سے پہلے پڑھ لی تو اقامت شروع ہونے کے بعد بھی نکل سکتا ہے کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب میں تین رکعت نفل مشروع نہیں ہیں۔

لمافی التنویر مع الدر: (۲/۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹، طبع امدادیہ)

(وكره) تحريما للنهي (خروج من لم يصل من مسجد أذن فيه) جرى على الغالب، والمراد دخول الوقت أذن فيه أولا (الا لمن ينتظم به أمر جماعة أخرى) أو كان الخروج لمسجد حيه ولم يصلوا فيه، أو لاستاذه لدرسه، او لسماع الوعظ، او لحاجة، ومن عزمه ان يعود نهر (و) الا (لمن صلى الظهر والعشاء) وحده (مرة) فلا يكره خروجه بل تركه. (الا عند) الشروع في (الاقامة) للمخالفة الجماعة بلا عذر، بل يقتدي متنفلا لما امر (و) الا (لمن صلى الفجر والعصر والمغرب مرة) فيخرج مطلقا (وان اقيمت) لكراهة النفل بعد الاولين وفي المغرب احد المحظورين البتيراء او مخالفة الامام بالاتمام وفي النهر: ينبغي ان يجب خروجه، لان كراهة مكثه بلا صلاة أشد، قلت: أفاد القهستاني أن كراهة التنفل بالثلاث تنزيهية، وفي المضمرات: لو اقتدى فيه لأساء.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم: شاہد اسحاق عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

فتویٰ نمبر: ۳۵۰

﴿زلزلہ وغیرہ کے وقت اذان دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء عظام کہ ہمارے علاقے میں دستور ہے جب کوئی زلزلہ آتا

ہے تو بعض لوگ کانوں میں انگلی ٹھونس کر اذان دینا شروع کر دیتے ہیں یا جب کوئی تیز آندھی آتی ہے، تب بھی یہی صورت اختیار کرتے ہیں، کیا پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ کسی اور موقع پر بھی اذان دینا مشروع ہے؟ کیا یہ ثواب کا کام ہے یا یہ کہ کسی اور غرض کے لئے کیا جاتا ہے؟ مستفتی: عبید

﴿جواب﴾ نماز کے علاوہ بھی چند مواقع ایسے ہیں جن میں اذان دینا منقول چلا آ رہا ہے جیسے کسی غم یا مصیبت وغیرہ کے پیش آنے کے وقت اذان دینا لشکر کے مقابلے کے وقت یا کسی پر مرگی کا حملہ ہو جائے یا کسی کی بدخلقی ظاہر ہو جائے (وغیرہ) تو اذان دینا، اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ (زلزلے وغیرہ کے وقت) اذان دینا بھی کم از کم جائز ضرور ہے، اس کا مقصد عموماً غم اور پریشانی وغیرہ کو دور کرنا ہوتا ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۲/۵۰،طبع امدادیه)

قوله :(لایسن لغیرها)ای من الصلوات والافیندب للمولودوفی حاشیه البحرللخیر الرملی رأیت فی کتب الشافعیه انه قدیسن الأذان لغیرالصلوٰة،کمافی أذن المولود، والمهموم،والمصروع،والغضبان،ومن ساء خلقه من انسان أوبهیمة،وعندمزدحم الجیش،وعندالحریق..... وعندتغول الغیلان..... اقول ولابعدفیه عندنا......لمن ضل الطریق فی أرض قفر:أی خالیة من الناس وقال المنلاعلی فی شرح المشکوٰة: قالوا:یسن للمهموم أن یأمرغیره أن یؤذن فی أذنه فانه یزیل الهم،کذاعن علی رضی الله عنه،ونقل الاحادیث الواردة فی ذلک فراجعه اه.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم: محمد شریف، حسین عفا اللہ عنہ

۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ فتویٰ نمبر: ۵۵۱

﴿اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دار الافتاء کے طلباً کا دوران اذان یا بعد اذان مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے یا ناجائز؟ مستفتی: عبدالستار

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ جو طلباً دوران اذان مسجد میں ہوں یا اذان ہونے کے بعد مسجد میں ہوں ان کیلئے نماز ادا کرنے سے پہلے بلا ضرورت شدیدہ مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے جا رہے ہوں تو گنجائش ہے لیکن اس میں بھی افضل یہ ہے کہ تہمت سے

بچنے کیلئے مسجد سے نہ نکلیں اسی مسجد میں نماز ادا کریں۔

لمافی صحیح البخاری:(۸۹/۱،طبع قدیمی)

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خرج وقداقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف حتی اذاقام فی مصلاہ انتظرناان یکبرانصرف قال علی مکانکم فمکثنا علی ھیأتناحتی خرج الینایںطف رأسه ماء وقداغتسل.

ولمافی جامع الترمذی:(۲۸/۱،طبع فاروقی ملتان)

عن ابی شعثاقال خرج من المسجدبعدمااذن فیه بالعصرفقال ابو ھریرۃؓ اماھذافقد عصی اباالقاسم صلی اللّٰه علیه وسلم.

لما فی التنویرمع الدروالرد:(۵۰۸/۲،طبع امدادیه)

(وکرہ)تحریما للنهی (خروج من لم یصل من مسجداذن فیه الالمن ینتظم به امر جماعة اخری)اوکان الخروج لمسجدحیه.(اوکان الخروج لمسجدحیه)ای وان لم یکن اماماولامؤذناکمافی النهایة..... قلت لکن تتمه عبارۃالنهایةھکذاالان الواجب علیه ان یصلی فی مسجدحیه.ولوصلی فی ھذا المسجدفلاباس ایضاالانه صارمن اھله والافضل ان لایخرج لانه یتهم اھ.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب :محمد ضیاء الدین

۱۴۲۸ھ فتویٰ نمبر:

﴿اذان میں کچھ کلمات رہ جانے یا تقدیم وتاخیر کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوران اذان اگر کچھ کلمات رہ جائیں یا موذن کلمات سہواً آگے پیچھے پڑھ لے تو کیا اذان کا اعادہ ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر اسی وقت یاد آجائے تو کلمات متروکہ پڑھ کر اذان پوری کرے، اسی طرح اگر کلمات میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو بھی انہی کلمات کو اپنی اپنی جگہ پر پڑھے اور اذان ختم کرے مذکورہ بالاصورت میں ازسرنو اذان کا کہنا ضروری نہیں اور اگر اذان دینے کے بعد یاد آگیا تو پھر ازسرنو اذان کہے۔

لمافی بدائع الصنائع :(۱۴۹/۱،طبع سعید)

(ومنها)ان یرتب بین کلمات الاذان والاقامة حتی لوقدم البعض علی البعض ترک

المقدم ثم یرتب ویؤلف ویعید المقدم لانه لم یصادف محله فلغا.

ولمافی العالمگیریة:(۱/۵۶،طبع رشیدیه)

ویرتب بین کلمات الاذان والاقامة کماشرع،کذافی المحیط السرخسی .واذاقدم فی اذانه اوفی اقامته بعض الکلمات علی بعض نحوان یقول اشهدان محمدارسول الله قبل قوله اشهدان لااله الاالله فان الافضل فی هذاان ماسبق علی اوانه لایعتدبه حتی یعیده فی اوانه وموضعه وان مضی علی ذلک جازت صلاته کذافی المحیط.

ولمافی الشامی:(۱/۳۸۹باب الاذان،طبع سعید)

ولوقدم فیمامؤخرااعادماقدم فقط)کمالوقدم الفلاح علی الصلاة یعیده فقط ای ولایستانف الاذان من اوله.

ولمافی الشامی:(۱/۳۸۷،طبع سعید)

ویترسل فیه)بسکتةبین کلمتین،ویکره ترکه وتندب اعادته.

دوکلموں کے درمیان سکتہ چھوڑنے پر جب اعادہ مستحب ہے جوایک صفت ہے تو اصل اذان یعنی کلمات کے چھوٹ جانے یا تقدیم وتاخیر کی صورت میں بطریق اولی اعادہ مستحب ہونا چاہیئے، واضح رہے کہ صریح کوئی جزئیہ نہیں مل سکا۔

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　　واللہ اعلم بالصواب:سعیداحمد

۲۹ربیع الاول ۱۴۲۸ھ　　　　فتوی نمبر:۷۱۳

﴿اذان میں چند کلمات رہ جائیں﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جمعہ کی دوسری اذان میں مؤذن سے کچھ کلمات رہ جائیں اور خطیب منبر پر تشریف فرما ہو،کیا اس صورت میں مؤذن پر اذان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟　　　　ایک سائل

﴿جواب﴾ اذان کی کلمات میں سے کچھ کلمے رہ جائیں تو اعادہ ضروری ہے اور یہ حکم ہر مسنون اذان کیلئے ہے۔خطبہ جمعہ کیلئے اذان کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے،ایسا کوئی جزئیہ ہماری نظروں سے نہیں گذرا ہے۔

لمافی الشامی:۱/۳۹۲(طبع ایچ ایم سعید)

(یعاد اذان جنب)ندباوقیل وجوبا لاالاقامته لمشروعیةتکرراه فی الجمعة دون

تكرارها(وكذا)يعاد(أذان مرأة ومجنون ومعتوه وسكران و صبى لايعقل)وزاد فى القهستانى :والفاجر والراكب والقاعد والماشى والمنحرف عن القبلة ،وعلل الوجوب فى الكل بأنه غير معتد به ،والندب بانه معتد به الاانه ناقص قال وهو الاصح كما فى التمرتاشى.

لما فى بدائع الصنائع :۱۹۷/۲(طبع دارالكتب العلميه بيروت)

وذكر فى اذان الجنب انه يعاد والفرق أن الاذان تحلى بحلية الصلوة وهى استقبال القبلة،بخلاف الخطبة ،وكان الخلل المتمكن فى الاذان اشد ،وكثير النقص مستحق الرفع دون قليله.

لما فى الفقه الاسلامى وادلة:۷۰۱/۱(طبع رشيديه كوئٹه)

يبطل الاذان والاقامة بردة وسكر واغماء، ونوم طويل وجنون وترك كلمة منهما.

الجواب صحیح :مفتی عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب :عزیز احمد خضداری غفرلہ ولوالدیہ

۱۷صفرالخیر۱۴۳۵ھ — فتویٰ نمبر:۳۹۱۳

﴿فتویٰ لکھنے اور مطالعہ دینی کتب کے دوران اذان کے جواب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ لکھنے اور دینی کتب کا مطالعہ کرنے کے وقت اگر اذان شروع ہو جائے تو کیا اس دوران مطالعہ کرنے والے کو اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔ مستفتی:محمد معاذ مارکیٹ سواتی

﴿جواب﴾ زبان سے اذان کا جواب دینا فرض اور واجب اگر چہ نہیں ہے لیکن مستحب ضرور ہے اور اس کی فضیلت اس قدر ہے کہ فقہاء کرام نے تلاوتِ قرآن کو بھی اذان کے لئے روکنے کا فرمایا ہے،لہذا مطالعہ اور فتویٰ لکھنا ایسے موقع پر مؤخر کر کے اذان کا جواب اہتمام سے دینا چاہیئے۔

لما فى التنوير مع الدر:(۳۹۶/۱،كتاب الصلاة،طبع سعيد)

(ويجيب)وجوباً،وقال الحلوانى:ندباً،والواجب ألاجابة بالقدم(من سمع الأذان)ولوجنباً.

وفى الشامية:(قوله وقال الحلوانى:ندباًالخ)اى قال الحلوانى:أن الاجابة باللسان مندوبة والواجبة هى الاجابة بالقدم.

لما فى الهندية:(۵۷/۱،كتاب الصلاة،طبع رشيديه)

ويجب على السامعين عند الأذان ألاجابة وهى أن يقول مثل ما قال المؤذن......ولاينبغى أن يتكلم السامع فى خلال الأذان والاقامة ولايشتغل بقرآء

ة القرآن ولايشتغل من الأعمال سوى الاجابة ولو كان في القرآءة ينبغي أن يقطع ويشتغل بالاستماع والاجابة. كذافي البدائع.

ولمافي البدائع:(۱/۱۵۵، كتاب الصلاة، طبع سعيد)

وأمابيان مايجب على السامعين عندالأذان فالواجب عليهم ألاجابة لماروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:أربع من الجفاء:من بال قائماً ومن مسح جبهته قبل الفراغ من الصلاة ومن سمع الأذان ولم يجب ومن سمع ذكرى ولم يجب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:صادق محمد سواتی غفرلہ ولوالدیہ

۲۴صفر الخیر ۱۴۳۲ھ فتویٰ نمبر:۲۹۱۲

﴿اقامت اور نماز کے درمیان فصل کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے کے امام صاحب کسی ایمرجنسی کام سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ''میں ابھی ابھی آرہا ہوں'' پھر تقریباً بیس (۲۰) منٹ کی تاخیر سے آکر سابقہ اقامت پر اکتفاء کر کے نماز پڑھائی، پوچھنا یہ ہے کہ کیا اتنی تاخیر کے باوجود سابقہ اقامت پر اکتفاء کرنا درست ہے؟ اگر نہیں تو بغیر اعادۂ اقامت کے پڑھی ہوئی نماز کا کیا حکم ہے؟ مستفتی:عبدالرحیم ملیر کراچی

﴿جواب﴾ اگر واقعی امام صاحب نے اقامت کے بعد اتنی تاخیر کے باوجود سابقہ اقامت پر اکتفاء کرتے ہوئے نماز پڑھائی ہو تو ان کا یہ عمل طویل فصل ہے، اس کے بعد اقامت کا اعادہ کرنا چاہیے تھا، البتہ پڑھی ہوئی نماز ادا ہوگئی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں اور آئندہ کے لئے خیال رکھے۔

لمافي الدرالمختار مع الرد المحتار:(۱/۴۰۰،طبع سعيد)

(فروع)صلى السنة بعدالاقامة أوحضر الامام بعدها لايعيدها(بزازيه)،وينبغي ان طال الفصل أووجد مايعد قاطعاً كأكل ان تعاد۔۔۔۔اقول:قال في آخر شرح المنيه:أقام المؤذن ولم يصل الامام ركعتي الفجر يصليهما ولاتعادالاقامة لأن تكرارهاغيرمشروع اذالم يقطعهامن كلام كثير اوعمل كثير ممايقطع المجلس في سجدة التلاوة.

ولمافي البحرالرائق:(۱/۲۶۳،طبع سعيد)

اذاأقام في الوقت ولم يصل على فوره هل تبطل اقامته لم أره في كلام أئمتنا،وينبغي

انه ان طال الفصل تبطل والا فلا،ثم رأيت بعدذلك فى القنية:حضر الامام بعداقامة المؤذن بساعةأو صلىٰ سنةالفجر بعدها لايجب عليه اعادتها اه.

ولما فى النهر الفائق:(۱/۱۸۷-۱۷۹،طبع قديمى)

ويعادالاذان فيه لعدم الاعتدادبالاول وكذاالاقامة..... اوصلى سنةالفجر بعدها لايعيد، الاأنه ينبغى الاعادةفيهااذاطال الفصل اووجدبينهمامايعدقاطعاكأكل ونحوه.

وفى المحيط البرهانى:(۲/۹۹-۱۰۱،طبع ادارة القرآن)وفى البدائع:(۱/۱۴۷،سعيد)

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: تاج الدین چترالی

یکم صفر الخیر ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۳۰۳۸

﴿وقت سے پہلے دی جانے والی اذان کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وقت سے پہلے دی جانے والی اذان واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ اگر اذان کا اعادہ کیے بغیر نماز پڑھ لی تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ واضح رہے کہ اذان کا وقت نماز کے وقت کے داخل ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور قبل از وقت دی جانے والی اذان واجب الاعادہ ہے، لہٰذا ایسی صورت میں وقت کے اندر اگر دوبارہ اذان نہ دی جائے تو پڑھی گئی نماز مکروہ ہے۔

لمافى مجموعة الفتاوىٰ:(۱/۲۸،طبع رشيديه)

فان اذن قبل الوقت يكره ويعادفى الوقت.

ولمافى الولوالجية:(۱/۷۲،طبع فاروقية بشاور)

ولايؤذن لصلاةقبل الوقت لانه لاستحضار القوم فيختص بالوقت.

ولمافى مجموعة الفتاوىٰ(۱/۲۸،طبع رشيديه)

وللرجال يكره أداء المكتوبةبالجماعةفى المسجدبغيراذان واقامة.

ولمافى الولوالجية:(۱/۷۲،طبع فاروقيه پشاور)

عن أبى حنيفةفى قوم صلوافى منزل أومسجدبغيراذان واقامةانهم اساؤابخلاف الواحد.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:محمد امیر ملک

۲۳محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — فتویٰ نمبر:۲۹۰۸

﴿اذان کا جواب بالفعل واجب ہے یا بالقول؟﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب؟ اور جمعہ کے دن اذانِ ثانی کا جواب دینا چاہیے یا نہیں؟ نیز عورتوں پر بھی اذان کا جواب دینا لازمی ہے جس طرح مردوں پر لازمی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

﴿جواب﴾ اذان کا جواب زبان سے دینا مستحب ہے اور بالفعل واجب ہے یعنی اذان کی آواز سن کر نماز کیلئے جانا واجب ہے۔ جمعہ کی اذان کا جواب زبان سے نہیں بلکہ صرف دل ہی دل میں دینا چاہیے، نیز زبانی جواب دینا جس طرح مردوں کیلئے باعث اجر وثواب ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی اذان کا جواب باعثِ اجر وثواب ہے۔

لمافی الشامی:(۳۹۶/۱،طبع سعید)

(یجیب)وجوبا،وقال الحلوانی ندبا،والواجب الاجابۃبالقدم،قال الحلوانی ندباأی قال الحلوانی ان الاجابۃباللسان مندوبۃ،والواجبۃھی الاجابۃبالقدم قال فی النھرقولہ بوجوب الاجابۃبالقدم مشکل،لانہ یلزم علیہ وجوب الأداء فی اول الوقت وفی المسجد اذلامعنی لایجاب الذھاب دون الصلوۃومافی شھادات المجتبی سمع الاذان وانتظر الاقامۃفی بیتہ لاتقبل شھادتہ مخرج علی قولہ کمالایخفی وقدسئلت شیخنا ألأخ عن ھذافلم یبدجوابا.

أقول وباللہ التوفیق:ماقالہ الامام الحلوانی مبنی علی ماکان فی زمن السلف من صلۃالجماعۃمرۃواحدۃوعدم تکرارھاکماھوفی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وزمن الخلفاء بعدہ،وقدعلمت ان تکرارھامکروہ فی ظاھرالروایۃ.....وسیأتی أن الراجح عن اھل المذھب وجوب الجماعۃویأثم بتفویتھااتفاقاوحینئذیجب السعی بالقدم لالأجل أداء فی اول الوقت أوفی المسجدبل لأجل اقامۃالجماعۃوالالزم فوتھااصلاأوتکرارھا فی مسجدان وحدجماعۃاخری وکل منھمامکروہ فلذاقال بوجوب الاجابۃبالقدم.

ولمافی الترغیب والترھیب:(۲۵۵/۱،طبع حقانیہ)

وروی عن میمونۃرضی اللہ عنھاأن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام بین صف الرجال والنساء فقال یامعشرالنساء اذاسمعتم أذان ھذاالحبشی واقامتہ فقلن کما یقول فان بکل حرف ألف ألف درجۃ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب:محمد عمران

۲۷صفرالخیر۱۴۳۲ھ   فتویٰ نمبر:۳۰۲۰

﴿جماعت ثانیہ کیلئے اقامت کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مرتبہ ہم سے جماعت نکل جاتی ہے تو ہم چند آدمی اکھٹے ہوکر جماعت ثانیہ کراتے ہیں تو جماعت ثانی کیلئے ہمیں اقامت کہنی ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾ محلہ کی مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں، ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ علی الاطلاق مکروہ ہے یعنی اذان واقامت کے بغیر ادا کی جائے تب بھی مکروہ ہے، راستے یا اڈے وغیرہ کی مسجد ہو تو جماعت ثانی اذان واقامت کیساتھ بھی مکروہ نہیں ہے، لہٰذا محلہ کی مسجد میں اگر کوئی جماعت ثانی ادا کرتا ہے تو اذان واقامت نہ کہے، امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق محراب سے ہٹ کر ادا کرے، محراب سے ہٹ کر مسجد کے کسی دوسری حصے میں جماعت ثانی ادا کرنا ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، تاہم مفتی بہ قول پہلا ہے۔

لمافی البحر الرائق:(۲۲۵/۱،طبع سعید)

ومنها حكم تكرارها في مسجد واحد ففي المجمع ولانكررها في مسجد محله باذان ثان، وفي المجتبى ويكره تكرارها في مسجد باذان واقامة..... وفي امالي قاضيخان مسجد ليس له امام ولا موذن يصلي الناس فيه فوجا فوجا فالافضل ان يصلي كل فريق باذان واقامة على حدة.

ولما في الدر مع الرد:(۳۹۵/۱طبع سعید)

(بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة الا في مسجد طريق)(قوله الا في مسجد على طريق) هو ماليس له امام وموذن راتب فلا يكره التكرار فيه باذان واقامة بل هو الافضل خانية.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: سعید احمد

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ — فتویٰ نمبر: ۷۷۴

﴿اذان کے کلمات میں وقفہ کی مقدار﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان دیتے وقت کلمات

اذان میں کتنا وقفہ کرنا چاہیئے؟ مستفتی: محمد عادل ڈیفنس فیز ۲

﴿جواب﴾ اذان کے کلمات کے درمیان اتنا وقفہ دینا مستحب ہے کہ سننے والا ان کلمات کا بآسانی جواب دے سکے۔

لمافی السعایة: (۱۲/۲، طبع سہیل اکیڈمی)

ويترسل فيه اى فى الأذان بان يفصل بين كل من الكلمتين ولا يجمع بينهما فانه سنة.

ولمافی مراقی الفلاح: (ص۱۵۸، طبع قدیمی)

يترسل فى الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين..... اى جملتين الا فى التكبير الاول فان السكتة تكون بعد تكبيرتين.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ   واللہ اعلم بالصواب: محمد حسن غفرلہ

۳ شعبان ۱۴۲۹ھ   فتویٰ نمبر: ۱۷۶۵

﴿تثویب کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جماعت کھڑی ہونے سے تھوڑی دیر پہلے ہمارے امام صاحب سڑک پر کھڑے لوگوں کو نماز کیلئے بلاتے ہیں شرعاً اسکا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ امام صاحب کے اس عمل کو تثویب کہا جاتا ہے شرعاً یہ عمل درست ہے لیکن عادت بنانا صحیح نہیں ہے، اس سے اذان کی اہمیت متاثر ہو جاتی ہے لوگ اذان کے علاوہ دوبارہ بلانے کے انتظار میں رہتے ہیں یعنی اس کی عادت پڑ جاتی ہے کبھی کبھار تثویب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لمافی الدر مع الرد: (۵۶/۲، طبع امدادیہ)

(ويثوب) بين الاذان والاقامة فى الكل للكل بما تعارفوه..... (الا فى المغرب) قوله (ويثوب) التثويب العود الى الاعلام بعد الاعلام، درر، وقيد بتثويب المؤذن لما فى القنية عن الملتقط لا ينبغى لأحد ان يقول لمن فوقه فى العلم والجاه حان وقت الصلوة سوى المؤذن لانه استفضال لنفسه..... (فى الكل) لظهور التوانى فى الامور الدينية قال فى العناية أحدث المتأخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب..... (بما تعارفوه) كتنحنح أو قامت قامت أو الصلاة الصلاة..... (الا فى

المغرب)......لان التثويب لاعلام الجماعة وهم في المغرب حاضرون.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب: عزیز الرحمٰن چارسدوی

۲۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر: ۱۶۲۰

﴿قریب البلوغ لڑکے کی دی ہوئی اذان سے سنت پوری ہو جائیگی﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کیلئے بلوغت شرط ہے یا نہیں؟ اگر قریب البلوغ لڑکا اذان دے تو اسکی اذان درست ہے یا اعادہ ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ فرض نمازوں کیلئے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے چونکہ بڑی اہم عبادت ہے اسلئے بہتر ہے کہ مؤذن عاقل، بالغ صالح مخلص اور اوقات نماز سے باخبر ہو، بالغ ہونا اگرچہ اذان کیلئے شرط نہیں ہے تاہم اولی اور غیر اولی کا فرق ضرور ہے لہذا نابالغ لڑکا اگر اذان دیدے تو اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، بشرطیکہ سمجھدار ہو اور اوقات کا فرق جانتا ہو۔

لمافي التنوير مع الدر: ۳۸۴/۱ (طبع سعيد)

وهو (اى الاذان) سنة للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الاثم (للفرائض) الخمس (في وقتها ولو قضاء) لانه سنة للصلاة حتى يبرد به.

ولمافي البحر: ج ۱/ ۲۶۳ (طبع سعيد)

واما العقل فينبغي ان يكون شرط صحة فلا يصح اذان الصبي الذي لا يعقل والمجنون والمعتوه اصلا، اما الصبي الذي يعقل فاذانه صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية الاان اذان البالغ افضل.

ولمافي الشامي: ج ۱/ ۳۹۱ (طبع سعيد)

(ويجوز) بلا كراهة (اذان صبي مراهق وعبد) قوله بلا كراهة اى تحريمية لان التنزيهية ثابتة ......قوله صبي مراهق المراد به العاقل وان لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره.

ولمافي الهندية: ج ۱/ ۵۴ (طبع رشيدية)

اذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية لكن اذان البالغ افضل، واذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز ويعاد وكذا المجنون.

الجواب صحیح: مفتی عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: عاقل شاہ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ فتویٰ نمبر: ۴۰۴۲

﴿حالت جنابت میں اذان دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی آدمی حالت جنابت میں اذان دے تو اس سے علاقہ میں چوہے پیدا ہوتے ہیں ان لوگوں کا کہنا کہاں تک درست ہے؟

مستفتی: اسحاق احمد سوات

﴿جواب﴾ اذان دینا شعائر اسلام اور سنن ہدیٰ میں سے ہے۔ باوضوء اذان دینا مستحب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا یوذن الا متوضی" یعنی باوضوء شخص ہی اذان دے۔ حالت جنابت میں اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی آدمی نے حالت جنابت میں اذان دی تو اس کا اعادہ ضروری ہے۔ باقی لوگوں کا یہ کہنا کہ حالت جنابت میں اذان دینے سے چوہے پیدا ہوتے ہیں یہ ایک غلط بات مشہور ہو گئی ہے۔ البتہ ہر عمل کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک بار قراءت میں بھول گئے تو نماز کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ تم وضوء صحیح طریقہ سے نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے میں قراءت میں بھول جاتا ہوں

لما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۶۹'طبع قدیمی)(و أنه (الاذان) من شعائر الاسلام

ولما فی التنویر مع الرد:(۱/۳۹۲'طبع سعید)

ویکره أذان جنب واقامته واقامة محدث لا أذانه وفی الشامی: وصرح فی الخانیة بأنه تجب الطهارة فیه عن أغلظ الحدثین'وظاهر أن الكراهة تحریمیة.

ولما فی خلاصة الفتاوی :(۱/۴۹'طبع رشیدیه)

وفی الجامع الصغیر للصدر الشهید فی أذان الجنب روایتان والأشبه أن یعاد أذان الجنب'

ولما فی فتاوی قاضی خان:(۱/۷۵'طبع قدیمی)

ویكره الأذان مع الجنابة.........خمسة یكره اذانهم اذاأذنوا یعاد. الصبی الذی لایعقل والمرأة والمجنون والسكران والجنب'

ولمافی سنن النسائی(۱/۱۵۱،قدیمی)

اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن حدثنا سفیان عن عبد الملک بن عمیر عن شبیب ابی روح عن رجل من اصحاب النبی ﷺ انه صلی صلوة الصبح فقرأ الروم فالتبس علیه فلما

صلی قال مابال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطهور فانما یلبس علینا القرآن اولئلک۔

الجواب صحیح: مفتی عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عمران الحق سواتی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ — فتوی نمبر: ۳۹۷۳

﴿ناپاکی کی حالت میں اذان دینا درست نہیں ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ناپاکی کی حالت میں اذان دینا درست ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد ناصر کراچی

﴿جواب﴾ ناپاکی کی حالت میں اذان نہیں دینی چاہیئے اگر کسی نے ناپاکی کی حالت میں اذان دے دی تو اس اذان کا اعادہ کیا جائے گا۔

لما فی حلبی کبیر: (ص۳۷۵ طبع سہیل اکیڈمی)

ویکره ان یؤذن جنبا فی روایة واحدة ومحدثا لا یکره فی احد الروایتین ووجه الفرق علیٰ احدهما ان للاذان شبه بالصلاة من حیث تعلق اجزاء هما بالوقت فیشرط الطهارة عن اغلظ الحدثین دون اخفهما عملا بالشبهین وفی الجامع الصغیر اذا اذن علیٰ غیر وضوء واقام لا یعید والجنب احب الیّ ان یعید وان لم یعد اجزاه اما الاول فلخفة الحدث واما الثانی فلغلظ وقال فی الهدایة فی الاعادة بسبب الجنابة روایتان والاشبه ان یعاد الاذان لا الاقامة لان تکراره مشروع کما فی یوم الجمعة دون تکرارها وقوله اذا لم یعد اجزاه بمعنی الصلاة لانها جائزة بدون الاذان والاقامة وتکره الاقامة بلا وضوء للزوم الفصل بینها وبین الصلاة وفی روایة لا تکره والاول اشهر.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد وارث خان سواتی

۳ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ — فتوی نمبر: ۱۷۶۹

﴿خطبہ کی اذان کا جواب دینا﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا چاہیئے یا خاموش رہنا چاہیئے اور اگر جواب دینا مناسب ہے تو زبان سے دیا جائے یا دل میں جواب دیا جائے؟

مستفتی محمد حسن سواتی

﴿جواب﴾ خطبہ کی اذان کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہیئے اگر دینا ہو تو صرف دل میں دیا کریں۔

لمافی الدر المختار:(۲/۷۰،طبع امدادیہ)

قال:وينبغي أن لايجيب بلسانه اتفاقافي الأذان بين يدی الخطيب.

ولمافی النهر:(۱/۱۷۶،طبع قديمی)

أقول:ينبغي ان لاتجب باللسان اتفاقاوعلیٰ قول الامام فی الاذان بين يدی الخطيب.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۳۷۶

﴿خطبہ کی اذان کہاں دی جائے؟﴾

﴿سوال﴾ کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینی چاہیئے یامسجد سے باہر؟ایک مولاناصاحب کودیکھاہے کہ وہ خطبہ کی اذان کیلئے مؤذن کومسجد سے باہربھیجتے ہیں،کیاخطبہ کی اذان مسجد کے اندردرست نہیں ہے؟

﴿جواب﴾ فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتاہے کہ خطبہ کی اذان منبر کے سامنے مسجد کے اندرہی دی جائے،اسی پرامت کاعمل بھی چلاآرہاہے،لہٰذاخطبہ کی اذان مسجد کے اندر بلاکراہت جائزہے،منبر کے سامنے ہی دی جائے،جومولاناصاحب خطبہ کی اذان کیلئے مؤذن کو مسجد سے باہربھیجتے ہیں اسکی وجہ ان سے معلوم کریں۔

لمافی الهداية:(۱/۱۸۱،طبع رحمانيه)

واذاصعدالامام المنبرواذن المؤذنون بين يدی المنبربذالک جری التوارث.

ولمافی الدرالمختار:(۲/۷۰،طبع امداديه)

(ويؤذن)ثانيا(بين يديه)أی الخطيب.

ولمافی المراقی:(ص۲۸۲،طبع قديمی)

(و)يجب بمعنیٰ يفترض(ترک البيع)......(بالاذان الاول)الواقع بعدالزوال(فی الاصح) لحصول الاعلام به لانه لوانتظرالأذان الثانی الذی عندالمنبرتفوته السنة وربمالايدرک الجمعة لبعدمحله وهواختيارشمس الأئمة.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب:خلیل اللہ دیروی عفااللہ عنہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ　　فتویٰ نمبر:۱۵۹۷

﴿بعض کلمات اذان قبل از وقت ہو جائیں تو اعادہ کا حکم﴾

﴿سوال﴾ اگر اذان کے کچھ کلمات قبل از وقت کہے جائیں اور کچھ کلمات وقت میں تو اذان کا اعادہ کیا جائے یا نہیں؟　　مستفتی: رضوان اللہ حقانی

﴿جواب﴾ وقت سے پہلے اگر اذان دی گئی پوری ہو خواہ کچھ کلمات وقت سے پہلے مؤذن نے کہدئے ہوں تو وقت داخل ہونے کے بعد دوبارہ اذان دی جائے۔

لمافی الشامی: (۱/۳۸۵، طبع ایچ ایم سعید)

فیعادا ذان وقع بعضه قبله وقال الشامی تحت (قوله وقع بعضه) وکذاکله بالاولی ولو لم یذکر البعض لتوهم خروجه فتصدیذکره التعمیم لا التخصیص.

ولمافی النهر الفائق: (۱/۱۷۸، طبع قدیمی)

ولا یصح ان یؤذن قبل دخول وقت بل یکره کمافی فتح التدبرای کراهة تحریم وینبغی ان لا فرق بین ایقاع الکل قبله اوالبعض والباقی فی الوقت.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ　　واللہ اعلم بالصواب: حبیب الرحمٰن

۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ　　فتویٰ نمبر: ۲۱۸۰

﴿مسجد میں اذان دینا بلا کراہت جائز ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان مسجد سے باہر دینی چاہیئے یا مسجد کے اندر بھی دی جا سکتی ہے؟ مسجد سے باہر دینے کی صورت میں مسجد سے کتنی دور اذان دینے کی گنجائش ہے؟

﴿جواب﴾ اذان مسجد سے باہر دینے کا کوئی مستقل حکم نہیں ہے بعض فقہی کتب میں مسجد سے باہر دینے کو بہتر بتایا ہے تاکہ محلے والوں کو اذان کی آواز اچھی طرح پہنچ سکے، لہٰذا مسجد کے اندر ہوتے ہوئے اگر اذان کی آواز اچھی طرح پہنچ سکتی ہے تو مسجد کے اندر دینے میں کوئی کراہت نہیں ہے اور باہر دینے کی صورت میں اتنے فاصلے پر اذان دینے کی گنجائش ہے، جس سے سننے والوں کو بآسانی اندازہ ہوسکے کہ مؤذن فلاں مسجد میں جماعت کی دعوت دے رہا ہے، زیادہ دور فاصلے پر اذان کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جسکی گنجائش نہیں ہے۔

لمافی الهندية:(۱/۵۵،طبع رشيديه)

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد.

ولمافي الخانية على هامش الهندية:(۱/۸۷،طبع رشيديه)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد.

ولمافي اعلاء السنن:(۸/۸۷،طبع دار الكتب العلمية بيروت)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية، وعمومه هذا الاذان، بل مقيد بما اذا كان المقصود اعلام ناس غير حاضرين، كما في ردالمحتار، وفي "السراج"، وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران ......قلت والظاهر أن هذا في مؤذن الحي اما من اذن لنفسه أو لجماعة حاضرين فالظاهر أنه لا يسن له المكان العالي لعدم الحاجة، تأمل......لكن في الجلابي أنه يؤذن في المسجد أو ما في حكمه، لا في البعيد منه، قال الشيخ، فقوله، في المسجد، صريح في عدم كراهة الأذان في داخل المسجد وانما هو خلاف الأولى اذا مست الحاجة الى الاعلان البالغ، وهو المراد بالكراهة المنقولة في بعض الكتب، فافهم.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۹۴

﴿ کیا حضرت بلال شین کی جگہ سین پڑھتے تھے؟ ﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے بعض حضرات کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت بلال ؓ اذان میں اشھد کی جگہ اسھد یعنی شین کی جگہ سین پڑھتے تھے، یہ بات کس حد تک درست اور ثابت ہے؟ مستفتی: حافظ ضیاء اللہ دیروی

﴿جواب﴾ یہ بات اگرچہ عوام میں مشہور ہو چکی ہے کہ حضرت بلال ؓ اذان میں اشھد کی جگہ اسھد پڑھتے تھے لیکن علماء محققین نے اسکی تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ فصیح اللسان اور بہترین آواز والے صحابی ؓ تھے اور یہ بات جو ان کے متعلق مشہور ہو چکی ہے، اسکی کوئی اصل نہیں ہے۔

لمافي السعاية:(۲/۷،طبع سهيل اكيڈمی)

اشتهر على السنة العوام ان بلالا كان يبدل الشين المعجمة سينا مهملة وليس كذالك

قال المزنی علیٰ مانقله عنه البرهانی السفاقشی انه قداشتهر علی الالسنة ولم نره فی شیئ من الکتب وقال ابن کثیر لااصل له ولا یصح قال الحافظ السخاوی فی المقاصد الحسنة قداورده الموفق بن قدامة فی المغنی بقوله روی ان بلالاً کان یقول اسهدان لااله الاالله بالسین المهملة والمعتمد هوالاول ورجحه غیرواحد بان بلالاً کان ندی الصوت حسنه فصیحه وقال النبی ﷺ لعبدالله بن زیدالقه علیٰ بلال فانه اندیٰ صوتا منک ولوکانت فیه لثغة لتوفرت الدواعی علی نقلها ولعابها اهل النقص والضلال المجتهدین فی التنقص لاهل الاسلام.

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: خلیل اللہ دیروی عفا اللہ عنہ

۲۴ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر: ۱۵۹۶

﴿اذان کے دوران انگوٹھے چومنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان کے دوران جب مؤذن "اشهد أن محمد أرسول الله" پڑھے تو سننے والوں کے لئے اس وقت انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟ بعض لوگ شامی کا حوالہ دیتے ہیں۔ مستفتی: احسان اللہ صاحب سواتی

﴿جواب﴾ علامہ شامیؒ اپنے فتاویٰ شامیہ میں فقہاء کرام کے اقوال نقل کرنے کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں پھر عموماً آخر میں قول راجح کیطرف اشارہ بھی فرمادیتے ہیں، اس مسئلہ میں بھی بعض فقہاء کرام کے کتب سے حوالہ دیتے ہوئے انگوٹھے چومنے کا ذکر فرمایا ہے اسکو بھی بیان فرمایا چونکہ محدثین حضرات جیسے علامہ سیوطیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ موضوع ہے، اسکے متعلق کوئی حدیث نہیں، اس لئے آخر میں علامہ شامیؒ نے اس کی بھی تصریح فرمادی۔

بہرحال احادیث کے علاوہ خیر القرون میں اپنے سلف سے بھی اس کا کوئی واضح ثبوت ہمارے علم میں نہیں ہے جبکہ پاک وہند میں جاری اس عمل کو بعض لوگ وجوب کا درجہ دیتے ہیں، بلاشبہ یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ کے مترادف ہے، مؤذن کی شہادت رسالت کے موقع پر سننے والے کو آپ ﷺ نے کلمات شہادت دہرانے کی تعلیم فرمائی ہے، لہذا انہی کلمات کو دہرانے پر اکتفاء کرنا ہی اصل سنت ہے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کا اسم مبارک سننے کے موقع پر درود شریف پڑھنے کے بارے میں احادیث میں واضح حکم ہے، اس لئے درود شریف بھی کوئی

ساتھ ساتھ پڑھ لے تو بہتر ہے۔

لمافی سنن ابی داود:(۱/۸۸،طبع رحمانیه)

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا سمعتم النداء فقولوامثل مايقول المؤذن.قوله فقولوامثل مايقول المؤذن الافی الحیعلتین فانه يقول لاحول ولاقوة الابالله ولا فی قوله الصلاة خيرمن النوم فانه يقول صدقت وبررت وبالحق نطقت..... الخ.

ولمافی الشامی:(۱/۳۹۷-۳۹۸،،طبع سعید)

(قوله ان سمع المسنون منه)الظاهران المرادماكان مسنوناجميعه.....فلوكان بعض كلماته غيرعربی اوملحوناالاتجب عليه الاجابةفی الباقی لانه حينئذليس اذانامسنونا.....الخ.يستحب أن يقال عندسماع الاولی من الشهادةصلی الله عليک يارسول الله وعند الثانيةمنهاقرت عينی بک يارسول الله ثم يقول اللهم متعنی بالسمع والبصربعد وضع ظفری الابهامين علی العينين فانه عليه السلام يكون قائداله الی الجنة كذافی كنزالعباداه قهستانی.....وفی كتاب الفردوس من قبل ظفری ابهامه عندسماع أشهد ان محمدارسول الله فی الاذان أناقائده ومدخله فی صفوف الجنة.....وذكرذلك الجراحی وأطال ثم قال:ولم يصح فی المرفوع من كل هذاشی ء.

ولمافی تسيرالمقام للسيوطی:

الاحاديث التی رويت فی تقبيل الانامل وجعلهاعلی العينين عندسماع اسمه ﷺ عن المؤذن فی كلمةالشهادةكلهاموضوعات الخ.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ واللہ اعلم بالصواب:حبیب الوہاب سواتی عفااللہ عنہ

۹جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ فتویٰ نمبر:۱۵۱۸

﴿اذان مسجد سے کتنے فاصلے پر دینا درست ہے؟﴾

﴿سوال﴾ مسجد سے کتنے فاصلے پراذان دینا درست ہے؟ مستفتی:محمد عظیم عبدل خیل

﴿جواب﴾ بعض فقہاء کرام نے مسجد سے باہراذان دینے کواولی بتایا ہے یعنی مسجد سے باہریااذان خانہ میں دی جائے مسجد سے باہر کتنا قریب یادوراذان دینا مناسب ہے اس کے بارے میں کوئی صریح جزئیہ ہمیں نہیں ملا،البتہ یہ تو ہرایک کومعلوم ہے کہ اذان کا مقصدلوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے اور یہ مقصدتب حاصل ہوسکتا ہے کہ اذان سننے والوں کوکسی سے پوچھے بغیراندازہ ہوسکے کہ مؤذن کس مسجد یاجگہ میں جماعت کی دعوت دے رہا ہے۔

لمافی قوله تعالی:(سورة الجمعة،آیت۹)

یایها الذین آمنوا اذا نودی... الآیة.

ولمافی روح المعانی:(۲۸/ ۲۰۷،طبع رشیدیه)

حتی اذا کان عثمانؓ وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فأمر بالتاذین الأول على داره التی تسمی زوراء فاذا الخ.

ولمافی بدائع الصنائع:(۱/ ۱۵۲،طبع سعید)

فلما کانت خلافة عثمانؓ وکثر الناس أمر عثمانؓ بالاذان الثانی علی الزوراء وهی المنارة وقیل اسم موضع بالمدینة.

ولمافی وفاء الوفاء:(۲/ ۵۳۶،طبع دار احیاء التراث العربی)

وحدذلک... مابین المسجد الی خاتم الزوراء عند دار العباسؓ ابن عبدالمطلب بالسوق ..... الخ وکذافی الشامی:(۱/ ۳۹۵،طبع سعید)

ولمافی الهندیة:(۱/ ۵۵،طبع رشیدیه)

وینبغی أن یؤذن علی المأذنة أوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد احمد عفااللہ عنہ

۴صفر المظفر ۱۴۲۹ھ — فتویٰ نمبر:۱۱۶۳

﴿مسجد میں کوئی نہ آئے تو تب بھی اذان اور اقامت کہہ نماز پڑھنی چاہیئے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام صاحب مسجد میں آجائیں اور نمازی کوئی بھی نہ ہو تو کیا اقامت کہہ کر اپنی نماز پڑھے گا یا اقامت کی ضرورت نہیں؟ یہاں ایک بندہ نے بتایا کہ اس صورت میں اقامت کہنا ضروری ہے؟

﴿جواب﴾ صورت مسئولہ میں اگر مسجد میں کوئی حاضر نہ ہو تو سنت کے درجہ میں اذان اور اقامت کہنا ضروری ہے، لہٰذا امام کو چاہیے کہ اذان کے بعد انتظار کرلیں کوئی نہ آئے تو اقامت کہہ کر اپنی نماز پڑھ لے۔

لمافی مصنف ابن ابی شیبة:(۱/ ۲۲۸،طبع امدادیه)

عن عطاء ان رجلا قال له اذا کنت وحدی أؤذن وأقیم قال:نعم.

ولمافی الشامی:(۱/ ۵۵۵،طبع سعید)

قلت لکن فی الخانیه وان لم یکن لمسجد منزله موذن فانه یذهب الیه ویوذن فیه

ويصلي وان كان واحدا لان لمسجد منزله حقا عليه فيودي حقه، موذن مسجد لا يحضر مسجده احد قالوا هو يؤذن ويقيم ويصلي وحده وذالك احب من ان يصلي في مسجد آخر. وكذا في الخانية:(۱/۶۵، طبع قديمی)

ولما في البزازية:(۱/۲۵، طبع قديمی)

اذا لم يكن في المسجد الا الموذن فالافضل ان يصلي باذان واقامة وحده في مسجده وهذا احب من ان يصلي في مسجد آخر بالجماعة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عبد الوہاب لغمانی عفا اللہ عنہ

۷ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — فتویٰ نمبر: ۲۷۱۳

﴿اقامت میں ’’حیعلتین‘‘ پر منہ دائیں بائیں پھیرنے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے کہ اقامت کے اندر "حی علی الصلوٰۃ اور "حی علی الفلاح" کہتے ہوئے دائیں بائیں منہ پھیرنا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾ اذان کی طرح اقامت میں بھی ’’حیعلتین‘‘ پر منہ دائیں بائیں پھیرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو بھی اقامت ہو جائے گی۔

لما في الشامي:(۱/۳۸۷، طبع سعيد)

(ويلتفت فيه) وكذا فيها مطلقاً(يميناً ويساراً)(قوله وكذا فيها مطلقاً) اى في الاقامة.

الجواب صحیح: عبد الرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: محمد کاشف عزیز غفرلہ

۲۶ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ — فتویٰ نمبر: ۲۳۹۹

﴿وضوء کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص وضوء کر رہا ہو اور اسی دوران اذان شروع ہو جائے تو کیا یہ شخص وضوء کے مسنون دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے؟

مستفتی: حافظ ابوبکر شیرین جناح

﴿جواب﴾ اذان کے جواب کیلئے مناسب یہ ہے کہ اسکا جواب دیتے ہوئے انسان کسی بھی عمل میں مشغول نہ ہو بلکہ تمام اعمال کو مؤخر کر کے اجابت کی طرف متوجہ ہو اور ترتیب سے

اذان کا جواب دیتا رہے، تاہم وضوء کو جاری رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ اذان کا جواب بھی دیتا رہے تو بھی جواب دینے کا اجر ملیگا، البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ پورے اہتمام سے جواب دیتا رہے درمیان میں وضوء کے مسنون دعاء وغیرہ کیوجہ سے کلمات اذان میں فصل واقع نہ ہو۔

لما فی ردالمحتار: (۱/۳۹۹، طبع ایچ ایم سعید)

وينبغي للسامع ان لايتكلم ولا يشتغل بشئ في حالة الاذان والاقامة ولا يرد السلام ايضا، لان الكل يخل بالنظم.

ولما فی بدائع الصنائع: (۱/۱۵۵، طبع ایچ ایم سعید)

ولا ينبغي ان يتكلم السامع في حال الاذان والاقامة ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشئ من الاعمال سوى الاجابة ولو كان في القراءة ينبغي ان يقطع ويشتغل بالاستماع والاجابة كذا في البدائع ومثله في الفتاوى الهندية: (۱/۵۷، طبع رشيديه)

الجواب صحیح: عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب: عقیل احمد حقانی عفی عنہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر: ۲۵۹۸

﴿زبان سے اذان کا جواب دینا عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کوئی عورت گھر میں تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو اور اس دوران اذان ہو جائے تو کیا وہ عورت تلاوت جاری رکھے یا اسے روک کر اذان کا جواب دے، کیا اذان کا جواب دینے کا حکم مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے؟

مستفتیہ: سائلہ بلال کالونی کورنگی

﴿جواب﴾ زبان سے اذان کا جواب دینا جس طرح مردوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے اور اذان کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب بھی اذان کی آواز سنے تو تمام اعمال چھوڑ کر اذان کی طرف متوجہ ہو کر اسی کا جواب دیتا رہے، لہٰذا اس عورت کو چاہیئے کہ دوران اذان تلاوت کلام پاک روک لیا کرے اور جواب اذان سے فارغ ہو کر کلام پاک کی تلاوت دوبارہ شروع کرے۔

لما فی کنز العمال: (۷/۲۸۷، رقم الحديث: ۲۱۰۰۵، طبع رحمانيه)

يا معشر النساء اذا سمعتن هذا الحبشي يؤذن ويقيم فقلن كما يقول فان الله يكتب لكن

بكل كلمة مائة الف حسنة ويرفع لكن الف درجة ويحط عنكن الف سيئة قلن:هذه للنساء فما للرجال؟قال للرجال ضعفان(ابن عساكروابن صصرى فى اماليه عن معمرعن الجراح عن ميسرة عن بعض اخوانه يرفع الحديث.

ولمافى الشامى:(٦/٣٩٦ طبع امداديه)

(ويجب)وجوبا وقال الحلوانى ندبا والواجب الاجابة بالقدم(من سمع الاذان) ولوجنبا لاحائضا ونفساء وسامع خطبة وفى صلاة جنازة......الخ.

ولمافى التنوير مع الدر:(٦/٣٩٨-٣٩٩ طبع امداديه)

(قوله لابلسانه)اى لان الاجابة به مندوبة على هذا القول كمامر(قوله فيقطع قرأة القرآن)الظاهران المرادالمسارعة للاجابة وعدم القعود لاجل القراءة لاخلال القعود بالسعى الواجب والافلامانع من القراءة ماشيا الاان يراد يقطعها ندبا للاجابة باللسان ايضا......وبه تأيدماصرح به جماعة من اصحابنامن عدم وجوب الاجابة باللسان وانها مستحبة : وهذا ظاهرفى ترجيح قول الحلوانى وعليه مشى فى الخانية والفيض ويدل عليه قوله ﷺ "اذاسمعت النداء فاجب داعى الله"(قوله لايرد السلام)......قال فى المعراج و فى التحفة:وينبغى للسامع ان لايتكلم ولايشتغل بشىء فى حالة الاذان والاقامة ولايرد السلام ايضا لان الكل يخل بالنظم.

الجواب صحیح :عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ　　　واللہ اعلم بالصواب:نعیم اقبال عفااللہ عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　　　فتوی نمبر:۲۶۶۹

﴿ضرورت ہوتو امام بھی اقامت کہہ سکتا ہے﴾

﴿سوال﴾ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلہ کی مسجد میں مؤذن مقرر نہیں ہے اکثر اوقات امام صاحب خود اذان بھی دیتے ہیں اور امامت بھی کراتے ہیں تو اس صورت میں اقامت بھی خود کہے یا دوسرے کو اجازت دے تا کہ وہ اقامت کہے مؤذن کی اجازت کے بغیر کوئی اقامت کہے تو کراہت ہوگی یا نہیں؟　　　مستفتی:خلیل الرحمٰن

﴿جواب﴾ بہتر یہ ہے کہ جو آدمی آذان کہے وہی اقامت کہے لیکن اگر مؤذن مقرر نہ ہو یا موجود نہ ہو تو دوسرا آدمی بھی اجازت کے ساتھ اقامت کہہ سکتا ہے،امام اور مؤذن اگر کسی کی اقامت پر راضی نہ ہوں تو اسکا اقامت کہنا مکروہ ہوگا اگر امام صاحب نے اذان کہی ہو تو خود بھی

اقامت کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی اجازت دے سکتے ہیں، امام صاحب مصلیٰ پر جانے کے بعد خود اقامت شروع نہ کرے تو کوئی بھی اقامت کرے اسلئے کہ یہ دلالۃ اجازت ہے۔

لمافی التنویر مع الدر:(۱/۳۹۵-۳۹۶،طبع سعید)

(اقامة غير من أذن بغيبته)اى المؤذن (لايكره مطلقا)وان بحضوره كره ان لحقه وحشة اى بان لم يرض به لكن فى الخلاصة ان لم يرض به يكره.

وفى الشامية:ولكن الافضل ان يكون المؤذن هو المقيم اى لحديث من أذن فهو يقيم.

ولمافى الهندية:(۱/۵۴،طبع رشيديه)

وان اذن رجل واقام آخران غاب الاول جازمن غير كراهة وان كان حاضراويلحقه الوحشة باقامة غيره يكره وان رضى به لايكره عندنا كذافى المحيط......والاحسن ان يكون امامافى الصلاة كذافى معراج الدرايه.والافضل ان يكون المؤذن هو المقيم.

ولمافى حاشية الطحطاوى:(ص۲۰۰،طبع قديمى)

اذاكان المقيم غيرالامام اتمهافى موضع البداءة وان كان امامافعن ابى يوسف يتمهافى موضعه رخيره النتهه مطلقاوجزم به فى الخلاصة وصحح ماروى عن ابى يوسف.

الجواب صحیح:عبدالرحمٰن عفااللہ عنہ — واللہ اعلم بالصواب:احمد علی عفی عنہ

۲۸ربیع الاول ۱۴۳۱ھ — فتوی نمبر:۲۵۵۲